الکتاب

آیات بیّنات

جاء عیسیٰ بالبیّنات

حصہ دوم

فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً فَقَدۡ جَاۤءَ اَشۡرَاطُهَا

احمد عیسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخاتم النبیّن

قتل الدجّال بباب لد

فتنہ الدجّال

رسول الله ﷺ قال: ما من نبی الا قد حذر أمته یعنی منه و انی احذرکموه. طبرانی

رسول اللہ ﷺ نے کہا: نہیں نبیوں میں سے کوئی ایک بھی نبی مگر تحقیق ڈرایا اس نے اپنی امت کو سامنے موجود خطرے سے یعنی الدجّال سے اور میں بھی تمہیں بالکل اسی طرح اس موجود فتنہ الدجّال سے ڈرا رہا ہوں۔

رسول الله ﷺ قال: ما بعث الله من نبی الا أنذر أمته الدجال. بخاری

رسول اللہ ﷺ نے کہا: نہیں بعث کیا اللہ نے کوئی ایک بھی نبی مگر اس نے اپنی امت کو ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے ردِعمل میں آنے والی تباہی سے متنبہ کر دیا مخصوص دجّال سے متنبہ کر دیا۔

محمد علیہ السلام نے کہا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی امت کو الدجّال سے نہ ڈرایا ہو یعنی کہ تمام کے تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو جس سے ڈرایا جس سے متنبہ کیا وہ الدجّال ہے۔

روایات میں دو الفاظ آئے ہیں ایک "نذر" اور دوسرا لفظ "حذر" آیا ہے۔ نذر کہتے ہیں ممکنہ خطرے سے جو سر پر آ چکا ہو اس سے متنبہ کرنے کو یعنی اگر آپ کوئی ایسا کام کر رہے ہوں جس سے آپ کی جان یا مال کو ممکنہ خطرہ لاحق ہو یعنی اگر آپ وہ کام کرتے رہیں تو ضرور آپ کو جان و مال کا نقصان ہوگا ایسی صورت میں آپ کو پہلے ہی اس خطرے سے آگاہ کر دیا جائے کہ آپ وہ کام کرنا چھوڑ دیں ورنہ آپ کو جان و مال کا نقصان ہوگا۔ روایات کی اکثریت میں یہی لفظ آیا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ الدجّال انسانوں کے اپنے کرتوتوں سے ہی خلق ہونے والی اشیاء کا نام ہے کہ انسان ان اشیاء کے دجل کا شکار ہو کر دنیا میں ہی مگن ہو کر نہ صرف آخرت کو بھول جائیں گے بلکہ زمین میں تمام مخلوقات کی تباہی کا بھی باعث بنیں گے۔

اور حذر کہتے ہیں ایسے خطرے سے ڈر کو جو سامنے موجود ہو اور اس کے برعکس خوف کہتے ہیں پوشیدہ خطرے سے لاحق ہونے والے ڈر کو جو ابھی سامنے نہیں بلکہ مستقبل میں لاحق ہو سکتا ہے۔ روایات میں یہ نکتہ بہت ہی قابل غور ہے اور اسے آپ پر قرآن ہی سے بالکل کھول کر واضح کرتے ہیں۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ . البقرة ۱۹

یا جیسے گہرے بادلوں کا طوفان آئے آسمان سے اس میں ہوں اندھیرے اور زوردار گرج اور چمکتی بجلی، کر لیتے ہیں اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں اس کڑک سے موت کے ڈر سے۔

اس آیت میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ حذر کہتے ہیں ایسے ڈر کو جو خطرہ آنکھوں کے سامنے ہو جیسے آپ کے سامنے سانپ آ جائے تو اس سے پیدا ہونے والا ڈر عربی میں حذر کہلائے گا۔

یعنی تمام انبیاء نے جب اپنی قوموں کو الدجّال سے ڈرایا تو اُس وقت الدجّال ان کے سامنے موجود تھا، اُس وقت الدجّال موجود تھا اور پھر جب وہ نہیں ڈرے تو ان کا جو انجام ہوا وہ بھی الدجّال ہی کے سبب ہوا۔

ہم اس کو قرآن سے آپ پر واضح کریں گے یعنی قرآن سے اس سوال کا جواب آپ پر واضح کریں گے کہ وہ کون سی ایسی شئے ہے یا وہ کیا تھا جس سے تمام کے تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو ڈرایا۔ پھر جو قومیں تو ڈر گئیں اور اس پر ایمان لانے کی بجائے اللہ کو اپنا ربّ بنایا تو وہ بچ گئیں اور جنہوں نے توبہ نہ کی اور اپنی اسی روش پر قائم رہتے ہوئے الدجّال کو اپنا ربّ بنائے رکھا تو ان کا انجام کیا ہوا۔

جب ان سوالات کے جوابات قرآن سے آپ پر واضح کریں گے تو آپ پر نہ صرف الدجّال کی حقیقت کھل کر واضح ہو جائے گی بلکہ اس سوال کا جواب بھی مل

جائے گا کہ جس کو محمد علیہ السلام نے الدجّال کہا آیا اس کا ذکر قرآن میں ہے یا نہیں؟ اگر اس کا ذکر قرآن میں کیا گیا تو کن الفاظ میں کیا گیا۔

اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ۔ النساء ۱۶۳

اس میں کچھ شک نہیں ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے وحی کی جتنے بھی نوح تھے ان کی طرف اور جتنے بھی نبی اس کے بعد ہوئے ان کی طرف۔

بالکل یہی بات محمد علیہ السلام نے کی، کئی روایات میں محمد علیہ السلام کے الفاظ موجود ہیں محمد علیہ السلام نے کہا کہ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی امت کو الدجّال سے نہ ڈرایا ہو یعنی یوں سمجھئے کہ قرآن کی یہ آیت اور محمد علیہ السلام کے یہ الفاظ ایک ہی ہیں۔ ان کا پس منظر، ان کا بیان ایک ہی ہے ایک ہی بات ہے جو اللہ کے رسول اور قرآن کے الفاظ میں مل رہی ہے۔

محمد علیہ السلام کی طرف کیا وحی کیا اور نوح اور ان کے بعد جتنے بھی نبی تھے ان کی طرف کیا وحی کیا اللہ نے؟ اس وحی کو سمجھنے کے لیے لازم ہے کہ کسی بھی ایک نبی کی طرف کی گئی وحی کے بارے میں جان لیں تب آپ پر واضح ہو جائے گا کہ تمام کے تمام انبیاء کی طرف یہی وحی کی گئی۔ دیکھیں آج اللہ اپنے بھیجے ہوئے رسول کی طرف جو وحی کیا جا رہا ہے اس کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے پھر اس وحی کا موازنہ باقی انبیاء کیساتھ کریں گے تا کہ آپ وہ مشترک شئے جان سکیں جس کے بارے میں تمام کے تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو ڈرایا۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا ؕ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡہَا نَذِیۡرٌ۔ فاطر ۲۴

اس میں کچھ شک نہیں بھیجا ہم نے تجھے حق کیساتھ بشارت دینے والا اور متنبہ کرنے والا، اور نہیں اُمتوں میں سے کوئی بھی مگر ان میں متنبہ کرنے والا گزر چکا۔

وَاِنۡ یُّکَذِّبُوۡکَ فَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۚ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالۡکِتٰبِ الۡمُنِیۡرِ۔ فاطر ۲۵

اور اگر کذب کر رہے ہیں تیرا یعنی تُو جو دعوت دے رہا ہے تُو انہیں جس سے متنبہ کر رہا ہے اگر یہ متنبہ ہونے کی بجائے تیری دعوت کا انکار کرتے ہوئے وہی کریں گے جو کر رہے ہیں تو پس تحقیق کذب کیا جا چکا ان لوگوں نے کذب کیا جو ان سے پہلے تھے یعنی جیسے آج تُو ان کو ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے رد اعمال کی صورت میں آنے والی ہلاکت سے متنبہ کر رہا ہے عذاب عظیم سے متنبہ کر رہا ہے جو ان کے اپنے ہی ہاتھوں کے سبب ان کے سر پر آ چکا ہے بالکل ایسے ہی ہر امت میں رسول بھیجا گیا جس نے بالکل ایسے ہی متنبہ کیا اور جیسے تیرا کذب کیا جا رہا ہے جو تیرے ساتھ کیا جا رہا ہے بالکل یہی ان سے پہلے والوں نے ہر رسول کیساتھ کیا اور پھر ان کا انجام کیا ہوا؟ بالکل وہی انجام آج ان کا ہونے ہی والا ہے، آئے ان میں انہی سے رسول البیّنات کیساتھ یعنی ان میں انہی سے رسول آئے انہوں نے سب کچھ کھول کھول کر رکھ دیا انسان کیا کیا اعمال کر رہے ہیں سب کا سب کھول کھول کر رکھ دیا اور زبر کیساتھ اور ہر لحاظ سے روشن کر دینے والی کتاب کیساتھ۔

یعنی اگر آج یہ تیرا کذب کر رہے ہیں تو یہ کوئی پہلی بار نہیں ہو رہا یہ کوئی نیا کام نہیں ہو رہا بلکہ اس سے پہلے بھی ہر بار ہمارے رسولوں کا کذب کیا جا چکا تو پھر ان کذب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟ آج اگر یہ بھی کذب کر رہے ہیں تو پھر ان کیساتھ بھی بالکل وہی ہونے والا ہے ان کا انجام بھی بالکل وہی ہونے والا ہے جو کہ اِن کے سر پر آ کھڑا ہے۔ اُن میں بھی انہی میں رسول آئے البیّنات کیساتھ یعنی جیسے آج اِن کا کہنا ہے کہ رسول آسمانوں سے اترے گا اور وہ معجزات کیساتھ آئے گا لیکن آج جب اللہ نے اپنا رسول بھیجا تو اِن کی خواہشات کے برعکس انہی میں سے بھیجا اور معجزات کے ساتھ نہیں بلکہ البیّنات کیساتھ بھیجا جس وجہ سے یہ کذب کر رہے ہیں ایسے ہی جب اُن میں جو اِن سے پہلے تھے انہی سے رسول آئے البیّنات کیساتھ تو اُنہوں نے بھی کذاب کیا اور پھر جو انجام اُن کا ہوا بلکہ وہی انجام آج اِن کا بھی ہونے والا ہے جو کہ ان کے بالکل سر پر آ کھڑا ہے۔

ثُمَّ اَخَذۡتُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ۔ فاطر ۲۶

پھر پکڑا انہیں جنہوں نے کفر کیا بالکل ویسے ہی آج اِن کو پکڑا جانے والا ہے جو کفر کر رہے ہیں یعنی ہمارے بھیجے ہوئے کی دعوت کو تسلیم کرنے کی بجائے اس کا کذب کر رہے ہیں پس کیسا تھا اُن کا تکذیب کرنے کا انجام جو بھی تمہارا ہونے جا رہا ہے۔

یہ آیات ایسی ہیں جو ہر رسول میں مشترک ہیں وہ کون سی شئے ہے جس سے تمام کے تمام انبیاء ڈراتے رہے اس کی وضاحت آگے آئے گی اور پھر ان کی

تکذیب کی جاتی رہی یعنی ان کے ڈرانے ان کے متنبہ کرنے کو کوئی اہمیت نہ دی گئی اور ان کا انجام کیا ہوا؟ سورۃ فاطر کی آیت ۲۶ میں اللہ نے اس کی بھی وضاحت کردی کہ انہیں صفحہ ہستی سے مٹادیا گیا۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ. الانبیاء ۲۵

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے قبل رسولوں میں سے کوئی بھی رسول مگر ہم نے وحی کیا اس کی طرف کہ بیشک نہیں کوئی بھی ایسی ذات جس کی غلامی کی جائے جس کی بات مانی جائے مگر میں پس کس کس کی غلامی کر رہے ہو؟ یعنی جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا وہ مال ہو، اولاد ہو، کوئی عہدہ یا مرتبہ ہو، قوت و اختیار ہو، کچھ کرنے کی صلاحیتیں ہوں یا پھر ذہانت وغیرہ ہو کچھ بھی ہو جو بھی تمہیں دیا گیا کس کے لیے استعمال کر رہے ہو؟ کس کے پیچھے ان سب کا استعمال کر رہے ہو؟ پس میری غلامی کرو یعنی جو کچھ بھی تمہیں دیا اس کا استعمال میرے لیے ہی کرو۔

کیوں اللہ نے ہر رسول کی طرف یہی وحی کی کہ کوئی بھی ایسی ذات نہیں جس کی غلامی کی جائے مگر اللہ۔ تو اس کا جواب اللہ نے اسی سورت میں اسی آیت سے پہلے ہی دے دیا یعنی پہلے وہ وجہ کھول کر بیان کردی اس کے بعد یہ حکم دیا۔

لَوۡ کَانَ فِیۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ. الانبیاء ۲۲

یہ قانون میں کردیا گیا اللہ کے قانون میں یہ طے شدہ ہے یہ ہو چکا کہ اگر آسمانوں اور زمین میں ہوں گے الٰہ یعنی کسی کی غلامی کی جائے گی جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ان میں سے کسی کا بھی استعمال ان کے پیچھے ان کے کہے ہوئے کے مطابق کیا جائے گا اللہ کے علاوہ تو فساد ہو گیا یعنی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے سب کا سب درہم برہم ہو گیا سب کے سب میں خرابیاں ہو گئیں سب کے سب میں بگاڑ ہو گیا ان میں نقائص وعیوب ہو گئے جن کی وجہ سے آسمانوں اور زمین میں تباہیوں وہلاکتوں نے ہر طرف سے گھیر لیا، پس پاک ہے اللہ، اللہ ربّ ہے یعنی اسی ذات سے تمہیں اور جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو وجود دیا اور ہر ایک کی ضروریات کو خلق کر کے فراہم کر رہا ہے آسمانوں وزمین کا نظام چلانے کا اہل اور اس کا حق دار صرف اور صرف اللہ ہے یہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو آسمانوں اور زمین کے نظام چلانے میں مداخلت کر رہے ہو ہر مخلوق میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہو اللہ اس سے پاک ہے اس نے تمہیں اس کا کہیں حکم نہیں دیا۔

یعنی جو تم اللہ کے علاوہ اوروں کی غلامی کر رہے ہو اوروں کی بات مانتے ہوئے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی اللہ کی ہدایات کے خلاف کر رہے ہو، مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہو وہ اس سے پاک ہے کیونکہ جب تم اس کے علاوہ اوروں کی غلامی کرتے ہو تو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں تو اس کا حکم اللہ نے تمہیں نہیں دیا اس لیے اللہ سبحان ہے۔ اسی نے ان سب کو خلق کیا اس لیے صرف اور صرف اسی کو ہی علم ہے کہ یہ نظام کیسے ٹھیک چلے گا اسی کو تمام مخلوقات کی ضروریات کا علم ہے اس لیے وہی عرش کا ربّ یعنی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کا نظام چلانے کے لیے قانون بنانے اور سب کو حکم دینے کا حق بھی صرف اور صرف اسی کو ہے۔

اللہ کے علاوہ اور الٰہ ہوتے تو کیوں فساد ہو جاتا؟

اس لیے کیونکہ اللہ نے سب کچھ حق کیساتھ خلق کیا ہے آیات آگے آئیں گی لیکن اس کی تفصیل کے ساتھ وضاحت پیچھے گزر چکی ہے۔ یہ واضح کرنے کے بعد اسی لیے اللہ نے ہر قوم کو اس کے رسولوں ونبیوں کے ذریعے یہی حکم دیا کہ صرف اور صرف اللہ کی غلامی کرو ورنہ فساد ہو گا یعنی آسمانوں اور زمین میں سب کچھ خراب ہو جائے گا ان میں خرابیاں ہوں گی جس سے تباہیاں آئیں گی لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کی اور بدترین انجام سے دوچار ہوئے۔ تکذیب کی وجوہات کیا تھیں اور فساد کیسے ہوتا ہے یعنی کہ اللہ کی مخلوقات میں فساد ان میں چھیڑ چھاڑ سے ہوتا ہے اور چھیڑ چھاڑ اسی طرح سے ہو سکتی ہے جیسے اللہ نے قانون بنا دیا۔ تو پھر اگر اللہ کی مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ کرنی ہے تو وہ ذرائع حاصل کرنا لازم ہو جاتے ہیں جن سے اللہ کی مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ کی جا سکے یعنی ٹیکنالوجی اور اسی سے تمام انبیاء نے ڈرایا اپنی قوم کو متنبہ کیا۔

اللہ نے کیوں صرف اور صرف اپنی غلامی کا حکم دیا اور کیسے اللہ کے علاوہ یا اللہ کی ہدایات کے خلاف عمل کرنے سے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے سب کے سب میں فساد ہوتا ہے اس کا جواب قرآن درج ذیل آیات کی صورت میں دیتا ہے۔ یہی وہ دعوت تھی جو تمام کے تمام رسولوں نے اپنی قوموں کو دی

اور جس سے متنبہ کیا اور اس متنبہ کرنے کا نتیجہ کیا نکلا یہاں سے اس کی تفصیل کے ساتھ وضاحت شروع ہوتی۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۔ الانعام ۷۳

اور جو موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا تو جو وجود سامنے آئے گا یہی وجود ہی وہ ذات ہے آسمانوں اور زمین کی خلق اگر حق کیساتھ ہے تو وہی ذات ہے ورنہ جو حق کیساتھ نہیں وہ اس کا شریک ہونے کی دعویدار ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۔ ابراهیم ۱۹

کیا نہیں دیکھا کہ اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا آسمانوں اور زمین کی خلق بالحق ہے تو اللہ ہے ورنہ اللہ نہیں بلکہ اس کا شریک دوسرا وجود ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۔ الحجر ۸۵

اور نہیں خلق کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے مگر حق کیساتھ۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۔ النحل ۳

خلق کیا آسمانوں اور زمین کو حق کیساتھ۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ۔ العنکبوت ۴۴

خلق کیا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کیساتھ، آسمانوں اور زمین کی خلق بالحق ہے یعنی حق کیساتھ ہے تو اللہ ہے اگر بالحق نہیں تو اللہ نہیں بلکہ اس کا شریک۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَابَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ الروم ۸

نہیں خلق کیا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو بھی ان کے درمیان ہے مگر حق کیساتھ۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۔ الزمر ۵

خلق کیا آسمانوں اور زمین کو حق کیساتھ۔

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۔ الدخان ۳۹

نہیں خلق کیا ہم نے انہیں یعنی آسمانوں اور زمین کو مگر حق کیساتھ۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۔الجاثیه ۲۲

اور خلق کیا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کیساتھ۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۔ الاحقاف ۳

نہیں خلق کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو بھی ان کے درمیان ہے مگر حق کیساتھ۔

ان آیات کی تفصیل پیچھے گزر چکی۔ حق کیساتھ خلق کرنے کا مطلب ہے کہ اللہ نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے سب کو ان کے مقام پر رکھ کر اس مقصد کو پورا کرنے پر لگا دیا جس کے لیے انہیں خلق کیا گیا۔ جب تک تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اس مقصد کو پورا کرتی رہیں گی تب تک آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب ٹھیک رہے گا لیکن اگر کسی بھی مخلوق نے کوئی کمی کوتاہی کی تو نظام بگڑ جائے گا جس سے خرابیاں اور تباہیاں آئیں گی۔ اللہ کی پوری کائنات کی مثال ایک گاڑی یا اس کے انجن کی طرح ہے جیسے ہر پرزہ اپنا کام کرے گا تو اس سے متعلقہ دوسرا پرزہ کام کر پائے گا اور پورا انجن ٹھیک رہے گا بالکل ایسے ہی اللہ کی پوری کائنات اور اس میں تمام مخلوقات کی مثال ہے۔ تمام کی تمام مخلوقات اللہ کی غلام ہیں سب نے خود کو اللہ کے حوالے کیا ہوا ہے سوائے جن وانس یعنی انسان کے۔ انسان کو اللہ نے اختیار دیا ہوا ہے اس لیے اگر کوئی خرابی، نقص یا تباہی آئے گی تو انسان ہی کی وجہ سے آئے گی اس لیے اس کی ذمہ داری صرف اور صرف انسان پر ہی عائد ہوگی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ الانبیاء ۲۵

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے قبل رسولوں میں سے کوئی بھی رسول مگر ہم نے وحی کیا اس کی طرف کہ بیشک نہیں کوئی بھی ایسی ذات جس کی غلامی کی جائے جس کی

بات مانی جائے مگر میں، پس کس کس کی غلامی کر رہے ہو؟ یعنی جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا وہ مال ہو، اولاد ہو، کوئی عہدہ یا مرتبہ ہو، قوت واختیار ہو، کچھ کرنے کی صلاحیتیں ہوں یا پھر ذہانت وغیرہ ہو کچھ بھی ہو جو بھی تمہیں دیا گیا کس کے لیے استعمال کر رہے ہو؟ کس کے پیچھے ان سب کا استعمال کر رہے ہو؟ پس میری غلامی کرو یعنی جو کچھ بھی تمہیں دیا اس کا استعمال میرے لیے ہی کرو۔

رسول صرف اس موقع پر بھیجا جاتا ہے جب یا تو انسان ہدایت پا کر دنیا و آخرت میں فلاح پا جاتا ہے یا پھر اس پر اتمام حجت ہو کر دنیا و آخرت میں اس پر اللہ کا عذاب حلال ہو جاتا ہے خواہ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر۔

جہاں اللہ نے رسول بھیجنے کا ذکر کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ فساد انتہاء کو پہنچ چکا اب اتمام حجت کے لیے آخری تنبیہ کی جا رہی ہے اگر رسول کی تکذیب کر دی یعنی جو دعوت رسول لیکر آیا اگر اسے تسلیم نہ کیا گیا بلکہ الٹا اس کا کذب کیا تو انجام وہی ہوگا جو ان کا ہوا جو اس سے قبل رسولوں کی تکذیب کر چکے یعنی قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم مدین، قوم لوط اور آل فرعون وغیرہ۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا. البقرة ۱۱۹

اس میں کچھ شک نہیں بھیجا تم کو ہم نے حق کیساتھ بشارت دینے کے لیے اور ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے رد اعمال کی صورت میں انتہائی بھیانک تباہی وہلاکت سے متنبہ کرنے کے لیے۔

یہاں تم سے مراد آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام تھے لیکن آج محمد علیہ السلام کا ذکر نہیں بلکہ آج اس رسول کا ذکر ہے وہ مخاطب ہے جسے اس امت اس قوم کے آخرین میں عذاب عظیم القارعہ سے عین قبل بعث ہونا تھا جس نے القارعہ اور الساعت سے متنبہ کرنا تھا۔ اگر مجھ تک اللہ کا پیغام کسی کے ذریعے آتا ہے تو یہاں میرے نزدیک وہ شخصیت ہوگی اور اگر مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی اور میں نے اپنی ذمہ داری کو پہچان لیا تو یہاں اللہ مجھ سے مخاطب ہے کہ تمہیں بھیجا ہے حق کیساتھ یعنی آج جو وقت آچکا ہے وہ ایسا وقت ہے کہ انسانوں کے اپنے ہاتھوں سے کیے ہوئے مفسد اعمال کے سبب زمین ایک عظیم تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے تو ان لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب آنے والی تباہی سے متنبہ کرا گر یہ تیری اس دعوت کو تسلیم کر کے خود کو اللہ کے آگے سلم یعنی سرنڈر کر دیں گے تو ان کو دنیا و آخرت میں کامیابی کی بشارت دے دو ورنہ ایک عظیم عذاب دنیا میں جو کہ ان کے اپنے اعمال کے سبب آیا ہی چاہتا ہے اور آخرت میں اس سے بھی سخت عذاب کی بشارت دے دو۔

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ . الحج ۴۹

کہو انہیں اے لوگو اس میں کچھ شک نہیں میں تم کو تمہارے ان مفسد اعمال کے سبب جو مفسد اعمال تم اس وقت کر رہے ہو ان کے رد عمل میں ایک عظیم تباہی سے ہر لحاظ سے کھول کھول کر متنبہ کرنے والا ہوں۔

پیچھے تفاصیل کیساتھ گزر چکا کہ اللہ نے تمام کی تمام مخلوقات کو کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا ہے اور جس جس مقصد کے لیے خلق کیا اسے پورا کرنے کے لیے ہر ایک کو اس کے مقام پر رکھ دیا اس کی لائن پر لگا دیا جس سے اللہ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے میں ہر سطح پر میزان قائم کر دیا یعنی بہترین اور پیچیدہ ترین توازن قائم کر دیا۔ جب تک تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کریں گی تب تک وہ میزان یعنی توازن قائم رہے گا اور کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں ہوگی لیکن جیسے ہی کسی مخلوق نے اپنی ذمہ داری ترک کی تو فساد ہوگا اور اس سے میزان میں خسارہ ہوگا جس کا نتیجہ تباہی کی صورت میں نکلے گا۔ اللہ کا قائم کیا ہوا میزان صرف اور صرف اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ صرف اور صرف اللہ کی غلامی کی جائے ورنہ فساد ہوگا اور تباہی آئے گی۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اللہ کی آیات ہیں اللہ کی آیات کا کفر نہیں کرنا جیسا کہ آج کیا جا رہا ہے اور دنیا آخری اور بڑی تباہی کے دہانے پر آچکی ہے اس لیے میں تمہیں ہر لحاظ سے کھول کھول کر متنبہ کر رہا ہوں یعنی جو بھی اعمال تم کر رہے ہو ان کے سبب آنے والی عظیم تباہی سے پہلے ہی ہر لحاظ سے کھول کھول کر متنبہ کر رہا ہوں اگر تم نے خالق و مالک اللہ جو کہ فطرت ہے کی طرف رجوع نہ کیا تو عنقریب ایک بڑی ہلاکت کا شکار ہونے والے ہو جس کی تفاصیل بھی کتاب میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

وَاِنۡ یُّکَذِّبُوۡکَ فَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالۡکِتٰبِ الۡمُنِیۡرِ. فاطر ۲۵

اور اگر کذب کر رہے ہیں تیرا یعنی تُو جو دعوت دے رہا ہے تُو انہیں جس سے متنبہ کر رہا ہے اگر یہ متنبہ ہونے کی بجائے تیری دعوت کا انکار کرتے ہوئے وہی کریں گے جو کر رہے ہیں تو پس تحقیق کذب کیا جا چکا ان لوگوں نے کذب کیا جو ان سے پہلے تھے یعنی جیسے آج تُو ان کو ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے رد اعمال کی صورت میں آنے والی ہلاکت سے متنبہ کر رہا ہے عذاب عظیم سے متنبہ کر رہا ہے جو ان کے اپنے ہی ہاتھوں کے سبب ان کے سر پر آ چکا ہے بالکل ایسے ہی ہر امت میں رسول بھیجا گیا جس نے بالکل ایسے ہی متنبہ کیا اور جیسے تیرا کذب کیا جا رہا ہے جو تیرے ساتھ کیا جا رہا ہے بالکل یہی ان سے پہلے والوں نے ہر رسول کیساتھ کیا اور پھر ان کا انجام کیا ہوا بالکل وہی انجام آج ان کا ہونے ہی والا ہے، آئے ان میں انہی سے رسول البیّنٰت کیساتھ یعنی ان میں انہی سے رسول آئے انہوں نے سب کچھ کھول کھول کر رکھ دیا انسان کیا کیا اعمال کر رہے ہیں سب کا سب کھول کھول کر رکھ دیا اور زبر کیساتھ اور ہر لحاظ سے روشن کر دینے والی کتاب کیساتھ۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُوالْاَوْتَادِ. ص ۱۲

کذب کیا جا چکا ان سے قبل قوم نوح اور عاد اور فرعون الاوتاد والا کذب کر چکے یعنی اگر آج یہ موجودہ قوم دنیا میں آباد موجودہ لوگ بھی ہمارے بھیجے ہوئے کی دعوت کو تسلیم کرنے کی بجائے کذب کرتے ہیں اس کا کفر کرتے ہوئے اپنی اسی روش پر ہی ڈٹے رہتے ہیں تو یہ کوئی پہلی بار نہیں ہو رہا بلکہ اس سے پہلے بھی ایسا کیا جا چکا اور جنہوں نے کیا وہ آج موجود قوم سے قوت میں اسباب و وسائل میں کئی گنا بڑھ کر تھے اس کے باوجود ان کا انجام کیا ہوا؟ تو تمہارا انجام بھی بالکل وہی ہونے والا ہے اے وہ جو اس وقت دنیا میں آباد ہو اور ہمارے رسول کا کذب کر رہے ہو۔

وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ الْئَيْكَةِ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ . ص ۱۳

اور ثمود اور قوم لوط اور اصحاب الایکہ، یہی تھے گروہوں والے۔

یہ تھے جو اس سے پہلے اپنے رسولوں کی تکذیب کر چکے ان کی طرف بھی اللہ نے ایسے ہی رسول بھیجے جنہوں نے سب کچھ کھول کھول کر بیان کر دیا کہیں بھی کوئی رائی برابر شک نہیں چھوڑا۔ ان کے اعمال کے سبب آسمانوں اور زمین میں جو فساد ہو چکا تھا اور جو تباہی ان پر آنے والی تھی اس کو ہر لحاظ سے کھول کر واضح کر دیا اور انہوں نے رسولوں کی باتوں پر بالکل بھی توجہ نہ دی الٹا انہیں جھٹلا دیا اپنی انہی روشوں پر قائم رہے تو ان کا انجام کیا ہوا وہ بھی آج آپ پر اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے کھول کھول کر واضح کر رہا ہے۔

اب جب ہم ان قوموں کے بارے میں غور و فکر کر کے جانیں گے تو ہم پر کھل کر واضح ہو جائے گا کہ ان کے انبیاء نے انہیں کس شئے سے ڈرایا یا متنبہ کیا تھا اور وہ ڈرنے یا متنبہ ہونے کی بجائے اپنی اسی روش پر قائم رہے یہاں تک کہ رسول بھیج کر اتمام حجت اور عذاب کی نوبت آ گئی۔ پھر جو شئے سامنے آئے گی جس سے ان قوموں کو ان کے انبیاء نے متنبہ کیا اور ڈرایا وہی الدجّال تھا اور ہے۔ الدجّال ہی سب کی سب قوموں کی تباہی کا سبب بنا اور آج بھی الدجّال کی وجہ سے ہی انسان ایک بڑی تباہ کن تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ز اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ. هود ۲۵

اور تحقیق کہ بھیجا ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف، اس میں کچھ شک نہیں میں تمہارے لیے کھلم کھلا یعنی جو بھی اعمال تم کر رہے ہو ان اعمال کے ردعمل سے آنے والی عظیم تباہی سے پہلے ہی ہر لحاظ سے کھول کھول کر متنبہ کرنے والا ہوں۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ. هود ۲۶

کہ نہ کرو یہ جو بھی اعمال تم کر رہے ہو جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا اور ان کا تم جس کے لیے جس کے پیچھے استعمال کر رہے ہو نہ کرو مگر اللہ تھا یعنی اللہ تھا جس نے تمہیں یہ سب دیا اور اللہ نے اپنے لیے یہ سب کا سب تمہیں دیا یہ سب اللہ کا ہے اس لیے اللہ ہی کے لیے ان سب کا استعمال کرو، ورنہ اگر تم ایسا نہیں کرتے اور اپنی اسی روش پر قائم رہتے ہو تو اس میں کچھ شک نہیں مجھے خوف ہے تم پر عذاب یوم الیم کا یعنی تمہارے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے ان مفسد اعمال کے رد اعمال آئیں گے جو ایک دردناک مدت ہوگی وہ ہلاکتیں و تباہیاں تمہارے لیے تمہاری سزا ہوں گی۔

عذاب: کہتے ہیں ایسے اعمال کا انجام جن سے منع کیا گیا۔ یعنی مفسد اعمال کا ردعمل جو کہ اللہ کے قانون میں سزا کہلائے گی۔

یومِ: یوم کہتے ہیں پیریڈ، مدت یا متعین وقت کو۔ میم کے نیچے دوزیروں کے آنے سے پھیلاؤ آجاتا ہے یعنی ایک لمبے پیریڈ، مدت پر محیط وقت۔

الیم: کہتے ہیں غرق کرنے، انتہائی تباہی و بربادی سے دوچار کرنے کے۔ جیسے پتھروں کی بارش، گندھک یعنی بارود کی بارش، جلانے اور اس جیسے سخت تکلیف سے دوچار کرنے والے عوامل کو، اس کے علاوہ پریشانی، بے چینی، بے سکونی، بے اطمینانی، طرح طرح کی تکالیف، آندھیاں، طوفان، زمین کا دھنسنا، زلزلے، آپس کی لڑائیاں و بیماریوں وغیرہ میں ہر وقت مبتلا رہنے کو بھی الیم کہتے ہیں۔

قرآن نے نوح کے حوالے سے بھی بالکل وہی الفاظ استعمال کیے جو محمد اور آج کے رسول کے حوالے سے استعمال کیے۔ دونوں کے حوالے سے بیان بالکل ایک جیسا ہے جیسے کہ کوئی ایک ہی واقعہ بیان کیا جارہا ہے۔ اگر اس میں غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ آج موجودہ لوگوں کو موجودہ قوم کو نوح علیہ السلام کی قوم کے انجام کی صورت میں انہیں ان کا مستقبل دکھارہا ہے کہ جو قوم نوح کیساتھ ہوا عنقریب وہ تمہارے ساتھ ہونے والا ہے یا یہ سمجھ لیں کہ تاریخ میں ایک ہی واقعہ دوبار دکھایا جارہا ہے ایک قوم نوح کی صورت میں اور دوسرا بالکل وہی قوم محمد کی صورت میں۔

پھر یہ کہ نوح نے کس سے متنبہ کیا؟ تو جب قرآن میں غور وفکر کریں تو پتا چلتا ہے کہ بالکل ایسے ہی جیسے محمد نے متنبہ کیا کہ اللہ نے سب کچھ حق کیساتھ خلق کیا ہے اللہ کے علاوہ اوروں کو الٰہ نہ بناؤ اور زمین میں فساد نہ کرو ورنہ ایک بڑی تباہی کی صورت میں اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے عذاب کا شکار ہوگے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ. القمر ۹

کذب کیا جاچکا یعنی ہمارے بھیجے ہوئے کی دعوت کو تسلیم کرنے کی بجائے اس کا کفر کرتے ہوئے اس کے برعکس جس سے روکا گیا وہی سب کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے قوم نوح، پس بالکل اسی طرح یعنی جیسے نوح کا کذب کیا گیا بالکل اسی طرح کذب کیا جارہا ہے ہمارے غلام کا اور کہہ رہے ہیں یعنی آگے سے ان کا ردعمل یہ ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ مجنون ہے یعنی پاگل و بیوقوف ہے جاہل ہے اور انتہائی برا سلوک کررہے ہیں ہمارے رسول کیساتھ۔

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ. القمر ۱۰

پس پکارا اس نے اپنے ربّ کو کہ میں مغلوب ہوگیا ہوں پس میری مدد کر بالکل ایسے ہی آج ہمارا بھیجا ہوا جیسے ہی یہ کہتا ہے کہ ئے میرے ربّ میں مغلوب ہوگیا میری مدد کر تو آج ان کے ساتھ بھی ویسا ہی ہونے والا ہے جو پہلوں کے ساتھ ہوا۔

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ. القمر ۱۱

پس کھول دیئے ہم نے آسمان کے دروازے پانی کیساتھ انتہائی تیز بارش۔

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ . القمر ۱۲

اور پھاڑ کر زمین سے چشمہ نکال دیا پس چڑھا پانی امر پر تحقیق جو قدر میں تھا۔

اِنَّا كُلَّ شَىْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ . القمر ۴۹

اس میں کچھ شک نہیں ہر شئے کو خلق کیا ہم نے قدر کیساتھ یعنی بہت باریکی سے علم و حکمت کیساتھ پورے حساب کتاب کیساتھ خلق کیا ہر مخلوق کو دوسری کے ساتھ مشروط کردیا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ. یونس ۷۳

پس جس طرح آج ان میں انہی سے بھیجے ہوئے ہمارے رسول کا یہ کذب کررہے ہیں ایسے ہی کذب کیا گیا نوح کا پس بچانے والے ہیں آج ہم اپنے رسول کو اور جو اس کے ساتھ ہیں جیسے ہم نے بچایا تھا نوح کو اور جو نوح کیساتھ تھے اور ہم انہیں بعد والے کررہے ہیں یعنی انہیں کذاب کرنے والوں کی ہلاکت کے بعد زمین کا اختیار دے رہے ہیں ایسے ہی جیسے ہم نے نوح اور جو اس کے ساتھ تھے انہیں بعد والے کردیا تھا زمین کا اختیار دے دیا تھا اور غرق کردیا تھا ہماری آیات کیساتھ کذب کرنے والوں کو ایسے ہی آج ہم انہیں ہلاک کرنے والے ہیں جو کذب کررہے ہیں ہماری آیات کیساتھ، پس کیسا ہوا تھا انجام متنبہ کیے

جانے والوں کا جو آج تمہیں بھی اسی طرح متنبہ کیا جارہا ہے اور وہی انجام تمہارا بھی اللہ کے قانون میں ہو چکا اگر دیر ہے تو صرف ہمارے رسول کے متنبہ کر لینے کی۔

قرآن میں نوح کی قوم کا واقعہ بہت سے جگہوں پر ہر لحاظ سے پھیر پھیر کر بیان کیا گیا تمام مقامات پر سے واقعہ کو یہاں درج کرنا موضوع کو بہت زیادہ طوالت دے دے گا اس لیے ہماری کوشش صرف یہی ہوگی کہ اصل جو شیئے سمجھنے والی ہے اسے سمجھا جائے۔ سورۃ نوح اور اس کے علاوہ باقی مقامات پر نوح علیہ السلام نے جو دعوت دی اس سے نوح علیہ السلام کی تکالیف و آزمائشوں کا ادراک آج اللہ کا بھیجا ہوا ہی کر سکتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا کہ آخر وہ کون سی وجوہات تھیں جن کی بنا پر اللہ نے زمین پر چند ایمان والوں، جو اس فساد کے ذمہ دار نہیں تھے اور تمام جانداروں کے جوڑے جوڑے کے علاوہ سب کچھ غرق کر دیا؟ اگر وہ بت پرست تھے تو پھر باقی ان تمام مخلوقات کا کیا قصور تھا جن کو اللہ نے غرق کر دیا؟ حالانکہ اللہ نے قرآن میں بہت سے مقامات پر کھول کھول کر بیان کیا ہے کہ تمام کی تمام مخلوقات مسلم ہیں سب اللہ کے لیے سجدے میں ہیں یعنی صرف اور صرف وہی کرتی ہیں جس کا حکم انہیں اللہ نے دیا اس کے علاوہ وہ اپنی مرضی نہیں کرتیں۔ تو جب تمام کی تمام مخلوقات سوائے جن و انس یعنی انسان کے اللہ کی غلام ہیں تو پھر وہ کون سی وجوہات تھیں کہ زمین پر جانداروں اور درختوں وغیرہ کو بھی ہلاک کر دیا؟ اگر قوم نوح بت پرست تھی تو ان کو ہلاک کرنے کے اور بھی تو بہت سے طریقے ہو سکتے تھے جن سے باقی مخلوقات بچ سکتی تھیں؟ ایسے ہی لاتعداد سوالات پیدا ہوتے ہیں؟

لیکن اگر الکتاب میں غور و فکر کیا جائے اللہ کی آیات میں غور و فکر کیا جائے تو کوئی بھی سوال ایسا نہیں کہ جس کا جواب الکتاب میں نہ ہو۔ اللہ سبحان ہے یعنی پاک ہے اس سے کہ وہ اپنے کسی خالص غلام کو ہلاک کرے الکتاب میں جب غور و فکر کریں تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ قوم نوح کسی بھی لحاظ سے بت پرست نہیں تھی بلکہ وہ انتہائی غیر معمولی ٹیکنالوجی کی حامل قوم تھی۔ انہوں نے زمین پر اللہ کی کوئی خلق ایسی نہیں چھوڑی تھی جس میں فساد نہ کر دیا ہو، انہوں نے زمین پر فطرت کو تبدیل کر دیا۔

آسمان سے شدید بارش کے ذریعے پانی کی نہروں کا جاری ہونا اور زمین سے چشمے کا جاری ہونا کس وجہ سے تھا اس کا جواب اللہ نے اس آیت میں دے دیا۔

اِنَّا كُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ ۔ القمر ۴۹

اس میں کچھ شک نہیں ہر شیئے کو خلق کیا ہم نے قدر کیساتھ یعنی بہت باریکی سے علم و حکمت کیساتھ پورے حساب کتاب کیساتھ خلق کیا۔

اللہ نے ہر شیئے کو قدر کیساتھ خلق کیا ہے۔ جیسے ایک گاڑی کا انجن ہوتا ہے اگر اس میں چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو وہ خراب ہو جائے گا، جیسے انسان اپنی ذات کو ہی لے لے انتہائی پیچیدہ تخلیق ہے۔ تمام کے تمام اعضاء کو بہت باریک بینی اور علم و حکمت سے خلق کیا گیا خلق کر کے انہیں ان کے مقام پر لگا دیا گیا اگر ان کے مقام میں تبدیلی کی جائے گی یعنی اگر جسم سے خون نکال لیا جائے تو کیا ہوگا؟ دل نکال لیا جائے تو کیا ہوگا؟ اس طرح جسم میں کوئی بھی ایسی تبدیلی کی جائے جو اس نقشے میں نہ ہو جس نقشے کے مطابق بشر کو اللہ نے خلق کیا تو جسم کا نظام بگڑ جائے گا اور خرابیوں یعنی بیماریوں کا شکار ہو کر بڑی تباہی یعنی موت کا شکار ہو جائے گا۔ بالکل اسی طرح اللہ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے خلق کیا ہے، یہ سب کا سب تب تک رہے گا جب تک کہ ہر شیئے فطرت پر رہے اگر کسی شیئے کو فطرت سے ہٹا دیا جائے گا یعنی اللہ کی خلق میں تبدیلیاں کی جائیں گی تو نظام بگڑ جائے گا پھر تباہیاں ہی آئیں گی۔

قوم نوح نے ٹیکنالوجی کے ذریعے بادلوں کے نظام میں فساد کر دیا، زمین میں فساد کر دیا، زمین سے وہ کچھ نکال لیا جس سے اللہ زمین کو مزین کرتا ہے جسے آج خام تیل کا نام دے کر نکالا جارہا ہے تو زمین میں بھی فساد ہو گیا حتیٰ کہ بیجوں، فصلوں اور ان سے وجود میں آنے والے تمام جانداروں اور انسانوں میں فساد کر دیا گیا۔ ٹیکنالوجی کے ذریعے آسمانوں و زمین میں اللہ کی ہر خلق میں چھیڑ چھاڑ کر کے اس کا نظام بگاڑ دیا جس کے نتیجے میں وہ تباہی آئی۔

اللہ کا قانون یہ نہیں کہ وہ کسی ایسی شیئے کو تباہ کرے جس میں کوئی نقص نہ ہو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں جو نظام بنا دیا اگر اس میں کوئی چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو اسی کے مطابق ردعمل بھی ظاہر ہوگا۔ انسان جتنا جی چاہے دعوے کرے کہ وہ علم و اسباب میں بہت ترقی کر چکا ہے اس کے باوجود اگر وہ کوئی بھی عمل کرتا ہے تو ردعمل اس کے اختیار میں نہیں ہوتا ردعمل وہی ظاہر ہوتا ہے جو اللہ نے قدر میں کر دیا۔ یہ وہ وجوہات تھیں جن کی وجہ سے زمین پر سب کو غرق کر دیا گیا۔

قوم نوح کے بارے میں چونکا دینے والی حقیقت کو اللہ نے اس آیت میں بیان کر دیا۔

اَلَمۡ يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّكُمۡ وَاَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَيۡهِمۡ مِّدۡرَارًا وَّجَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ .الانعام ٦

کیانہیں دیکھ رہے بالکل اسی طرح ہلاک کیا ہم نے انہیں جوان سے پہلے تھے یعنی آج اس وقت دنیا میں موجود لوگوں کو کہا جارہا ہے کہ کیا نہیں دیکھ رہے آج جو ہلاکتیں آرہی ہیں؟ یہ جو طرح طرح کی ہلاکتیں آرہی ہیں، بیماریاں، سیلاب، طوفان، آندھیاں، سونامی، زلزلے، زمین کا دھنسنا سمیت طرح طرح کی جو ہلاکتیں آرہی ہیں یہ کیسے آرہی ہیں؟ کیا یہ سب ہلاکتیں انسانوں کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے رد اعمال نہیں ہیں؟ تو جیسے آج تم پر ہلاکتیں آرہی ہیں جیسے آج تمہیں ہلاک کیا جارہا ہے بالکل ایسے ہی ہلاک کیا تھا ہم نے ان کو جوان سے پہلے زمین پر آباد تھے وہ جو پہلے زمانوں میں زمین پر آباد تھے ہم نے ان کو زمین میں اختیار واقتدار دیا حکومت دی اتنی مضبوطی وقوت دی کہ جو تمہیں آج نہیں دیا گیا اور بھیجا ہم نے ان پر بلندی سے لگا تار مینہ یعنی بارشیں اور کر دیا ہم نے نہروں کو جاری ان کے تختوں سے پس ہلاک کیا ہم نے انہیں ان کے ذنوب کے سبب اور ہم نے اپنے قانون سے ان کے بعد زمانے کو دوسرے کر دیا۔

قوم نوح سمیت جتنی بھی قومیں پہلے گزری ہیں جو ممکن یعنی زمین میں جو اقتدار واختیار انہیں دیا گیا تھا جو اسباب ووسائل ان کے پاس تھے وہ آج موجودہ لوگوں کے پاس بھی نہیں ہیں حالانکہ آج دنیا میں آباد موجودہ لوگ بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں کہ آج انسان چاند اور مریخ پر پہنچ چکا ہے جدید ترین ٹیکنالوجی حاصل ہوگئی ہے اب ہمیں کوئی زوال نہیں۔ بہر حال آج جو کچھ بھی انسان کے پاس ہے اللہ کہہ رہا ہے کہ قوم نوح یا ان کے علاوہ جتنی قومیں پہلے گزر چکی ہیں ان کے پاس یہ سب اسباب ووسائل تم سے کئی گنا بڑھ کر تھے اس کے باوجود ان کا انجام کیا ہوا؟ کیا انہیں ان کے اسباب ووسائل کچھ بھی نفع دے سکے ان کے کام آئے انہیں بچا سکے جب ان پر عذاب عظیم آیا؟ جب ان کے اسباب جو تم سے کئی گنا بڑھ کر تھے انہیں ہلاکت سے نہیں بچا سکے تو تمہارے اسباب ووسائل تمہاری قوت تمہیں کیا نفع دے گی تمہیں کیسے بچائے گی اس ہلاکت سے جو آج تمہارے سر پر آچکی ہے؟

جو ٹیکنالوجی انہیں حاصل تھی اسی ٹیکنالوجی سے انہوں نے اللہ کے ساتھ اس کے کاموں میں شرک کیا یعنی اللہ کے امور میں مداخلت کی۔ اللہ خالق ہے وہ بھی خالق بن بیٹھے اللہ کے خلق کرنے کے نظام میں ہی فساد کر دیا، زمین کے پیدا کرنے کے نظام میں ہی فساد کر دیا، بادلوں کے نظام میں، اسی طرح اللہ کی زمین پر تمام مخلوقات میں اس ٹیکنالوجی کیساتھ فساد کر کے انہیں بھی تباہی سے دو چار کیا اور خود بھی ہلاک ہوئے جو آج تم کر رہے ہو۔

قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سُنَنٌ ۙ فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ۔ آل عمران ۱۳۷

تحقیق کر لو گزر چکے تم سے پہلے ایسا ہی کرنے والے جو آج تم کر رہے ہو جس طریقے پر تم آج چل رہے ہو اس طریقے پر پہلے چلا جا چکا ان کا بھی یہی طریقہ تھا جو تم سے پہلے اس زمین پر آباد تھے اور اسی طریقے پر چلنے کے سبب ان کا نام ونشان مٹا دیا گیا، پس سیر کر رہے ہو زمین میں یعنی آج تم زمین میں گھوم پھر رہے ہو پس کیا دیکھ رہے ہو؟ دیکھ رہے ہو کیسا انجام ہوا تھا جو کذب کرنے والے ہیں یعنی آج تم زمین پر ان کے آثار دیکھ رہے ہو دیکھو ان کے آثار اور حساب لگاؤ تم پر واضح ہو جائے گا کہ وہ تم سے کس قدر ٹیکنالوجی میں قوت میں اسباب ووسائل میں بڑھ کر تھے اس کے باوجود ان کا انجام کیا ہوا اور آج تم بھی بالکل انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہو انہی کے طریقے پر چل رہے ہو تو تمہارا انجام کیا ان سے کوئی مختلف ہوگا؟ نہیں بالکل نہیں بلکہ تمہارا انجام بھی بالکل ویسا ہی ہونے والا ہے جو کہ تمہارے سر پر آچکا ہے۔

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰۤئِكَةُ اَوۡ يَاۡتِىَ اَمۡرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۔ النحل ۳۳

کیا ہے جس کا انتظار کر رہے ہو؟ مگر کہ آئیں تمہیں آ پکڑیں ملائکہ اور کیا آئے تیرے ربّ کا امر؟ بالکل اسی طرح جس طرح کیا تھا ان لوگوں کیساتھ جو ان سے پہلے تھے اور اللہ ایسا نہیں کہ ان کے لیے کمی کرے یعنی پہلوں میں نبی ورسول بھیجے جو ان پر ہر لحاظ سے حق کھول کھول کر واضح کرتے رہے اور آج ان میں نہیں بھیج رہا؟ بلکہ یہ ظلم یعنی کمی یہ خود ہی کر رہے ہیں انہوں نے خود ہی ظلم کیا، جو آج طرح طرح کی ہلاکتیں آرہی ہیں تباہیاں آرہی ہیں بیماریوں کا سیلاب آ

چکا ہے، زلزلے سیلاب وطوفان آ رہے ہیں یہ ظلم اللہ نہیں کر رہا بلکہ یہ خود ہی ظالم ہیں خود ہی ظلم کر رہے ہیں۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا . مریم ۷۴

اور جیسے آج تم پر ہلاکتیں آ رہی ہیں زلزلے، سیلاب، طوفان، آندھیاں، بیماریاں اور طرح طرح کی ہلاکتیں آ رہی ہیں تمہارے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے رد اعمال میں بالکل ایسے ہی ہلاک کیا تھا ہم نے ان کو جوان سے پہلے اس زمین پر آباد تھے انہیں زمانوں سے مٹا دیا ان کے اثاثے یعنی مجموعی طور پر انہوں نے جو کچھ بھی بنایا ہوا تھا ان کو جو کچھ حاصل ہو چکا تھا جو ان کی ایجادات تھیں ان کے وسائل تھے ان کی ٹیکنالوجی اور دیکھنے کے آلات جن سے وہ زمین کی گہرائیوں میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتے آسمانوں میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتے مخلوقات کے انگ انگ میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے ان سے بہتر یہ سب کسی کے پاس نہیں یعنی آج جو تمہیں یہ سب اسباب و وسائل حاصل ہو چکے ہیں جنہیں تم ترقی کا نام دیتے ہو ٹیکنالوجی کا نام دیتے ہو تمہاری مشینیں اور دیکھنے کے آلات یہ سب ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ان کا یہ سب تم سے بہت بہتر تھا اس کے باوجود ان کا انجام کیا ہوا؟ کیا ان کے اثاثے اور دیکھنے کے آلات جن سے وہ تمہاری طرح پہلے ہی دیکھ لیتے تھے آنے والے طوفانوں کو آنے والی تباہیوں کو تو کیا انہیں کچھ نفع دے سکے؟ انہیں ہلاکت سے بچا سکے؟ انہیں ہمارے انتقام سے بچا سکے؟ اگر نہیں تو تم کیسے بچ سکتے ہو تمہارا انجام بھی بالکل ویسا ہی ہونے والا ہے جو آج تمہارے سروں پر آ چکا ہے۔

اَثَـــاثًـــا: اردو میں اثاثوں کو کہتے ہیں، یعنی وہ سب جو انسان زندگی بھر تگ ودو کر کے حاصل کرتا اور بناتا ہے جیسے آج انسان نے جو کچھ بنا لیا جسے ٹیکنالوجی، جدیدیت یا مشینوں، اسباب و وسائل کا نام دیا جاتا ہے۔

دِ ءُ یَــــا: جو عام انسانی آنکھ سے نہ دیکھا جا سکے یعنی آلات کی مدد سے اللہ کے غیب کی اشیاء اور کائنات کی وسعتوں کو براہ راست دیکھنے کی صلاحیت، دیکھنے والے جدید ترین آلات جیسے آج ایسے آلات ہیں جن کی مدد سے نہ صرف زمین کی گہرائیوں میں دیکھا جا رہا ہے، اندھیروں میں دیکھا جا رہا ہے، آسمانوں میں دیکھا جا رہا ہے بلکہ مستقبل میں آنے والے عذابوں کو بھی دیکھا جا رہا ہے کہ اتنے دن بعد سیلاب آئے گا سونامی آئے گا وغیرہ۔ جیسے آج انسان کے پاس ایسی ٹیکنالوجی ہے کہ وہ بڑے بڑے دعوے کرتا ہے کہ وہ سمندروں کی گہرائیوں، زمین کے اندر، انسانی خلیے کے اندر کی دنیا، اور خلا میں دور دور تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

آج انسانوں کے پاس یہ سب ہے جس کی مدد سے آج وہ کچھ دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو عام انسانی آنکھ سے دیکھنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن قرآن کہہ رہا ہے کہ موجودہ قوم یعنی موجودہ انسانوں سے پہلی قوموں کے پاس ان سے بھی بہتر آلات تھے لیکن ان کا انجام کیا ہوا؟ جب ان کے اثاثے و دیکھنے کے آلات وغیرہ موجودہ لوگوں کو جو حاصل ہو چکا ان سے کئی گنا بڑھ کر تھے اس کے باوجود ان پر جب ہلاکت آئی تو کچھ بھی انہیں بچا نہ سکا تو آج جب تم پر ہلاکت آئے گی تو کیا تمہارے آلات و اثاثے تمہیں بچا لیں گے؟

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى . طٰہٰ ۱۲۸

کیا پس نہیں ان کو کہ یہ راہنمائی حاصل کریں؟ جیسے آج ان پر یعنی دنیا میں آباد موجودہ لوگوں پر ہلاکتیں آرہی ہیں زلزلے، سیلاب، طوفان، آندھیاں، بیماریاں اور طرح طرح کی ہلاکتیں آرہی ہیں ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے رد اعمال میں بالکل ایسے ہی ہلاک کیا تھا ہم نے ان کو جو ان سے پہلے زمانوں میں پہلے ادوار میں اس زمین پر آباد تھے یہ جو آج اس وقت دنیا میں آباد موجودہ لوگ ہیں یہ چل پھر رہے ہیں ان کے مساکن میں یعنی ان کی جو رہائش گاہیں تھیں اس کے باوجود یہ ان سے عبرت حاصل نہیں کررہے آل فرعون کے آثار کو دیکھ رہے ہیں گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کے جو آثار ہیں ان کے گھروں ان کی عمارتوں کی صورت میں انہیں دیکھ رہے ہیں اور ان پر واضح ہو چکا کہ آج اس قدر ترقی یافتہ ہونے کے باوجود بھی ایسی عمارتیں وضع کرنا ناممکن ہے جس سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ وہ لوگ ٹیکنالوجی میں مشینوں میں بہت بڑھ کر تھے اس کے باوجود ان کا انجام کیا ہوا؟ اور آج یہ موجودہ لوگ بھی بالکل انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں تو ان کا انجام کیا ان سے مختلف ہوگا؟ اس میں کچھ شک نہیں اس میں اللہ کی آیات ہیں ان کے لیے جو النھیٰ کو اپنے مقصد و مشن میں اپنا معاونت کار بنانے والے ہیں یعنی وہ اللہ کے غضب سے بچنے کے لیے ہر اس کام سے دور ہورہے ہیں جس سے بھی اللہ کا غضب بھڑکتا ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ . الروم ۹

کیا اور نہیں گھوم پھر رہے زمین میں؟ یعنی آج دنیا میں آباد موجودہ لوگ زمین میں گھوم پھر رہے ہیں گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کے آثار کو دیکھ رہے ہیں ان کے آثار کو دیکھنے کے لیے بہت شوق سے ان جگہوں کی سیر کررہے ہیں پس دیکھ رہے ہو کیسا ہوا تھا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے؟ وہ جو ان سے پہلے زمین پر آباد تھے جو ہلاک ہو چکے وہ قوت میں یعنی مشینوں میں اور زمین کی قیمتی ترین اشیاء جو زمین کے خزانے ہیں جنہیں قدرتی وسائل کا نام دیا جاتا ہے اور زمین کو آباد کرنے میں جدید ترین شہروں کے شہر لمبی لمبی آسمانوں کو چھوتی اور ہر طرح کی سہولتوں سے مزین عمارتوں میں آج موجودہ لوگوں سے بہت بڑھ کر تھے آج موجودہ لوگ جو زمین پر آباد ہیں ان کے پاس جو قوت ہے یعنی ان کی مشینیں اور جو زمین کی قیمتی ترین اشیاء ہیں جنہیں یہ قدرتی وسائل کا نام دیتے ہیں اور جو شہروں کے شہر آباد کردیئے ہیں بلند و بانگ عمارتیں یہ گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کے مقابلے پر کچھ بھی نہیں، زمین کے نوادرات میں یعنی جو زمین کے اندر اللہ نے چھپا کر زمین کے خزانے رکھے ہیں ان میں، اور انہوں نے زمین پر ایسی تعمیرات کیں جو ایسی تھیں جیسے ناختم ہونے والی مضبوط اور لمبے عرصے تک قائم رہنے والی جتنی زیادہ سے زیادہ وہ کرسکتے تھے دوسروں کے مقابلے میں وہ ان سب میں بہت بڑھ کر تھے۔ آئے ان میں انہی سے رسول یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے البیّنات کیساتھ یعنی اللہ کے رسول آئے انہوں نے یہ سب کچھ کھول کر رکھ دیا کہ یہ سب کا سب فساد ہے یہ جسے تم ترقی کہہ رہے ہو یہ ترقی نہیں بلکہ یہ الدجّال ہے تم دجل کا شکار ہو چکے ہو تم جسے اصلاح کا نام دے رہے ہو انسانیت کی خدمت کا نام دے رہے ہو یہ جو بھی اعمال تم ترقی و جدیدیت کے نام پر کررہے ہو یہ ترقی و جدیدیت نہیں ہے بلکہ تم اپنے ان مفسد اعمال سے آسمانوں اور زمین میں اللہ کے قائم کردہ میزان میں خسارہ کررہے ہو باز آجاؤ ورنہ اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے ان مفسد اعمال کے رد اعمال میں آنے والی ہلاکت جو بالکل تمہارے سر پر آکھڑی ہے اس کا شکار ہو جاؤ گے اور دنیا و آخرت میں ذلت کا شکار ہو جاؤ گے لیکن انہوں نے رسولوں کی تکذیب کردی انہوں نے رسولوں کو گمراہ کہا، انہیں پاگل، بے وقوف اور جاہل قرار دیا، ان کو تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنایا انہیں تکالیف دیں کہ یہ ہماری ترقی کو فساد قرار دے رہا ہے تو پھر ان کا انجام کیا ہوا؟ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ پس نہیں تھا اللہ کہ ظلم کرتا ان کے لیے جو اس وقت دنیا میں آباد ہیں یعنی آج جو موجودہ لوگ دنیا میں آباد ہیں جو بالکل وہی کررہے ہیں جو ان سے پہلے ہلاک شدہ اقوام کر چکیں جب انہوں نے یہ سب کیا تو اللہ نے رسولوں کو بھیج کر سب کچھ کھول کھول کر واضح کردیا اس سے پہلے کہ عذاب دیتا اور آج جب موجودہ لوگ بھی بالکل وہی کررہے ہیں عذاب عظیم ان کے سر پر آچکا ہے اور اللہ حسب سابق اپنی سنت کیمطابق رسول بھیج کر سب کچھ کھول کھول کر واضح نہ کردے ہر لحاظ سے رسول کے ذریعے متنبہ نہ کردے ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ ایسا نہ کرے اور لیکن یہ خود ہی ہیں جو ظلم کررہے ہیں یعنی یہ کہہ رہے ہیں کہ اب کوئی رسول نہیں اب کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آنے والا اب دروازہ بند ہے بالکل یہی انہوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے تھے تو ان کا پھر انجام کیا ہوا؟

بالکل وہی انجام آج دنیا میں آباد موجودہ لوگوں کا ہونے ہی والا ہے۔

آثَارُوا الْاَرْض: زمین کے نوادرات یعنی ایسی قیمتی اشیاء جو اگر سامنے ہوں تو ہر کسی کے دل میں لالچ پیدا ہو اور انہیں چرانے کی کوشش کرے اس طرح کی وہ تمام اشیاء جن کو زمین کے اندر یا باہر کہیں بھی انسان سے چھپا کر رکھ دیا اللہ نے۔

اس کے علاوہ زمین پر پچھلی قوموں کے نشانات یعنی جو آثار ان قوموں کے آج زمین پر نظر آتے ہیں۔

عَمَرُوهَا: زمین کو آباد کرنا خواہ عمارتیں تعمیر کر کے، شہر بسا کر، زیادہ سے زیادہ مختلف اقسام کی فصلیں اگا کر، کسی بھی لحاظ سے زمین کو آباد کرنا جیسے آج جدید ترین شہروں کے شہر آباد کیے جا چکے ہیں۔

قُوَّةً: زور وطاقت، جیسے آج انسان کے پاس ایسی مشینری ہے یعنی ٹیکنالوجی ہے جس سے وہ قوت والے کام لیتا ہے اسلحہ و بارود وغیرہ جسے قوت کا نام دیا جاتا ہے۔

وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ . سباء ۴۵

اور کذب کیا انہوں نے جو ان سے پہلے تھے اور نہیں پہنچے رہے نہ پہنچ سکتے ہیں یہ ان کے دسویں حصے کو بھی جو کچھ انہیں دیا تھا ہم نے، پس کذب کر رہے ہیں ایسے ہی کذب کیا انہوں نے جو ان سے پہلے تھے پس کیسا انجام ہوا تھا کذب کرنے والوں کا؟ آج تم بھی کذب کر رہے ہو آج تم میں تمہاری طرف ہم نے اپنا رسول بھیج دیا جو ہماری آیات کو ہر لحاظ سے کھول کھول کر تم پر واضح کر رہا ہے جو تمہارے کرتوتوں کو تم پر ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر رہا ہے اور تم ہو کہ تم بھی گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کی سنت کو اپناتے ہوئے ہمارے بھیجے ہوئے کا کفر کر رہے ہو اس کی دعوت کو تسلیم کر کے فلاح کا سودا کرنے کی بجائے الٹا اپنی حسب سابق روش پر ڈٹے ہوئے ہو تو جان لو تمہارا انجام بھی بالکل وہی ہونے والا ہے جو ان کا ہوا جو تم سے پہلے ہمارے رسولوں کا کذب کر چکے۔ رسول اللہ کی زبان ہے رسول کا کام ہے کہ اللہ کے پیغام کو ہر لحاظ سے کھول کھول کر پہنچا دینا جیسے ہی ہمارا رسول کھول کھول کر پہنچا چکے گا تو ہمارے ہاتھ حرکت میں آئیں گے بالکل ایسے ہی جیسے قوم نوح کے وقت ہاتھ حرکت میں آئے اور باقی اقوام پر تو پھر ان کا انجام کیا ہوا؟

آج موجودہ انسان، دنیا میں آباد موجودہ لوگ بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں، آج جو بھی ٹیکنالوجی و وسائل سمیت جو کچھ بھی ان کے پاس ہے یعنی آج جو کچھ انسان حاصل کر چکا ہے یہ ان قوموں کو حاصل ہونے والے کا دس فیصد بھی نہیں جو قومیں ان سے پہلے گزر چکیں یعنی وہ لوگ آج کے انسان سے نوے فیصد سے بھی زیادہ ٹیکنالوجی کے حامل تھے یہی وجہ ہے جس وجہ سے قرآن نے بار بار یہ کہا ہے کہ وہ پہلی قومیں تم سے قوت میں بہت زیادہ سخت اور بڑھ کر تھیں اس کے باوجود ان کا انجام کیا ہوا؟

جب اتنا قوت و وسائل میں زیادہ ہونے کے باوجود انہیں کوئی جائے پناہ نہ ملی تو آج کے انسان کا کیا انجام ہونے والا ہے جو بڑے بڑے دعوؤں کے باوجود پہلی تباہ شدہ قوموں کے دس فیصد کو بھی نہیں پہنچا اور نہ ہی پہنچ سکتا ہے؟ یہ سب کچھ کیا ان کو اس عذاب سے بچا سکے گا جو بالکل سر پر آ کھڑا ہے اور انسان بالکل غافل ہے؟ اور دوسری بات جن کو کمزور سمجھا جاتا تھا یعنی مومنوں کو ان کی عاقبت کا بھی اللہ نے واضح کر دیا اصل کامیابی دنیا و آخرت میں انہیں ملی اور اب بھی انہی کو ملے گی جو اللہ کے بھیجے ہوئے کی دعوت کو تسلیم کرتے ہوئے جو ذمہ داری ان پر عائد ہے اسے پورا کریں گے یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ . ص ۳

جیسے آج ان پر یعنی دنیا میں آباد موجودہ لوگوں پر ہلاکتیں آ رہی ہیں زلزلے، سیلاب، طوفان، آندھیاں، بیماریاں اور طرح طرح کی ہلاکتیں آ رہی ہیں ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے رد اعمال میں بالکل ایسے ہی ہلاک کیا تھا ہم نے ان کو جو ان سے پہلے زمانوں میں پہلے ادوار میں اس زمین پر آباد تھے پس جب ہلاکت آ گئی تو اعلانات کر رہے ہیں اپنے مواصلاتی نظام سے اور جب ہلاکت کا وقت آیا تو اس سے بچنے کے لیے بھاگ رہے ہیں اس کے متبادل کی طرف۔

ویسے تو پچھلی آیات میں بھی لیکن بالخصوص اس آیت میں اللہ نے بہت ہی عجیب وغریب الفاظ کا استعمال کیا۔ آج کے دور سے پہلے ان الفاظ کے وہ مطالب جو حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں کو جاننا تقریباً ناممکن تھا انہیں سمجھنا آج اس لیے ممکن ہوا کیوں کہ آج وہ کچھ موجود ہے جو گزری ہوئی ہلاک کی گئی قوموں کے پاس

تھااور آج وہ واقعات وقوع پذیر ہورہے ہیں جن کی تاریخ قرآن میں ان آیات کی صورت میں الاولین کی مثلوں سے اتاری گئی تھی۔

فَنَادَوْا: پس اعلانات کرنے لگے، اعلانات کررہے ہیں۔

وَّلَاتَ: مواصلاتی نظام، ٹیلی کمیونیکیشن سسٹم

حِيْنَ: وقت

مَنَاص: متبادل، بچنے کے لیے، پرواز، بھاگنے کے لیے یا بھاگے، فرار ہوئے، دور ہوئے، انتخاب، نجات کا رستہ، پناہ، پیچھے ہٹے وغیرہ۔

ہلاکت زمین پر تھی تو جن کے پاس اختیار تھا وہ زمین کے متبادل کی طرف بھاگے یعنی کہ کسی اور سیارے کی طرف، خلا کی طرف پرواز کی۔ آج انسان جس ٹیکنالوجی سے چاند اور مریخ پر پہنچ چکا ہے تو جو آج کے انسانوں سے نوے فیصد ہر طرح سے بڑھ کر تھے تو کیا وہ زمین سے باہر نہیں گئے تھے؟ کیا انہوں نے چاند، مریخ اور ان کے علاوہ سیاروں پر بستیاں یا خلا میں بستیاں قائم نہیں کی ہوں گی جو آج انسان عنقریب آنے والے سالوں میں ایسا کرنے کے دعوے کررہا ہے؟ جو پہلے اس زمین پر آباد تھے انہوں نے یہ سب تو کیا وہ سب بھی کیا جس کا آج کا دجّال انسان تصور بھی نہیں کرسکتا اور یہ سب قرآن کہہ رہا ہے۔ اس کے باوجود جب ان کے اپنے ہی کرتوتوں یعنی اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ جس ٹیکنالوجی کو وہ اپنے لیے مسیحا اور فائدہ مند سمجھ رہے تھے اسی ٹیکنالوجی ہی کی وجہ سے آسمانوں وزمین میں کیے ہوئے فساد کے نتیجے میں آنے والی تباہی سے بچنے کے لیے جائے پناہ کی طرف بھاگے، جس جس کو جو جو بچاؤ کا رستہ نظر آیا اسی طرف بھاگا، فرار ہوئے لیکن کچھ بھی ان کے کام نہ آیا انہیں ہلاک کردیا گیا، جو بحری جہازوں میں سوار ہوئے اس وقت کوئی ایک بھی بحری جہاز ایسا نہیں تھا سوائے نوح علیہ السلام کے بحری جہاز کے جو طوفان میں بچ سکتا تھا کیوں کہ قرآن میں ہے اللہ کہتا ہے کہ پہاڑوں کی طرح بلند موجیں تھیں اس سیلاب میں اور نوح علیہ السلام نے جو بحری جہاز بنایا وہ خالص اللہ کی ہدایات کے مطابق بنایا جو اس سیلاب میں محفوظ رہا۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ . غافر ٢١

کیا اور نہیں گھوم پھر رہے زمین میں؟ یعنی آج دنیا میں آباد موجودہ لوگ زمین میں گھوم پھر رہے ہیں گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کے آثار کو دیکھ رہے ہیں ان کے آثار کو دیکھنے کے لیے بہت شوق سے ان جگہوں کی سیر کررہے ہیں پس دیکھ رہے ہو؟ کیسا ہوا تھا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے؟ وہ جو ان سے پہلے زمین پر آباد تھے جو ہلاک ہو چکے وہ قوت میں یعنی مشینوں میں، جدید ترین اسلحے و بارود میں جنگی ساز وسامان میں اور زمین کے نوادرات یعنی زمین کی قیمتی ترین اشیاء جو زمین کے خزانے ہیں جنہیں قدرتی وسائل کا نام دیا جاتا ہے ان سب میں زمین پر آباد موجودہ لوگوں سے بہت بڑھ کر تھے پس آج جو کچھ انسانوں کو حاصل ہو چکا ہے اس کے باوجود کیا ہے جو دنیا میں آباد لوگوں کو پکڑ رہا ہے؟ یعنی جو زلزلے، سیلاب، طوفان، آندھیوں، طرح طرح کی بیماریوں، جنگ وجدل سمیت طرح طرح کے عذابوں کی صورت میں جو پکڑ اجاڑ رہا ہے کون ہے جو ان صورتوں میں پکڑ رہا ہے اور انسان خود کو ترقی یافتہ کہنے کے باوجود اس کے آگے بے بس ہیں؟ اللہ ہے جو ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے برے اعمال کے سبب یعنی برے اعمال کے ردِ اعمال کی صورت میں پکڑ رہا ہے ایسے ہی ان کو بھی پکڑا جو پہلے اس زمین پر آباد تھے جو موجودہ لوگوں سے قوت وزمین کے نوادرات میں بہت بڑھ کر تھے اور نہیں تھا ان کے لیے اللہ سے کوئی بچانے والا، حفاظت کرنے والا، نجات دلانے والا، ان کے کچھ کام آنے والا جب ان کو اللہ نے آ پکڑا اور نہ ہی آج موجودہ لوگوں کو ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے ترقی کے نام پر برے اعمال کے سبب اللہ کے عذاب سے بچانے والا ہو گا جو اللہ کا عذاب ان کے بالکل سر پر آ چکا۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ . غافر ٨٢

کیا پس نہیں سیر کررہے گھوم پھر رہے زمین میں؟ یعنی آج دنیا میں آباد موجودہ لوگ زمین میں گھوم پھر رہے ہیں گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کے آثار کو دیکھ رہے ہیں ان کے آثار کو دیکھنے کے لیے بہت شوق سے ان جگہوں کی سیر کررہے ہیں پس دیکھ رہے ہو؟ کیسا ہوا تھا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے یعنی دنیا میں آباد لوگوں سے پہلے اس زمین پر آباد تھے جنہیں زمین میں مکن دیا گیا تھا یعنی اقتدار و اختیار دیا تھا اس زمین میں بسایا تھا؟

وہ جوان سے پہلے زمین پر آباد تھے جو ہلاک ہو چکے وہ قوت میں یعنی مشینوں میں، جدید ترین اسلحے و بارود میں جنگی ساز و سامان میں اور زمین کے نوادرات یعنی زمین کی قیمتی ترین اشیاء جو زمین کے خزانے ہیں جنہیں قدرتی وسائل کا نام دیا جاتا ہے ان سب میں زمین پر آباد موجود لوگوں سے بہت زیادہ تھے اتنے زیادہ کے جتنا زیادہ ہوا جا سکتا ہے پس جب ان کے اپنے ہی کسب یعنی اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے کرتوتوں جو کچھ وہ کر رہے تھے جو کچھ وہ بنا رہے تھے اس کے سبب ہلاکت آئی تو جو کچھ بھی انہوں نے بنایا ہوا تھا مشینیں، طرح طرح کی ایجادات، ٹیکنالوجی، اسلحہ و بارود وغیرہ یا جو کچھ بھی انہوں نے خود ہی بنایا ہوا تھا کچھ بھی کام نہ آیا انہیں اللہ کے عذاب سے کچھ بھی نہ بچا سکا اور آج بالکل وہی تم بھی کر رہے ہو وہ جو اس وقت زمین میں آباد ہو موجودہ لوگ آج تمہارے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے کرتوتوں مفسد اعمال کے سبب جب اللہ کا عذاب آ رہا ہے طرح طرح کی ہلاکتوں کی صورت میں، زلزلوں کی صورت میں، سیلابوں، طوفانوں، سونامی، طرح طرح کی بیماریوں، فرقہ در فرقہ آپس کی لڑائیوں، جنگ وجدل کی صورت میں تو جو کچھ بھی تم نے ترقی کے نام پر جدیدیت کے نام پر ٹیکنالوجی کے نام پر بنا رکھا ہے کچھ بھی تمہارے کام نہیں آ رہا اور جو عذاب عظیم تمہارے سر پر کھڑا ہے عظیم ہلاکت جیسے ہی تم پر آئے گی تو تمہیں تمہارا بنایا ہوا کچھ بھی نفع نہیں دے گا کچھ بھی تمہیں عنقریب آنے والی ہلاکت سے نہیں بچا سکے گا جو کہ بالکل سر پر ہے جس سے تمہیں ہمارا بھیجا ہوا کھول کھول کر متنبہ کر رہا ہے اس کے متنبہ کر دینے کی دیر ہے یعنی ہمارا بھیجا ہوا جیسے ہی اپنی ذمہ داری کو پورا کر لیتا ہے سب کچھ کھول کھول کر پہنچا دیتا ہے تو ویسے ہی تم پر عذاب مسلط کر دیا جائے گا جو تمہارا اور جو کچھ تم نے بنا رکھا ہے سب کا نام ونشان مٹا کر رکھ دے گا۔

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ دَمَّرَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَلِلۡکٰفِرِیۡنَ اَمۡثَالُہَا. محمد ۱۰

کیا پس نہیں سیر کر رہے گھوم پھر رہے زمین میں؟ یعنی آج دنیا میں آباد موجودہ لوگ زمین میں گھوم پھر رہے ہیں گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کے آثار کو دیکھ رہے ہیں ان کے آثار کو دیکھنے کے لیے بہت شوق سے ان جگہوں کی سیر کر رہے ہیں پس دیکھ رہے ہو؟ کیسا ہوا تھا انجام ان لوگوں کا جوان سے پہلے زمین پر آباد تھے یعنی دنیا میں آباد لوگوں سے پہلے اس زمین پر آباد تھے جنہیں زمین میں مکن دیا گیا تھا یعنی اقتدار و اختیار دیا تھا اس زمین میں بسایا تھا؟ یعنی پہلی تباہ شدہ اقوام، قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، اخوان لوط، اصحاب مدین اور آل فرعون وغیرہ جب ان پر اللہ کا امر آیا غرق کر دینے والی، تباہ کر دینے والی، دھنسا دینے والی، چیتھڑے اڑا دینے والی وغیرہ تباہی مسلط کیے جانے کی صورت میں تو اللہ ہے جس نے انہیں صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا بالکل عین اسی طرح کیا جانے والا ہے ان کیساتھ جو اس وقت ہمارے یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے اللہ کے رسول احمد عیسیٰ کی دعوت کا کفر کر رہے ہیں اس وقت جو رسول ہر لحاظ سے کھول کھول کر متنبہ کر رہا ہے حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر رکھ رہا ہے اللہ کی آیات کو کھول کھول کر واضح کر رہا ہے اس کے باوجود اکثریت اسے کذاب کہہ رہی ہے اس کا مذاق اڑا رہی ہے اس کو طنز وتحقیر کا نشانہ بنا رہی ہے ہمارے بھیجے ہوئے کیساتھ دشمنی کر رہی ہے اس کی دعوت کو تسلیم کرنے کی بجائے اس کا انکار کیا جا رہا ہے اس کی دعوت کو تسلیم کرنے والوں پر زمین تنگ کی جا رہی ہے ان کو تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے تو ایسا کرنے والوں کیساتھ بالکل وہی کیا جانے والا ہے جو گزشتہ کفر کرنے والوں کیساتھ کیا جب ان میں کھول کھول کر متنبہ کر دینے والے رسولوں کو بھیجا گیا۔ آج دنیا میں آباد موجودہ لوگوں کا انجام ان سے رائی برابر بھی مختلف نہیں ہوگا عذاب عظیم بالکل سر پر ہے جیسے ہی اللہ کا رسول اپنی ذمہ داری کو پورا کر لیتا ہے تو رسول کی موجودگی میں ان کو بالکل ایسی ہی ہلاکت سے دوچار کیا جائے گا جیسے گزشتہ رسولوں کو متنبہ کرنے کے لیے بھیجا گیا تو ان کا کفر کیے جانے کے سبب ان قوموں کو رسولوں کی موجودگی میں ہلاک کر دیا گیا ان کا صفحہ ہستی سے نام ونشان مٹا دیا گیا سوائے کچھ آثار کے جو بعد میں آنے والوں یعنی آج دنیا میں آباد موجودہ لوگوں کے لیے عبرت حاصل کرنے کے لیے جو یہ نہیں حاصل کرنے والے۔

وَکَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ ہِیَ اَشَدُّ قُوَّۃً مِّنۡ قَرۡیَتِکَ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَتۡکَ اَہۡلَکۡنٰہُمۡ فَلَا نَاصِرَ لَہُمۡ. محمد ۱۳

اور قریہ میں سے کتنی ہی ایسی قریہ تھیں جو اس وقت موجودہ قریہ جس میں سے تجھے نکالا گیا ہوا ہے اس قریہ سے یعنی موجودہ لوگوں کو حاصل شدہ قوت جو کہ مشینوں، ٹیکنالوجی، اسلحے و بارود کی صورت میں ہے سے بہت بڑھ کر تھیں اتنی بڑھ کر کے موجودہ انسان اس کا تصور تک بھی نہیں کر سکتے تو کیا ہوا ان کیساتھ جب انہوں نے ہمارے رسولوں اور ان کی دعوت کو تسلیم کرنے والے بظاہر کمزور مومنین کو ان کے علاقوں سے نکالا ان پر تشدد کیا انہیں تحقیر وتذلیل کا نشانہ بنایا؟ کس نے انہیں ہلاک کیا؟ ہم نے انہیں ہلاک کیا پس جب ہم نے انہیں ہلاک کیا تو ان کی کوئی بھی مدد نہ کر سکا بالکل ایسے ہی آج جس قریہ سے اے ہمارے بھیجے ہوئے

تجھے نکالا گیا اس کو بھی بالکل ویسے ہی ہلاک کیا جانے والا ہے اور ان کو جو اپنی قوت ایٹمی بموں پر بہت بھروسہ ہے یہ سب ان کے کچھ کام نہیں آنے والا، جو ان کے مدد کرنے والے ہیں ان میں سے بھی کوئی بھی ان کی مدد نہیں کرنے والا، عذاب عظیم بالکل ان کے سروں پر کھڑا ہے بس تیری طرف سے اپنے ربّ کی طرف مغلوبیت کی شکایت کرنے کی دیر ہے کہ اے میرے ربّ میں نے وہ مقصد پورا کر دیا جس مقصد کے لیے تُو نے مجھے ان میں بعث کیا یعنی میں نے ان پر حق کھول کھول کر واضح کر دیا ان پر تیری آیات کو کھول کھول کر واضح کر دیا ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے ترقی کے نام پر کیے جانے والے فساد عظیم کو ان کے جرائم کو کھول کھول کر رکھ دیا ان پر احسان عظیم کیا لیکن انہوں نے الاحسان کا بدلہ الاحسان کے چکانے کی بجائے الٹا دشمنی کی، اذیت کا نشانہ بنایا، تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنایا، پاگل و مجنون کہا، کذاب کہا، جو کچھ یہ کر سکتے تھے انہوں نے کیا اب میں مغلوب ہو چکا اس لیے اب تُو اپنا فیصلہ سنا دے تو جیسے ہی ہمارا بھیجا ہوا رسول یہ کہتا ہے ویسے ہی میں یعنی اللہ تم کافرین مجرمین کو عین اسی طرح ہلاک کرنے والا ہوں جیسے پہلوں کو کیا جب رسولوں نے مغلوبیت کی شکایت کرتے ہوئے فیصلہ سنانے کا کہا۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ. ق ٣٦

اور جیسے آج زمین میں آباد موجودہ لوگوں کو ہلاک کیا جا رہا ہے ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے ترقی و جدیدیت اور انسانیت کی فلاح کے نام پر مفسد اعمال کے رد اعمال میں آنے والی ہلاکتوں جو کہ زلزلوں، طوفانوں، سیلابوں، سونامیوں، آندھیوں، زمین کے دھنسنے، فرقہ در فرقہ تقسیم ہو کر آپس کی لڑائیوں، جنگوں وغیرہ کی صورت میں آ رہی ہیں بالکل ایسے ہی ہم نے ہلاک کیا انہیں جو ان سے پہلے زمانوں میں پہلے ادوار میں اس زمین میں آباد تھے جنہیں زمین کا اختیار دیا گیا تھا یعنی قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط و اخوان لوط، قوم مدین اور آل فرعون وغیرہ کو، وہ بھی اپنے ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کو ترقی و جدیدیت کا نام دیتے تھے انسانیت کی فلاح کا نام دیتے تھے جب ہم نے اپنے رسول بھیج کر ان پر حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا تو انہوں نے رسولوں کی بات ماننے کی بجائے الٹا ان کیساتھ دشمنی کی جیسے آج تم کر رہے ہو تو جیسے ان کو رسولوں کی تکذیب کرنے پر ہم نے پکڑا تو لگے شہروں میں جائے پناہ کی تلاش میں کیا انہیں کوئی جائے پناہ ملی؟ تو ان سے بھی کئی گنا بڑی پکڑ ایسی پکڑ کہ اس سے بڑی کوئی پکڑ ہے ہی نہیں تمہیں پکڑا جانے والا ہے ہمارے بھیجے ہوئے کی تکذیب کے سبب اور تم بھی جائے پناہ کے لیے شہروں میں بھاگو گے لیکن تمہیں کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی جیسے ان کو نہیں ملی تھی جو تم سے پہلے تھے۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ.
التوبہ ٦٩

جیسے آج تم ہو جو اس وقت زمین میں آباد ہو تمہارے پاس قوت ہے تمہارا دعویٰ ہے کہ تم سے قوت میں بڑھ کر کوئی نہیں تمہاری قوت جو کہ مشینیں ہیں، ایجادات ہیں، اسباب و وسائل ہیں، جدید ترین اور تباہ کن اسلحہ و بارود ہے بالکل ایسے ہی ان کا کہنا کرنا اور ماننا تھا وہ جو تم سے پہلے تھے وہ قوت میں تم سے بہت زیادہ بڑھ کر تھے اتنے بڑھ کر کے ان سے بڑھ کر کوئی قوت میں نہیں ہوا اور بہت زیادہ تھے اموال و اولاد میں بھی اتنے زیادہ کے ان سے بڑھ کر اموال و اولاد میں کوئی نہ ہوا، پس انہوں نے مزے لوٹے، زندگی میں بہت آسانیاں پیدا کر لیں سہولتوں کے مزے لوٹے خوب فائدے حاصل کیے ساتھ ان کے جو کچھ انہوں نے خلق کیا تھا جو کچھ انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے ایجاد کیا تھا، پس تم بھی مزے لوٹ لو، آسانیاں حاصل کر لو، فائدے اٹھا لو، سہولتوں کے مزے لوٹ لو، دنیا میں جنت کے مزے لوٹ لو ان کے ساتھ جو کچھ تم نے خلق کیا جو کچھ آج ترقی و سہولتوں کے نام پر انسان خلق کر چکا ہے یعنی ٹیکنالوجی، جیسے گاڑیاں، مشینوں سمیت جو کچھ بھی آج انسان بنا چکا ہے اس کیساتھ موجیں کر لو جیسے انہوں نے موجیں لوٹیں جو تم سے پہلے تھے ان کے ساتھ جو کچھ انہوں نے خلق کیا تھا۔ اور تم بھی ایسے ہی کرتوت کرو جس سے اللہ کی مخلوقات میں خرابیاں ہوں یعنی اللہ کی مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ کرو، فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر کے خرابیاں کرو جیسے انہوں نے بھی اپنے کرتوتوں سے فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر کے اس میں خرابیاں کر دی تھیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال یعنی جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں ضائع ہو گئے دنیا میں اور آخرت میں بھی یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی انہیں ان کے اعمال کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ یہی اعمال انہیں دنیا و آخرت میں الٹا خسارے

میں ڈلوائیں گے اوریہی ہیں وہ جو خسارے ہی خسارے میں جا رہے ہیں۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّثَمُوْدَ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔ التوبہ ۷۰

اللہ آج اس وقت دنیا میں آباد موجود لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا ہے پوچھ رہا ہے کہ کیا نہیں آئی ان کے پاس نبا یعنی وہ علم جو اس سے پہلے اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں تھا ان کے بارے میں جو ان سے پہلے تھے قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود اور قوم ابراہیم اور اصحاب مدین اور وہ بستیاں وہ خطے جن پر زمین کا نچلا حصہ ان کے اوپر ڈال دیا گیا یعنی پگھلے ہوئے لاوے تلے دبا دیئے گئے؟

یعنی اے اس وقت دنیا میں آباد لوگو جو ترقی، جدیدیت وانسانیت کی فلاح کے نام پر رات دن اللہ کیساتھ دشمنی کر رہے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہو، ان میں پنگے لے رہے ہو، آسمانوں اور زمین کی مخلوقات کو ان کے مقامات سے ہٹا رہے ہو، ان کا غلط استعمال کر رہے ہو، ترقی کے نام پر آسمانوں وزمین میں فساد کر رہے ہو، لوگوں کے استعمال کی اشیاء میں فساد کر رہے ہو کیا اس وقت تم میں تمہی میں سے ہمارا رسول یعنی ہمارا بھیجا ہوا نہیں آ گیا؟ جس نے تم پر یہ سب کھول کھول کر واضح کر دیا اس سے پہلے تم یہی سمجھتے رہے کہ تم ترقی کر رہے ہو تم تو بہت اچھے اعمال کر رہے ہو، تم پہلی بار اور پہلے ایسے ہو جنہوں نے اتنی ترقی کی تم سے پہلے تو انسان ہر دور میں پتھر کے دور میں رہا لیکن آج ہمارے بھیجے ہوئے نے تم پر کھول کھول کر واضح کر دیا کہ وہ قومیں جو تم سے پہلے اس زمین پر آباد تھیں جنہیں زمین میں ممکن دیا گیا تھا وہ تم سے نوے فیصد ان سب میں بڑھ کر تھیں تم ان کے دس فیصد کو بھی نہیں پہنچے اور نہ ہی پہنچ سکتے ہو ان کو جو قوت وزمین کے آثار حاصل تھے تم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

کیا آج تمہیں ہم نے اپنے رسول یعنی تمہی میں سے تم میں بھیجے ہوئے ایک بشر کے ذریعے کھول کھول کر واضح نہیں کر دیا؟ ان ہلاک شدہ اقوام کے بارے میں علم نہیں دے دیا گیا کہ انہوں نے کیا کیا اور پھر بالآخر ان کا انجام کیا ہوا؟ یقیناً آج تمہیں ہمارا رسول یعنی ہمارا بھیجا ہوا یہ سب علم دے چکا تم پر کھول کھول کر واضح کر چکا بالکل ایسے ہی جیسے وہ جو تم سے پہلے زمین میں آباد تھے جب انہوں نے بھی یہ سب کیا تو ان میں رسول بھیجے جنہوں نے اسی طرح سب کچھ کھول کھول کر ان پر واضح کر دیا، جب آئے ان میں سے ہی ان میں ہمارے رسول جنہوں نے سب کچھ کھول کھول کر رکھ دیا تو ان قوموں نے ان کا کذب کیا ان کیساتھ دشمنی کی یعنی بالکل وہی سب کیا جو آج تم ہمارے بھیجے ہوئے کیساتھ کر رہے ہو تو پھر ان کی اس تکذیب کے سبب ان کا انجام کیا ہوا؟ پس نہیں تھا کہ اللہ ظلم کر رہا ہے ان کے لیے یعنی جب الاولین نے یہی سب کیا جب عذاب سر پر آ کھڑا ہوا تو رسول بھیج کر حجت کی اور آج اللہ رسول نہ بھیجے؟ اور جب ہلاکت آئی تو ایسا نہیں کہ اللہ جان بوجھ کر ہلاکت مسلط کرتا ہے بلکہ یہ ظلم یہ لوگ خود ہی کر رہے ہیں، خود اپنے ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کیساتھ عذابوں کو ہلاکت کو دعوت دیتے ہیں اور جب اللہ رسول بھیج کر سب کھول کھول کر رکھ دیتا ہے تو پھر بھی نہیں مانتے بلکہ الٹا رسولوں کی بھی تکذیب کر دیتے ہیں ان کیساتھ بھی دشمنی کرتے ہیں حالانکہ ان کو چاہیے تھا کہ ہم اپنے رسولوں کے ذریعے ان پر احسان عظیم کر رہے ہیں اور یہ بچ جائیں لیکن یہ مجرمین ہیں یہ بچنے والے ہیں ہی نہیں۔

اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۔ فاطر ۴۳

کیا کر رہے ہیں؟ یعنی اس وقت دنیا میں موجود لوگ کیا کر رہے ہیں؟ استکبار کر رہے ہیں زمین میں یعنی زمین میں بڑے بنے ہوئے ہیں زمین کی مخلوقات کو اپنی مرضی کے احکامات دے رہے ہیں انہیں اپنی مرضی کیمطابق استعمال کر رہے ہیں زمین میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں ہر مخلوق کا مقام یہ خود طے کر رہے ہیں جیسے کہ یہ بڑے ہیں ان سے کوئی بڑا نہیں جو ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں اور جو بڑی بڑی منصوبہ بندیاں ہیں ان کی انتہائی بری منصوبہ بندیاں ہیں جو یہ ترقی و جدیدیت اور انسانیت کی فلاح کے نام پر بڑی بڑی منصوبہ بندیاں کر رہے ہیں انتہائی بری منصوبہ بندیاں ہیں اور نہیں واپس آ گھیرتیں بری منصوبہ بندیاں مگر انہی کو آ گھیرتی ہیں جو ایسی منصوبہ بندیاں کرتے اور ان پر عمل کرتے ہیں یعنی جو ان کے اہل ہوتے ہیں جن کا جس حد تک اس میں حصہ ہوتا ہے اسی حد تک وہ ایسی بری منصوبہ بندیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ پس کیا ہے جس کا انتظار کر رہے ہو؟ آگے سے ان کا جواب یہی ہے کہ ابھی کچھ نہیں ہونے والا ابھی تو بہت کچھ

ہونا باقی ہے ابھی تو بہت کچھ آنا باقی ہے ہم ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ نہیں انتظار کر رہے مگر الاولین کی ہی سنت یعنی جب یہ انہی کے طریقے پر چل رہے ہیں جو ان سے پہلے زمانوں میں ہلاک ہو چکے تو پھر کس کا انتظار ہے؟ انہیں یعنی ان کیساتھ بھی وہی ہو گا جو پہلوں کیساتھ ہوا تھا ان میں بھی جب رسولوں کو بعث کیا گیا اور رسولوں نے سب کچھ کھول کھول کر رکھ دیا تو ان لوگوں نے نہ مانا انہوں نے بھی یہی کہا کہ ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا ابھی تو کچھ بھی نہیں آیا ابھی تو بہت کچھ آنا باقی ہے تم کذاب ہو جو تم کہہ رہے ہو کہ سب کا سب آ چکا اور پھر آخر کیا ہوا؟ کیا وہ سب آیا جس جس کا بھی وہ انتظار کر رہے تھے یا پھر وہ آیا جس سے رسولوں نے متنبہ کیا عذاب عظیم یہی اللہ کی سنت ہے یعنی اللہ کا طریقہ ہے پس نہیں تم پاؤ گے اللہ کی سنت یعنی اللہ کے طریقے میں تبدیلی اور نہیں پاؤ گے اللہ کی سنت میں ذراسی بھی ترمیم ذراسی بھی نرمی یعنی جیسے ہی ہمارا رسول جو ہمارا بھیجا ہوا ہے جو تم پر سب کچھ کھول کھول کر واضح کر رہا ہے یہ اپنی ذمہ داری کو پورا کر لیتا ہے تو الاولین کی طرح تم پر بھی ویسا ہی عذاب عظیم آئے گا جو تمہیں دنیا و آخرت میں عظیم ہلاکت سے دوچار کرے گا تمہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا . فاطر ۴۴

اللہ اس وقت دنیا میں آباد لوگوں سے اپنے رسول کے ذریعے کلام کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کیا اور نہیں گھوم پھر رہے زمین میں؟ زمین میں سیر نہیں کر رہے؟ یعنی آج دنیا میں آباد موجودہ لوگ زمین میں گھوم پھر رہے ہیں گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کے آثار کو دیکھ رہے ہیں ان کے آثار کو دیکھنے کے لیے بہت شوق سے ان جگہوں کی سیر کر رہے ہیں پس دیکھ رہے ہو؟ کیسا ہوا تھا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے؟

وہ جو ان سے پہلے زمین پر آباد تھے جو ہلاک ہو چکے وہ قوت میں یعنی مشینوں میں، جدید ترین اسلحے و بارود میں جنگی ساز و سامان اور فوجوں وغیرہ میں زمین پر آباد موجود لوگوں سے بہت بڑھ کر تھے اتنے بڑھ کر کے ان سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوا۔ ان پر جب اللہ کی آیات آتیں یعنی جب ان پر ہلاکتیں مسلط ہوتیں تو وہ ان کا مقابلہ کرتے طوفانوں کو ٹال دیتے، سیلابوں، طوفانوں، آندھیوں وغیرہ سے نمٹنے کی ان کو صلاحیتیں حاصل ہو چکی تھیں جس سے وہ سمجھتے تھے کہ کوئی بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے یعنی وہ اپنی طرف سے اللہ کو عاجز کر چکے تھے کہ ان کے سامنے اللہ یعنی یہ وجود فطرت بھی بے بس ہو چکی ہے وہ اتنے قوت میں بڑھ چکے ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ آسمانوں میں اور نہ ہی زمین میں کوئی ایک بھی شئے ایسی ہے جو اللہ کو عاجز کر سکے وہ سب تو اللہ کی ہی منصوبہ بندی تھی اور بالآخر جب اللہ نے انہیں بڑی پکڑ پکڑا تو وہ اللہ کو عاجز نہ کر سکے ان کے کچھ بھی کام نہ آیا جو بھی ان کو قوت حاصل ہو چکی تھی۔ اس میں کچھ شک نہیں یہ جو وجود موجود ہے تھا تسلسل کیساتھ چھوٹے سے چھوٹا علم والا اور اس علم کو پورے حساب کتاب سے انتہائی باریکی اور پیچیدگی سے استعمال ہونا طے کر دیا جو استعمال ہو رہا ہے۔ یعنی جب چھوٹی موٹی ہلاکتیں آتیں جنہیں وہ کاونٹر کرنے کی صلاحیتیں حاصل کر چکے تھے تو یہ اللہ عاجز نہیں آیا تھا بلکہ یہ تو اللہ نے قدر میں ہی ایسا کیا ہوا ہے اسی وجہ سے مجرمین مزید جرم میں دن بہ دن آگے بڑھتے ہیں کہ انہیں کوئی پوچھنے والا کوئی روکنے والا نہیں بلکہ وہ جو چاہیں کرتے پھریں انہیں کوئی زوال نہیں اور جب وہ اپنا پورا زور لگا لیں تب ان کو ان کی اوقات یاد دلائی جائے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ. فصلت ۱۵

پس اس وقت جو زمین میں آباد ہیں یہ وہی عاد ہیں جو ماضی میں گزر چکے پس یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ استکبار کر رہے ہیں زمین میں بغیر حق یعنی انہیں یہ حق حاصل نہیں کہ یہ آسمانوں اور زمین میں کسی بھی مخلوق کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کریں انہیں اپنی مرضی کیمطابق احکامات دیں ان کو ان کے مقامات سے ہٹائیں خود سے ان کے مقامات کا تعین کریں کہ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں یہ بڑے ہیں انہیں اس کا حق نہیں ہے بلکہ ایسے ہی جو عاد تھے انہوں نے بھی کیا اور یہ کہہ رہے ہیں کہ کون ہے جو ہم سے قوت میں یعنی مشینوں، ٹیکنالوجی، اسلحے و بارود میں بڑھ کر ہے؟ یہ کہہ رہے ہیں کہ زمین میں جتنے بھی لوگ ہیں ان کو کیسے رہنا ہے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا جو بھی صلاحیتیں دی گئیں ان کا استعمال کس کے لیے کرنا ہے ہم طے کریں گے یعنی زمین میں جو بھی آباد ہیں انہیں ہماری غلامی کرنا ہو گی جیسے ہم کہیں ویسا رہن سہن ہو گا ویسے طور طریقے ہوں گے ہماری مرضی کے مطابق جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ان سب کا استعمال کرنا ہو گا حالانکہ انہیں یہ حق

حاصل نہیں کیونکہ کیا یہ لوگوں کے خالق ہیں جو انہیں اس کا حق حاصل ہے؟ کیا انہوں نے یہ سب لوگوں کو دیا؟ لوگوں کو دماغ، دیکھنے سننے اور سمجھنے کی صلاحیتیں کیا انہوں نے دیں؟ جو ان کی ضروریات ہیں کیا یہ خلق کر کے فراہم کر رہے ہیں؟ آسمانوں اور زمین کو کیا یہ وجود میں لائے؟ یعنی یہ ربّ ہیں؟ اگر نہیں تو ان کو یہ حق کس نے دیا کہ یہ زمین میں بڑے بن بیٹھیں؟ یہی ان کا بھی کہنا، کرنا اور ماننا تھا وہ جو عاد تھے جو ماضی میں گزر چکے تو پھر ان کا انجام کیا ہوا؟ کیا اور نہیں دیکھ رہے اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا وہ ذات جس نے انہیں خلق کیا ہے جو بھی موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو جو ذات جو وجود سامنے آئے یہی اللہ ہے یہی وہ ذات ہے جسے حق حاصل ہے تکبر کا، جو ربّ ہے، جسے حق حاصل ہے کہ اس کی غلامی کی جائے یعنی جو کچھ بھی دیا گیا اسی ذات نے دیا اور اسی کے لیے اس کا استعمال کیا جائے، یہی ذات ہے جو ان سے قوت میں اتنی بڑھ کر ہے کہ اس ذات یعنی فطرت سے قوت میں بڑھ کر کوئی تھا ہے اور نہ ہی کوئی ہو سکتا ہے، تو جب اللہ انتقام لیتا ہے یعنی جنہیں یہ قدرتی آفات کا نام دیتے ہیں تو تب ان کی ٹیکنالوجی، ان کی ایجادات ان کی قوت جو کہ ان کی مشینیں ہیں ان کے اثاثے کہاں جاتے ہیں؟

آج جب چھوٹی موٹی ہلاکتیں آ رہی ہیں اللہ کی آیات آ رہی ہیں تو ان کو یہ صلاحیت حاصل ہو چکی کہ ان کا مقابلہ کر سکیں جو یہ کر رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ انہیں کوئی زوال نہیں لیکن جان لیں اللہ ان سے قوت میں بڑھ کر ہے اور نہ صرف قوت میں بڑھ کر بلکہ علیم قدیر ہے یہ جو آج تم چھوٹی موٹی ہلاکتوں سے نمٹ کر سمجھ رہے ہو تمہیں کوئی زوال نہیں یہ اللہ ہی کی منصوبہ بندی ہے تم اللہ کی منصوبہ بندی کا شکار ہو چکے ہو عنقریب تم پر واضح ہونے ہی والا ہے تم اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے ہو جیسے قوم عاد نے دیکھا تھا وَكَانُوا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡن اور وہ تھے جیسے یہ اس وقت قوم عاد کی مثل موجودہ لوگ دنیا میں آباد ہیں اللہ کی آیات کیساتھ جحد کر رہے ہیں یعنی ان کے پاس اتنا علم تھا کہ جب بھی کوئی آندھی، طوفان، کوئی عذاب آنے والا ہوتا تو وہ ایسے بندوبست کرتے کہ یا تو وہ عذاب نہ آتا یا پھر وہ عذاب ان کا کچھ بگاڑ نہ پاتا جس کی وجہ سے وہ سمجھتے تھے کہ کوئی بھی قوت میں ان سے بڑھ کر نہیں ہے۔ جیسے آج امریکہ و مغرب اور چین و جاپان وغیرہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی ان سے طاقت میں بڑھ کر نہیں لیکن اس کے باوجود کوئی بھی ایسی تباہی جنہیں قدرتی آفات کہتے ہیں ان کے آگے یہ لوگ بے بس ہیں اور اگر آج ان کو ایسے وسائل حاصل ہو جائیں کہ ایسی آفات بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ پائیں تو ذرا تصور کریں کہ ان کا دعویٰ کیا ہوگا؟ یہ یہی سمجھیں گے کہ کائنات میں اگر کوئی ربّ ہے تو یہی ہیں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں اور کوئی بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور آج کسی حد تک انہیں یہ صلاحیتیں حاصل ہو چکیں جس سے یہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ کوئی ان سے قوت میں بڑھ کر نہیں انہیں کوئی زوال نہیں لیکن جلد ہی یہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے ہیں کہ کون ہے ان سے قوت میں بڑھ کر جب ان کا صفحۂ ہستی سے نام و نشان مٹایا جانے والا ہے۔

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيۡقَهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَخۡزٰى وَهُمۡ لَا يُنۡصَرُوۡنَ.

فصلت ١٦

پس بھیجی ہم نے ان پر ہوا صرصراً ان کے لیے ایسے ایام میں جن ایام میں ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا جو دن ان کے لیے تباہ کن ثابت ہوئے انہیں مزہ چکھانے کے لیے ذلت آمیز سزا دنیا کی زندگی میں اور ان کے لیے ہے آخرت میں بھی ذلت آمیز سزا اور یہ جو اس وقت دنیا میں موجود ہیں ان کیساتھ بھی بالکل وہی کیا جانے والا ہے ان کے لیے بھی ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے بھیانک ردِ اعمال کی صورت میں سزا ہے آخرہ میں بھی اور کوئی نہیں جو ان کی مدد کرنے والا ہو نہ یہ دنیا و آخرت میں مدد کیے جا رہے ہیں۔

رِيۡحًا صَرۡصَرًا۔ یہ ان لہروں کو کہتے ہیں جو میزائلوں سے داغے جانے والے اور جہازوں سے زمین پر گرائے جانے والے ایٹمی و ہائیڈروجن بموں کے پھٹنے اور دھماکوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ قوم عاد اچانک آپس میں ہونے والی ایٹمی جنگ کی وجہ سے ہلاک ہوئی۔

یہ تھیں وہ پچھلی قومیں اور وہ کیا شئے تھی جس کے دجل کا شکار ہو کر وہ سمجھتے تھے کہ انہیں کوئی زوال نہیں لیکن جب عذاب آیا تو تب انہیں ادراک ہوا کہ جن وسائل کے بھروسے پر وہ بڑے بڑے دعوے کر رہے تھے وہ سوائے دجل یعنی دھوکے کہ کچھ ثابت نہ ہوا اور وہ وسائل وہ ٹیکنالوجی ان کے کچھ کام نہ آئی۔ یہی وہ الدجّال تھا جس سے تمام کے تمام انبیاء متنبہ کرتے رہے کہ اس ٹیکنالوجی کے دجل کا شکار ہو کر ترقی کے نام پر آسمانوں اور زمین میں فساد نہ کرو، فطرت میں چھیڑ چھاڑ نہ کرو لیکن وہ نہ مانے اور ان کا انجام کیا ہوا وہ آج آپ کے سامنے ہے۔ قرآن کی ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر الدجّال تھا اور ہے تو وہ

صرف اور صرف ٹیکنالوجی ہے یہی اسباب و وسائل جنہیں ترقی کا نام دیا جا رہا ہے، جسے صنعتی انقلاب کا نام دیا جا رہا ہے، وہ وسائل وہ مشینیں، وہ اسلحہ و بارود ہیں جنہیں آج دنیا میں آباد موجودہ لوگ ترقی کا نام دیتے ہیں اور فخر کرتے تھکتے نہیں اور اگر یہ الدجّال نہیں تو پھر الدجّال کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

آپ تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں کہ وہ قومیں آج موجودہ لوگوں سے کس قدر قوت میں بڑھ کر تھیں۔

درج ذیل اینٹوں کی تصاویر قوم نوح کی ہیں اور کاربن فورٹین ڈیٹنگ ٹیکنالوجی کی مدد سے آج یہ ثابت بھی ہو چکا ہے کہ یہ اینٹیں ایسی آسمان کو چھوتی بلند ترین عمارتوں کی تھیں جو آج سے تقریباً پانچ ہزار سال پہلے ایک عظیم سیلاب کی وجہ سے تباہ ہو کر زیر زمین دب گئیں۔ قرآن میں اللہ نے واضح کر دیا کہ یہ قوم نوح تھی۔ ان اینٹوں میں سے جو سب سے بڑی اینٹ دریافت ہوئی ہے اس کی لمبائی ساٹھ فٹ چوڑائی اور موٹائی چالیس چالیس فٹ اور وزن کم سے کم بارہ سوٹن سے زیادہ ہے جس کا تصور کرنا بھی محال ہے۔ آج بڑے بڑے سائنسدان بھی اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ اینٹیں کیسے بنائی گئیں اور کیسے ان کو اٹھا کر عمارتیں تعمیر کی گئیں اور اگر یہ انسان کا کام ہے تو وہ انسان موجودہ انسانوں کے پاس ٹیکنالوجی میں غیر تصور حد تک آگے تھے۔ اللہ نے قرآن میں واضح بتا دیا کہ یہ انسانوں کا ہی کام ہے جو قومیں تم سے پہلے زمین پر آباد تھیں اور تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ پہلی قوموں کا نہ ہی دس فیصد ہے اور نہ ہی موجود انسان ان کے دس فیصد کو پہنچ سکتے ہیں۔

تصاویر میں نظر آنے والے یہ بلاک بھی قوم نوح کے وقت کے ہیں۔ آج کے تمام بڑے بڑے سائنسدان ان بلاکس پر تحقیقات کر چکے ہیں اور وہ ناکام رہے ہیں یہ جاننے میں کہ آیا یہ بلاک کس طرح پتھروں کو تراش کر بنائے گئے۔ اس ڈیزائننگ میں موجودہ دور میں پتھر سے ایسے بلاک تراشنا ناممکن ہے دوسری بات یہ کہ جس صفائی کے ساتھ ان کی کٹائی کی گئی ہے آج کے تمام کے تمام ذرائع سے پتھر کو کاٹ کر ان کا مائکروسکوپ سے معائنہ کیا گیا ہے لیکن اس صفائی سے نہیں کاٹا جا سکا جس صفائی سے یہ بلاکس کاٹے گئے۔ بالآخر جو نتیجہ اخذ کیا گیا وہ یہ کہ جس قوم نے بھی انہیں کاٹا وہ موجودہ ٹیکنالوجی سے کئی گنا بڑھ کر غیر معمولی ٹیکنالوجی کی حامل تھی۔
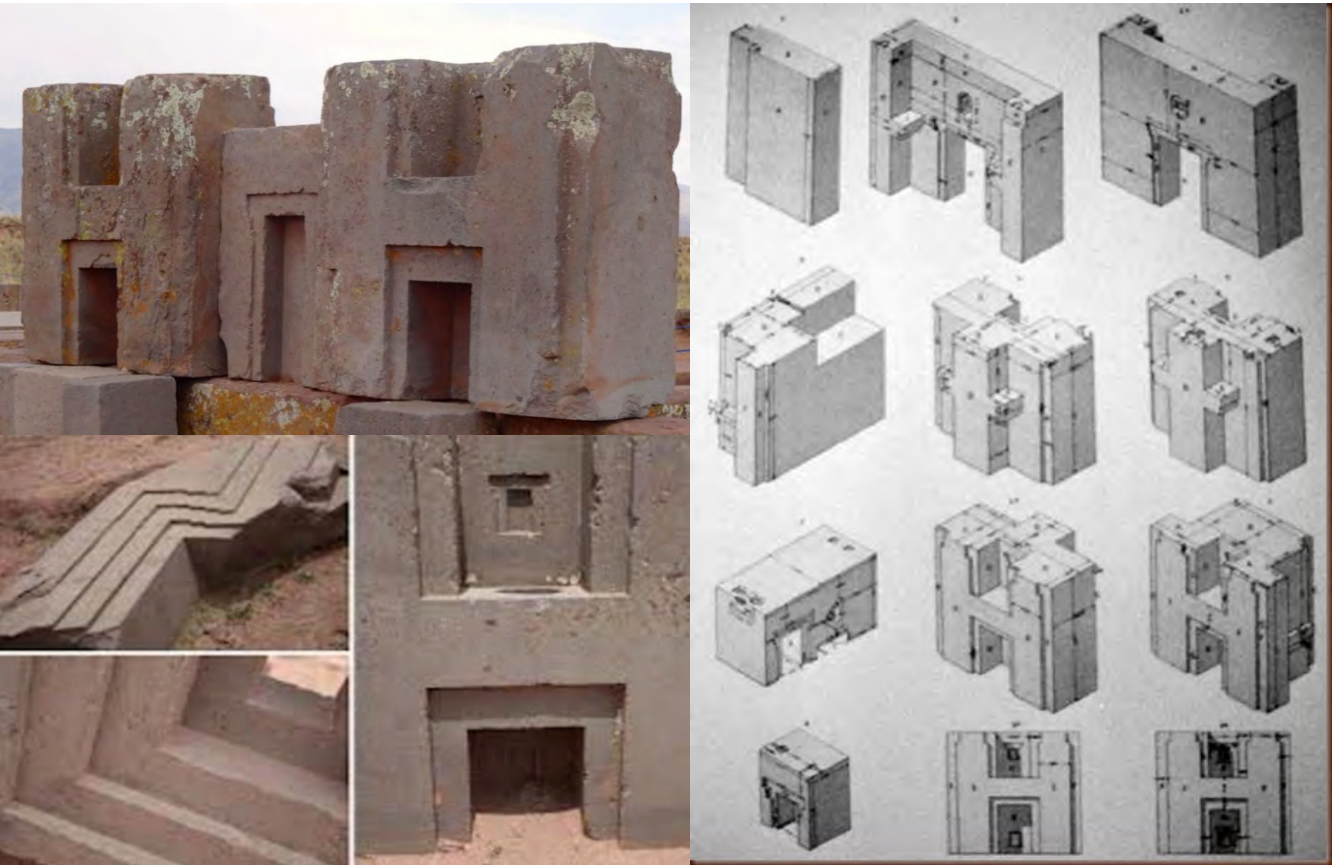
پھرتحقیقات سے پتہ چلا کہ جس مقام پر یہ بلاکس دریافت ہوئے یہاں کوئی بڑی بڑی عمارتیں تھیں اور ممکنہ طور پر جیسے آج ریلوے یا بس اسٹیشن ہیں اسی طرح کسی جدید ٹرانسپورٹ کے نظام کا کوئی اسٹیشن تھا جو آج سے پانچ ہزار سال پہلے کسی غیر معمولی بہت بڑے سیلاب کی وجہ سے تباہ ہوا۔ یہ بلاکس بالکل ایسے ہی زمین میں دھنسے ہوئے ہیں جیسے سیلاب کے بعد رہ جانے والی مٹی میں کوئی شئے دھنس جاتی ہے یعنی شئے تو اپنی جگہ پر پڑی ہوتی ہے پانی کا دباؤ اسے الٹ پلٹ کرتا ہے اور جب پانی اترتا ہے جو پیچھے مٹی کی تہہ میں شئے دھنسی رہ جاتی ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ تاریخ میں اگر کوئی ایسا سیلاب آیا تو وہ قوم نوح پر آیا تھا اس کے علاوہ قوم نوح کے اور بھی بہت سے آثار ہیں موضوع طویل ہونے کی وجہ سے ان کو یہاں بیان نہیں کیا جاسکتا اس لیے اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

یہ دریافتیں ماضی کی نہیں بلکہ موجودہ دور کی ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے بڑے بڑے راز اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج ہی یہ سب دریافتیں کیوں ہو رہی ہیں؟ اس سے پہلے چودہ صدیاں گزریں ان میں یہ دریافتیں کیوں نہ ہوئیں؟ تو اس سوال کا جواب بہت آسان ہے لیکن یہ اللہ کی حکمت کا مظہر ہے۔ موجودہ دور سے قبل یہ دریافتیں ہونا اللہ کے قانون میں ناممکن تھیں جس کی وجہ یہ دریافتیں ممکن ہی اس ٹیکنالوجی سے تھیں جو آج موجود ہے اور پہلے نہیں تھی اور یہ دریافتیں اس سے قبل ہوتیں بھی تو لوگ انہیں سمجھ نہیں سکتے تھے کیوں کہ ان کے پاس جو وسائل تھے اور جس وقت میں وہ زندگی گزار رہے تھے ان کے لیے انہیں سمجھنا ناممکن تھا کیونکہ ان کے مشاہدات میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا اور جب تک انسان مشاہدہ نہیں کر لیتا تب تک اس بارے میں کسی بھی بات کا احاطہ کرنا اس کے دماغ کے بس سے باہر ہوتا ہے یا پھر بہت مشکل۔ آج کے دور کا ہر خاص و عام انسان ان کے ذریعے ہلاک شدہ اقوام کی قوت کا اندازہ لگا سکتا ہے اسی لیے یہ موجودہ دور میں دریافتیں ہوئیں اور اس سے بھی بڑا راز اس میں یہ ہے کہ موجودہ دور میں یہ سب دریافت ہونا موجودہ انسانوں کے لیے اللہ کی طرف سے انہیں ان کا انجام دکھایا جا رہا ہے کہ اب تم بھی اس انجام کے دہانے پر پہنچ چکے ہو جو کہ آیا ہی چاہتا ہے۔ جو عقل والے ہوئے تو ایمان لا کر اصلاح کرنے والے اعمال کریں گے اور اس آنے والے عذاب کا ادراک کرتے ہوئے اپنی دنیا و آخرت کو محفوظ بنا لیں گے لیکن جو بے وقوف ہوں گے حالانکہ وہ بڑے عقل مند ہونے کے دعوے کرتے ہیں اس کے باوجود کہ جس شاخ پر بیٹھے ہیں اسی کو کاٹ رہے ہیں ان کا انجام بالکل ویسا ہی ہونے والا ہے جو ہلاک شدہ اقوام کا ہوا اور آپ آج ان کا انجام ان کے آثار سے اور موجودہ دور میں بالکل اسی طرح آنے والی ہلاکتوں کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔

تصاویر میں نظر آنے والی اینٹوں کی لمبائی، چوڑائی اور موٹائی سمیت حجم پر غور کریں تو یہ چونکا دینے والے آثار ہیں قوم نوح کے۔ آج انسان بڑے بڑے دعوے کرتا ہے کہ وہ بہت ترقی کر چکا ہے اس کے باوجود ایسی اینٹیں بنانا تو دور کی بات موجودہ ٹیکنالوجی سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر ایسی اینٹوں کو اٹھانا اور ان سے عمارات کی تعمیر بھی انسان کے وہم وگمان سے باہر ہے۔ یہی وہ ہلاک شدہ اقوام کے آثار ہیں جن سے عبرت حاصل کرنے کے لیے قرآن میں اللہ نے بار بار کہا کہ کیا زمین میں سیر نہیں کر رہے؟ یعنی تم زمین میں سیر کر رہے ہو اور ہلاک شدہ اقوام کے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اس کے باوجود تم اندھے اور بہرے ہو کہ تمہیں کچھ دکھائی اور سنائی ہی نہیں دے رہا اور آسمانوں اور زمین میں فساد کرنے میں رات دن ایک کیا ہوا ہے۔ سیر کے لیے ضروری نہیں کے ذاتی طور پر پوری زمین کا سفر کیا جائے بلکہ آج کے دور میں تو انسان گھر میں اپنے کمرے میں اپنے بستر پر بیٹھ کر زمین کے کونے کونے کی سیر کر سکتا ہے۔ اصل مقصد ہے گزری ہوئی قوموں کے آثار کو دیکھنا اور پھر ان کے ذریعے عبرت حاصل کرنا ان کے ذریعے یہ جاننا کہ وہ اقوام موجودہ قوم سے کس قدر بڑھ کر تھیں اتنی بڑھ کر تھیں کہ آج موجودہ انسان جو بہت ترقی یافتہ ہونے کا دعویدار ہے اس کے باوجود اس کا تصور نہیں کر سکتا اور جب وہ قومیں اس قدر ان سب میں بڑھ کر ہونے کے باوجود ہلاک ہوگئی ان کے کچھ کام نہ آیا تو موجود انسانوں کو کیا ہے جو ہلاکت سے بچا سکے گا؟

ان اینٹوں کو سامنے رکھ کر قرآن کی پیچھے بیان کردہ آیات پر نظر دوڑائیں کہ ایسی اینٹوں سے کیسے کیسے مضبوط محلات تعمیر کیے ہوئے تھے ان قوموں نے۔ لیکن جب ان پر الساعت آئی، اللہ کا امر آیا تو ان کا یہ کسب یعنی ان کی یہ کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی اللہ کے امر سے نہ بچا سکی۔

آج انسان نے آسمانوں کو چھوتی عمارتیں تعمیر کر لیں جن کو وہ بہت مضبوط تصور کرتا ہے حالانکہ یہ ان قوموں کے مقابلے پر کچھ بھی نہیں۔ ذرا تصور کیجئے کہ اگر آج ایسا طوفان آئے جیسا قوم نوح کے وقت آیا تو موجودہ انسانوں کے کوئی آثار پیچھے باقی رہیں گے؟ حالانکہ ایسی کسی بھی تباہی کے بعد کسی بھی قوم کے جو آثار پیچھے بچتے ہیں وہ صرف ان کی تعمیر کردہ عمارتوں کے آثار ہوتے ہیں اور انہی عمارتوں سے ہی کسی قوم کی قوت وترقی جو کہ اصل میں فساد فی الارض ہے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

وَهِيَ تَجْرِىْ بِهِمْ فِىْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ. ھود ۴۲

اور وہ ''نوح علیہ السلام کا بحری بیڑہ'' بہہ رہا تھا ان کیساتھ پہاڑوں جیسی لہروں میں۔

قوم نوح جس طوفان میں غرق ہوئی اس طوفان میں پہاڑوں جیسی بلند لہریں تھیں اب ذرا تصور کریں زمین پر کتنا پانی تھا کہ پانی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا اور اس میں طوفان کے دوران پہاڑوں جیسی لہریں تھیں۔

دنیا میں سب سے بلند ترین پہاڑ جو تسلیم کیا جاتا ہے اس کی اونچائی آٹھ کلومیٹر اور آٹھ سو اڑتالیس میٹر ہے یعنی تقریباً نو کلومیٹر کے قریب بلند۔ اس کے علاوہ سات، آٹھ کلومیٹر اونچے بھی بہت سے پہاڑ ہیں اور اگر بات کی جائے پانچ سے چھ کلومیٹر اونچے پہاڑوں کی تو وہ لاتعداد ہیں۔

قوم نوح پر آنے والے سیلابی طوفان میں آٹھ، نو، نو کلومیٹر بلند لہریں تھیں جن کا تصور کرنا بھی انسان کے بس سے باہر ہے۔ ان لہروں کے آگے کیا ٹھہر سکتا ہے؟ آج کے انسان کی تعمیرات کے تو نام ونشان ہی مٹ جائیں اور سیلاب کے ختم ہونے کے بعد جو کئی میٹر مٹی کی تہہ اوپر چڑھ جاتی تو شہروں کے شہروں کا ملبہ اسی مٹی میں دب کر غائب ہو جائے اور یہی قوم نوح کیساتھ ہوا۔

پھر ایسا بہری بیڑا جو ایسی لہروں میں نہ صرف قائم رہا بلکہ اس میں سوار تمام مخلوقات بالکل محفوظ واپس زمین پر اتریں تو تصور کریں کہ وہ کیسا عظیم بحری بیڑہ تھا جو نوح علیہ السلام نے خلق کیا۔ اور پھر اس کی خلق کیا پتھر کے دور میں رہنے والا کوئی شخص کر سکتا ہے؟

جب ایسا بحری بیڑہ تو آج کی موجودہ ٹیکنالوجی سے بھی بنانا ناممکن ہے بلکہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تو پھر قوم نوح کس قدر ٹیکنالوجی کی حامل تھی اسی سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

پھر اس میں تمام کے تمام جانداروں کا جوڑا جوڑا سوار کیا نہ صرف تمام کے تمام جانداروں کا جوڑا جوڑا بلکہ تمام اقسام کے بیج بھی اس میں محفوظ کیے۔ پھر ہر جاندار کی خوراک الگ، رہن سہن کا ماحول الگ، موسم یعنی درجہ حرارت الگ، شیر اور بکری اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ ہر ایک کی خوراک کا ذخیرہ، خوراک کو محفوظ کرنے کے انتظامات۔ اگر تھوڑا سا بھی غور وفکر کریں تو وہ بحری بیڑہ نہ صرف انتہائی غیر معمولی ٹیکنالوجی سے تیار کیا گیا بلکہ انتہائی غیر معمولی ٹیکنالوجی کا حامل

تھا۔

اس طوفان سے بچنے کے لیے قوم نوح میں سے جو اپنی غیر معمولی قوت اور مضبوطی کے حامل بحری بیڑوں میں سوار ہوئے وہ ان موجوں کا سامنا نہ کر سکے اور تباہ و برباد ہو گئے۔ آج دنیا میں سمندر کا بہت سا حصہ ایسا ہے جو اس سے قبل سمندر نہیں بلکہ خشکی تھا لیکن اس سیلاب کے بعد سمندر میں تبدیل ہو گیا۔

پھر ذرا غور کریں کہ طوفان کے دوران نوح اپنے بحری بیڑے میں تھے اور طوفان میں پہاڑوں جیسی بلند لہریں تھیں جن میں ان کا بحری بیڑہ تیر رہا تھا اس دوران دور کسی مقام پر اپنے بیٹے سے بات کر رہے تھے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کس طرح اپنے بیٹے سے رابطے میں تھے جب تک کہ ان کا بیٹا ہلاک نہیں ہو گیا؟ کوئی کم سے کم عقل بھی ہو تو آج کے دور میں اس کے لیے اس بات کو سمجھنا انتہائی آسان ہے کہ ظاہر ہے اتنے عظیم طوفان میں آمنے سامنے تو بات ہو نہیں رہی تھی بلکہ ایسی ہی ٹیکنالوجی سے بات کرنا ممکن تھی جو آج موجود ہے یعنی مواصلاتی نظام، موبائل فون وغیرہ۔

اللہ کی یہ آیات عقل والوں کے لیے ہیں اللہ نے اسی لیے غور وفکر کرنے پر بار بار زور دے کر حکم دیا۔

اس مختصر سے غور وفکر کرنے کے بعد اگر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ وہ کون سی شئے تھی جس نے قوم نوح کو دھوکے میں ڈال کر اللہ کی آیات کا کفر کرنے پر آمادہ کیا؟ تو بالکل واضح ہو جائے گا کہ وہ یہی ٹیکنالوجی ہی تھی جس کے حصول کے بعد قوم نوح سمجھتی تھی کہ ان سے بڑھ کر قوت میں کوئی بھی نہیں اس کے باوجود کہ وہ یہ جانتے تھے کہ انہیں موت آنی ہے اس سے نہیں بچ سکتے۔ وہ اسی ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر وہ سب کام کر رہے تھے جو اللہ کے کرنے والے ہیں یعنی وہ اس ٹیکنالوجی سے ہر سطح پر اللہ کی مخلوقات میں شریک بنے ہوئے تھے۔ بادلوں کے نظام میں چھیڑ چھاڑ سے لیکر فصلوں کے بیجوں اور بشر کے ڈی این اے تک میں مداخلت کر کے سب کچھ فساد زدہ کر دیا جس کی وجہ سے اللہ نے ان کے اپنے ہی کرتوتوں کے نتیجے میں آنے والے طوفان میں زمین پر تمام مخلوقات کو ہلاک کر دیا۔

یہی ٹیکنالوجی ہی تھی جس کے دجل کا شکار ہو کر اللہ، اس کی آیات اور اس کے غیب کیساتھ انہوں نے کفر کیا۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ. فصلت ۱۵

پس اس وقت جو زمین میں آباد ہیں یہ وہی عاد ہیں جو ماضی میں گزر چکے پس یہ کیا کر رہے ہیں؟ یعنی اس وقت جو کچھ بھی یہ آسمانوں و زمین میں کر رہے ہیں یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ استکبار کر رہے ہیں زمین میں بغیر حق یعنی انہیں یہ حق حاصل نہیں تھا کہ یہ آسمانوں اور زمین میں کسی بھی مخلوق کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کریں انہیں اپنی مرضی کیمطابق احکامات دیں ان کو ان کے مقامات سے ہٹائیں خود سے ان کے مقامات کا تعین کریں کہ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں یہ بڑے ہیں انہیں اس کا حق نہیں ہے بلکہ ایسے ہی جو عاد تھے انہوں نے بھی کیا اور یہ کہہ رہے ہیں کہ کون ہے جو ہم سے قوت میں یعنی مشینوں، ٹیکنالوجی، اسلحے و بارود میں بڑھ کر ہے، یہ کہہ رہے ہیں کہ زمین میں جتنے بھی لوگ ہیں ان کو کیسے رہنا ہے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا جو جو بھی صلاحیتیں دی گئیں ان کا استعمال کس کے لیے کرنا ہے ہم طے کریں گے یعنی زمین میں جو بھی آباد ہیں انہیں ہماری غلامی کرنا ہو گی جیسے ہم کہیں ویسا رہن سہن ہو گا ویسے طور طریقے ہوں گے ہماری مرضی کے مطابق جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا ان سب کا استعمال کرنا ہو گا حالانکہ انہیں یہ حق حاصل نہیں کیونکہ کیا یہ لوگوں کے خالق ہیں انہوں نے یہ سب لوگوں کو دیا جو ان کو استکبار کا حق حاصل تھا؟ لوگوں کو دماغ، دیکھنے سننے اور سمجھنے کی صلاحیتیں کیا انہوں نے دیں؟ جو ان کی ضروریات ہیں کیا یہ خلق کر کے فراہم کر رہے ہیں؟ آسمانوں اور زمین کو کیا یہ وجود میں لائے؟ یعنی کیا یہ ربّ ہیں؟ اگر نہیں تو ان کو یہ حق کس نے دیا کہ یہ زمین میں بڑے بن بیٹھیں؟ یہی ان کا بھی کہنا، کرنا اور ماننا تھا وہ جو عاد تھے جو ماضی میں گزر چکے۔

کیا اور نہیں دیکھ رہے اس میں کچھ شک نہیں اللہ تھا وہ ذات جس نے انہیں خلق کیا ہے، جو بھی موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو جو ذات جو وجود سامنے آئے یہی اللہ ہے یہی وہ ذات ہے جسے حق حاصل ہے تکبر کا، جو ربّ ہے، جسے حق حاصل ہے کہ اس کی غلامی کی جائے یعنی جو کچھ بھی دیا گیا اسی ذات نے دیا اور اسی کے لیے اس کا استعمال کیا جائے، یہی ذات ہے جو ان سے قوت میں اتنی بڑھ کر ہے کہ اس ذات یعنی فطرت سے قوت میں بڑھ کر کوئی تھا ہے اور نہ ہی کوئی ہو سکتا ہے، تو جب اللہ انتقام لیتا ہے یعنی جنہیں یہ قدرتی آفات کا نام دیتے ہیں تو تب

ان کی ٹیکنالوجی، ان کی ایجادات ان کی قوت جو کہ ان کی مشینیں ہیں ان کے اثاثے کہاں جاتے ہیں؟ کیا کچھ بھی ان کے کام آتا ہے؟ کچھ بھی انہیں فائدہ دیتا ہے بچالیتا ہے ہلاکت سے؟

آج جب چھوٹی موٹی ہلاکتیں آرہی ہیں اللہ کی آیات آرہی ہیں تو ان کو یہ صلاحیت حاصل ہوچکی کہ ان کا مقابل کرسکیں جو یہ کررہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ انہیں کوئی زوال نہیں لیکن جان لیں اللہ ان سے قوت میں بڑھ کر ہے اور نہ صرف قوت میں بڑھ کر بلکہ علیم قدیر ہے یہ جو آج تم چھوٹی موٹی ہلاکتوں سے نمٹ کر سمجھ رہے ہو تمہیں کوئی زوال نہیں یہ اللہ ہی کی منصوبہ بندی ہے تم اللہ کی منصوبہ بندی کا شکار ہوچکے ہو عنقریب تم پر واضح ہونے ہی والا ہے تم اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے ہو جیسے قوم عاد نے دیکھا تھا وَكَانُوا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ اور وہ تھے جیسے یہ اس وقت قوم عاد کی مثل موجودہ لوگ دنیا میں آباد ہیں اللہ کی آیات کیساتھ جحد کررہے ہیں یعنی ان کے پاس اتنا علم تھا کہ جب بھی کوئی آندھی، طوفان، کوئی عذاب آنے والا ہوتا تو وہ ایسے بندوبست کرتے کہ یا تو وہ عذاب نہ آتا یا پھر وہ عذاب ان کا کچھ بگاڑ نہ پاتا جس کی وجہ سے وہ سمجھتے تھے کہ کوئی بھی قوت میں ان سے بڑھ کر نہیں ہے۔ جیسے آج امریکہ ومغرب، چین وجاپان سمجھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی ان سے طاقت میں بڑھ کر نہیں، جیسے آج مختلف ممالک کی افواج وایجنسیاں اور وہ لوگ جن کو قوت حاصل ہے وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی بھی ان سے قوت میں بڑھ کر نہیں ہے لیکن اس کے باوجود کوئی بھی ایسی تباہی جنہیں قدرتی آفات کہتے ہیں ان کے آگے یہ لوگ بے بس ہیں اور اگر آج ان کو ایسے وسائل حاصل ہوجائیں کہ ایسی آفات بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ پائیں تو ذرا تصور کریں کہ ان کا دعویٰ کیا ہوگا؟ یہ یہی سمجھیں گے کہ کائنات میں اگر کوئی ربّ ہے تو یہی ہیں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں اور کوئی بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور آج کسی حد تک انہیں یہ صلاحیتیں حاصل ہوچکیں جس سے یہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ کوئی ان سے قوت میں بڑھ کر نہیں انہیں کوئی زوال نہیں لیکن جلد ہی یہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے ہیں کہ کون ہے ان سے قوت میں بڑھ کر جب ان کا صفحہ ہستی سے نام ونشان مٹایا جانے والا ہے۔

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيۡقَهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَخۡزٰى وَهُمۡ لَا يُنۡصَرُوۡنَ . فصلت ۱۶

پس بھیجی ہم نے ان پر ہوا صرصراً ان کے لیے ایسے دنوں میں جنہیں ان کو صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا جو دن ان کے لیے تباہ کن ثابت ہوئے انہیں مزہ چکھانے کے لیے ذلت آمیز سزا دنیا کی زندگی میں اور ان کے لیے ہے آخرت میں بھی ذلت آمیز سزا اور یہ جو اس وقت دنیا میں موجود ہیں ان کیساتھ بھی بالکل وہی کیا جانے والا ہے ان کے لیے بھی ان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے اعمال کے بھیانک ردِ اعمال کی صورت میں سزا ہے آخرہ میں بھی اور کوئی نہیں جو ان کی مدد کرنے والا ہو نہ یہ دنیا وآخرت میں مدد کیے جارہے ہیں۔

رِيۡحًا صَرۡصَرًا۔ یہ ان لہروں کو کہتے ہیں جو ایٹمی وہائیڈروجن بموں کے پھٹنے اور دھماکوں وغیرہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ قوم عاد اچانک آپس میں ہونے والی ایٹمی جنگ کی وجہ سے ہلاک ہوئی۔
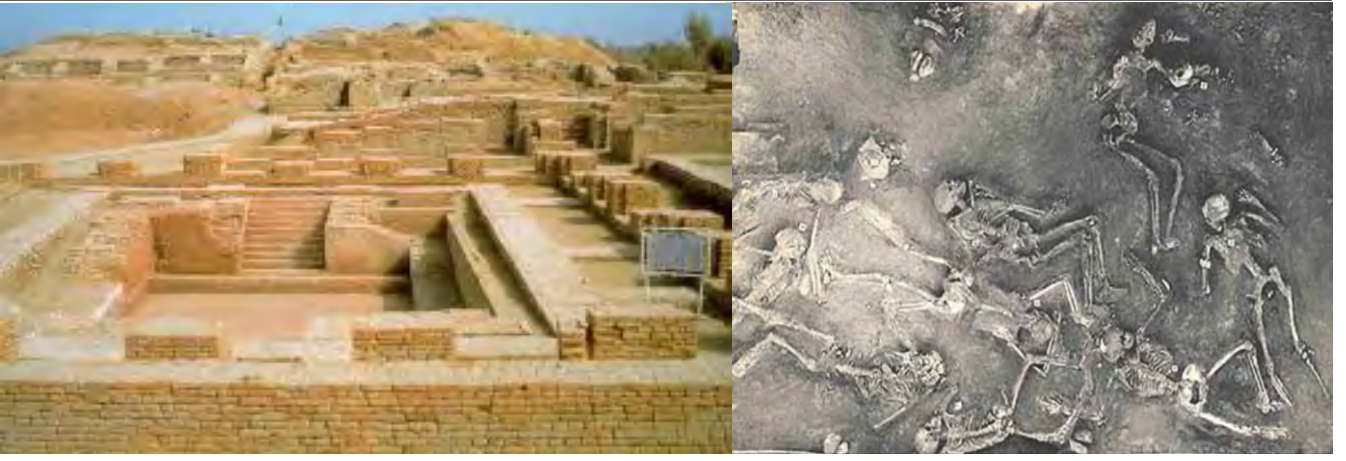
پیچھے نظر آنے والی تصاویر موہنجوداڑو اور ہڑپہ پاکستان کی ہیں آج اس جگہ پر جب تحقیقات کی گئیں تو اس جگہ پر وہی ریڈی ایشنز پائی گئیں جو ہیروشیما اور ناگا ساکی جاپان کے شہروں میں جہاں امریکہ نے ایٹمی حملہ کیا تھا وہاں حملے کے بعد پائی جاتی ہیں۔ انہیں شہروں سمیت خطہ ہند کے مختلف علاقوں کے بارے میں سنسکرت میں تاریخی کتاب مہابھارتا اور اس کے علاوہ دریافت ہونے والی تحریروں میں کچھ اس طرح کے الفاظ ملے ہیں کہ اس خطے پر اپنا تسلط جمانے کی غرض سے دنیا کی کچھ طاقتوں جیسے آج امریکہ یا روس وغیرہ ہیں آپس میں لڑ رہے تھے اور اس کی وجہ اس خطے سے زیر زمین قدرتی وسائل تھے۔ بالکل ایسا ہی نقشہ تھا جو آج شام و عراق، افغانستان و یمن کا بنا ہوا ہے۔ ان شہروں کے باسیوں کو سات دنوں میں شہروں کو خالی کرنے کی مہلت دی گئی اور سات دن بعد دنیا میں ایک عالمی ایٹمی جنگ کی سی صورت میں یہاں ایسے ہتھیاروں سے حملہ کیا گیا جو کہ خود کار اڑنے والے تھے یعنی میزائل جن کے پھٹنے سے یہاں ایسی سفید آگ ظاہر ہوئی جو سورج سے ہزاروں گنا زیادہ گرم اور روشن تھی جہاں وہ ہتھیار پھٹے وہاں سب کچھ حرارت کی وجہ سے پگھل گیا اور یہ شہر زمین تلے دب گئے۔ قرآن میں اللہ نے واضح صراحت کیساتھ بتا دیا کہ یہ قوم عاد تھی جو تباہ ہوگئی، قوم عاد انڈین قوم تھی جو دنیا میں اسلحے و بارود، مشینوں اور ٹیکنالوجی میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی تھی اور اس قوم کا دعویٰ تھا کہ کوئی بھی ان سے قوت میں بڑھ کر نہیں یہ قوم دنیا پر اپنا تسلط قائم کیے ہوئے تھی بالکل ایسے ہی جیسے آج امریکہ ہے۔ یہ دنیا میں اپنے انہی قدرتی وسائل سے بنائی جانے والی ٹیکنالوجی کی وجہ سے قوت میں اپنا کوئی ثانی نہ رکھتی تھی اور اس قوم کا یہ دعویٰ تھا کہ کوئی بھی ان سے قوت میں بڑھ کر نہیں لیکن آپس کی ایٹمی جنگ کی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ جیسے آج دنیا میں قدرتی وسائل یعنی اللہ کے غیب کی تکذیب کی خاطر لڑائی جاری ہیں اس وقت بھی ویسا ہی تھا۔ جیسے آج امریکہ کے مدمقابل کوئی نہیں اسی طرح اس وقت قوم عاد میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں تھا اور جیسے آج روس نے امریکہ کے مقابلے پر سر اٹھایا اسی طرح اس وقت قوم عاد میں سے ہی ایک قوم نے سر اٹھایا آپس کے اختلافات نے جنم لیا جو دن بہ دن بڑھتے رہے در پردہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ کھولتے رہے اور بالآخر ایک بڑی ایٹمی جنگ کی صورت میں نتیجہ سامنے آیا جس نے انہیں صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا اور پیچھے کمزور قوم کی حیثیت رکھنے والوں کو جو بچ گئے بعد میں زمین کا وارث بنا دیا گیا اور پھر اس قوم نے بھی اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہی کیا جسے قوم ثمود کہا گیا۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ. الحاقہ ۴

کذب کیا تھا انہوں نے جو ثمود تھے جیسے آج اس وقت موجودہ لوگ ان میں انہی سے رسول بعث کیا گیا جو کھول کھول کر متنبہ کر رہا ہے اور ہمارے رسول کا کذب کیا جا رہا ہے اور جو عاد تھے انہوں نے بھی کذب کیا جب ہمارا رسول آیا ان میں انہی سے بالکل اسی طرح آج جو موجودہ لوگ دنیا میں آباد ہیں یہ بھی عاد ہیں یہ بھی بالکل وہی کر رہے ہیں ان میں انہی سے ہم نے اپنا رسول بعث کیا جو انہیں متنبہ کر رہا ہے لیکن یہ ہیں کہ اپنے آباؤ اجداد کی مثل کذب کیے جا رہے ہیں القارعہ سے۔ یعنی قوم عاد اور قوم ثمود کو اللہ کے رسولوں نے ان کے اعمال کے سبب ایٹمی جنگ القارعہ سے متنبہ کیا انہوں نے اللہ کے رسولوں کی دعوت کو جب تسلیم نہ کیا اور اپنے انہی اعمال کو جاری رکھا تو ان کو القارعہ نے آلیا۔

القارعہ تباہ کن عالمی جنگ کو کہا گیا ہے ایسی تباہ کن ایٹمی و ہائیڈروجن بموں سے ہونے والی جنگ کہ جو چند دنوں کے اندر اندر پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دے لاتعداد مخلوقات کا صفحہ ہستی سے صفایا کر دے۔

تصاویر میں نظر آنے والے آثار قوم عاد کے ہیں جو موجودہ انسانوں کے لیے نشان عبرت ہیں۔

قوم عاد کے پیرو میں آثار یہ غیر معمولی اور عجیب وغریب عمارتیں ایٹمی حملوں کی وجہ سے تباہ ہوئیں جو آج بھی عبرت کا نشان بنی گزشتہ قوموں کی یاد دلاتی ہیں۔

اس کے علاوہ مزید دنیا بھر میں پھیلے قوم عاد کے آثار جو بنیادی طور پر ہندی قوم تھی۔

درج ذیل تصویر مہاراشٹر انڈیا میں ایک مقام کی ہے جسے لونر جھیل کہا جاتا ہے اسے ایک برطانوی فوجی افسر الیکسنڈر رلونر کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ سب سے پہلے ۱۸۲۳ میں اسی شخص نے اسے دریافت کیا تھا اور اسی کے نام سے یہاں ایک شہر بھی آباد ہے۔ یہ جھیل ایک گڑھا ہے جو قوم عاد کے درمیان ہونے والی ایٹمی جنگ کے نتیجے میں پھٹنے والے ایک ایٹم بم کی وجہ سے وجود میں آیا۔ اس کی لمبائی ۱۹۸۰ میٹر، چوڑائی ۱۸۴۰ میٹر اور گہرائی ۱۵۰ میٹر ہے اور کنارے سطح زمین سے ۲۰ میٹر بلند ہیں جس سے اس بم کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے جو اس وقت کی قوموں کے پاس تھا جس سے ان کی طاقت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا کہ وہ ہم سے کس قدر قوت میں بڑھ کر تھیں اور آج ایسی ہی ایک عظیم تباہی موجودہ انسانوں کے سر پر آچکی ہے اور آج اللہ کا رسول احمد عیسیٰ اس سے کھول کھول کر متنبہ کر رہا ہے لیکن سب ہی غافل ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ. الحاقه ۴

کذب کیا تھا انہوں نے جو ثمود تھے جیسے آج اس وقت موجودہ لوگ ان میں انہی سے رسول بعث کیا گیا جو کھول کھول کر متنبہ کر رہا ہے اور ہمارے رسول کا کذب کیا جا رہا ہے اور جو عاد تھے انہوں نے بھی کذب کیا جب ہمارا رسول آیا ان میں انہی سے بالکل اسی طرح آج جو موجودہ لوگ دنیا میں آباد ہیں یہ بھی عاد ہیں یہ بھی بالکل وہی کر رہے ہیں ان میں انہی سے ہم نے اپنا رسول بعث کیا جو انہیں متنبہ کر رہا ہے لیکن یہ ہیں کہ اپنے آباؤ اجداد کی مثل کذب کیے جا رہے ہیں القارعہ سے۔ یعنی قوم عاد اور قوم ثمود کو اللہ کے رسولوں نے ان کے اعمال کے سبب ایٹمی جنگ القارعہ سے متنبہ کیا انہوں نے اللہ کے رسولوں کی دعوت کو جب تسلیم نہ کیا اور اپنے انہی اعمال کو جاری رکھا تو ان کو القارعہ نے آلیا۔

قوم ثمود جو کہ زمین کا سینہ چیر پھاڑ کر اللہ کے غیب میں سے نکالتی اور زمین کو کھوکھلا کر دیا جس کی وجہ سے زلزلے آتے ان سے بچاو کے لیے اللہ سے رجوع کرنے کی بجائے یعنی اپنے مفسد اعمال کو ترک کرنے کی بجائے سرکشی میں مزید بڑھتے ہوئے ان زلزلوں سے بچاو کے لیے چٹانوں کو تراش کر گھر بناتے اور آپس کے جنگی خطرات کی وجہ سے ایسے گھر تراشے کے جنگ کی صورت میں محفوظ رہیں گے لیکن وہ گھر بھی انہیں محفوظ نہ رکھ سکے۔ ایٹمی و ہائیڈروجن جنگ کی صورت میں پھٹنے والے بموں کی وجہ سے درجہ حرارت بڑھنے سے انہی مکانات میں ذلت کی ہلاکت سے دوچار ہوئے۔

آج موجودہ دور میں انسان اپنی ترقی کے بڑے بڑے دعوے کرتا ہےلیکن آج اتنی ٹیکنالوجی ہونے کے باوجود چٹانوں کوتراش کرایسے گھر اخذ کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا جس سے باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ گزشتہ قومیں قوت میں کس قدر آج موجودہ لوگوں سے بڑھ کرتھیں اس کے باوجود جب ہلاکت آئی تو کچھ بھی ان کے کام نہ آیا اور آج دنیا میں آباد موجودہ قوم یعنی موجودہ لوگ بھی انہی کے عین نقش قدم پر چل رہے ہیں تو موجودہ لوگوں کا انجام کیا ہونے والا ہے؟ اس کا اندازہ لگانا بھی کوئی مشکل کام نہیں اور حسب سابق آج بھی اللہ نے تم میں تمہی سے اپنا رسول احمد عیسیٰ بعث کردیا جو حق ہر لحاظ سے کھول کھول کرواضح کررہا ہے تمہیں القارعہ والساعت سے کھول کھول کرمتنبہ کررہا ہے تم پرواضح کررہا ہے کہ تمہارا انجام بھی بالکل وہی ہونے والا ہے جو پہلوں کا ہوا جو بالکل تمہارے سر پرآ کھڑا ہے۔

ذیل میں دی گئی تصاویر قوم لوط کے آثار کی ہیں۔ قوم لوط کی بے حیائی وفحاشی اور مردوں کے مردوں سے جنسی تعلقات کی وجہ سے اس قوم پر جلتی ہوئی گندھک کی بارش ہوئی جو کہ اسی خطے میں پھٹنے والے ایک عظیم لاوے کی وجہ سے ہوئی تھی اور کئی میٹر کی تہہ تلے وہ قوم دب گئی جس کے بعد آج موجودہ دور میں اس قوم کے دو شہر سدوم اور عمورہ دریافت ہوئے۔ آج بھی بحیرہ مردار کے پاس ان جگھوں سے گندھک کے ٹکڑے ملتے ہیں جیسا کہ ذیل میں دی گئی تصاویر میں دیکھا جاسکتا ہے۔

نیچے دی گئی تصاویر اٹلی کے شہر پومپئی کی ہیں جو حال ہی میں کھدائی کے دوران دریافت ہوا یہ پورا شہر اچانک پھٹنے والے لاوے کی لپیٹ میں آ کر ایسی تباہی کا شکار ہوا کہ چار سے پانچ میٹر راکھ تلے دب گیا۔ درجہ حرارت انتہائی شدید ہونے اور راکھ میں دب جانے کی وجہ سے انسانوں اور جانوروں کے اجسام اسی حالت میں محفوظ ہو گئے جس جس حالت میں وہ اس وقت تھے۔ کوئی کام کر رہا تھا تو کوئی کھانا کھانے مصروف اور کوئی جنسی حاجت پوری کرنے میں مصروف اور کچھ جان بچانے کے لیے اِدھر اُدھر جائے پناہ کی تلاش میں۔ اللہ نے قرآن میں انہیں اخوان لوط کہا یعنی قوم لوط کے بھائی۔ انہیں اخوان لوط اس لیے کہا گیا کیونکہ یہ بھی وہی افعال انجام دے رہے تھے جو قوم لوط انجام دے رہی تھی یہ ایسا فحاش معاشرہ تھا جس کا اندازہ اس شہر کے در و دیوار پر نگاہ دوڑانے سے ہوتا ہے۔ نہ صرف جگہ جگہ دیواروں پر ایسی جنسی تصاویر نظر آئیں گی بلکہ جنسی اعضاء کے مجسمے بنے ہوئے نظر آئیں گے۔

دوسری حیران کن بات یہ ہے کہ یہ شہر انتہائی جدید تھا اس شہر کی طرز تعمیرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ با قاعدہ منظم قانون کے تحت تعمیرات ہوئیں اور جن رنگوں یعنی پینٹ سے در و دیوار پر نقش و نگار کیے گئے وہ خام تیل کے بغیر حاصل ہونا ممکن نہیں تھا کیونکہ وہ پینٹ بنتا ہی خام تیل سے ہے جو زمین سے نکالا جاتا ہے اور پھر جس مواد سے تعمیرات کی گئیں وہ مواد یعنی سیمنٹ وغیرہ تیار کرنے کے لیے ایسا مواد پہاڑوں کی کان کنی اور خام تیل سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے اور پھر جیسے تعمیرات کی گئیں وہ اس مشینری کے بغیر ناممکن ہیں جو مشینری آج تعمیرات کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ بغیر کسی شک و شبے کے جب یہ قوم ہلاک ہوئی تو اس وقت دنیا میں خام تیل سمیت وہ سب کچھ موجود تھا جو آج موجود ہے۔ ذیل میں دی گئی تصاویر میں دیکھیں۔

آل فرعون کے آثار۔ فرعون جو زمین پر سب سے اوپر والا ربّ ہونے کا دعویدار تھا یعنی وہ زمین سے اگاتا تھا، تمام فصلوں، سبزیوں، پھلوں وغیرہ کے بیجوں سے دوبارہ پیدا کرنے کی صلاحیت ختم کر کے بیج اس نے اپنے قبضے میں لیے ہوئے تھے۔ بادلوں کا نظام اس کے زیر تسلط تھا، نہری نظام اس کے زیر تسلط تھا۔

دنیا کی تاریخ میں ٹیکنالوجی کے لحاظ سے فرعون سے بڑھ کر کوئی نہیں گزرا سوائے ذی القرنین سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے۔

تصاویر میں فرعون کے تعمیر کردہ اہراموں کو بھی درج ذیل تصاویر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ فرعون کے پاس جو ٹیکنالوجی تھی اس میں سے آج جو چند آثار دریافت ہوئے ان سے اس کے پاس ٹیکنالوجی کا کسی حد تک اندازہ لگایا جا سکتا ہے درج ذیل تصاویر میں دیکھیں۔

فرعون کی ان تعمیرات کے بارے میں آج تک دنیا کے بہت بڑے بڑے نامور سائنسدانوں نے تحقیقات کیں لیکن سب کے سب اس نتیجے پر پہنچنے سے قاصر رہے کہ آیا یہ تعمیرات کیسے کی گئیں اور یہ بڑے بڑے انتہائی بہترین طریقے سے تراشے ہوئے پتھر کہاں سے اور کیسے یہاں تک لائے گئے۔ اس لیے ان تمام سوالات کے جوابات دینے سے قاصر رہے کیونکہ آج موجودہ ٹیکنالوجی سے بھی نہ تو ایسے پتھر تراشے جاسکتے ہیں اور نہ ہی ایسے اہراموں کی تعمیر ممکن ہے۔ اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آل فرعون ٹیکنالوجی میں کس قدر بڑھ کر تھے۔

سب کی سب ہلاک شدہ اقوام اور موجودہ قوم میں جو شئے مشترک ہے وہ ایک ہی شئے ہے اور وہ ہے ٹیکنالوجی، ترقی کے نام پر آسمانوں وزمین میں فساد عظیم کر کے حاصل کیے جانے والے اسباب و وسائل جن کو انسان اپنے لیے مسیحا سمجھتے ہیں جس سے زندگی کو آسان سے آسان ترین بنانے کا دعویدار ہے۔ یہ وہ ٹیکنالوجی تھی جس کے دھوکے میں آکر انسان اللہ کا شریک بن بیٹھا اور یہ دعویٰ کردیا کہ کون ہے جو اس سے قوت میں بڑھ کر ہے اور اسے کوئی زوال نہیں پھر اس کا انجام کیا ہوا؟ اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ انسان نے ایسا دعویٰ اپنی زبان سے کیا ہو بلکہ قرآن اعمال کی زبان کی بات کرتا ہے۔ انسان اپنے اعمال سے دعوے کرتا رہا اور آج بھی کررہا ہے۔ یہ سب اسی ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہوا انسان اس دجل کا شکار ہوگیا۔

اب جبکہ ہر لحاظ سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوچکی کہ یہی موجودہ ٹیکنالوجی ہی وہ فتنہ ہے جس کا شکار نہ صرف اس وقت دنیا میں آباد موجودہ لوگ ہوچکے ہیں حقیقت کے برعکس اسے اپنے لیے مسیحا سمجھ رہے ہیں اور مسیحا بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں حالانکہ اسی کی وجہ سے رات دن طرح طرح کی ہلاکتوں کا شکار ہیں اور عنقریب اسی کی وجہ سے انہیں صفحۂ ہستی سے مٹادیا جائے گا اور گزشتہ تمام کی تمام قومیں اسی فتنے کا شکار ہوکر دنیا و آخرت میں ذلت آمیز ہلاکت کا سودا کربیٹھیں اسی کی وجہ سے ان کا نام ونشان مٹا دیا گیا اور یہی وہ فتنہ ہے جسے دنیا کا فتنہ کہیں یا فتنہ الدجّال جس سے ہر رسول و نبی نے اپنی قوم کو ڈرایا متنبہ کیا۔ اب جبکہ یہی ٹیکنالوجی ہی ہے جس کے دجل کا ہر امت ہر قوم شکار ہوکر ہلاک ہوئی اور اسی سے تمام رسولوں ونبیوں نے متنبہ کیا اور ڈرایا تو پھر فتنہ الدجّال اور کیا ہے؟ یہی فتنہ الدجّال ہے نہ کہ فتنہ الدجّال کوئی دیومالائی قصے وکہانیوں یا کردار کا نام ہے۔ اب بڑھتے ہیں آگے اور روایات سے بھی کھول کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں کہ یہی ٹیکنالوجی ہی تھی جسے محمد علیہ السلام نے قرب قیام الساعت ظاہر ہونے والے فتنہ الدجّال کا نام دیا ایسا فتنہ کہ جس سے بڑا کوئی فتنہ ہے ہی نہیں۔

روایات سے الدجّال

روایات کی روشنی میں فتنہ الدجّال کو سمجھنے اوراس کے علاوہ الکتاب میں آگے آنے والے ابواب سے پہلے عربی کو جان لینا انتہائی اہم ہے نہ صرف اہم بلکہ لازم ہے کہ عربی کیا ہے؟ کیونکہ اگر آپ نے عربی کی اہمیت، اصولوں، قواعد وضوابط کو نہ جانا تو آپ کبھی بھی روایات سے قرب قیام الساعت کے حالات وواقعات اور فتنوں کے بارے میں نہیں جان سکیں گے اور آپ روایات کو اپنے ظن سے سمجھنے کی کوشش کرتے رہیں گے جس سے نہ صرف خود گمراہ ہوں گے بلکہ دوسروں کی بھی گمراہی کا سبب بنیں گے اس لیے آگے بڑھنے سے پہلے عربی کے بارے میں چند بنیادی باتیں سمجھ لیں۔

سب سے پہلے یہ بات آپ پر واضح کرنا بہت ضروری ہے کہ اصل میں عربی ہے کیا؟ کیونکہ جب بھی عربی کی بات کی جاتی ہے تو فوراً سے ہر کسی کے دماغ میں عربوں کی زبان عربی کا خیال آتا ہے اور اکثریت اسے نہ صرف عربی سمجھتی ہے بلکہ اسے ہی عربی قرار دیتی ہے حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ حقیقت اسکے بالکل برعکس ہے۔

یہ بات تسلیم کر لینا اتنا آسان نہیں کہ عربوں کی زبان عربی نہیں ہے بلکہ عربی کچھ اور ہے کیونکہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آپ نے جس معاشرے میں یا جس وقت میں آنکھ کھولی تو آپ بچپن سے نہ صرف سنتے آرہے ہیں بلکہ ہر کسی کا یہی عقیدہ ونظریہ ہے ہر کسی کا یہی سمجھنا، کہنا اور ماننا ہے کہ عربی عربوں کی زبان ہے اس کے برعکس یا اس کے خلاف سوچنے تک کا بھی کوئی تصور موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے جس وجہ سے آپ کے لیے یہ مان لینا انتہائی مشکل ہے کہ عربی عربوں کی زبان نہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس کچھ اور ہے۔

مثال کے طور پر قرآن سے ہی کچھ اعتراضات آپ کے سامنے رکھتے ہیں جن کی بنیاد پر آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ واقعتاً عربی عربوں کی زبان نہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس کچھ اور ہے۔

وَمِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَيۡنِ ۔ الذاریات ۴۹

اور ہر شئے سے خلق کیا ہم نے اس کا جوڑا

آپ اپنی آنکھوں سے آیت میں دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کا کہنا ہے کہ ہم نے ہر شئے سے اس کا جوڑا خلق کیا۔

کوئی بھی شئے ہو اللہ نے اس کا جوڑا خلق کیا نہ تو اس کی ایک ہی جنس ہے اور نہ ہی دو سے زائد۔ مثلاً اگر ہاں ہے تو ہاں سے ہی اس کا جوڑا ناں ہے، فرض ہے تو اسی سے اس کا جوڑا نفل ہے درمیان میں کچھ بھی نہیں اسی طرح حلال ہے یا اسی سے اسکا جوڑا حرام ہے درمیان میں کچھ نہیں اگر آپ کو درمیان میں یا جوڑے کے علاوہ کوئی تیسری جنس ملتی ہے تو وہ اللہ کا کام نہیں ہے بلکہ انسان کا کارنامہ ہوگا جو کہ انسان نے اللہ کا شریک بنتے ہوئے انجام دیا۔

بات ہو رہی تھی عربی کی۔ جب آپ یہ بات جان چکے کہ اللہ نے ہر شئے سے اس کا جوڑا خلق کیا تو پھر ظاہر ہے عربی سے بھی اس کا جوڑا خلق کیا تو اب آپ سے سوال ہے کہ اگر یہ عربوں کی زبان ہی عربی ہے تو پھر اس کا جوڑا کیا ہے؟

یہ بات جان لیں کہ عربوں کی زبان عربی بول چال کے لیے ایک دوسرے سے کلام کرنے کے لیے الفاظ کا مجموعہ ہے بول چال کا نام ہے بالکل ایسے ہی جیسے باقی زبانیں موجود ہیں مثلاً اردو، فارسی، سنسکرت، پنجابی، سندھی، بلوچی، انگلش، چینی، روسی، سپانش وغیرہ سمیت ہزاروں زبانیں ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عربوں کی زبان ہی وہ عربی ہے جس کا اللہ نے ذکر کیا جس میں قرآن اترتا ہے تو پھر عربی کا جوڑا کیا ہے؟ کیا اردو ہے؟ انگلش ہے؟ ہسپانوی ہے؟ روسی ہے؟ چینی ہے؟ یا کوئی اور؟ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس کا جوڑا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ عربوں کی زبان عربی اور باقی زبانوں میں کوئی فرق نہیں یہ ایک ہی جنس ہے فرق ہے تو محض خطے، رنگ اور نسل کا فرق ہے باقی ایک ہی شئے ہے باقی زبانیں بھی اشیاء کے نام اور آپس میں گفتگو کرنے ایک دوسرے سے کلام کرنے کا نام ہیں اور عربوں کی زبان عربی بھی انہی میں سے ایک ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ عربوں کی زبان ہی عربی ہے تو پھر اس کا جوڑا کیا ہے؟ اور اس سوال کا جواب دنیا کا کوئی بھی ایسا شخص نہیں دے سکتا جو عربوں کی زبان عربی کو ہی اصل قرآن کی عربی سمجھ، مان اور قرار دے رہا ہو۔

جسے آج تک عربی سمجھا جاتا رہا ذرا غور کریں اگر خطہ عرب کا نام کوئی اور ہوتا مثلاً خطہ عرب کو روس یا چین یا پھر ہند کے نام سے جانا پہچانا جاتا تو کیا پھر بھی اس خطے کی زبان کو عربی ہی کہا جاتا یا پھر اگر اس خطے کو ہند کہا جاتا تو یہاں کے باسیوں کی زبان کو ہندی کہا جاتا؟

جیسے خطہ ہند کے باسیوں کی زبان کو ہندی، چین کے باسیوں کی زبان کو چینی، روس کے باسیوں کی زبان کو روسی، ہسپانیہ کے باسیوں کی زبان کو ہسپانوی، فرانس کے باسیوں کی زبان کو فرانسیسی، ناروے کے باسیوں کی زبان کو نارویجین یا نوشک، ڈنمارک کے باسیوں کی زبان کو ڈینش، پنجاب کے باسیوں کی زبان کو پنجابی، سندھ کے باسیوں کی زبان کو سندھی، بلوچستان کے باسیوں کی زبان کو بلوچی بالکل اسی طرح خطہ عرب کے باسیوں کی زبان کو عربی کہا جاتا ہے۔

خطہ عرب کے باسیوں کی زبان وہ عربی نہیں ہے جس میں قرآن نازل ہوتا ہے یا جس میں قرآن نازل ہوا لیکن خطہ عرب کے باسیوں کی زبان کو عربی کہے جانے کی وجہ سے آج تک اکثریت کیا تقریباً ہر شخص ہی اسے قرآن کی عربی سمجھتا رہا۔

اور جب آج تک ہر کوئی خطہ عرب کے باسیوں کی زبان کو ہی عربی سمجھتا رہا تو جب بات آتی ہے عجمی کی تو اس سے مراد یہ لیا جاتا ہے کہ خطہ عرب کی زبان عربی کے علاوہ جو زبانیں ہیں وہ عجمی ہیں جو کہ بالکل بے بنیاد اور باطل بات ہے۔ عجمی کو آپ اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ آپ عربی کو نہیں جان لیتے۔

خطہ عرب میں بولی جانے والی زبان جسے عربی کہا جاتا ہے وہ بھی دنیا میں باقی زبانوں کی طرح ایک زبان ہے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہاں البتہ باقی زبانوں پر اسے کچھ حد تک فوقیت حاصل ہے لیکن وہ موجودہ عربوں کی زبان عربی کو نہیں بلکہ جب دنیا فطرت پر تھی تب بولی جانے والی عربی کو باقی زبانوں پر کسی حد تک فوقیت حاصل تھی نہ کہ آج۔

اس کے باوجود بھی اگر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ نہیں عربی عربوں کی ہی زبان کا نام ہے تو پھر بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں مثلاً قرآن میں رات اور دن کے اختلاف کے لیے یولج کے الفاظ کا استعمال کیا گیا لیکن آج تک جب تک کہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیا گیا کہ رات اور دن کا اختلاف کیسے ہو رہا ہے بڑے سے بڑا عرب دان یولج کا جو معنی بیان کرتا رہا وہ باطل و بے بنیاد ثابت ہوا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

ایسے ہی ماں کے پیٹ میں بچے کی خلق کے مراحل کا ذکر کیا گیا تو ان میں سے ایک مرحلے کا معنی یہ کیا گیا کہ خون کا لوتھڑا بنتا ہے لیکن آج جب میڈیکل سائنس نے نو ماہ کے حمل کی باقاعدہ ویڈیوز بنا ڈالیں ایک ایک مرحل کو بہت باریکی سے دیکھ لیا تو بچے کی خلق میں کوئی ایک بھی مرحلہ ایسا نہیں کہ جب وہ خون کی پھٹکی یا خون کا لوتھڑا بنتا ہے لیکن آج تک بڑے سے بڑے عرب دان ہونے کے دعویدار خون کی پھٹکی یا خون کا لوتھڑا ترجمہ و معنی کرتے رہے اور سمجھتے رہے لیکن آج جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا گیا تو حقیقت اس کے بالکل برعکس نکلی۔

یہ صرف چند الفاظ کی بات نہیں ہے اگر عربی عربوں کی زبان کا نام ہے تو پھر آج تک کوئی ایک بھی ایسا شخص کیوں نہ ہوا جسے قرآن پر عبور حاصل ہوا ہو یا پھر قرآن کی کسی ایک بھی آیات کا بالکل پرفیکٹ یعنی کامل معنی بیان کیا ہو؟ اگر عربی عربوں کی زبان کا نام ہے تو پھر کوئی ایک بھی عرب ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا جس کو قرآن سمجھ نہ آتا ہو یا آیا ہو لیکن آپ کو آج تک کوئی ایک بھی عرب ایسا نہیں ملے گا جس نے عربوں کی زبان کو ہی عربی سمجھ کر اس میں قرآن کو سمجھنے کا دعویٰ کیا اور وہ اپنے دعوے میں سچا ثابت ہوا ہو۔

اگر عربوں کی زبان ہی عربی ہے تو پھر آج تک کسی کو بھی قرآن سمجھ میں کیوں نہ آیا؟ اتنے فرقے و گروہ کیسے وجود میں آ گئے؟ اگر عربی عربوں کی زبان ہے تو پھر آج تک یہ کیوں کہا جاتا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ قرآن میں سب کچھ نہیں ہے کیونکہ اللہ کا اس کے بالکل برعکس دعویٰ ہے کہ اس قرآن میں اس کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک جو کچھ بھی ہے سب کے سب کا ذکر ہے سب کا سب موجود ہے ایک ایک لمحے کی تاریخ ہے لیکن کیا آج تک کسی کو بھی کچھ نظر آیا؟ نہیں بالکل نہیں جس سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ عربی عربوں کی زبان نہیں ہے بلکہ اصل عربی کچھ اور ہے لیکن عربوں کی زبان کا نام عربی ہونے کی وجہ سے اصل عربی کی بجائے اسے ہی عربی سمجھ لیا گیا اور اصل عربی کیا ہے اس کا کسی کو شعور تک نہ رہا۔

اب جبکہ یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ عربی خطہ عرب میں بولی جانے والی زبان کا نام نہیں بلکہ جس میں قرآن نازل ہوا اور نازل ہوتا ہے وہ عربی کچھ اور ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ عربی کیا ہے؟ جس کا آج کسی کو علم ہی نہیں اور دھوکے کا شکار ہو کر عربوں کی زبان کو ہی قرآن کی عربی سمجھ لیا گیا۔ اسے سمجھنے کے لیے سب سے پہلے یہ جان لیں کہ دنیا میں بولی جانے والی عربوں کی زبان عربی سمیت مختلف زبانیں وجود میں کیسے آئیں کیونکہ جب تک آپ اسے نہیں جان لیتے عربی کو سمجھنا مشکل ہوگا۔ محمد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ متفقہ عقیدہ تھا کہ پوری دنیا کے لوگ یعنی یہ بشر ایک ہی مرد اور اسی سے اس کا جوڑا ایک عورت بنائی گئی ان دونوں سے وجود میں آئے باقائدہ بائبل کے عہد نامہ قدیم کی پہلی کتاب پیدائش میں مذکور ہے جسے عیسائی تورات قرار دیتے ہیں کہ اللہ نے سب سے پہلے ایک بشر جس کا نام آدم رکھا اسے بنایا پھر اسے گہری نیند سلا دیا اور اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکال کر اس سے اس کا جوڑا ایک عورت بنائی جس کا نام حوا تھا یہ دونوں مرد اور عورت اس دنیا کے پہلے دو بشر تھے اور انہی سے نسل چل کر تمام لوگ وجود میں آئے یوں پوری دنیا کے لوگ ایک ہی مرد اور عورت کی اولاد ہیں اور بالکل یہی عقیدہ و نظریہ مسلمان قوم میں بھی پایا جاتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ حق ہے؟ کیونکہ پیچھے یہ بات تفصیل کیساتھ گزر چکی کہ اللہ نے قرآن میں بالکل کھول کر اپنا قانون واضح کر دیا کہ اللہ صرف اور صرف اس وقت ہی رسول بعث کرتا ہے جب جن میں رسول بعث کیا جاتا ہے وہ سو فیصد ہر لحاظ سے گمراہیوں میں ہوں نور کی ہدایت کی ایک کرن بھی نہ ہو کسی کو علم نہ ہو کہ حق آخر ہے کیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہودی اور عیسائی اپنے اس عقیدے و نظریے میں سچے تھے اتنے اہم موضوع کے حوالے سے حق پر تھے تو اللہ نے رسول کو بعث کیوں کیا؟ کیا اللہ نے اپنے ہی قانون کے خلاف کر دیا یا پھر اگر اس کے باوجود یہ مان لیا جائے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ عقیدہ و نظریہ حق تھا؟ اور اگر حق تھا تو پھر اس کا مطلب کہ محمد اللہ کا رسول نہیں تھا کیونکہ اللہ صرف اور صرف تب ہی رسول بعث کرتا ہے جب اس سے پہلے سو فیصد ہر لحاظ سے گمراہیاں ہوں نور کی ایک کرن بھی نہ ہو ہدایت کا ایک ذرا بھی نہ ہو۔

جب حقیقت یہ ہے تو پھر یہ بات بالکل حق ہے کہ قرآن کے نزول سے پہلے محمد کی بعثت سے پہلے یہودی اور عیسائی اپنے اس عقیدے میں بالکل بے بنیاد اور باطل تھے اور اگر یہی عقیدہ مسلمانوں میں پایا جاتا ہے تو مسلمانوں میں اس عقیدے کا پایا جانا حق ہونے کا معیار نہیں بلکہ مسلمان بھی اس موضوع پر اس حوالے سے بالکل بے بنیاد و باطل پر ہیں انہیں بھی حق کا قطعاً کوئی علم نہیں۔

مثلاً سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دنیا میں آباد لوگ ایک ہی مرد اور عورت سے چلے تو پھر ان کی زبانیں مختلف کیوں ہیں؟ ان کے رنگ، نسل کیوں مختلف ہیں؟ زبانوں کا مختلف ہونا، رنگ و نسل کا مختلف ہونا بالکل کھول کھول کر واضح کر دیتا ہے کہ دنیا میں آباد لوگ یہ بشر ایک ہی مرد و عورت کی اولاد نہیں ہیں نہ ہی یہ اس طرح وجود میں آئے بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بشر زمین میں جتنی بھی جاندار مخلوقات ہیں انہی میں سے ایک ہے جیسے وہ سب وجود میں آئیں ویسے ہی یہ بشر بھی وجود میں آیا یعنی ارتقاء سے۔ اس بشر اور باقی جاندار مخلوقات کی مثال کچھ یوں ہے جیسے 0.1.2.3.4.5.6.7.6.5.4.3.2.1.0 ان میں سات کا ہندسہ بشر ہے اور سات کے پیچھے بھی ایک سے چھ تک کے ہندسے ہیں اور سات کے بعد بھی چھ سے ایک تک کہ ہندسے ہیں۔ سات جو کہ یہ بشر ہے دنیا میں آباد موجودہ لوگ ہیں اور ان سے پیچھے ایک سے چھ تک اس کے پیچھے ارتقائی مخلوقات ہیں جو اس بشر کے ہی مراحل ہیں اور سات کے بعد جو چھ سے ایک ہے وہ بھی جاندار مخلوقات ہیں جو اس بشر کے بعد کے مراحل ہیں۔

دنیا کے مختلف خطوں میں ارتقاء سے مختلف رنگ و نسل کے بشر وجود میں آئے جو ابتداء میں ہاتھوں اور پاؤں کے بل رینگ کر چلتے تھے انہیں دو ٹانگوں پر چلنے کا شعور نہیں تھا ان کی مثال ایک نومولود بچے کی سی تھی جیسے بچہ ہر لحاظ سے والدین کا محتاج ہوتا ہے بالکل ایسے ہی جب ارتقاء سے بشر وجود میں آیا تو مکمل طور پر فطرت کا محتاج تھا، جیسے بچہ کچھ بھی بول نہیں سکتا بالکل ایسے ہی اپنی ابتداء میں یہ بشر ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا تھا، جیسے بچے کی حرکت کا پہلا مرحلہ ہاتھوں اور پاؤں کے بل رینگنا ہوتا ہے تب یہ بشر اسی طرح رینگ کر حرکت کرتے تھے بالکل ننگے رہتے تھے درختوں سے پھل وغیرہ توڑ کر کھاتے ایک دوسرے کے بھی محتاج نہیں تھے سوائے اس کے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو خود مختار ہونے تک والدین کا محتاج ہوتا ہے۔

پھر ہزاروں سال کا سفر طے کرنے کے بعد آہستہ آہستہ اس نے لکڑی کے سہارے دو پاؤں پر چلنا شروع کر دیا وقت گزرتا گیا اور بشر اپنے ارتقائی مراحل طے کرتا گیا یہاں تک کہ وہ اپنی انتہاء تک نہیں پہنچ گیا۔

آہستہ آہستہ آگ کیا ہوتی ہے اس کا شعور حاصل ہو گیا شکار کر کے اسے آگ پر بھون کر کھانا شروع کر دیا جس سے اس کی عقل وشعور میں اضافہ اور مختلف خصلتیں پیدا ہونا شروع ہو گئیں یعنی جن جن جانوروں کا شکار کر کے کھاتا رہا ان کی خصلتیں اس میں آتی رہیں، جیسے بچے کو اس وقت تک کسی شئے کا شعور نہیں آ سکتا جب تک کہ وہ مشاہدہ نہیں کر لیتا اور بچہ مشاہدات سے سیکھتا جاتا ہے بالکل اسی طرح بشر بھی مشاہدات سے سیکھتا رہا، لڑنا جھگڑنا، شکار، اگانا وغیرہ یہ سب مشاہدات کی بنا پر سیکھتا رہا۔

یہاں تک کہ عقل وشعور کی سیڑھیاں چڑھتا گیا بالآخر ایک وقت آیا جب اس نے اپنے جسم کے مخصوص اعضاء کو درختوں کے پتوں سے ڈھانکنا شروع کر دیا، جنگلوں سے نکل کر ہموار میدانی علاقوں میں خود سے اگاتے اگاتے بڑی سطح پر مختلف فصلیں اگانا شروع کر دیں جنگلوں جو کہ باغات تھے ان پر اس کا انحصار کم سے کم تر ہوتا گیا خود سے طرح طرح کی فصلیں اگانے سے اس میں عقل وشعور مزید بڑھتا گیا اور یہ اپنے صلاحیتوں کا استعمال بھی بڑھاتا گیا۔

جب جنگلوں یعنی باغات سے نکل کر میدانی علاقوں میں اس نے رہنا شروع کر دیا تب یہ بشر جنہیں آج انسان بھی کہا جاتا ہے یہ ایک دوسرے کے محتاج ہونا شروع ہو گئے آپس کا لین دین اشاروں کی بنیاد پر ہوتا تھا لیکن جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے تو اشاروں کی زبان میں لین دین اور آپس میں کلام مشکل ہوتا گیا اور تب تک اس قدر عقل وشعور آ چکا تھا کہ ایک دوسرے سے کلام کرنے کے لیے کچھ الفاظ وجود میں آ چکے تھے مثلاً جیسے آپ کسی جانور کی زبان نہیں سمجھتے اور کوئی جانور آپ کی فصل کو اجاڑنے کی کوشش کرتا ہے تو آپ اسے بگانے کے لیے اُش اُش کی آواز نکالتے ہیں ایسے ہی ابتداء میں آپس میں ایسے ہی آوازوں سے بیٹھنے، اٹھنا، چلنے، کھڑا ہونا وغیرہ کے لیے آوازوں کا استعمال کرتے کرتے وہ الفاظ کی صورت اختیار کر گئے۔

آپس میں لین دین اور کلام کرنے یعنی گفتگو کرنے کے لیے جن جن اشیاء کو لیکر آپس میں ایک دوسرے کے محتاج تھے ان کے بھی نام رکھ لیے گئے یعنی انہیں بھی کوئی نہ کوئی آواز دے دی گئی تا کہ آپس میں لین دین، ایک دوسرے کی بات سمجھنے سمجھانے میں آسانی ہو۔

ایسے ہی دنیا میں جہاں جہاں ارتقاء سے یہ بشر وجود میں آئے وہاں وہاں انہوں نے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے زبانوں کو وجود دیا، ایک طرف خطہ ہند میں ارتقاء سے مخصوص رنگ ونسل کے بشر وجود میں آئے دوسری طرف چین وجاپان میں، تیسری طرف افریقہ کے مختلف علاقوں میں، چوتھی طرف روس میں، پانچویں طرف آسٹریلیا میں، چھٹی طرف امریکہ وکینیڈا میں، ساتویں طرف خطہ عرب میں۔

ہر خطے کے لوگوں نے اپنے خطے میں موجود اشیاء کو اپنے اپنے طور پر جو ان کے لہجے تھے ان کے مطابق آوازیں دیں یعنی لقب دیئے اور یہی وجہ ہے کہ آم پوری دنیا میں صرف اور صرف دو مقامات پر ہی پایا جاتا تھا ایک شمالی امریکہ اور دوسرا ہند میں اسی لیے آم کے آج تک صرف اور صرف دو ہی نام ہیں، خطہ ہند میں اس کو آم کا لقب دیا گیا اور شمالی امریکہ کے باشندوں نے اسے مانگو کی آواز دی اور اس نام کی وجہ دونوں مقامات پر یہی تھی کیونکہ آم کو ایسے چوس کر کھایا جاتا تھا جیسے بچہ ماں کا دودھ پیتا ہے۔ اسی طرح ایک ایسا پھل جو پوری دنیا میں صرف ایک ہی مقام پر پایا جاتا تھا اس کا آج بھی ایک ہی نام ہے اور وہ ہے لیچی۔

یعنی زمین میں جہاں جہاں جس جس خطے میں ارتقاء سے بشر وجود میں آئے تو انہوں نے وہاں وہاں پائی جانے والی اشیاء کو اپنے اپنے لہجوں کے مطابق آوازیں یعنی لقب دیئے جن سے وہ جان اور پہچان سکیں یوں دنیا کے مختلف خطوں میں ابتداء میں زبانیں وجود میں آئیں جو کہ بالکل فطرتی زبانیں تھیں جیسے کہ آپ کو پیچھے ایک مثال دی گئی کہ جانور کو فصل اجاڑنے سے بھگانے کے لیے اُش اُش کی آواز نکالی جاتی ہے، پھٹنے والی شئے کو بم کہا جاتا ہے اس کی یہی وجہ ہے کیونکہ جب شئے پھٹتی ہے تو بم م م م کی آواز نکلتی ہے یوں ابتداء میں ایک تو فطرتی اشیاء تھیں اور دوسرا ان کے فطرتی القابات جو کہ ان میں موجود صلاحیتوں کے اظہار کی آوازیں تھیں۔

فطرت کی زبان جو فطرتی اشیاء میں صلاحیتیں ہوتی ہیں انہیں عربی اور ان پر کوئی لیبل لگانے، انہیں جاننے پہچاننے یا آپس میں ایک دوسرے سے کلام کرنے کے لیے جو آوازیں یعنی القابات دیئے گئے وہ عربی سے اس کا جوڑا عجمی ہے۔

یہ تھا ہر شئے سے اس کا جوڑا خلق ہوا فطرتی زبان عربی اور اس کا اسی سے جوڑا جو اشیاء کو القابات دیئے گئے جو آوازیں دی گئی وہ عجمی۔

اور جب انسان نے اشیاء کی صلاحیتوں کے اظہار والی آوازوں یا القابات کو پس پشت ڈال کر خود ساختہ القابات والفاظ ایجاد کر لیے یعنی زبانوں میں خود ساختہ الفاظ والقابات سے اضافہ کر لیا تو فطرتی القابات وآوازیں عربی اور اس کے مقابلے پر یا اس کے علاوہ انسان کے خود ساختہ الفاظ والقابات عربی نہیں بلکہ اس کا اسی سے جوڑا عجمی ہے۔

عربی اور اسی سے اس کا جوڑا عجمی کو سمجھنے کے لیے ایک آسان سی مثال آپ کے سامنے رکھتے ہیں مثال کے طور پر اگر آپ آگ جلائیں اور وہاں پر مختلف زبانیں بولنے والوں کو اکٹھا کریں اور باری باری ہر کسی سے پوچھیں کہ یہ کیا ہے تو کوئی آگ کہے گا، کوئی نار کہے گا، کوئی فائر کہے گا تو کوئی فوئیگو کہے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مختلف الفاظ اس شئے کو بدل دیں گے؟ یا مختلف الفاظ کا استعمال تو محض مختلف زبانوں کی وجہ سے الفاظ یعنی لقب مختلف ہے لیکن شئے ایک ہی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی اسے آگ کہتا ہے تو اسے کس نے کہا کہ یہ آگ ہے؟ کوئی نار کہتا ہے تو اسے کس نے کہا کہ یہ نار ہے؟ کوئی فائر کہتا ہے تو اسے کس نے کہا کہ یہ فائر ہے؟ کوئی فوئیگو کہتا ہے تو اسے کس نے کہا کہ یہ فوئیگو ہے؟ یعنی انہیں کس زبان میں اور کس نے بتایا اس کے بارے میں کہ وہ کیا ہے؟

مثال کے طور پر ایک بچہ جب تک اس نے آگ کا مشاہدہ نہیں کیا آپ اسے دنیا کی کسی بھی زبان میں کہیں کہ یہ آگ ہے یہ آگ ہے بچہ آپ کی بات کبھی بھی نہیں سمجھ پائے گا جب تک کہ اسے عربی میں نہیں بتا دیا جاتا کہ یہ آگ ہے یعنی وہ کون سی زبان ہے وہ کیا ہے جس میں یا جس طریقے سے بچے کو بتایا جائے کہ یہ آگ ہے تو بچہ فوری سمجھ جائے گا کہ یہ آگ ہے اسے پتہ چل جائے گا کہ آگ کیا ہوتی ہے؟

تو اس کا جواب بالکل آسان ہے جب تک کہ بچہ مشاہدہ نہیں کر لیتا یعنی آگ اسے خود نہیں بتا دیتی یہ مشاہدہ آگ کا خود بتانا کہ میں کیا ہوں اسے عربی کہتے ہیں اور اس کے برعکس کوئی لقب دے دینا کوئی آواز دے دینا یہ عربی سے اس کا جوڑا عجمی کہلاتا ہے۔ عربی یونیورسل زبان کو کہا جاتا ہے پریکٹیکل کو عمل کی زبان کو مشاہدے کو اشارے کی زبان کو۔

جیسے آپ کے سامنے مختلف پھل پڑے ہوں تو وہ پھل خود چیخ چیخ کر اپنے بارے میں بتا رہے ہوتے ہیں کہ ہم کیا ہیں پھلوں کا خود اپنے بارے میں بتانا اور جس زبان میں بتایا یہ عربی ہے اگر کسی کے سامنے سیب رکھیں تو وہ اسے آگ نہیں سیب ہی کہے گا لیکن اپنی زبان میں۔

یہ ہے عربی اور اسی سے اس کا جوڑا عجمی۔ عربی فطرت کی زبان ہے مشاہدے کا نام ہے کسی بھی شئے میں موجود صلاحیتوں کے اظہار کی آواز کا نام ہے اور اسی سے اس کا جوڑا عجمی القابات پر مبنی الفاظ وجملوں کا نام ہے۔

اس وقت دنیا میں پائی جانے والی عربوں کی زبان عربی نہیں ہے بلکہ یہ عجمی ہے۔ عربی تو اس زبان کو کہتے ہیں جس میں بات کرنے سے بات یا شئے کو سمجھنے میں رائی برابر بھی کوئی مشکل پیش نہ آئے اور عجمی اس زبان کو کہتے ہیں جو غیر ہوتی ہے جسے سمجھنے یا سمجھانے میں مشکل پیش آئے یا نہ سمجھ سکیں اور نہ سمجھا سکیں۔

قرآن کو عربی میں اتارا گیا تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ قرآن کو عربوں کی زبان میں اتارا گیا بلکہ ذرا غور کریں اگر آپ کہتے ہیں کہ قرآن محمد پر اترا تو پھر کیا محمد نے پہلے عربوں کی زبان سیکھی؟ عربوں کی زبان میں قرآن اترا یا پھر محمد نے غور وفکر کیا کائنات کے انگ انگ کے مشاہدات کیے جہاں تک دماغ کی آنکھوں اور کانوں کے ذریعے رسائی تھی وہاں تک آنکھوں اور کانوں سے مشاہدات کیے اور جہاں دماغ کی رسائی نہیں وہاں دل کے ذریعے مشاہدات کیے، دل وہ دیکھتا سنتا اور سمجھتا ہے جو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں کان نہیں سن سکتے اور دماغ نہیں سمجھ سکتا۔ جب آپ طیب رزق کے استعمال سے اپنا تزکیہ کریں گے غور وفکر کریں گے اس کے بعد آپ کے دل کا سفر شروع ہو گا دل سے مشاہدات کرتے جائیں گے تو آسمانوں وزمین کے انگ انگ کے راز کھلتے جائیں گے آپ دل کی آنکھوں سے سب کچھ خود دیکھ رہے ہوں گے یہ ہے عربی میں قرآن کا اترنا ایسے ہی محمد پر قرآن اترا اور محمد علیہ السلام نے اپنے مشاہدات کو جو کہ حق ہے اسے بہتر سے بہتر فطرتی آوازوں و القابات پر مشتمل الفاظ کی صورت میں اپنے پیچھے چھوڑا جسے آج ھذا القرآن کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ھذا القرآن میں کیا کہا گیا کوئی بھی اس وقت تک نہیں جان سکتا جب تک کہ وہ خود اس کا مشاہدہ نہیں کر لیتا جس کے بارے میں عربوں کی زبان میں الفاظ استعمال کرتے ہوئے ذکر کیا گیا اور اگر کوئی عربوں کی زبان کو عربی کا نام دے کر اسے سیکھ کر قرآن کو سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ بھول جائے کہ قرآن اس کی سمجھ

میں آ جائے گا۔ قرآن کو سمجھنے کے لیے عربوں کی زبان کو سیکھنا لازم نہیں ہے اور نہ ہی عربوں کی زبان سیکھنے سے دنیا کا کوئی بھی شخص قرآن سمجھ سکتا ہے بلکہ اس وقت تک قرآن نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ آپ خود اس سب کا مشاہدہ نہیں کر لیتے جس کے بارے میں اس قرآن میں عربوں کی زبان میں موجود خالص فطرتی آوازوں پر مشتمل الفاظ والقابات کی صورت میں ذکر کیا گیا۔
اور عربوں کی زبان میں موجود ان فطرتی آوازوں یا القابات پر مشتمل الفاظ کو بھی صرف اور صرف وہی ٹھیک سے جان سکتا ہے جو مشاہدات کر لیتا ہے ورنہ مشاہدات کے بغیر خواہ کوئی کچھ ہی کیوں نہ کر لے وہ عربوں کی زبان میں موجود ایسے الفاظ کو بھی کسی بھی صورت ٹھیک سے نہیں سمجھ سکتا۔
اب آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ عربی عربوں کی زبان کا نام نہیں بلکہ وہ تو بذاتِ خود عجمی ہے عربی تو فطرت کی زبان ہے مشاہدات کی زبان ہے اور مشاہدات کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیے جانے والے الفاظ کو بھی صرف اور صرف وہی جان سکتا ہے جو خود وہی مشاہدات نہیں کر لیتا اور نہ وہ لغتیں سیکھے، گرائمریں سیکھیں، بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں جا کر الفاظ کے مطالب سیکھے زبانیں سیکھے یہ سب اسے کچھ نفع نہیں دے گا۔

عربی کیا ہے اسے ایک اور پہلو سے بھی بالکل کھول کر آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔
عربی ایک جملہ ہے جو کہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے ''ع، ربّ، ی'' ''ع'' کے معنی ہیں کسی کا اپنے آپ میں ہونا یعنی خودی اپنا آپ یا اپنی ذات میں، خودی اور ''ربّ'' وہ ذات جس نے آپ کو وجود دیا اور آپ کی جتنی بھی ضروریات ہیں وہ خلق کر کے آپ کو مہیا کر رہی ہے جب غور وفکر کریں گے تو یہی وجود جو آپ کو نظر آ رہا ہے یہی آپ کے سامنے آئے گا جو کہ آپ کا ربّ ہے یہ اللہ ہی کی ذات ہے جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا۔ اگلا لفظ ہے ''ی'' جو اپنے لیے یعنی خود کے لیے استعمال ہوتا ہے یوں عربی کے معنی بنتے ہیں کہ یہ جو بھی وجود ہے یعنی جو کچھ بھی موجود ہے جو کہ آپ کا ربّ ہے یہ ذات خود اپنے آپ میں۔
مثلاً اسے ایک مثال سے سمجھ لیں مثال کے طور پر آپ صابن خرید کر لاتے ہیں جو کہ ایک ڈبے میں پیک ہے اب ایسا کیا جائے کہ ڈبے سے صابن نکال کر آپ کو پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ ظاہر ہے آپ جواب دیں گے کہ یہ صابن ہے، اب آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ کو کس نے کہا کہ یہ صابن ہے؟ تو اس کا ایک ہی جواب ہے یہ شئے خود اپنے آپ میں اپنی ذات میں صابن ہے جو کہ خود بتا رہی ہے۔ یہی ہے عربی کہ وجود کا اپنے آپ میں جو ہونا وہ خود بتا رہا ہوتا ہے کہ میں کیا ہوں اسے عربی کہتے ہیں اور اسی سے اس کا جوڑا خلق کیا گیا جو کہ عجمی ہے اسے یوں سمجھ لیں کہ جب آپ سے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے تو آپ کہیں گے صابن تو یہ جو آپ نے چند حروف استعمال کیے جو کہ اپنی ذات میں صابن نہیں یہ ہے عربی سے ہی اس کا جوڑا عجمی، جیسے جس ڈبے میں صابن پیک تھا صابن کو آپ کے سامنے رکھا جائے اور پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے تو وہ شئے خود اپنے آپ میں صابن ہے یہ ہوگئی عربی اور پھر آپ کے سامنے اس ڈبے پر لکھے ہوئے الفاظ کے بارے میں پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے تو آپ کہیں گے صابن حالانکہ وہ صابن نہیں بلکہ محض چند حروف کا مجموعہ ہے جن سے آپ ہاتھ نہیں دھو سکتے نہ ہی غسل کر سکتے ہیں یہ ہے عربی سے اس کا جوڑا عجمی۔
عربی مشاہدے کی زبان ہے عربی کسی بھی شئے کا اپنے آپ میں ہونا ہے جو وہ ہوتی ہے خود بتا رہی ہوتی ہے کہ میں کیا ہوں، شئے کا اپنے آپ میں ہونا خود اپنے آپ کا بتانا یہ ہے عربی اور اسے جو لقب دیا جائے جو الفاظ یا حروف دیئے جائیں کوئی آواز دی جائے وہ عربی سے اس کا جوڑا عجمی ہے۔
مثال کے طور پر ایک بچہ جس نے ابھی تک آگ کا مشاہدہ نہیں کیا تو آپ بے شک دنیا کی کسی بھی زبان میں اسے بتائیں کہ بیٹا یہ آگ ہے یہ جلا دیتی ہے اس کے باوجود بچہ آگ کا تصور بھی نہیں کر سکے گا جب تک کہ اسے عربی میں نہیں بتایا جاتا یعنی جب تک آگ خود سے کلام نہیں کرتی آگ خود اسے نہیں بتا دیتی کہ میں کیا ہوں تب تک بچہ یہ نہیں جان پائے گا کہ آگ کیا ہوتی ہے۔ آگ کا اپنے آپ میں ہونا اس کا مشاہدے کے ذریعے کلام کرنا یہ ہے عربی اور اسے کوئی لقب یا نام دے دینا کوئی الفاظ دے دینا اس پر کوئی لیبل لگا دینا یہ ہے عربی سے ہی اس کا جوڑا عجمی۔
یوں آپ پر واضح ہو گیا کہ عربی یہ جو وجود ہے اس کا اپنے آپ میں کلام کرنا ہے اپنے آپ میں ہونا ہے اور اسی سے اس کا جوڑا عجمی انسانوں کے لگائے گئے لیبلز، دیئے گئے القابات، حروف والفاظ کا نام ہے۔ دنیا میں جتنی بھی زبانیں بولی جاتی ہیں یہ سب کی سب عجمی ہیں ان میں سے کوئی بھی عربی نہیں خواہ کسی بھی زبان پر عربی حروف کا لیبل لگا دیا جائے۔

اس سے اگلے مرحلے میں ہر قوم کی مادری زبان اس قوم کے لیے عربی اور جو اس کی مادری زبان نہیں وہ عربی سے اس کا جوڑا عجمی ہے یعنی اگر آپ اردو بولتے ہیں تو اردو آپ کے لیے عربی اور اس کے علاوہ کوئی بھی دوسری زبان آپ کے لیے عجمی ہیں۔

عربوں کی زبان عربی میں موجود فطرتی آوازوں والقابات پر مشتمل الفاظ و جملوں کی اہمیت وحیثیت، ان میں اور ان کے برعکس باقی الفاظ و زبانوں میں فرق دین کو سمجھنے اور بالخصوص فتنہ الدجّال سمیت الساعت کی تمام علامات واشراط کو سمجھنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ سب سے پہلے عربی یعنی عربوں کی زبان میں موجود فطرتی آوازوں وصلاحیتوں کی بنیاد پر مشتمل الفاظ کی اہمیت کو جان لیں۔ عربی دنیا کی واحد ایسی زبان ہے جس کا ترجمہ دنیا کی کسی بھی زبان میں نہیں کیا جاسکتا عربی دنیا کی واحد زبان ہے جو ہر وقت اور ہر شئے کا احاطہ کرتی ہے۔

یعنی مثال کے طور پر آج کوئی ایسی شئے جو اپنا وجود نہیں رکھتی اور کل کو وہ وجود میں آتی ہے تو اس شئے کا کوئی نہ کوئی نام تجویز کیا جائے گا یعنی اس کو جاننے اور پہچاننے کے لیے کوئی لقب اسے پہنایا جائے گا اسے کوئی لقب دیا جائے گا جو پہلے سے اس زبان میں موجود نہیں ہوگا جیسے کہ گاڑی کو ہی لے لیں۔ اردو میں لفظ گاڑی، گاڑی کے وجود سے پہلے کوئی وجود نہیں رکھتا تھا جیسے انگلش میں کار کا لفظ کار کی تخلیق سے پہلے اپنا کوئی وجود نہیں رکھتا تھا۔ جب شئے وجود میں آئی اس کے بعد یہ لفظ بھی وجود میں آیا۔

لیکن عربی اس خامی سے بالکل پاک ہے۔ عربی دنیا کی واحد ایسی زبان ہے جس کا ہر لفظ بہت ہی وسعتوں کا حامل ہے۔ کوئی بھی شئے جو پہلے وجود نہیں رکھتی تھی اور بعد میں وجود میں آئے عربی میں اس کا نام یعنی لقب پہلے سے ہی طے کر دیا ہے یعنی عربی میں آپ کسی بھی لفظ کا اضافہ نہیں کر سکتے۔ جو بھی نئی ایجاد آپ کریں گے اس کے لیے پہلے سے ہی عربی میں نام موجود ہوگا البتہ اس شئے کی الگ سے نشاندہی کے لیے آپ کوئی لفظ ایجاد کر سکتے ہیں جو کہ عربی نہیں بلکہ عجمی ہوگا۔ وہ عربی زبان کا حصہ نہیں ہوگا نہ ہی وہ عربی کا لفظ کہلائے گا بلکہ وہ کسی اور زبان کا لفظ عربی لہجے کیساتھ روزمرہ کے استعمال میں لایا جائے گا۔ جیسے لفظ فیس بک یا ٹویٹر کو ہی لے لیا جائے جب عربی کے اصل سے ان کے لیے کوئی لفظ استعمال کیا جائے گا تو وہ لفظ استعمال کیا جائے گا جو فیس بک اور ٹویٹر وغیرہ کی صفات کا احاطہ کرے لیکن موجودہ دور کے تقاضے کو سامنے رکھتے ہوئے یہی الفاظ عربی لہجے کیساتھ استعمال کئے جائیں گے جو کہ وقت کی ضرورت ہے جیسے فیس بک اور تویتر، لیکن یہ عربی زبان میں داخل نہیں ہو سکتے نہ ہی یہ عربی کا حصہ بن سکتے ہیں لیکن وقت کا تقاضہ یہ تھا کہ ان اشیاء کے نشاندہی کے لیے ان الفاظ کا استعمال کیا جائے مگر اس کا ایک نقصان یہ ہوگا کہ بعد میں آنے والی نسلیں ان الفاظ کو بھی عربی کے الفاظ ہی سمجھ لیں گی بالکل اسی طرح آج عربوں کی زبان میں کثیر الفاظ ایسے ہیں جن کا عربی سے کوئی تعلق نہیں یعنی خالص فطرتی زبان سے کوئی تعلق نہیں لیکن اس کے باوجود وہ عربی ہی تسلیم کیے جا رہے ہیں۔

عربی یعنی فطرتی اشیاء کی آوازوں وصلاحیتوں کی بنیاد پر القابات پر مشتمل الفاظ و جملوں کو سمجھنے کے لیے ہم چند الفاظ کو آپ کے سامنے بالکل کھول کر واضح کرتے ہیں۔

مثلاً لفظ "راس،، کو لے لیں جس کا ترجمہ "سر" کیا جاتا ہے جسے انگلش میں ہیڈ کہا جاتا ہے۔ اب عربی کے لفظ راس کا ترجمہ سر کر دیا تو اس کا نقصان کیا ہوگا اسے سمجھ لیجیے۔

مثال کے طور پر اگر آپ خطہ ہند سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی زبان ہندی ہے آپ کے سامنے آپ کا دشمن موجود ہو اور آپ اپنے بھائی کو کہیں کہ وہ سامنے موجود دشمن کے راس میں گولی مارے تو وہ اس کے سر میں گولی مارے گا اور اگر آپ کے سامنے اونٹ ہو اور آپ اپنے بھائی کو کہیں کہ وہ اونٹ کے راس میں گولی مارے تو وہ اونٹ کے سر میں گولی مارے گا کیونکہ اس کو بتایا گیا کہ راس کا اردو ترجمہ سر ہے۔

لیکن اگر آپ کسی عرب کو یہ کہیں کہ وہ اس دشمن کے راس میں گولی مارے تو وہ اس کے سر میں ہی گولی مارے گا لیکن جب آپ اسے کہیں گے کہ اونٹ کے راس میں گولی مارے تو وہ اونٹ کے سر میں نہیں بلکہ اونٹ کی کوہان یعنی جو اونٹ کی اوپر چوٹی نکلی ہوتی ہے اس میں گولی مارے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ نے اپنے بھائی کو حکم دیا کہ اونٹ کے راس میں گولی مارے تو اس نے اس کے سر میں گولی ماری لیکن جب وہی حکم آپ نے ایک عرب کو دیا تو اس نے اونٹ کے سر کی بجائے اس کی کوہان میں گولی ماری۔ ایسا کیوں؟

کیا وہ عرب آپ کی بات نہیں سمجھ پایا؟ یا اس کے علاوہ کوئی اور وجہ بنی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ نے راس کا ترجمہ سر کر دیا تو اس سے مراد سر ہی ہوگا خواہ وہ کسی کا بھی ہو۔ لیکن عربی میں راس سر کو نہیں کہتے بلکہ عربی میں راس کہتے ہیں کسی بھی شیئے کے بلند مقام یعنی اس کی جو چوٹی ہوتی ہے اسے راس کہتے ہیں۔ جب یہ لفظ کسی بشر کے لیے استعمال کیا جائے گا تو اس سے مراد بشر کی بلند ترین چوٹی ہوگی اور کسی بھی بشر کے جسم کی سب سے بلند چوٹی اس کا سر ہوتا ہے اس لیے اسے راس کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بشر کے برعکس اونٹ کی چوٹی اس کا سر نہیں بلکہ اس کی کوہان ہوتی ہے اس لیے اسے راس کہتے ہیں نہ کہ اونٹ کے سر کو۔

اب ذرا تصور کریں کہ بشر یا ایسے جانور موجود نہ ہوں جن کے سر ہوتے ہیں اس کے علاوہ باقی مخلوقات ہوں تو بھی عربی کے لفظ راس کا وجود ہے لیکن سر کا کوئی وجود نہیں۔ جب کوئی ایسی مخلوق خلق کی گئی جس کا سر ہے تو اس کا الگ سے کوئی نام نہیں رکھا گیا یا رکھا جائے گا بلکہ اس کو راس کہا جائے گا۔ راس کہتے ہیں کسی بھی شیئے کی چوٹی والے مقام کو۔

اسی وجہ سے عربی کا ہر لفظ تمام کی تمام مخلوقات کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ عربی کے علاوہ دنیا کی کوئی بھی زبان ایسی نہیں جس کے ایک ہی لفظ کو تمام مخلوقات کے لیے استعمال کیا جاسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی کا جو لفظ جس وقت اور جس شیئے کے لیے استعمال کیا جائے گا وہ اسی وقت کا احاطہ کرے گا اور اس شیئے کی صفات کے مطابق ڈھل جائے گا۔

جیسے لفظ راس کو آپ مخلوقات میں سے کسی کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ مثلاً اگر اسے درخت کے لیے استعمال کریں گے تو اس کا مطلب ہوگا درخت کا بلند ترین مقام یعنی درخت کی چوٹی۔ اسی طرح پہاڑ کے لیے یا کسی بھی شیئے کے لیے اگر زمین کے لیے استعمال کیا جائے گا تو دیکھیں کہ زمین کی چوٹی کیا ہے؟ تو پہلی بات یہ کہ زمین کی کوئی ایک ہی چوٹی نہیں بلکہ ایک سے زائد چوٹیاں ہیں جنہیں عربی میں راس کی جمع رواس یا رواسی یا رواسیات استعمال کیا جائے گا جنہیں آپ پہاڑ کہتے ہیں۔ لیکن جب اس کا ترجمہ کر دیا جائے کہ اس کا ترجمہ سر ہے تو نہ صرف اس کا استعمال محدود ہو جائے گا یعنی صرف انہی مخلوقات کے لیے استعمال کیا جاسکے گا جن کا سر ہوتا ہے بلکہ اس سے نقصان یہ ہوگا کہ جیسے اگر اونٹ کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے مراد اس کی چوٹی ہوگا مگر ترجمہ کی رو سے اس سے مراد اس کا سر لے لیا جائے گا جو کہ گمراہی کا سبب بنے گا۔

اسی طرح لفظ ''ید'' کو لے لیں جس کا ترجمہ ہاتھ کیا جاتا ہے۔ جب اس کا ترجمہ ہاتھ کر دیا جائے تو یہ لفظ صرف انہیں مخلوقات کے لیے استعمال کیا جاسکے گا جن کے ہاتھ ہوتے ہیں اور اگر جب یہ لفظ کسی ایسی مخلوق کے لیے استعمال کیا جائے گا جس کے ہاتھ ہوتے ہی نہیں تو بات سمجھ نہیں آئے گی۔ ''ید'' کسے کہتے ہیں؟ ید یعنی ہاتھ کو آپ اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ آپ ید کا مشاہدہ نہیں کر لیتے اور جب آپ ید یعنی ہاتھ کا مشاہدہ کر لیں گے تب آپ کو علم حاصل ہوگا آپ جان جائیں گے کہ ید یعنی ہاتھ اس کو کہتے ہیں جس میں قوت ہوتی ہے جس سے کوئی کام کیا جاسکے، جس سے کچھ پکڑا جائے ادھر سے ادھر کیا جائے یعنی وہ شیئے یا اشیاء جن میں کچھ کرنے کی صلاحیتیں ہوتی ہیں انہیں ید کہا جاتا ہے۔ سب سے آسان ترین یہ ہے کہ آپ اپنے ہاتھ کا مشاہدہ کر لیں جو صلاحیتیں و خصوصیات آپ کے ہاتھ میں پائی جاتی ہیں ایسے ہی صلاحیتیں خصوصیات جس میں بھی پائی جائیں اسے عربی میں ید کہا جاتا ہے۔ اگر یہ لفظ عالم مادہ یعنی مادی دنیا کی اشیاء کے لیے استعمال کیا جائے گا تو اس سے مراد کوئی ایسا آلہ ہوگا جس میں قوت ہوتی ہے ایسی صلاحیتیں و خصوصیات ہوتی ہیں جو آپ کے ہاتھ میں ہوتی ہیں جس سے کچھ کیا جاسکتا ہے، پکڑا جاسکتا ہے، اٹھایا جاسکتا ہے، کچھ بنایا جاسکتا ہے یعنی خلق کیا جاسکتا ہے، کوئی بھی کام کیا جاسکتا ہے۔

بشر کے جسم میں اللہ نے ان خصوصیات و صفات کے حامل جو اعضاء خلق کیے وہ ہاتھ ہیں اس لیے ہاتھ کو بھی ید کہا جاتا ہے۔ جب یہ لفظ مادی اشیاء کے لیے بولا جائے گا تو اس سے مراد مادے کا کوئی ایسا آلہ ہوگا جس سے پکڑا جاسکے، کوئی کام کیا جاسکے، وزن اٹھایا جاسکے وغیرہ یعنی جو صفات ہاتھ میں پائی جاتی ہیں اسے عربی میں ید کہتے ہیں اور اگر یہ لفظ عالم نور میں استعمال کیا جائے تو وہاں اس سے مراد مادے کا کوئی آلہ نہیں بلکہ نور کی وہ قوت ہوگی جس میں ایسی صفات ہو پائی جائیں۔

اسی طرح لفظ ''اذان'' کو لے لیں جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے کان۔ عربی میں اذان کہتے ہیں لہروں کو موصول کرنے کا آلہ۔ اللہ نے بشر کو لہروں کو موصول کرنے کے لیے جو آلہ دیا اسے آپ کان کہتے ہیں۔ جب ترجمہ کان کر دیا جائے گا تو یہ محدود ہو جائے گا اور جس کے لیے بھی استعمال کیا جائے گا پھر آپ اس شیئے میں

ایسے ہی کان تلاش کریں گے جیسے آپ کے کان ہوتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو اللہ نے لہروں کو موصول کرنے کا آلہ لگایا ہے اور وہ کس کس نوعیت اور کس طرح کا ہے اس کا آپ کو تمام مخلوقات کے بارے میں شعور نہیں اور نہ ہی اللہ نے تمام مخلوقات کو آپ کی طرح کا آلہ یعنی کان کی شکل میں لگایا ہے اس کے علاوہ آپ کے جسم میں لاتعداد اذان ہیں جو آپ کے جسم کے ہر خلیے میں نصب ہیں۔ کان کو اذان اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ جسم میں لہروں کو موصول کرنے والا آلہ ہے۔

"لسان" لہروں کو پیغام میں ڈھالنے والا آلہ۔ عربی میں ہر اس شئے کو جس میں لہروں کو پیغام میں ڈھالنے کی صلاحیت ہوتی ہے اسے لسان کہتے ہیں۔ اور جب آپ اس کا ترجمہ زبان کر دیں گے تو یہ نہ صرف محدود ہو جائے گا بلکہ اگر یہ کسی ایسی شئے کے لیے استعمال کیا جائے گا جس میں آپ کی زبان کی طرح کی زبان نہیں ہوتی تو آپ کو اس کی کچھ سمجھ نہیں آئے گی۔

"صـــوت" تھرتھراتی لہروں کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ آواز کیا جاتا ہے۔ آواز آپ کے دماغ کا ادراک ہوتا ہے آواز کا آپ کے دماغ سے باہر اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ آواز کی حقیقت لہریں ہیں جنہیں آپ اپنے حلق اور زبان کی مدد سے پیدا کرتے ہیں۔ جو لہریں آپ کے کانوں سے ٹکرا کر دماغ میں منتقل ہوتی ہیں اور آپ کو ان سے آواز کا ادراک ہوتا ہے اور اگر آپ صوت کا ترجمہ آواز کر دیں تو نہ صرف یہ بہت محدود ہو جاتا ہے بلکہ اگر یہ لفظ درختوں، پہاڑوں وغیرہ کے لیے استعمال کیا جائے گا تو آپ اسے سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔

"الشعـر" اس کا ترجمہ بال کیا جاتا ہے یعنی جسم پر جو بال ہوتے ہیں۔ حالانکہ الشعر کہتے ہیں اس مواد کو جن عناصر سے بال بنتے ہیں جسے آج آپ پلاسٹک، نائیلون، اسفلت وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ کسی بھی شئے پر پائے جانے والے فلیکسی بل یعنی لچک دار پلاسٹک یا نائیلون کو عربی میں الشعر کہتے ہیں۔ اگر یہ لفظ پرندوں کے لیے استعمال کیا جائے گا تو ان کے پروں پر موجود بالوں کو کہا جائے گا، اگر بھیڑ کے لیے استعمال کیا جائے تو اس سے مراد اس کے جسم پر موجود لچک دار پلاسٹک یعنی نائیلون کو کہا جائے گا جسے آپ اردو میں اون کہتے ہیں۔

قرآن میں اللہ نے کہا کہ بشر کو طین سے خلق کیا گیا۔ طین کہتے ہیں کالے رنگ کے کیچڑ کو جو زمین میں پایا جاتا ہے اس کیچڑ میں وہ تمام عناصر پائے جاتے ہیں جن سے جسم پر بال بنتے ہیں ان عناصر کو الشعر کہا جاتا ہے۔ آج موجودہ دور میں ٹیکنالوجی نے اس سے پردہ ہٹا دیا جس سے اللہ نے بشر کو خلق کیا جو اس سے پہلے اللہ کا غیب تھا جسے آج آپ خام تیل کا نام دیتے ہیں۔ خام تیل میں تیل کے علاوہ وہ عناصر جن سے فلیکسی بل یعنی لچک دار پلاسٹک اور نائیلون بنایا جاتا ہے انہیں الشعر کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس عربی میں سخت پلاسٹک کو "ظفر" کہا جاتا ہے جو کہ جانداروں میں ناخنوں، چرند، پرند وغیرہ میں پنجوں کی شکل میں پایا جاتا ہے اور کھروں والے جانوروں جیسے بکری، گائے، گدھا، گھوڑا اور سور وغیرہ کے کھروں پر موجود خول جو کہ پلاسٹک کا ہوتا ہے اسے ظفر کہتے ہیں یعنی کسی بھی شئے میں موجود سخت پلاسٹک کو ظفر کہتے ہیں۔

اسی لیے قرآن میں اللہ نے بار بار انسان کو اپنی ہی ذات میں غور وفکر کرنے کا حکم دیا کہ وہ یہ جانے کہ اسے کیسے اور کس سے خلق کیا اور ساتھ ہی اللہ نے مکمل راہنمائی بھی کر دی یعنی کہ کھول کر بیان کر دیا کہ اسے کیسے اور کس سے خلق کیا۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَابَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ . الروم ۸

کیا اور نہیں خود ہی تفکر کر رہے غور وفکر، سوچ و بچار کر رہے اپنی ہی ذاتوں میں، نہیں خلق کیا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو بھی ان کے درمیان ہے مگر حق کیساتھ اور اجل مسمیٰ، اور اس میں کچھ شک نہیں ایک بڑی تعداد لوگوں سے اپنے ربّ سے ملنے یعنی جس سے وجود میں آئے واپس اسی میں ملنے سے جو ان کا ربّ ہے اس کا انکار کر رہے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا. نوح ۱۷

اور اللہ ہے جو جس سے تمہیں زمین سے نباتات کی صورت میں وجود میں لایا، اگایا تمہیں زمین سے نباتات کی شکل میں۔

ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا. نوح ۱۸

پھر تمہیں واپس اسی حالت میں پلٹایا جا رہا ہے جس سے وجود میں لایا گیا اور گویا کہ خود ہی نکالنے کے وقت زمین سے نکالا جا رہا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ. البقرة ۲۸

كَيْفَ جب بھی بات کیف سے شروع ہو تو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے اسے جاننا بہت ضروری ہے اسے ایک مثال سے سمجھ لیں مثال کے طور پر آپ کو آنکھیں دی گئیں یعنی آپ کو دیکھنے کی صلاحیت دی گئی اور پھر جو آپ دیکھ رہے ہیں اسے سمجھنے کی بھی صلاحیت دی گئی اب اگر آپ کے سامنے آگ جل رہی ہو اور آپ اسے آگ تسلیم کرنے کو تیار ہی نہ ہوں اور اس میں چھلانگ لگا دیں جس سے آپ جل جائیں تو ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ یعنی آگ جل رہی تھی تو تمہیں دیکھنے کے لیے آنکھیں دی گئیں اور جو دیکھتے ہو اسے سمجھنے کی صلاحیت بھی دی گئی اس کے باوجود تم نے آگ کو پانی سمجھ لیا اور اس میں کود گئے آگ کو آگ سمجھا ہی نہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ ایسے ہی اس آیت میں اللہ آج اپنے رسول کے ذریعے انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں کہہ رہا ہے یعنی اللہ کا رسول کہہ رہا ہے كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ یہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو جو اعمال بھی آج تم کر رہے ہو یہ تم کفر کر رہے ہو تم کس طرح یہ کفر کر رہے ہو؟ یعنی تمہیں سننے، دیکھنے اور جو سنتے اور دیکھتے ہو اسے سمجھنے کی بھی صلاحیت دی گئی تو اس کے باوجود یہ آج جو اعمال تم کر رہے ہو جو کہ فساد ہے تم آسمانوں و زمین میں تباہیاں کر رہے ہو ہر شئے میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہو تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ یعنی تمہیں سننے کی صلاحیت دی گئی تو آخر کیوں؟ ظاہر ہے بہت سی آوازیں اپنا وجود رکھتی ہیں انہیں سننا تمہارے لیے لازم تھا اس لیے تمہیں سننے کی صلاحیت دی گئی پھر تمہیں دیکھنے کی صلاحیت دی گئی تو آخر کیوں؟ ظاہر ہے جو اپنا وجود رکھتا ہے اسے دیکھنا تمہارے لیے لازم تھا اس لیے تمہیں دیکھنے کی صلاحیت دی گئی تا کہ تم اسے دیکھو اور پھر تمہیں صرف سننے اور دیکھنے کی صلاحیت نہیں دی گئی بلکہ جو سنتے اور دیکھتے ہو اسے سمجھنے کی بھی صلاحیت دی گئی تو آخر تمہیں یہ سمجھنے کی صلاحیت کیوں دی گئی؟ ظاہر ہے تا کہ تم جو سن اور دیکھ رہے ہو اسے سمجھو اور پھر تمہیں آسمانوں و زمین پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت دی گئی یعنی اعمال کرنے کی صلاحیت دی گئی تو اسی لیے کہ پہلے ہر لحاظ سے مکمل طور پر سنو دیکھو اور پھر اسے سمجھو جب تک سمجھ نہیں لیتے تب تک تم نے عمل کے قریب بھی نہیں جانا اس لیے پہلے مکمل طور پر سمجھو جب سمجھ لو تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے تب عمل کے قریب جاؤ لیکن ذرا تم اپنے اعمال کو دیکھو تم کیا کر رہے ہو؟ یہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو یہ تم کفر کر رہے ہو اور پھر آگے واضح کر دیا کہ کس کیساتھ کفر کر رہے ہو بِاللّٰهِ اللہ سے کفر کر رہے ہو یعنی تمہیں سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں دی گئی تو اگر تم ان کا استعمال کرتے تو تم پر واضح ہو جاتا کہ یہ جو کچھ بھی تمہیں سنائی اور دکھائی دے رہا ہے یہ اللہ ہے اللہ کا ہی وجود تمہیں سنائی اور دکھائی دے رہا ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں اب اس کے باوجود تم اللہ سے کفر کر رہے ہو یہ جو کچھ بھی اعمال تم کر رہے ہو تو تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ آج تم پر حق کھول کھول کر واضح کیا جا رہا ہے اور پھر ایسا نہیں کہ تم پر کوئی دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ تم ہر صورت ہماری بات مانو نہیں بلکہ جہاں آج تم پر کھول کھول کر یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ یہ اللہ ہی کا وجود ہے جو تمہیں ہر طرف سنائی اور دکھائی دے رہا ہے تو وہیں دوسری طرف تمہیں سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں بھی دیں اس کے باوجود تم ہو کہ اللہ سے کفر کر رہے ہو تو تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ اگر تو تمہیں سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں نہ دی گئی ہوتیں تو پھر اگر تم کفر کرتے تو تمہارا کفر کرنا بنتا تھا لیکن جب تمہیں سننے دیکھنے اور جو سن اور دیکھ رہے ہو اسے سمجھنے کی صلاحیت بھی دی تو پھر اس کے باوجود تم کیسے کفر کر سکتے ہو کہ آج تم سے اللہ کلام کر رہا ہے اپنے رسول کے ذریعے، تم کیسے کفر کر سکتے ہو اللہ سے، تم کیسے کفر کر سکتے ہو جو تم کفر کر رہے ہو حق سے؟ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا اور کیا تمہیں امواتاً، موت کہتے ہیں اس مواد کو جس مواد سے شئے کو وجود میں لایا جاتا ہے۔ اور کیا تمہیں امواتاً یعنی جس مواد سے تمہیں خلق کیا گیا وہ مواد اس سے پہلے جس جس حالت میں موجود ہے جیسا کہ اگر آپ اپنی خلق میں غور کریں کہ جس مواد سے آپ وجود میں آئے یہ مواد اس سے پہلے کہاں تھا پھر اس سے پیچھے کہاں تھا اسی طرح پیچھے سے پیچھے جائیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ جس مواد سے آپ وجود میں آئے اس سے پہلے یہ مواد جانداروں اور نباتات کی صورت میں موجود ہے اس سے پیچھے طین، نطفہ یعنی خام تیل کی صورت میں اس سے پیچھے یہ زمین میں مٹیوں کی صورت میں جو کہ خلا سے چار اقسام کے شہابیوں

کی صورت میں اس زمین پر صرررصرررکر کے آیا تھا فَاَحْیَاکُمْ پس کیسے حیا کیا تمہیں یعنی اس وقت جو تم اس بشری صورت میں موجود ہو ذرا غور تو کرو کس طرح اس مواد کو اس صورت میں ڈھالا گیا؟ کیا جو تمہارے آدم وحوا نامی مائی بابے والی بائبلی کہانی ہے اس صورت میں یا پھر اس کے بالکل برعکس سب سے پہلے خلا سے چار اقسام کے شہابیے زمین پر آئے صرررصرررکر کے پھر اس کے بعد ان سے وجود میں آنے والے ذرات کی صورت میں اس مواد کو طین، نطفہ یعنی خام تیل میں ڈھالا گیا پھر اس کے بعد اس سے نباتات اور زندگی وجود میں لائی گئی جو آگے بڑھتے بڑھتے یہ بشر وجود میں آیا؟ تمہیں سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت دی گئی تو اب ذرا غور کرو کیا حق ہے؟ اس کے باوجود بھی تم کفر کرتے ہو تو تم کیسے کفر کر سکتے ہو حالانکہ اب تمہارے پاس کسی بھی قسم کا کوئی عذر یا بہانہ پیچھے نہیں رہا بلکہ تم پر حجت ہو چکی۔

پھر تمہارا کہنا ہے کہ تمہیں موت کے بعد حیا نہیں کیا جائے گا بلکہ تمہاری وفات کے بعد تم مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے اور پھر آخرت میں تمہیں کھڑا کیا جائے گا حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے حق اس کے بالکل برعکس ہے ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ پھر تم موت ہو رہے ہو پھر تم حیا ہو رہے ہو یعنی یہ موت وحیات کا تسلسل آگے بڑھتا چلا جارہا ہے ایسا نہیں ہے کہ تم ابھی صرف حیا کیے گئے اس کے بعد موت اور پھر صرف آخرہ میں اٹھائے جاؤ گے نہیں بلکہ تم اگر غور وفکر کرو تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ موت حیات موت حیات موت حیات یہ سلسلہ آگے بڑھتا چلا جارہا ہے اور تمہارا اس وقت بطور بشر موجود ہونا یہ اس موت وحیات والے سلسلے میں صرف ایک کڑی ہے ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ پھر یعنی اسی طرح موت حیات موت حیات ہوتے ہوتے واپس اسی میں پلٹ رہے ہو جس سے وجود میں آئے اور جب غور وفکر کرو گے تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ تم اسی فطرت سے وجود میں آئے اور اسی میں واپس پلٹ رہے ہو۔

اللہ نے بشر کو جن عناصر سے خلق کیا وہ عناصر پہلے خلا سے زمین پر لائے گئے زمین کی تکمیلی کے آخری چار مراحل میں شہابیوں کی بارشوں کی صورت میں اس کے بعد ان عناصر کو پہاڑوں کی صورت میں گوداموں میں ذخیرہ کیا گیا، پہاڑوں سے ان عناصر کو چٹانوں میں لے جایا گیا جہاں انہیں کالے رنگ کے کیچڑ طین یعنی خام تیل میں بدلا گیا خام تیل سے نباتات اگائی گئیں انہیں نباتات سے کیڑے مکوڑے وغیرہ اور مختلف جاندار، اور آپ کو وجود میں لایا گیا۔ یعنی وہ عناصر وہ مواد جس سے آپ کا وجود بنتا ہے وہ زمین سے نباتات کی صورت میں نکالا گیا ان سے پھر وہ گوشت اور دودھ کی شکل میں آپ کے وجود کا حصہ بن رہا ہے۔ ذرا غور کریں زمین پر طرح طرح کے رنگ، جڑی بوٹیاں، مختلف رنگوں اور ذائقوں کے پھل سبزیاں وغیرہ دالیں، بیج اور اناج وغیرہ ان میں تیل یہ سب کہاں سے آیا؟ یہ طرح طرح کے رنگ، ان میں تیل، ذائقے وغیرہ یہ سب کہاں سے آیا؟ یہ سب زمین سے نکلا، زمین میں یہ سب خام مال خام تیل کی صورت میں موجود ہے یہ سب زمین میں خام تیل سے ہی خلق ہوتا ہے۔ یعنی آپ جو کچھ بھی زمین پر دیکھتے ہیں، چاہے وہ رنگ ہوں، پھل، سبزیاں، پھول، جڑی بوٹیاں یعنی زمین سے نکلنے والی تمام نباتات ہوں، پرندے، کیڑے مکوڑے یعنی حشرات ہوں یا کسی بھی قسم کے جاندار سب کے سب کو اللہ نے خام تیل کی شکل میں زمین کے اندر رکھ دیا۔ یہ خام تیل اُس خام مال کا ذخیرہ ہے جس سے اللہ زمین پر حیات وجود میں لاتا ہے۔

خام تیل سے (Naphtha, Asphalt) وغیرہ نکالا جاتا ہے جسے عربی میں الشعر کہتے ہیں۔

نافتھا سے لاتعداد کیمیکلز بنتے ہیں جن سے پلاسٹک، نائیلون، ربڑ، رنگ وغیرہ سمیت لاتعداد مصنوعات بنائی جاتی ہیں اور اسفلت سے سڑکیں اور گھروں وغیرہ کی چھتیں بنائی جاتی ہیں۔

اسفلت اور نافتھا کو عربی میں الشعر کہا گیا ہے۔ جس شئے میں بھی ان دونوں میں سے کچھ فلیکسی بل یعنی لچک دار پلاسٹک پایا جاتا ہے اسے الشعر کہتے ہیں۔

"عیـــن" عین عربی میں رنگوں کا ادراک کرنے والے آلے کو کہتے ہیں۔ یعنی ہر وہ شئے جس سے دیکھا جا سکتا ہے جو رنگوں کا ادراک کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اسے عین کہا جاتا ہے۔ آپ کے جسم میں اور مختلف جانداروں میں اللہ نے دیکھنے کو جو آلہ لگایا ہے اسی وجہ سے اسے عین کہا جاتا ہے۔

عین کا ترجمہ آنکھ کیا جاتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ جب اس کا ترجمہ آنکھ کر دیا جائے گا تو آنکھ کے علاوہ ہر وہ شئے جو رنگوں کے ادراک کی خصوصیت کی حامل ہے اس پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا یعنی مختصر یہ کہ آنکھ میں جو صلاحیتیں وخصوصیات پائی جاتی ہیں جس شئے میں بھی وہ صلاحیتیں وخصوصیات پائی جائیں

اسے عربی میں عین کہا جاتا ہے

"طیـــر" فضا میں تیرنے والی شئے۔ ہر وہ شئے جو فضا میں اڑتی ہے اسے عربی میں طیر کہا جاتا ہے۔ پرندے ہوا میں اڑتے ہیں اسی لیے انہیں بھی طیر کہا جاتا ہے اسی طرح خلا میں جو شہابیے اڑ رہے ہیں انہیں بھی عربی میں طیر کہا جاتا ہے۔

الدجّال کا پس منظر

محمد علیہ السلام نے الدجّال کے بارے میں جس طرح انسانیت کی راہنمائی کی اس کو نظر انداز کر کے آج تک اپنے اپنے ظن کے مطابق الدجّال کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آج تک الدجّال کے بارے میں جو عقائد و نظریات تخلیق کیے گئے ان میں حقیقت کا رائی برابر بھی عنصر شامل نہیں وہ محض ظن اور مفروضوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ان کا علم سے دور دور تک کا کوئی تعلق نہیں اگر ان میں سے کسی ایک عقیدے کو بھی صحیح مان لیا جائے تو نہ صرف قرآن کا انکار ہوتا ہے بلکہ محمد علیہ السلام کی بہت سی وہ باتیں جو روایات کی صورت میں ہم تک پہنچیں ہیں وہ مشکوک بن جاتی ہیں جنہیں طرح طرح کی تاویلات پہنا کر، عربی متن کو چھپا کر، روایات کو من گھڑت قرار دے کر تسلی کرنے کی کوشش تو کی جاتی ہے لیکن پھر بھی ایسا کرنے والے نہ صرف اپنے نظریے کو تقویت پہنچانے میں ناکام رہتے ہیں بلکہ الٹا ان کے عقائد و نظریات کی بنیادیں مزید کھوکھلی اور واضح ہو جاتی ہیں جس سے ان کے خود ساختہ بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات پر لاتعداد سوالات کھڑے ہو جاتے ہیں جن کے جوابات دینا ایسے لوگوں کے بس سے باہر ہو جاتا ہے۔

ہم ہر لحاظ سے اس موضوع کا احاطہ کریں گے تا کہ ہر کسی پر حق ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جائے اور کسی بھی معاملے کو سمجھنا بالکل آسان ہو جائے۔

محمد علیہ السلام نے فتنہ الدجّال کے ضمن جس حکمت کا مظاہرہ کیا وہ کسی بھی طور پر غیر معمولی اہمیت وحیثیت سے کم نہیں اور ایسا صرف اور صرف ایسا بشر ہی کر سکتا ہے جس کا براہ راست خالق و مالک والہ اللہ کے ساتھ مضبوط تعلق ہو جو اللہ کی زبان ہو جس کی زبان پر اللہ بول رہا ہو۔ یہ صرف اور صرف اللہ کی راہنمائی سے ہی ممکن تھا اس کے علاوہ یہ ناممکن تھا۔

محمد علیہ السلام نے اس ضمن میں جو الفاظ استعمال کیے وہ بالکل ایسے ہی ہیں جیسے قرآن کے الفاظ ہیں جو وقت کی قید سے آزاد نہ صرف ہر وقت کا احاطہ کرتے ہیں بلکہ ہر بات ہر شئے کا مکمل طور پر احاطہ کرتے ہیں حالانکہ محمد علیہ السلام چاہتے تو ایسے الفاظ استعمال کرتے جو صرف اسی وقت کا احاطہ کرتے جس وقت الدجّال کا خروج ہونا تھا مگر اس کا کسی بھی سطح پر فائدہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اگر محمد علیہ السلام ایسے الفاظ استعمال کرتے تو پھر ہر ایک پر واضح ہو جاتا کہ الدجّال تو تیرہ صدیاں بعد قیام الساعت کے قریب ہی نکلنا ہے لہذا تیرہ صدیاں تک کے ایمان لانے والے اسے نظر انداز کر دیتے اور کوئی بھی اہمیت نہ دیتے کیونکہ ظاہر ہے اگر آپ آج سے ہزار سال پہلے موجود ہوتے تو آپ بھی الدجّال کے حوالے سے بالکل بے فکر ہو جاتے۔

اور دوسری بات یہ کہ آج جب الدجّال موجود ہے سب پر اس کی حقیقت عیاں ہوتی اس کے باوجود اگر کوئی اس کے فتنے کا شکار ہوتا تو اس پر اتمام حجت ہو جاتی لیکن جبکہ یہ فتنہ اتنا سخت ہے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان اس سے بچ نہیں سکتا تو پھر اس کا ذکر صرف اسی انداز میں کرنا ہی ہر صورت مفید تھا کہ کسی پر اگر اتمام حجت ہو تو صرف تب ہی جب کہ وہ اس کا حق دار ہو۔

پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دجّالی قوتیں ایسے واضح علم کو دنیا کے انسانوں تک پہنچنے دیتیں؟ ظاہر ہے الدجّال کو ربّ تسلیم کرنے والے کسی بھی صورت حق کو انسانوں تک نہ پہنچنے دیتے بلکہ وہ اسے اپنے مقصد میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے اسے ہر ممکن حد تک چھپا دیتے یا اس میں رد و بدل کر کے حق کا حلیہ بگاڑ دیتے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں اور سب کا جواب صرف اور صرف اسی میں تھا کہ محمد علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے ایسے الفاظ استعمال کیے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان اس فتنے کے ڈر اور خوف سے خالی نہ رہے جس تک اس کی بھنک بھی پڑے اور سب اپنے اپنے وقت میں اس کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی فکر میں رہیں یوں ہر وقت کے مومن الدجّال سے بچنے کے لیے حق سے چمٹے رہیں۔ دنیا میں ہر وقت کے مومن الدجّال کے خروج سے پہلے تک اس وقت کے اعتبار سے ہر اس شئے کو دجّال قرار دیتے اور اس سے بچتے رہے جو شئے بھی انہیں آخرت سے غافل اور دنیاوی مال ومتاع کے قریب کرتی، ہر اس

شئے کو دجّال قرار دیتے رہے جس سے دنیا مزین نظر آئے جو دنیا کو مزین بنا دے جس سے انسان آخرت سے غافل ہو جائیں اور یہی وہ وجہ تھی جس وجہ سے محمد علیہ السلام نے ایسے الفاظ استعمال کیے کہ دنیا میں ہر وقت کے مومن دجّال کے فتنے کے ڈر اور خوف کی وجہ سے دنیا کو لات مارتے اور آخرت سے حب کرتے رہے۔

بلاشبہ ہر وہ شئے دجّال ہے جو ایسا دھوکہ ہو جس سے دنیا مزین ہو جائے اور انسان اس زینت کی وجہ سے دھوکے کا شکار ہو کر آخرت کا عملاً انکار کر بیٹھے خواہ وہ زبان سے مومن ہونے کے لاکھوں دعوے کرتا رہے۔

ہر وقت کا دجّال الگ تھا وہ یہ الدجّال نہیں تھا جس کا خروج قیام الساعت کے قریب ہونا تھا جو اشراط الساعت میں سے ہے یعنی جس کی وجہ سے زمین پر وہ عظیم زلزلہ آنا ہے جس میں تمام کے تمام بشر مارے جائیں گے۔ یہ الدجّال صرف انسان نہیں ہے لیکن جو اس سے پہلے دجّال گزرے ہیں وہ ضرور انسانوں میں سے تھے وہ کھانے پینے اور بازاروں میں چلنے کے محتاج تھے جنسی حاجات کو پورا کرنے کے محتاج تھے یعنی ہر اس شئے کے محتاج تھے جس کا کوئی بھی بشر محتاج ہو سکتا ہے لیکن وہ دجّال اپنے زمانے کے لحاظ سے قرب قیام الساعت نکلنے والے الدجّال سے الگ اور مختلف تھے۔

ان تمام دجّالوں کے بارے میں محمد علیہ السلام نے جو الفاظ استعمال کیے اس سے واضح کر دیا کہ وہ انسان ہوں گے جیسا کہ آپ درج ذیل روایات میں دیکھ سکتے ہیں۔

رسول الله ﷺ قال: فی امتی کذابون ودجالون سبعة وعشرون، منهم اربعة نسوةٍ، وانی خاتم النبین لا نبی بعدی. مسند احمد، الضیاء، طبرانی

رسول اللہ ﷺ نے کہا: میری امت میں ستائیس کذاب اور دجّال ہوں گے ان میں چار عورتیں ہوں گی اور میں خاتم النّبیّن ہوں نہیں نبی میرے بعد۔

رسول الله ﷺ قال: کذابین یخرجان من بعدی، وکان احدهما العنسی والآخر مسیلمة. بخاری، ترمذی، بیہقی، ابن ماجه

رسول اللہ ﷺ نے کہا: میرے بعد دو کذاب نکلیں گے اور ان میں ایک عنسی اور دوسرا مسیلمہ ہوگا۔

اور محمد علیہ السلام نے ان کی صفات سے بھی آگاہ کر دیا کہ یہ دین کو بدلیں گے ان دجّالوں کے بارے میں قطعاً یہ نہیں کہا کہ یہ بارش برسائیں گے، یہ زمین سے اگائیں گے یا یہ زمین کو اپنے خزانے نکالنے کا حکم دیں گے لیکن ان کے برعکس جو الدجّال قیام الساعت کے قریب ظاہر ہوگا اس کے بارے میں محمد علیہ السلام نے جو کہا اسے الگ رکھ کر سمجھنا پڑے گا۔ قرب قیام الساعت کا الدجّال جو الساعت کے آنے کا سبب بنے گا کے بارے میں محمد علیہ السلام کی بیان کردہ روایات کو کسی بھی صورت اس سے پہلے گزرنے والے دجّالوں کے حوالے سے روایات کیساتھ خلط ملط نہیں کیا جا سکتا اگر ایسا کیا جائے گا تو لامحالہ ایسا کرنے والے اور ایسے لوگوں کے پیچھے چلنے والے صرف اور صرف گمراہی کا ہی شکار ہوں گے۔

ہر بات کو سمجھنے سے پہلے یہ ضرور ذہن میں رکھنا ہوگا کہ آج موجودہ انسانوں یعنی آپ کے اور محمد علیہ السلام کے درمیان ۱۴۰۰ سال سے زائد مدت کا فرق ہے اور جو روایات آج سے پہلے گزرنے والے زمانوں کے لیے تھیں ان کو الگ رکھنا پڑے گا۔ ایسا ہرگز نہیں کہ سب کی سب روایات صرف قرب قیام الساعت کے انسانوں کے لیے تھیں باقی جو ان سے پہلے تھے ان کی راہنمائی کے لیے کچھ تھا ہی نہیں اور پھر ہر وقت کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں انہیں بھی ضرور ذہن میں رکھنا ہوگا۔

عمر بن الخطاب نے ابن صیاد کے بارے میں قسم کھائی کہ یہی دجّال ہے نہ صرف عمر بن الخطاب بلکہ بہت سے اصحاب محمدا سے دجّال سمجھتے اور کہتے تھے یہاں تک کے ابن صیاد یثرب جو اس وقت مدینہ تھا میں پیدا ہوا اور وہیں اس کی موت ہوئی وہ مکہ بھی آتا جاتا تھا اور یہ جاننے کے باوجود کہ الدجّال مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا وہ اسے دجّال کہتے رہے اس کی وجہ صرف اور صرف یہی تھی کہ محمد علیہ السلام نے الدجّال کے بارے میں راہنمائی ہی اسی طرح کی جو ہر وقت کا احاطہ کرے ہر وقت کا انسان خود کو الساعت کے قریب تصور کرے اور دجّال سے بچنے کے لیے فکرمند رہے۔

محمد علیہ السلام کے سامنے ابن صیاد کو دجّال کہا جانا اور محمد علیہ السلام کا خاموش رہنا قطعاً اس بات کا ثبوت نہیں کہ ابن صیاد ہی وہ الدجّال تھا جسے قرب قیام الساعت ظاہر ہونا تھا اور خود اللہ کے رسول کو اس وقت اس کا علم نہیں تھا اور پھر اس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ ابن صیاد چونکہ انسان تھا تو الدجّال بھی انسان ہی ہو

گا۔

کسی بھی معاملے میں محمد علیہ السلام کی خاموشی اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ کام حلال یا جائز ہو جاتا ہے یا حلال یا جائز ہے بلکہ جب ایسا نظریہ قائم کیا جائے گا تو لامحالہ ایسا نظریہ قائم کرنے والے محمد علیہ السلام کی رسالت کا انکار کر رہے ہوتے ہیں۔ رسول کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی مرضی کے مطابق گزرتا ہے رسول ہر لمحے، نبوت کی پوری زندگی اللہ کی ہدایات کا محتاج اور پابند ہوتا ہے رسول کو خود علم نہیں ہوتا کہ اس نے اگلے لمحے کیا کرنا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے رسول کو باقیوں کے لیے احسن نمونہ یعنی اسوہ حسنہ بنانا ہوتا ہے۔

خمر یعنی الکوحل نشہ آور شیئے اور سود کی ہی مثال کو آپ کے سامنے رکھتے ہیں خمر کی حرمت کا اعلان ہجرت کے چوتھے سال کیا گیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا محمد علیہ السلام کو اس سے پہلے خمر کی حرمت کا علم نہیں تھا؟

تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ محمد علیہ السلام کو خمر کی حرمت کا علم تھا اسی لیے تو انہوں نے خود نہ پیا لیکن انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ بے شک خمر حرام ہے لیکن اس کی حرمت کا اعلان تب ہی کیا جائے گا جب اس کا وقت آئے گا اور وہ وقت کب آئے گا اس کا سب سے بہتر علم اللہ کو ہی ہے۔ جب اللہ نے خمر کی حرمت کا اعلان کرنے کو کہا تب اعلان کیا نہ کہ اس سے پہلے لیکن اس سے پہلے محمد علیہ السلام کے ذریعے اللہ اس وقت کے مومنوں کو اس مقام پر لے آیا جہاں پر آ کر خمر کو بھی ترک کرنا تھا۔

محمد علیہ السلام نے خود اپنی پوری زندگی میں خمر کو سونگھا تک نہیں بچپن میں اللہ نے اس سے محفوظ رکھا اور جب باشعور ہوئے تو انہیں خود اس بات کا علم تھا کہ خمر حرام ہے۔ اسی طرح محمد علیہ السلام کے بہت سے اصحاب ایسے تھے جنہوں نے پہلے بھی خمر نہ پیا اور بہت سے ایسے تھے جو خمر کی حرمت کے اعلان سے پہلے ہی اسے ترک کر چکے تھے اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں پر خمر انسان کے لیے اس طرح حرمت والا ہو جاتا ہے کہ پھر اگر وہ فعل انجام دیا جائے گا تو سزا کے حق دار بن جائیں گے لیکن یہ انفرادی سطح پر معاملہ تھا نہ کہ اجتماعی سطح پر۔

اب ایسے ہی اصحاب محمد میں سے کچھ اگر کسی ایسے موقع پر سوال کرتے یعنی کہ ابھی خمر کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا لیکن انہیں اس کا علم ہو چکا ہے کہ خمر حرام ہے لیکن جب وہ عام سطح پر لوگوں کو خمر پیتا دیکھتے تو محمد علیہ السلام سے اگر عام لوگوں کے سامنے سوال کرتے تو محمد علیہ السلام خاموش رہتے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی کہ وہ اللہ کے حکم کے محتاج ہیں جب تک کہ اس کی حرمت کا عام سطح پر اعلان کا وقت نہیں آ جاتا اس سے پہلے اگر ہاں کریں گے تو فائدے کی بجائے الٹا نقصان ہو گا کیونکہ ابھی معاشرہ اس مقام پر نہیں پہنچا کہ خمر کی حرمت کا عام اعلان کر دیا جائے اور اگر اس کے باوجود ایسا کیا جاتا تو فائدے کی بجائے نقصان ہوتا یعنی اصلاح کی بجائے الٹا فساد ہوتا اس وجہ سے محمد علیہ السلام خاموش رہتے تھے اور پھر ایسے اصحاب محمد اس خاموشی سے سمجھ جاتے اور اپنے سوال پر اصرار نہ کرتے۔ پھر نہ ہی محمد علیہ السلام انکار کرتے کیونکہ جو شیئے حرام ہے اس کو حلال کیسے قرار دیا جا سکتا ہے اس لیے اللہ کے رسول نہ ہاں اور نہ ہی ناں کہتے بلکہ خاموش رہتے لیکن جب ایسے کسی معاملے میں کسی ایسے شخص کی طرف سے سوال ہوتا جو براہ راست محمد علیہ السلام کی بجائے اصحاب محمد سے ایسی بات سنتا اور یقین نہ ہونے کی وجہ سے وہ سوال کرتا اور محمد علیہ السلام خاموش رہتے اس کے باوجود اس کے بار بار اصرار کرنے پر محمد علیہ السلام کا چہرہ سرخ بھی ہو جاتا اور ایسا ہو بھی کیوں نہ کیونکہ جب عام سطح پر ایسی بات نہیں کی جا سکتی اور کوئی اس کا اصرار کیے جا رہا ہو تو ظاہر ہے غصہ کیوں نہ آئے۔

جب انہیں اس بات کا علم تھا کہ الدجّال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا حالانکہ ابن صیاد تو مدینے میں ہی پیدا ہوا اور وہیں موجود تھا اور اس کے باوجود وہ ابن صیاد ہی کو دجّال کہتے اور اس پر قسمیں کھاتے تو ایسا کیوں؟ اس سوال کا جواب بھی روایات کا بغور مطالعہ کرنے پر مل جاتا ہے کہ عمر بن الخطاب کو اس وقت اس بات کا علم نہیں تھا کیونکہ اگر اس وقت اس بات کا علم ہوتا تو محمد علیہ السلام ایسا ہرگز نہ کہتے کہ اگر یہ وہی ہے تو اسے عیسیٰ رسول اللہ کے ہاتھوں ہی قتل ہونا ہے تم اس پر مسلط نہیں ہو سکتے۔ اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ محمد علیہ السلام کو اس وقت یہ علم تھا کہ الدجّال کون ہے اور کیا ہے اسی لیے تو محمد علیہ السلام نے ایسا کہا کہ قرب قیام الساعت نکلنے والے الدجّال پر صرف عیسیٰ رسول اللہ ہی مسلط ہوں گے نہ کہ ان کے علاوہ کوئی اور۔ لیکن اس علم کے باوجود جو اصحاب محمد ابن صیاد کے دجّال ہونے کی قسمیں کھاتے تو اس سے مراد وہ قرب قیام الساعت والا الدجّال نہیں بلکہ اس وقت کا دجّال ابن صیاد تھا جس کا شمار ان دجّالوں میں تھا جو قرب قیام الساعت کے الدجّال سے پہلے ظاہر ہونا تھے کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اصحاب محمد ابن صیاد کو قرب قیام الساعت والا الدجّال ہی سمجھتے تھے

تو کیا اس سے پہلے تیس، ستر، چھہتر، چالیس، تین یا اس سے زائد دجّال ظاہر ہو چکے تھے؟

اگر نہیں تو پھر وہ کیسے ابن صیاد کو قرب قیام الساعت والا الدجّال کہہ سکتے تھے؟ کیونکہ جب انہیں اس بات کا علم تھا کہ قرب قیام الساعت نکلنے والے الدجّال سے پہلے بہت سے انسان دجّال آئیں گے اور اگر وہ سب آئے ہی نہیں تو پھر اصحاب محمد ابن صیاد کو کسی بھی صورت قرب قیام الساعت والا الدجّال نہیں کہتے تھے اور نہ ہی سمجھتے تھے بلکہ اگر وہ اسے دجّال کہتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ابن صیاد قرب قیام الساعت نکلنے والے الدجّال اکبر جو کہ علامات واشراط الساعت میں سے ہے سے پہلے آنے والے انسان دجالوں میں سے ایک تھا۔

بات کو مختصر کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں ہر وقت کا دجّال الگ تھا اس وقت کے تقاضے کے مطابق ابن صیاد دجّال تھا لیکن ابن صیاد وہ الدجّال نہیں تھا جو قرب قیام الساعت والا الدجّال اکبر ہے۔ اس وقت کے تقاضے کے مدنظر اگر کسی میں ایسی صلاحیت تھی جو انہیں آخرت سے غافل کر کے دنیا میں مگن کر دے تو وہ ابن صیاد میں موجود تھی۔ اس وقت کا غیر معمولی ذہانت کا حامل انسان ابن صیاد ایسی باتیں بتا تا تھا کہ سامنے والے جن کو علم نہ ہوتا ان کو بہکانا، گمراہ کرنا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔ آج ہی کی مثال لے لیتے ہیں آج جو کچھ بھی نہیں کر سکتے ان کے بارے میں یہ مشہور کر دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص بہت پہنچا ہوا ہے فلاں پیر صاحب بہت کامل ہیں تو جاہل تو دور کی بات خود کو پڑھے لکھے کہلوانے والے دور جدید کے بڑے بڑے عقل مند بھی اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

جب موجودہ دور میں بڑے بڑے پڑھے لکھوں کا یہ حال ہے تو ابن صیاد کا تو معاملہ ہی بالکل الگ تھا وہ اپنی چالاکی اور مکاری کا استعمال کرتے ہوئے لوگوں کو ان کے اکیلے انفرادی کیے جانے والے کاموں کے بارے میں بتا دیتا اور اگر آپ نے کوئی کام کیا ہو یا جس کا آپ کے علاوہ انسانوں میں سے کسی کو علم نہیں اور کوئی انسان آپ کو بتا دے کہ آپ نے فلاں وقت ایسا کام کیا تو یہ غیر معمولی بات ہو جاتی ہے حالانکہ بتانے والا انتہائی چالاکی اور ہوشیاری سے آپ سے ہی اگلوا کر آپ کو بتا دیتا ہے اور آپ کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔ ابن صیاد کی یہی غیر معمولی ذہانت اور چالاکی ہی اسے دوسروں سے ممتاز کرتی تھی اس وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کی یہ آیت بہت صراحت سے اس کا ذکر کرتی ہے۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ . الانعام ۱۲۱

اور اس میں کچھ شک نہیں شیاطین وحی کر رہے ہیں اپنے اولیاء یعنی جو ان کے مشن میں ان کے معاونین ہیں کی طرف۔

قرب قیام الساعت ظاہر ہونے والے الدجّال اکبر سے پہلے ظاہر ہونے والے دجّالوں کے بارے میں محمد علیہ السلام نے کیا کہا اسے آپ درج ذیل روایات سے بھی جان سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا: الدجّال کے خروج سے پہلے ستر سے اوپر دجّال نکلیں گے۔ الدر المنثور، نعیم بن حماد، سنن الوارده، ابو یعلی

رسول اللہ ﷺ نے کہا: میری امت میں ستائیس کذاب اور دجّال ہوں گے ان میں چار عورتیں ہوں گی۔ مسند احمد، الضیاء، طبرانی، کنز العمال

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اور نہیں قائم ہوگی الساعت حتیٰ کہ کھڑے ہوں تیس سے قریب دجّال۔ مسند احمد، مسلم، بخاری، ابو داؤد، ترمذی، کنز العمال

رسول اللہ ﷺ نے کہا: نہیں قائم ہوگی الساعت حتیٰ کہ نہ نکلیں تیس دجّال کذاب۔ ابن ابی شیبہ، کنز العمال

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں کہ الساعت سے پہلے الدجّال ہے اور الدجّال سے پہلے کذاب ہوں گے تیس یا زیادہ۔ طبرانی، کنز العمال

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں الدجّال سے پہلے چھہتر دجّال ہوں گے۔ الدر المنثور، ابن ابی شیبہ

اسی طرح وقت گزرتا گیا ہر وقت کے تقاضے کے مطابق دجّال بھی گزرتے رہے وہ چھہتر تھے، ستر تھے، چالیس تھے، تیس تھے، تین تھے، اس سے زائد یا اس سے کم وہ سب گزر چکے۔

آج آپ اس وقت میں موجود ہیں جس وقت میں اس الدجّال کی موجودگی ناگزیر ہے جس سے تمام کے تمام رسولوں نے اپنی قوموں کو اور محمد علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو ڈرایا اور متنبہ کیا جس کی وجہ سے اس سے پہلے تمام قومیں ہلاک ہوئیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔

علامات واشراط الساعت میں سے قرب قیام الساعت نکلنے والا الدجّال

قرب قیام الساعت ظاہر ہونے والے الدجّال اکبر کو سمجھنے کے لیے آپ کو محمد علیہ السلام کی اس راہنمائی کو نہ صرف قبول کرنا ہوگا بلکہ اس پر عمل کرنا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا: تحقیق کہ دجّال کھانا کھا چکا اور بازاروں میں گھوم پھر چکا۔ مسند احمد

یعنی وہ دجّال جو کھاتے پیتے تھے پھر جب کھاتے تھے تو کھانے سے جو حاجات لاحق ہوتی ہیں انہیں بھی پورا کرتے تھے، بازاروں میں تمہاری ہی طرح گھومتے پھرتے وہ دجّال گزر چکے اب ایسا ہرگز نہیں کہ تم آج بھی اسی دجّال کی صفات کو سامنے رکھ کر الدجّال کو سمجھنے اور پہچاننے میں لگے رہو۔ جان لو اگر تم نے ایسا کیا تو تم الدجّال کو نہ صرف کبھی بھی جان اور پہچان نہیں پاؤ گے بلکہ الٹا اس کو اپنا ربّ بنا لوگے اور تمہیں اس کا شعور تک بھی نہیں ہوگا زبان سے تو تم مومن ہونے کے دعویدار ہوگے لیکن حقیقت میں تم منافق ومشرک ہوگے بدتر کافر ہوگے، زبان سے تو تم الدجّال کو برا بھلا کہو گے لیکن عملاً تم اسے اپنا ربّ بنائے ہوئے ہو گے۔

رسول الله ﷺ قال: الدجّال لا یولد له. مسند احمد

رسول اللہ ﷺ نے کہا: الدجّال یعنی مخصوص دجّال ہے نہیں ہے جنم دینا اس کے لیے۔ یعنی نہ تو اس کو جنم دیا جائے گا اور نہ ہی وہ کسی کو جنم دے گا۔

وہ دجّال جو کسی کی اولاد تھے اور خود ان کی بھی اولاد تھی وہ گزر چکے لیکن جو الدجّال اکبر ہے جس کی وجہ سے الساعت آئے گی جو اللہ یعنی فطرت کے مقابلے پر اس کی ضد مصنوعی ربّ ہوگا اور لوگوں کو اپنی غلامی کی دعوت دے گا وہ نہ جنم دینے والا ہوگا نہ ہی اسے جنم دیا جائے گا۔

رسول الله ﷺ قال: لیس الدجال انسان، انما هو شیطان. نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا ہرگز نہیں الدجّال انسان، اس میں کچھ شک نہیں جو کچھ بھی موجود ہے جو شیطان وہ الدجّال ہے۔

رسول الله ﷺ قال: لیس هو انسان، انما هو شیطان. نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا جو جو بھی الدجّال ہے جو قرب قیام الساعت ظاہر ہونا ہے ہرگز انسان نہیں ہوگا، اس میں کچھ شک نہیں جو ہوگا وہ شیطان ہوگا یعنی جو کچھ بھی شیطان موجود ہوگا وہی قرب قیام الساعت ظاہر ہونے والا الدجّال ہوگا۔

بہت سی روایات میں ملتا ہے کہ محمد علیہ السلام نے ہر اس شئے کو شیطان قرار دیا جو انسان کی ضرورت سے زائد ہے اور محمد علیہ السلام نے انسان کی ضرورت صرف اور صرف سر ڈھانپنے کے لیے چھت اور زندہ رہنے کے لیے یعنی زندگی گزارنے کے لیے کھانے اور ستر ڈھانپنے کے لیے ضرورت کیمطابق کپڑے کو قرار دیا اس کے علاوہ جو کچھ بھی انسان کی ضرورت سے زائد اس کے پاس ہے وہ شیطان ہے۔

اور قرآن میں اللہ نے کئی مقامات پر شیطان کے بارے میں کہا ''**انه لکم عدو مبین**'' اس میں کچھ شک نہیں جو کچھ بھی تمہارے اردگرد ہر طرف ہر لحاظ سے کھلم کھلا موجود ہے وہ شیطان ہے تمہارے ساتھ دشمنی کر رہا ہے۔ **مبین**۔ مبین جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ان میں پہلا لفظ ''م'' ہے جو کہ موجودگی کا اظہار کرتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں وہ یا جو وغیرہ اور اگلا لفظ ہے ''بیّن'' جس کے معنی ہیں شئے کا یا بات کا ہر لحاظ سے پر پہلو سے کھلا ہوا ہونا بالکل واضح ہونا بالکل سامنے ہونا یوں لفظ مبین کے معنی بنتے ہیں وہ جو کچھ بھی ہر لحاظ سے ہر پہلو سے ہر طرف کھلم کھلا موجود ہے ایسی شئے کو جو ہر طرف موجود ہو جدھر بھی نگاہ دوڑائی جائے موجود ہو۔ جو کچھ بھی آپ کے اردگرد موجود ہے سب کا سب جو بھی اس وقت دنیا میں موجود ہے آپ کا دشمن ہے آپ کیساتھ دشمنی کر رہا ہے یہ سب کا سب شیطان ہے۔ اور شیطان بھی جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ان میں پہلا لفظ ''شیء'' جو کہ کسی بھی شئے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور دوسرا لفظ ''طان'' ہے جس کے معنی ہیں کسی کو اس کے اصل مقصد اس کے مشن اس کی منزل کی طرف جانے سے روک دینا۔ اور روکا کئی طریقوں سے جاتا ہے مثلاً کسی کو اپنی طرف متوجہ کر کے اسے اس کی منزل ومقصد سے غافل کر کے روک دینا، پیار سے، سختی سے یا قوت سے روک دینا، کسی کو کسی لالچ کا شکار کر کے روک دینا وغیرہ۔

یہی خصوصیات دنیاوی مال ومتاع میں پائی جاتی ہیں دنیاوی مال ومتاع انسانوں کو ان کے مقصد ان کی منزل ان کے مشن سے انہیں روک دیتا ہے انہیں ان کی

اصل کی طرف جانے سے روک دیتا ہے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے یہی وجہ ہے جس وجہ سے اللہ نے جو کچھ بھی کھلم کھلا موجود ہے یعنی دنیاوی مال ومتاع اسے شیطان کہا۔

انسانوں کی اکثریت لفظ شیطان کو گالی یا پھر برا لفظ سمجھتی ہے حالانکہ یہ کوئی گالی یا برا لفظ نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے ہر وہ شیئے جو کسی کو اس کے مقصد ومنزل کی طرف جانے سے روک دے خواہ اپنی طرف متوجہ کر کے، کسی کو اپنے پیچھے لگا کر، پیار سے، سختی یا پھر قوت سے روک دے۔

مثال کے طور پر آپ کہیں کسی مقصد کے لیے جارہے ہیں آپ اپنی منزل کی طرف جارہے ہیں اور رستے میں کوئی مداری والا مداری دکھار ہا ہے اور آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر اپنے مقصد ومشن سے اپنی منزل سے غافل ہو جاتے ہیں کہ وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے وہ مداری والا آپ کے لیے شیطان کہلائے گا یہاں تک کہ اسے خود بھی علم نہیں ہوگا کہ وہ آپ کے لیے شیطان ثابت ہوا۔

اسی طرح آپ رستے میں کوئی خوبصورت شیئے دیکھتے ہیں یا کچھ عجیب وغریب دیکھتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں کہ اپنے مقصد ومشن سے غافل ہو جاتے ہیں تو وہ شیئے آپ کے لیے شیطان کہلائے گی حالانکہ اس شیئے کا اس میں کوئی قصور نہیں ہوگا نہ ہی اسے اس بات کا شعور ہوگا کہ وہ آپ کے لیے شیطان ثابت ہو چکی ہے۔

اسی قرآن میں اللہ نے بیوی بچوں مال واولاد تک کو شیطان کہا ہے اگر وہ بھی آپ کو اللہ کی طرف جانے سے جو کہ اصل مقصد ہے اس سے روکتے ہیں یا رکاوٹ بنتے ہیں۔

ان روایات سے یہ بات تو بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ قرب قیام الساعت ظاہر ہونے والا الدجّال انسان تو ہرگز نہیں ہوگا اور اس کے بالکل برعکس دنیاوی مال و متاع ہی الدجّال ہوگا ایسی اشیاء ہوں گی جو پوری دنیا کے انسانوں کو ان کے دنیا میں آنے کے مقصد سے غافل کر دیں گی انہیں اللہ کی طرف جانے سے روک دیں گی اپنی طرف متوجہ کر لیں گی جو کہ پوری دنیا میں ہر طرف کھلم کھلا موجود ہوں گی۔

رسول اللہ ﷺ قال: (الدجّال) مختلف الخلق. نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا الدجّال ہوگا مختلف الخلق یعنی الدجّال طرح طرح کی مخلوقات ہوں گی۔ طرح طرح کی مخلوقات الدجّال ہوں گی۔

یہاں تک بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ قرب قیام الساعت نکلنے والا الدجّال انسان نہیں ہوگا بلکہ وہ مختلف مخلوقات ہوں گی جو انسان کے لیے شیطان ہوں گی اور شیطان ہر وہ شیئے کہلاتی ہے جو انسان کی ضرورت سے زائد ہو۔ انسان کی ضرورت زندہ رہنے کے لیے کھانا اور سرڈھانپنے کے لیے چھت ہے اور ستر ڈھانپنے کے لیے ضرورت کیمطابق کپڑا ہے اس کے علاوہ جو کچھ بھی انسان کی ضرورت سے زائد ہے وہ انسان کے لیے شیطان ہے۔

شیطان یعنی وہ تمام کی تمام اشیاء وہ سب کا سب جو انسان کو دنیا میں آنے کے مقصد کو پہچاننے اور اس کو پورا کرنے میں رکاوٹ بنتا ہے اپنی طرف متوجہ کرتا ہے وہ وہ سب کا سب دنیاوی مال ومتاع ہے یوں یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ دنیاوی مال ومتاع جو کہ طرح طرح کی مخلوقات ہوں گی وہ ہے الدجّال اکبر۔

اور الدجّال اکبر فتنہ ہے فتنہ کہتے ہیں اصل کے مقابلے پر نقل شیئے جس کی موجودگی میں اصل اور نقل میں پہچان ناممکن حد تک مشکل ہو جائے جس کی وجہ سے انسان نقل کا شکار ہو جائے یعنی قرب قیام الساعت ظاہر ہونے والا الدجّال اکبر فطرت نہیں بلکہ فطرت کے مقابلے پر غیر فطرتی طرح طرح کی مصنوعی مخلوقات ہوں گی جو کہ انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ فتنہ ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ قال: اللھم انی اعوذبک من فتنة الدنیا یعنی فتنة الدجال. بخاری

رسول اللہ ﷺ نے کہا: جو اللہ ہے اس میں کچھ شک نہیں میں اللہ کیساتھ بچ رہا ہوں مخصوص دنیا کے فتنے سے یعنی فتنہ الدجّال سے۔

اس روایت میں محمد علیہ السلام نے بالکل واضح الفاظ میں دوٹوک فتنہ الدجّال دنیا کے فتنے کو قرار دیا۔ دنیاوی مال ومتاع، حیات الدنیا ہی الدجّال ہے بالکل

قرآن کے عین مطابق جس کو اللہ نے قرآن میں بار بار شیطان کہا یعنی جو کچھ بھی آپ کے اردگرد ہر طرف کھلم کھلا موجود ہے دنیاوی حیات، دنیا کا مال ومتاع وہ شیطان ہے اور شیطان انسان کا دشمن ہے جسے اللہ نے انسان کا دشمن قرار دیا اللہ کے رسول محمد علیہ السلام نے اسے قرب قیام الساعت ظاہر ہونے والا علامات و اشراط میں سے الدجّال کہا۔

یقول انا ربکم الاعلیٰ. ابن کثیر

الدجّال کہہ رہا ہے اس میں کچھ شک نہیں میں ربّ ہوں تمہارا سب سے اوپر۔

الدجّال کہے گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں سب سے اوپر والا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیسے کہے گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں اور پھر اس پر ایمان کیسے لایا جائے گا یا اس کے ربّ ہونے کا کفر کیسے کیا جائے گا اور اللہ کے ربّ ہونے پر ایمان کیسے لایا جائے گا؟

اس میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے وہ کہے گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کا اصل ربّ کون ہے؟ جب تک آپ کو آپ کے اصل ربّ کا علم نہیں ہو جاتا جب تک آپ اپنے اصل ربّ کو نہیں جان لیتے تب تک آپ الدجّال کو نہیں جان پائیں گے اور نہ ہی یہ سمجھ سکیں گے کہ الدجّال ربّ ہونے کا دعویٰ کیسے کرے گا کیونکہ الدجّال فتنہ ہے اور فتنہ کہتے ہیں اصل کے مقابلے پر نقل کو، الدجّال اصل ربّ اللہ کے مقابلے پر نقل ربّ ہے اس لیے جب تک اصل ربّ اللہ کو نہیں جان لیا جاتا تب تک آپ نقل ربّ یعنی اصل کے مقابلے پر نقل ربّ فتنہ الدجّال کو نہیں جان سکتے۔

اب سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ آپ کا ربّ کون ہے؟ تو ہر کوئی اس کا جواب یہی دیتا ہے کہ ہمارا ربّ اللہ ہے لیکن اگر کسی سے سوال کیا جائے کہ اللہ کیا ہے اللہ کون ہے اللہ کے بارے میں کچھ بتائیں تو کسی کے پاس بھی اللہ کے بارے میں جواب موجود نہیں ہے اور آپ اگر اپنی زندگی میں غور وفکر کریں کیا کبھی ایسا ہوا ہو کہ اللہ نے آپ کو براہ راست آپ کی زبان میں یہ کہا ہو کہ میں تمہارا ربّ ہوں؟ کبھی آپ کو ایسی آواز سنائی دی ہو کہ میں اللہ بول رہا ہوں اور میں تمہارا ربّ ہوں؟ کیا کبھی ایسا ہوا؟ ایسا کبھی نہیں ہوا اور اگر ہوا بھی تو اس کا بھی کسی کو شعور ہی نہیں کیونکہ جہالت اس قدر پھیل چکی ہے کہ جب کبھی بھی اللہ کسی بشر کی صورت میں بشری آواز میں کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں تو کوئی بھی اسے ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا کہ یہ اللہ کی آواز ہے۔ کسی کو بھی نہیں علم کہ اللہ کیا ہے ان کا ربّ کون ہے کیا ہے اس کے برعکس اللہ کے بارے میں نسل در نسل منتقل ہونے والے بے بنیاد و باطل عقائد ونظریات موجود ہیں۔ اب جب آپ کو اللہ جو کہ آپ کا اصل ربّ ہے اس کا ہی علم نہیں تو پھر ظاہر ہے آپ اس کی نقل کو یعنی فتنہ الدجّال کو کیسے پہچان سکتے ہیں؟ آپ اس وقت تک فتنہ الدجّال کو نہیں جان اور پہچان سکتے جب تک کہ آپ اصل ربّ اللہ کو نہیں جان لیتے، اس لیے آپ کو سب سے پہلے یہ جاننا ہے کہ اللہ آپ کا ربّ ہے تو کس طرح، اللہ کا اپنے ربّ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس کے لیے لفظ ربّ کے معنی آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں کیونکہ جب تک لفظ ربّ کے معنی کا ہی علم نہیں ہوگا تب تک آپ اس بات کو نہیں سمجھ سکیں گے اور اللہ کو بھی اپنا ربّ نہیں بنا پائیں گے اور الٹا الدجّال کو اپنا ربّ بنا بیٹھیں گے اور آپ کو اس کا شعور تک نہیں ہوگا۔

اگر آپ یہ جان لیں کہ آپ کا ربّ کون ہے تو نہ صرف کھل کر واضح ہو جائے گا کہ اللہ کیا ہے بلکہ اصل ربّ اللہ کے مقابلے پر نقل ربّ فتنہ الدجّال بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا اور آپ پر یہ بھی کھل کر واضح ہو جائے گا کہ اللہ کس طرح کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں اور پھر الدجّال کس طرح ربکم الاعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کا ربّ کون ہے؟ آپ کا ربّ کیا ہے؟ تو اسکا جواب بہت آسان ہے اگر آپ لفظ ربّ کو جان لیں اور اس کے بعد اپنی خلق میں غور وفکر کریں تو آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ ربّ کیا ہے اور یہی بات قرآن میں بار بار کہی گئی کہ تم اپنی ہی خلق میں، آسمانوں وزمین کی خلق میں کیوں نہیں غور وفکر کرتے اگر تم اپنی ہی خلق میں، آسمانوں اور زمین میں غور وفکر کرو گے تو تم پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ تمہارا ربّ کون ہے۔

ربّ: ربّ کہتے ہیں ایسی ذات جو خلق کرے یعنی عدم سے وجود میں لائے، خلق کر کے مخلوق کو اس کی تمام ضروریات بھی خلق کر کے مہیا کرے اور اسے پروان چڑھا کر اس مقام پر لے کر آئے جس مقام پر آ کر وہ اس مقصد کو پورا کرنے کے قابل ہو جائے جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسے خلق کیا گیا یعنی اسے وجود میں لایا گیا اور جس مقصد کے لیے اسے خلق کیا اس پر وہ مقصد واضح کرے اسے جس مقصد کے لیے وجود میں لایا گیا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسے جو راہنمائی درکار ہے اس کی راہنمائی کرے اور اگر مخلوق وہ مقصد پورا کرے تو اس کو اس کا بدلہ حسن دے اور اگر اس میں کوئی کمی، کوتاہی، سستی، لاپرواہی کرے یا

سرے سے ہی انکار کردے تو اس کو اس کی سزا بھی دے۔

اب آپ اپنی ہی خلق میں غور کریں اور دیکھیں کہ آپ کو کس نے خلق کیا، کون ہے جس نے آپ کو عدم سے وجود میں لایا اور پھر آپ کی ضروریات کیا ہیں اور کون ہے جو آپ کو آپ کی ضروریات خلق کر کے مہیا کر رہا ہے؟ جب آپ اپنی ہی خلق میں غوروفکر کریں تو آپ پر کھل کر واضح ہو جائے گا کہ یہ جو فطرت ہے یہی آپ کا ربّ ہے یعنی یہ فطرت ہی آپ کو عدم سے وجود میں لائی اور اسی میں آپ واپس پلٹائے جائیں گے، یہ فطرت ہی ہے جو آپ کو آپ کی تمام تر ضروریات خلق کر کے فراہم کر رہی ہے یعنی مخلوقات کا مجموعہ ہی اصل ربّ کے طور پر سامنے آئے گا جس سے یہ بھی کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جو ہر طرف کھلم کھلا نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آ رہا ہے۔

مثلاً آپ اپنی ہی ذات میں غور کریں کہ آپ کو کس نے خلق کیا تو سب سے پہلے آپ کے والدین آپ کے سامنے آئیں گے کہ ایک مرد اور عورت نے آپ کو وجود دیا پھر اس کے پیچھے جائیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ پہلے آپ اپنے والد سے الگ ہوئے نطفے کی صورت میں اور پھر والدہ کے پیٹ میں جو والدہ نے کھایا اس سے وجود میں آئے، ایسے ہی جس نطفے سے آپ وجود میں آئے وہ نطفہ اس سے وجود میں آیا جو آپ کے والد نے رزق کھایا اور پھر وہ رزق کیسے وجود میں آیا تو وہ رزق زمین سے نباتات کی صورت میں نکلا اور نباتات پانی، زمین اور زمین کے عناصر سے مل کر وجود میں آئیں، پانی سمندروں سے بخارات بن کر بلندیوں پر گیا پھر بلندیوں سے پانی بارش کی صورت میں اترا اس پانی سے نباتات وجود میں آئیں، زیر زمین طین، نطفہ جسے آپ خام تیل کا نام دیتے ہیں اس سے نباتات وجود میں آئیں اور خام تیل پہاڑوں میں موجود زمین کے عناصر سے وجود میں آیا اور زمین کے عناصر اور پانی اس سے پیچھے خلا سے شہابیوں کی صورت میں آیا، ایسے ہی آپ کی ضروریات میں سے ایک آکسیجن ہے جس کے بغیر آپ زندہ نہیں رہ سکتے اور آکسیجن آپ کو درخت فراہم کر رہے ہیں اور پھر جب درختوں کی خلق میں غور کریں یا آسمانوں وزمین کی کسی بھی خلق میں غوروفکر کریں تو یہی وجود ہی آپ کے سامنے آئے گا جو ہر طرف آپ کو نظر آ رہا ہے یعنی جیسے جیسے آپ غوروفکر کرتے چلے جائیں گے تو یہی وجود ہی آپ کے ربّ کے طور پر آپ کے سامنے آئے گا جسے آپ کائنات کہتے ہیں یا جسے آپ فطرت کہتے ہیں جو کہ فطرتی مخلوقات کا مجموعہ ہے۔

اب جب یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ فطرت ہی وہ ذات ہے جو آپ کو عدم سے وجود میں لائی اور آپ کو آپ کا رزق یعنی تمام تر ضروریات خلق کر کے فراہم کر رہی ہے جیسے کہ آپ کے کھانے کے لیے ثمرات، پینے کے لیے پانی، سفر کے لیے گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ تو پھر فتنہ الدجّال یعنی اصل ربّ کے مقابلے پر نقل ربّ فطرت کے مقابلے پر اس کی ضد مصنوعی مخلوقات ہیں یعنی انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کی جانے والے طرح طرح کی مخلوقات کا مجموعہ ہے الدجّال ہے وہی الدجّال جو نہ صرف علامات واشراط الساعت میں سے ہے بلکہ جسے قیام الساعت کے قریب نکلنا تھا۔

اب آئیں اس طرف کہ اللہ کس طرح کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں، تو اس کے لیے دیکھیں اگر آپ کو آکسیجن کی ضرورت ہے تو آپ آکسیجن کس سے حاصل کر رہے ہیں؟ کیا فطرت سے آکسیجن حاصل نہیں کر رہے؟ کیا فطرت آکسیجن فراہم نہیں کر رہی ذرا غور کریں اگر فطرت آکسیجن فراہم نہ کرے تو آپ زندہ رہ سکتے ہیں؟ نہیں بالکل نہیں۔ اب آپ خود غور کریں کہ آپ کو کس نے کہا کہ آکسیجن درختوں سے حاصل کرنی ہے؟ یعنی فطرت جو کہ اللہ ہے اسے اپنا ربّ بناؤ؟ تو فطرت خود اپنے عمل سے دعویٰ کر رہی ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔ پھر اس کے علاوہ انسان چونکہ بشر ہیں تو اللہ یعنی فطرت یہ وجود انہی میں سے ان میں اپنا رسول بعث کرتا ہے جو انسانوں پر حق کھول کھول کر واضح کرتا ہے یعنی اللہ اپنے رسول کے ذریعے اپنے نبیوں کے ذریعے انسانوں کو کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں، میں ہی ہوں جس نے تمہیں عدم سے وجود میں لایا، میں ہی ہوں جو موت کو حیا کر رہا ہوں یعنی دیکھو میں بارشیں برساتا ہوں ان بارشوں سے زمین سے ثمرات نکالتا ہوں ان سے تمہاری تمام تر ضروریات خلق کرتا ہوں مثلاً تمہارے کھانے کے لیے، پینے کے لیے، سواری کے ذرائع سمیت تمہاری تمام تر ضروریات خلق کر رہا ہوں، تمہیں بیٹھنا کیسے ہے، اٹھنا کیسے ہے، کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا، کیا حلال ہے، کیا حرام ہے، کس میں تمہارے لیے فائدہ ہے کس میں تمہارے لیے فائدہ نہیں ہے، کون تمہارا دوست ہے اور کون تمہارا دشمن ہے تم پر کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں تمہاری راہنمائی کر رہا ہوں یعنی میں تمہارا ربّ ہوں اس طرح اللہ اپنے ربّ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یعنی ایک طرف فطرت اپنے عمل سے ربّ ہونے کی دعویدار ہے اور دوسری طرف انسان چونکہ بشر ہیں تو ان میں سے اپنے رسول کے ذریعے انہیں نبا دیتا ہے ان کو کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں ان کی راہنمائی کرتا ہے۔

یعنی اللہ اپنے نبیوں کے ذریعے کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں، نبی نبا سے ہے نبا کہتے ہیں اس علم کو جو اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں اور جب اللہ وہ علم انسانوں کو دیتا ہے تو وہ نبا کہلاتا ہے نبا دینے والے کو عربوں کی زبان میں نبی کہا جاتا ہے یعنی وہ جو انسانوں کی راہنمائی کرتا ہے جو کہتا ہے کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور اسے پورا کیسے کرنا ہے تم کون ہو کیا ہو تمہاری حقیقت کیا ہے تمہارے لیے کیا فائدہ مند ہے کیا نقصان دہ ہے، کیا کھانا ہے اور کیا پینا ہے، کیسے کھانا ہے اور کیسے پینا ہے، کیا اگانا ہے اور کیسے اگانا ہے، معاش کیسا ہوگا اور طریقہ کیا ہوگا حتیٰ کہ اٹھنے بیٹھنے سمیت دنیا میں کس مقصد کے لیے بھیجے گئے سب کے سب کا علم سے راہنمائی کرے، راہنمائی کرنے والے کو عربوں کی زبان میں نبی کہتے ہیں اور اردو میں نبی کے معنی راہنما کے ہیں وہ جو آپ کی راہنمائی کر رہا ہے جو انسانوں کی راہنمائی کا دعویدار ہے کہ کون تمہارا ربّ ہے کسے تم نے اپنا ربّ بنانا ہے یعنی کہ تمہارا دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے تمہیں کیوں خلق کیا گیا وہ مقصد پورا کیسے ہوگا تمہارے لیے کیا فائدہ مند ہے اور کیا نقصان دہ ہے، تمہاری ضروریات کیا ہیں اور انہیں کیسے حاصل کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔

آپ پر مختلف پہلوؤں سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوگئی کہ اصل ربّ اللہ یعنی فطرت ہے جو کہ مخلوقات ہی ہیں لیکن ان کو وجود میں لانے والی فطرت ہے اور الدجّال جو ربّ ہونے کا دعویٰ کرے گا وہ فطرت کے مقابلے پر فطرت کی ضد ہوگی، وہ فطرت کے مقابلے پر انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ غیر فطرتی مصنوعی طرح طرح کی مخلوقات ہوں گی جو بالکل وہی کام کریں گے جو کام فطرت یعنی اللہ کر رہا ہے۔ اب اللہ یعنی فطرت کے علاوہ کوئی بھی ایسی ذات جو ایسے کام کرتی ہے، کرے گی یا کر رہی ہے تو وہی الدجّال اکبر ہے کیونکہ جو صفات الدجّال اکبر کی ہیں وہ اس کے علاوہ باقی کسی دجّال میں نہیں ہیں۔

اب آج آپ اپنے اردگرد دیکھیں کہ کیا جو کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے وہ صرف اور صرف فطرت ہی ہے یا پھر فطرت کے مقابلے پر فطرت کی ضد انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ طرح طرح کی مخلوقات موجود ہیں؟ کیا آج صرف اور صرف اصل ربّ فطرت ہی موجود ہے یا پھر اس کے علاوہ فتنہ الدجّال یعنی اصل کے مقابلے پر نقل ربّ مصنوعی مخلوقات بھی موجود ہیں جو کہ انسانوں کو اپنے دھوکے کا شکار کیے ہوئے ہیں اور لوگوں کی اکثریت ان کے دھوکے کا شکار ہو کر انہیں اپنا ربّ بنائے ہوئے ہے؟ تو حق ہر لحاظ سے بالکل کھلم کھلا آپ کے سامنے ہے نہ صرف آج الدجّال یعنی فطرت کے مقابلے پر انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ فطرت کی ضد مشینیں اور مصنوعی مخلوقات پوری دنیا میں دھندنا رہی ہیں بلکہ کوئی بھی انہیں الدجّال تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں بلکہ الٹا ہر کوئی انہیں اپنے لیے مسیحا سمجھتے ہوئے اپنا ربّ بنائے ہوئے ہے۔

یوں جس طرح اللہ یعنی فطرت عملاً ربکم الاعلیٰ ہونے کی دعویدار ہے ایسے ہی فطرت کے مقابلے پر اس کی ضد انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ مخلوقات یہ الدجّال ربکم الاعلیٰ ہونے کا دعویدار ہے پھر دیکھیں اسی کے بارے میں آج سے چودہ صدیاں قبل جو محمد علیہ السلام نے کہا تھا بخاری میں محمد علیہ السلام کے فتنہ الدجّال کے بارے میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو کہ بالکل واضح کر دیتے ہیں کہ الدجّال کیا ہے۔ الدجّال دنیا کے فتنے کا نام ہے یعنی دنیاوی مال ومتاع جس کے دھوکے میں مبتلا ہو کر انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اس کی حقیقت کیا ہے دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اس سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس دنیاوی مال ومتاع کو ہی اپنا مقصد ومشن بنا کر اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیتا ہے جیسا کہ محمد علیہ السلام کے الفاظ درج ذیل روایت میں آپ کے سامنے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ قال: اللھم انی اعوذبک من فتنة الدنیا یعنی فتنة الدجال. بخاری

رسول اللہ ﷺ نے کہا: جو اللہ ہے اس میں کچھ شک نہیں میں اللہ کیساتھ بچ رہا ہوں مخصوص دنیا کے فتنے سے یعنی فتنہ الدجّال سے۔

اس کے علاوہ آج سے چودہ صدیاں قبل ہی محمد علیہ السلام نے یہ بھی کھول کر واضح کر دیا تھا کہ نہ صرف میں نے کھول کھول کر واضح کر دیا کہ الدجّال کیا ہے بلکہ اس کے باوجود وہ تمہاری عقلوں میں آیا اور نہ ہی آئے گا جیسا کہ درج ذیل روایت میں آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ قال: انی قد حدثتکم عن الدجّال حتی خشیت ان لا تعقلوا. ابو داؤد

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں میں نے تمہیں الدجّال کے بارے میں جو بھی ایجادات، حادثات، واقعات ہوں گے سب بیان کر دیا اس کے باوجود مجھے یہ یقین ہے کہ وہ تمہاری عقلوں میں نہیں آئے گا۔ یعنی تم ان ایجادات وغیرہ کو الدجّال کی بجائے اپنا مسیحا تسلیم کر بیٹھو گے ان کے دجل کا شکار ہو کر انہیں اپنا ربّ تسلیم کر لو گے۔

حدث. بیان کرنا، ایجادات، واقعات، حادثات، مصائب وغیرہ۔
خشی. یقینی خطرہ، یعنی جس بات کا خدشہ ہو وہ پوری ہو کر رہے گی۔ جیسے یہ لفظ سورۃ الکھف میں اللہ کے غلام اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جب اللہ کے غلام نے ایک نابالغ بچے کو قتل کیا اور یہ کہا کہ انہیں خشی ہوئی کہ اگر وہ بڑا ہوتا تو والدین کو کفر میں مبتلا کرتا اس لیے قتل کر دیا۔ اس موقع پر یہی لفظ ''خشی'' آیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس بچے کے بارے میں جو خدشہ تھا وہ یقینی تھا یعنی اگر وہ بچہ بڑا ہوگا تو ضرور ایسا کرے گا اس کی وجہ سے ضرور یقینی طور پر اس کے والدین کفر کا شکار ہو جائیں گے۔

اس روایت میں محمد علیہ السلام کے الفاظ کو سامنے رکھیں تو محمد علیہ السلام اس وقت بتا تو اپنے اصحاب کو رہے تھے جو کہ سامنے موجود تھے لیکن اصل مخاطب وہ تھے جن کی زندگیوں میں الدجّال کا خروج ہونا تھا اور محمد علیہ السلام نے کہا کہ الدجّال جو بھی ہے یعنی جو بھی ایجادات ہیں، حادثات، واقعات ہیں ان سب سے میں نے تمہیں آگاہ کر دیا تمہیں کھول کھول کر بتا دیا لیکن اس کے باوجود الدجّال تمہاری عقلوں میں نہیں آئے گا اور اللہ کے رسول محمد علیہ السلام نے بالکل سچ کہا تھا آج تک الدجّال کو کوئی نہ پہچان سکا، کسی کی عقل میں نہ آیا یہاں تک کہ وہ نہ صرف الدجّال نکل چکا بلکہ جو کچھ اس نے کرنا تھا کر چکا، آج الدجّال پوری دنیا میں دھندناتا پھر رہا ہے اب پیچھے صرف رہ گیا تو اس کا ابن مریم کی مثل عیسیٰ رسول اللہ کے ہاتھوں باب لد سے قتل ہونا باقی رہ گیا یعنی الدجّال کا ادراک اور اس دجل کی حقیقت خالص اللہ کے عطا کردہ علم سے صرف اور صرف ابن مریم کی مثل عیسیٰ رسول اللہ ہی چاک کریں گے ان کے علاوہ اور کسی کی عقل میں نہیں آئے گا۔
حالانکہ خود محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ الدجّال پر صرف اور صرف ایک ہی شخص مسلط ہو پائے گا اور جو شخص الدجّال کے قتل پر مسلط ہو جائے گا وہی عیسیٰ اللہ کا رسول ہوگا لیکن اس کے باوجود ایک بڑی تعداد الدجّال کے بارے میں بلند و بانگ دعوے کرتی رہی اور کر رہی ہے اور ہر کوئی اپنی اپنی عقل کیمطابق الدجّال کے بارے میں بے بنیاد و باطل عقائد و نظریات گھڑ کر اخذ کیے ہوئے ہے حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ محمد علیہ السلام کے الفاظ کے مطابق الدجّال کو سمجھنے اور اس سے بچنے کے لیے راتوں کی نیند حرام ہو جانی چاہیے تھی۔ جیسے جیسے آپ کتاب کو پڑھتے جائیں گے ویسے ویسے آپ کے پاؤں تلے سے زمین سرکتی چلی جائے گی اور واضح ہو جائے گا کہ آج آپ کس وقت میں موجود ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت ان حقائق کو غلط ثابت نہیں کر سکتی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے جو آگے کتاب میں آئیں گے حتیٰ کہ کتاب کا آخری حرف آ جائے۔

الدجّال

ما كانت فتنة ولا تكون حتى تقوم الساعة أعظم من فتنة الدجال وما من نبی الا وقد حذر قومه، ولأخبرنكم بشيء ما أخبر به نبي : انه أعور وأشهد ان الله ليس بأعور. حاكم
نہیں تھا فتنہ اور نہ ہوگا یہاں تک کہ قائم ہو جائے گی الساعت اعظم فتنہ الدجّال سے یعنی ایسا بڑا اور غیر معمولی فتنہ کے جس کو اگر نکال دیا جائے تو پیچھے جتنے بھی فتنے ہیں ان کی اہمیت و حیثیت ایسے ہی رہ جائے گی جیسے جسم سے تمام کی تمام ہڈی نکال لینے سے پیچھے جسم کی اہمیت و حیثیت رہ جاتی ہے اور نہیں نبیوں سے کوئی ایک بھی نبی مگر اور تحقیق ڈرایا اس نے اپنی قوم کو اس موجود خطرے سے اور میں کیا خبر دیتا ہوں تمہیں اس شئے سے اس کی جو نہیں کسی نبی نے اس شئے سے اس کی خبر دی، اس میں کچھ شک نہیں جب الدجّال موجود ہوگا وہ اعور ہوگا یعنی عیب دار، خامیوں و نقائص والا ہوگا، ایک پہلو سے بہترین نظر آئے گا لیکن دوسرا پہلو خامیوں و نقائص سے بھرپور ہوگا اور میں شاہد ہوں یعنی میں دیکھ رہا ہوں اس میں کچھ شک نہیں اللہ ہرگز اعور نہیں یعنی اللہ کی کوئی بھی خلق عیب دار نہیں ایک ہی پہلو سے دیکھ کر خلق کی ہوئی نہیں بلکہ اللہ جو بھی کرتا ہے جو بھی خلق کرتا ہے جو بھی اللہ ہے وہ دونوں پہلو سے مکمل خلق کرتا ہے اس میں رائی برابر بھی عیب نہیں ہوتا

کوئی خامی نہیں ہوتی وہ شئے بالکل پرفیکٹ، کامل ہوتی ہے ہر لحاظ سے۔

فتنة. اسے ایک مثال سے سمجھ لیتے ہیں مثال کے طور پر ایک ایسی شئے خلق ہوتی ہے جو اس سے پہلے موجود نہیں اور دنیا میں اس کی بہت زیادہ مانگ ہوتی ہے۔ مثلاً وہ ایک صابن ہے جو بالوں کے لیے بہت اچھا ہے اور ہر کوئی اسے استعمال کرتا ہے۔ اب کسی کے دل میں لالچ پیدا ہوتا ہے تو وہ ایسا کرتا ہے کہ اس کی نقل تیار کرتا ہے۔ جو بھی نقل تیار کیا جاتا ہے وہ ایسے بنایا جاتا ہے کہ اصل شئے اس کے سامنے نقل نظر آئے۔ اب جب آپ دکان پر جاتے ہیں تو ایک ہی لیبل میں درجنوں صابن موجود ہیں لیکن ان میں سے ایک اصل ہے اور باقی سب نقل ہیں۔ آپ خرید کر لے آئیں گے لیکن جب آپ استعمال کریں گے تب آپ کو علم ہوگا کہ یہ تو نقل ہے۔ جب تک مارکیٹ میں ایک ہی صابن تھا جو کہ اصل تھا تو کوئی بھی جائے خواہ اس کے پاس علم ہو یا نہ ہو، وہ بچہ ہو یا بوڑھا ہو کوئی بھی ہو اسے کوئی مسئلہ پیش نہیں آئے گا وہ اصل صابن خرید لائے گا لیکن جب نقل بھی آ گئے تو خواہ کتنے ہی علم والا شخص کیوں نہ ہو وہ امتحان میں پڑ جائے گا کہ آیا ان میں سے اصل کون سا ہے۔ اس طرح کے امتحان کو عربی میں فتنہ کہتے ہیں۔

آدم کی خلق سے لیکر الساعت کے قیام تک فتنہ الدجّال سے اعظم کوئی فتنہ نہیں۔

اعظم۔ اس میں اصل لفظ عظم ہے جس کے معنی ہیں کسی شئے کی ایسی اہمیت وحیثیت کے ہیں جیسے جسم میں ہڈی کی اہمیت وحیثیت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے جسم میں ہڈی کو بھی عظم کہا جاتا ہے۔ ہڈی میں ایک تو سختی پائی جاتی ہے دوسرا مضبوطی تیسرا ہڈی مڑتی نہیں اور چوتھا ہڈی جسم میں پائی جاتی ہے اگر جسم سے ہڈی نکال دی جائے تو جسم کی کوئی اہمیت وحیثیت نہیں رہتی۔ جس میں بھی ایسی خصوصیات پائی جاتی ہوں اسے اعظم کہتے ہیں۔

اس سے یہ بھی کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ الدجّال ایک ایسا فتنہ ہے کہ اگر اس فتنے کو نکال دیا جائے تو پیچھے جتنے بھی فتنے ہیں ان کی کوئی اہمیت وحیثیت نہیں رہے گی یعنی ان کی اہمیت وحیثیت بالکل ایسی رہ جائے گی جیسے جسم سے تمام ہڈی نکال لینے سے پیچھے جسم کی اہمیت وحیثیت رہ جاتی ہے۔

فتنہ کو بھی آپ نے سمجھ لیا کہ فتنہ اصل کے مقابلے پر ایسی نقل کو کہتے ہیں جس کے سامنے اصل بھی نقل نظر آئے اور اخذ کرنے والا خواہ کتنا بڑا عالم ہی کیوں نہ ہو وہ نقل کو اصل سمجھ کر اخذ کر بیٹھے۔ دنیا میں اللہ نے جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے بھیجا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ایک فارمولا یعنی طریقہ بھی بتا دیا جسے دین کہا گیا اس کے مقابلے پر جتنے بھی طریقے ہوں گے وہ سب فتنے کہلائیں گے اور ان میں سب سے اعظم فتنہ، فتنہ الدجّال ہوگا یعنی اصل دین کے مقابلے پر ایک ایسا دین، دنیا میں زندگی گزارنے کا طریقہ ہوگا جس کا ہر کوئی شکار ہو جائے گا کہ اکثریت دنیا میں آنے کا مقصد اسے ہی سمجھ بیٹھے گی اور ساری زندگی اسی کی اتباع میں ضائع کردے گی جو کچھ بھی دیا گیا مال، اولاد، صلاحیتیں، ذہانت، کوئی عہدہ یا رتبہ سب کے سب کا اسی کے پیچھے استعمال کیا جائے گا اور ایسا کرنے والے سمجھ یہ رہے ہوں گے کہ وہ دین پر چل رہے ہیں وہ تو اللہ کی عبادۃ کر رہے ہیں وہ تو انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں وہ تو محسنین ہیں لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوگی۔

دنیا میں اللہ نے انسان کو جس مقصد کے لیے بھیجا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ایک فارمولا یعنی طریقہ بتا دیا۔ صرف اور صرف وہی ایک طریقہ ہے جس پر عمل کر کے انسان دنیا میں آنے کا مقصد پورا کر کے جہنم کی آگ سے سلامتی پا سکتا ہے اسی وجہ سے اس طریقے کو الاسلام کہا گیا۔ جب تک دنیا میں زندگی گزارنے کا ایک ہی طریقہ ہوگا تب تک کسی کو رائی برابر بھی دنیا میں آنے کے مقصد کو جاننے اور اسے پورا کرنے میں مشکل پیش نہیں آئے گی لیکن جب اس کے مقابلے پر دنیا میں آنے کے اور مقاصد بھی وضع کر دیئے جائیں ایک طریقے کے مقابلے پر مزید طریقے وضع کر دیئے جائیں تو وہ فتنے کہلائیں گے اس لیے کہ پھر انسانوں کو ان میں سے دنیا میں آنے کے اصل مقصد کو پہچاننے میں مشکل پیش آئے گی اس مقصد کو پورا کیسے کرنا ہے اس کے لیے کیا طریقہ ہے جب ایک سے زائد طریقے ہوں گے تو ان میں سے اصل طریقے کو پہچاننے کے لیے انسان پر امتحان واقع ہو جائے گا انسان امتحان میں پڑ جائیں گے کہ آیا ان میں سے اصل کونسا ہے اسے فتنہ کہتے ہیں۔

دنیا میں جتنے بھی فتنے تھے یا ہیں ان میں سے اگر فتنہ الدجّال نکال دیا جائے تو باقی فتنوں کی بالکل ایسے ہی اہمیت وحیثیت ہوگی جیسے اگر جسم سے تمام ہڈیاں نکال دینے سے جسم کی اہمیت وحیثیت رہ جاتی ہے۔ الدجّال کے علاوہ جتنے بھی فتنے ہیں ان کو پہچاننا بہت آسان ہے لیکن فتنہ الدجّال ایسا فتنہ ہے کہ بڑے سے بڑے علم والے بھی اس کو پہچاننے میں ناکام ہو جائیں گے یہ ایسا اعظم فتنہ ہے۔

محمد علیہ السلام نے بتایا کہ تمام کے تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو اس سے ڈرایا روایت میں لفظ "حــذر" آیا ہے جس کے معنی ایسے خطرے سے ڈر کے ہیں جو خطرہ سامنے موجود ہو۔ یہ لفظ کھول کر واضح کرتا ہے کہ جتنے نبیوں نے اپنی قوموں کو فتنہ الدجّال سے ڈرایا تو اس وقت یہ فتنہ سامنے موجود تھا اور پھر جب ان کی قومیں نہ ڈریں تو ان کا انجام کیا ہوا اس کو اللہ نے قرآن میں پھیر پھیر کر ہر لحاظ سے کھول کر بیان کر دیا جو کہ پیچھے تفصیل کیساتھ گزر چکا ہے۔ لیکن محمد علیہ السلام نے بتایا کہ کسی نبی نے بھی ایسی خبر نہیں دی جیسی خبر میں نے اپنی امت کو دی اور وہ یہ ہے کہ الدجّال اعور ہو گا اور اللہ جو ہمارا ربّ ہے وہ ہرگز اعور نہیں۔ اعور کہتے ہیں عیب دار ہونے کو نامکمل کام کرنے کو، کسی بھی شئے کو ایک ہی رخ سے دیکھنے کو کہ جو بھی کام کیا جائے اس کو ایک رخ سے ہی کیا جائے دوسرا رخ نہ دیکھ پانا جس وجہ سے شئے عیب دار ہو گی یہی سب سے بڑی اور آسان ترین صورت ہے الدجّال کی پہچان کے لیے۔ ہر وہ شئے جس میں عیب ہو وہ الدجّال ہو گی الدجّال کی خلق کردہ ہو گی اور اس کے برعکس اللہ سبحان ہے اللہ کے لیے صرف اور صرف ہے ہی حمد اللہ کا ہر کام ہر لحاظ سے مکمل ہوتا ہے اللہ میں کوئی عیب نہیں۔

رسول الله ﷺ قال: مابين خلق آدم الى قيام الساعة خلق اكبر من الدجال. مسلم

رسول اللہ ﷺ نے کہا: آدم کی خلق سے لیکر قیام الساعت تک الدجّال سے بڑی کوئی خلق نہیں ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ آدم سے مراد ایک بشر لیا جاتا ہے کہ آدم اس دنیا کا سب سے پہلا بشر تھا یہ بات بالکل بے بنیاد جھوٹ اور باطل ہے جس کا حق کیساتھ کوئی تعلق نہیں آگے اپنے مقام پر اس پر تفصیل کیساتھ بات ہو گی کہ آدم مجموعی طور پر عورتوں و مردوں پر مشتمل اس بشر جنس کو کہا جاتا ہے۔ آدم یہ جو بشر ہیں مجموعی طور پر انہیں کہا گیا جیسے آپ کہتے ہیں بکری، شیر، کتا، گائے وغیرہ تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ کسی ایک بکری، ایک شیر، ایک کتے یا ایک گائے کا ذکر کیا جا رہا ہے بلکہ اس سے مراد پوری نسل ہوتی ہے پوری جنس ہوتی ہے ایسے ہی آدم کا مطلب ہے یہ بشر مرد و عورت پر مشتمل پوری نسل پوری جنس۔ جب سے آدم یعنی یہ جو بشر ہیں انہیں اس زمین پر لایا گیا یعنی جب سے فطرت نے انہیں وجود میں لایا تب سے لیکر جب تک کہ الساعت کا قیام نہیں ہو جاتا یعنی عظیم زلزلے سے ان کا زمین سے مکمل طور پر خاتمہ نہیں ہو جاتا تب تک جتنی بھی خلق ہوں گی یعنی جو جو بھی یہ بشر انسان خلق کرے گا ان میں جو سب سے بڑی خلق ہو گی جس سے بڑی کوئی خلق نہیں وہ الدجّال ہے۔

محمد علیہ السلام کے ان الفاظ سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ الدجّال خلق ہو گی یعنی دجّال تخلیق ہو گا۔ اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ کے قانون میں یہ ہے کہ اللہ ایسی کوئی خلق کرے جو اعور ہو یعنی عیب دار ہو ایک طرفہ ہو؟ کیونکہ قرآن میں اللہ نے کئی مقامات پر یہ بات واضح کر دی کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کے سب اللہ کے عباد ہیں یعنی اللہ کے غلام ہیں سوائے جن و انس یعنی انسان کے۔ اور اللہ سبحان ہے یعنی اللہ پاک ہے اس سے کہ وہ کوئی ایسی خلق کرے جس میں خامیاں ہوں، خرابیاں ہوں، نقائص ہوں جو نامکمل ہو، جو باقی مخلوقات کو فساد زدہ کرے۔ قرآن میں اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ نے کسی بھی شئے میں کوئی فرط نہیں کیا یعنی ہر شئے کو ہر لحاظ سے مکمل اور خامیوں و نقائص سے پاک خلق کیا رائی برابر بھی کہیں کوتاہی نہیں کی نہ ہی ان کی خلق میں کوئی لاپرواہی کی نہ ہی کچھ خلق کرتے وقت بھول گیا اللہ جو سب کا سب مکمل خلق کیا کچھ بھی خلق کرنا بھول نہیں گیا تھا جو وہ بعد میں خلق کرے گا اور پھر اللہ اپنی کسی بھی خلق کو کوئی ایسا حکم نہیں دیتا جس میں کوئی خامی ہو یا اللہ کے حکم پر عمل کرنے سے کوئی خامی، خرابی یا نقص پیدا ہو اللہ کے لیے صرف اور صرف ہے ہی حمد اور اس کے بالکل برعکس الدجّال تو ہے ہی خامیوں، خرابیوں اور نقائص سے بھرا ہوا اور وہ تو اللہ کے مقابلے پر وہ کچھ کرے گا جو اللہ کرتا ہے یعنی اللہ کے ساتھ شریک بنے گا اس لیے الدجّال کا خالق اللہ نہیں ہو گا بلکہ الدجّال کا خالق بذات خود انسان ہو گا۔

آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان میں صرف اور صرف جن و انس یعنی انسان ہی ایسی خلق ہیں جو اللہ کے باغی ہیں اور وہ اس لیے کیونکہ جن و انس یعنی انسان کو اس کی مرضی کا اختیار دیا گیا اور انسان اس اختیار کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے اللہ سے بغاوت کرتے ہیں اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اس کیساتھ اس کے کاموں میں شریک بنتے ہیں۔

الدجّال جب خلق ہو گا یعنی مخلوقات کا ہی مجموعہ ہو گا تو پہلی بات کہ بلاشک وشبہ ان کا خالق اللہ نہیں ہو گا اور دوسری بات کہ بلاشک وشبہ ان کا خالق جن و انس یعنی انسان بذات خود ہوں گے۔

پیچھے یہ بات گزر چکی ہے اور آگے بھی تفصیل کیساتھ آئے گا کہ الدجّال کوئی ایک مخصوص شخصیت بشر انسان نہیں بلکہ مختلف الخلق ہے یعنی الدجّال طرح طرح کی مخلوقات ہیں جو کہ ٹیکنالوجی ہے انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے ترقی کے نام پر مفسد اعمال کے ذریعے خلق کردہ طرح طرح کی مخلوقات ہیں جنہیں انسان اپنے لیے مسیحا سمجھتا ہے یعنی آسائشیں، سہولتیں اور آسانیاں سمجھتا ہے اپنے لیے فائدے کی اشیاء سمجھتا ہے۔

ٹیکنالوجی، جدید سائنسی ایجادات، صنعتی انقلاب کے نام پر خلق کی جانے والی اشیاء کا خالق انسان ہے اور یہی ٹیکنالوجی، جدید سائنسی ایجادات، صنعتی انقلاب کے نام پر تمام کی تمام خلق، یہ مشینیں وغیرہ یہ سب کا سب الدجّال ہے اگر یہ الدجّال نہیں تو پھر الدجّال کا کوئی وجود نہیں ہے۔

اس کی تصدیق محمد علیہ السلام کے درج ذیل الفاظ سے بھی ہو جاتی ہے۔

رسول الله ﷺ قال: اللهم انی اعوذبک من فتنة الدنیا یعنی فتنة الدجال. بخاری

رسول اللہ ﷺ نے کہا: جو اللہ ہے اس میں کچھ شک نہیں میں اللہ کیساتھ بچ رہا ہوں مخصوص دنیا کے فتنے سے یعنی فتنہ الدجّال سے۔

اس روایت میں محمد علیہ السلام نے دوٹوک دنیا کے فتنے کو فتنہ الدجّال قرار دیا اور دنیا کا فتنہ کیا ہے اس پر قرآن میں بار بار آیا ہے یعنی حیاۃ الدنیا، دنیا کا مال و متاع، جنہیں انسان اپنے لیے آسانیوں، سہولتوں، آسائشوں اور ترقی وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ آج ہر انسان اسی فتنے کا شکار ہے اکثریت نے اسی کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہوا ہے اور دن رات دنیاوی مال و متاع کے پیچھے بھاگنے میں گزار رہا ہے کہ جیسے یہی ان کی زندگی کا مقصد ہے۔ آج جو ایجادات ہو چکیں ان سے نہ صرف پوری دنیا مزین ہو چکی بلکہ ہر کوئی انہی کے سحر میں جکڑ چکا ہے اس کے باوجود اگر کوئی الدجّال کو نہ پہچان پایا اور اس سے نہ بچا تو اس سے بڑا اندھا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

رسول الله ﷺ قال: وصفته أنه افحج. نعیم بن حماد

صفة. وصف، کردار، خصوصیات، معیار، صلاحیت، جس سے نمایاں ہونا۔

افحج. کسی بھی شئے میں ٹیڑ پن کا ظاہر ہونا یا معذوری کا پیدا ہونا۔ مثلاً ہڈیوں، ہاتھ، پاؤں، ٹانگوں وغیرہ میں ٹیڑ پن ہونا یا کوئی معذوری ہونا۔ اسی طرح کسی بھی شئے میں ٹیڑ پن ہونا یا کسی بھی حوالے سے مفلوج ہونا۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اور اس کی یعنی الدجّال کی صلاحیتیں، خصوصیات، معیار اور کردار یہ ہوگا کہ وہ ہر شئے میں ٹیڑ پن پیدا کر دے گا، ہر شئے کو مفلوج کر دے گا اور یہی شئے اسے یعنی الدجّال کو نمایاں کرے گی یہی اس کی پہچان کا باعث ہوگی۔

افحج کو سمجھنے کے لیے درج ذیل تصاویر کو دیکھیں۔

یہ چند تصاویر ہیں لفظ افج کو سمجھنے کے لیے۔ افج کے معنی ٹیڑھی ٹانگوں والے کے لیے جاتے ہیں جو کہ بالکل نامکمل اور غلط معنی ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا لازم ہے کہ اللہ سبحان ہے یعنی اللہ پاک ہے اللہ کے ہر کام میں حمد ہوتی ہے جس کام میں یا جس شئے میں بھی کوئی خامی ہو خواہ وہ رائی برابر ہی کیوں نہ ہو اس کی ذمہ داری اللہ پر عائد نہیں ہوگی کیوں کہ اللہ کوئی بھی ایسا کام نہیں کرتا جس میں رائی برابر بھی کوئی خامی ہو۔ کائنات میں کہیں بھی کوئی نقص، خرابی یا خامی وغیرہ پیدا ہوتی ہے یا ظاہر ہوتی ہے تو اس کی ذمہ داری صرف اور صرف جن وانس یعنی انسانوں پر ہی عائد ہوگی۔ نافرمان جن وانس یعنی انسانوں کے دو گروہوں کے علاوہ اس کائنات کی ہر شئے اللہ کی غلام ہے۔ الدجّال کی سب سے بڑی شناخت ہی یہی ہوگی کہ وہ افج یعنی مخلوقات کو مفلوج کر دے گا عیب زدہ کر دے گا۔ کوئی بھی مخلوق اگر عیب زدہ ہوتی ہے تو اس کی بنیادی وجہ اس کی خوراک ہوتی ہے مثلاً جیسا مواد ہوگا اسی معیار کی شئے بنتی ہے۔ جب یہ سب ہوگا تب الدجّال موجود ہوگا اور اس سب کی وجہ غذا بن رہی ہے موجودہ غذا ظاہراً تو بہت اچھی نظر آتی ہے لیکن اس کا باطن بیماریوں، خامیوں اور نقائص سے بھرپور ہے اس لیے یہ الدجّال ہے۔ تمام کی تمام مصنوعی غذا جو غیر فطرتی ہے اور وہ تمام کی تمام غذا وہ تمام کا تمام رزق جو فطرت کی بجائے تبدیل شدہ ہے اس میں تبدیلی کی گئی یا کسی بھی سطح پر حد سے تجاوز کرتے ہوئے مداخلت کی گئی وہ الدجّال ہے۔

آج آپ خود غور کریں کیا یہ سب موجود نہیں؟ کیا آج مخلوقات عیب زدہ نہیں ہو چکیں؟ اور پھر مخلوقات کا مفلوج ہونا کس وجہ سے ہے کیا اسی ٹیکنالوجی ہی کی وجہ سے نہیں ہے؟

رسول الله ﷺ قال: الدجّال مختلف الخلق. نعيم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ الدجّال مختلف الخلق ہوگا یعنی الدجّال طرح طرح کی مخلوقات ہوں گی۔

کون سی طرح طرح کی مخلوقات الدجّال ہوں گی؟ جیسے جیسے آگے بڑھتے جائیں گے سب کچھ واضح ہوتا چلا جائے گا۔ بہرحال اگر پیچھے بیان کردہ الفاظ کو ان الفاظ کے ساتھ جوڑیں تو پتہ چلے گا کہ الدجّال ایسی طرح طرح کی مخلوقات ہوں گی جو اشیاء میں ٹیڑھ پن پیدا کریں گی جو اشیاء کو مفلوج کر دیں گی، نقائص زدہ، خامیوں والا، خرابیوں والا، عیوب زدہ اور مفلوج وغیرہ کر دیں گی۔

اور ظاہر ہے یہ ان کا دوسرا پہلو ہوگا جو ہر ایک کو نظر نہیں آئے گا اکثریت ایسی تمام مخلوقات کو یعنی ایسی تمام اشیاء کا ایک ہی پہلو دیکھ کر انہیں اپنے لیے مسیحا سمجھے گی یعنی اپنے لیے فائدہ مند سمجھتے ہوئے آسانیاں، آسائشیں اور سہولتیں سمجھتے ہوئے انہی کا استعمال کرے گی حالانکہ یہ سب الدجّال ہوگا جس کا انہیں شعور ہی نہیں ہوگا۔

آج انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ ایسی مخلوقات پوری دنیا میں دھندناتی پھر رہی ہیں جن کے دجل کا ہر کوئی شکار ہو چکا ہے جو کہ آسمانوں وزمین میں تباہیوں کا سبب بن رہی ہیں اور کوئی بھی نہیں جو انہیں الدجّال تسلیم کرنے کو تیار ہو بلکہ ہر کوئی انہیں اپنے لیے مسیحا سمجھے ہوئے اپنا ربّ بنائے ہوئے ہے یعنی اپنی تمام تر ضروریات انہی سے پوری کر رہا ہے یوں آج الدجّال پوری دنیا میں دھندناتا پھر رہا ہے۔

رسول الله ﷺ قال: احدى يديه أطول من الاخرى. نعيم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس کا یعنی الدجّال کا ایک ید لمبا ہوگا دوسرے سے۔

جیسا کہ پیچھے لفظ ید کے معنی گزر چکے ہیں آپ بشر ہیں اور پھر انسان ہیں تو آپ کا معاملہ یہ ہے کہ جب بھی ایسا کوئی لفظ آتا ہے یا بات ہوتی ہے تو آپ خود کو معیار بنا کر اس کا موازنہ اپنے ساتھ کرتے ہیں یا جو پہلے سے اس بارے میں آپ کے دماغ میں عقیدہ و نظریہ پایا جاتا ہے اسی کیساتھ موازنہ کرتے ہیں جب ایسا کیا جائے گا تو ظاہر ہے کیا نتیجہ کوئی مختلف نکلے گا؟ نہیں بلکہ نتیجہ تو پہلے سے ہی طے شدہ ہے جسے آپ نے معیار بنایا وہی نتیجے کی صورت میں بھی سامنے آئے گا۔

ایسے ہی جب لفظ ید آتا ہے جس کا ترجمہ ہاتھ کر دیا جاتا ہے تو فوراً آپ کے ذہن میں اپنے ہاتھ کا نقشہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہاتھ کو ید کہتے ہیں اور پھر سمجھتے ہیں کہ ایسا ہی ہاتھ ہوگا بس تھوڑا لمبا، چھوٹا یا بڑا ہوگا وغیرہ۔ لیکن عربی میں ہاتھ کو ید نہیں کہتے بلکہ عربی میں ید کہتے ہیں ان خصوصیات وصلاحیتوں کو جو آپ کے ہاتھ میں پائی جاتی ہیں جس وجہ سے آپ کے ہاتھ کو ید کہا جاتا ہے۔ جس میں بھی ایسی خصوصیات وصلاحیتیں ایسی صفات پائی جائیں اسے ید کہا جاتا ہے۔ جس

میں قوت پائی جاتی ہو، کچھ کرنے ،اٹھانے ،رکھنے ،اِدھراُدھر کرنے ،کچھ خلق کرنے کی صلاحیتیں وغیرہ پائی جاتی ہوں اسے ید کہا جائے گا۔

اگر یہ لفظ عالم مادہ کے لیے استعمال ہوگا تو اس کے معنی ہوں گے کہ ایسا آلہ جس میں قوت ہوتی ہے اور جس سے کچھ کیا جا سکے، کچھ بنایا جا سکے اسی وجہ سے انسان کی ذات میں ایسے آلے کو ہاتھ کہا جاتا ہے۔ اور اگر یہی لفظ عالم نور کے لیے استعمال ہوگا یا عالم نار کے لیے استعمال ہوگا تو وہاں وہ عالم مادہ سے ماورا نار یا نور کی کسی خلق کی بات ہوگی۔ مثال کے طور پر آج آپ پہاڑوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن اگر ایسا ہوتا کہ پہاڑ اللہ کے غیب میں سے ہوتے یعنی انسان انہیں نہ دیکھ سکتا اور پہاڑوں کے لیے لفظ ید کا استعمال کیا جاتا تو انسان یہی سمجھتا کہ جبال نامی مخلوق کے بھی ایسے ہی ید یعنی ہاتھ ہوتے ہیں جیسے ہمارے ہیں لیکن کیا حقیقت یہی ہوتی؟ نہیں بالکل نہیں۔

لفظ ید کے سب سے آسان معنی یہ ہیں کہ جو خصوصیات وصلاحیتیں جو صفات آپ کے ہاتھ میں پائی جاتی ہیں جیسے اس سے کچھ پکڑا جاتا ہے، اٹھایا جاتا ہے، اٹھا کر اِدھراُدھر رکھا جاتا ہے، کچھ دھکیلا جاسکتا ہے، کچھ بھی کام کیا جاتا ہے، اپنے وجود کی حفاظت کی جاتی ہے وغیرہ جس شئے میں بھی یہ خصوصیات وصلاحیتیں اور ایسی قوت پائی جائے وہ شئے ید کہلائے گی۔

اب ذرا غور کریں اپنے اردگرد دیکھیں کہ کیا آج انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے ترقی وجدیدیت کے نام پر انسانیت کی خدمت کے نام پر خلق کردہ ایسی مخلوقات ہیں جو اعظم ہیں جن میں ایسی خصوصیات وصلاحیتیں اور صفات پائی جاتی ہیں ایسی قوت پائی جاتی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں پائی جاتی ہیں اور پھر ان سے بالکل وہی سب کیا جارہا ہے جو ہاتھوں سے کیا جاتا ہے؟ اگر ایسی اعظم مخلوقات موجود ہیں اور وہ عیب دار بھی ہیں اور باقی مخلوقات کو بھی عیب دار کر رہی ہیں اور وہ اشراط الساعت میں سے بھی ہیں یعنی جن کی وجہ سے زمین پر زلزلے وتباہیاں آرہی ہیں اور بالآخر انہی کی وجہ سے زمین پر عظیم زلزلہ بھی آئے گا جس سے زمین پر انسان کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا تو یہی مخلوقات ہی الدجّال کا ید ہیں۔ اور جب غور کیا جائے تو ہاں بالکل آج ایسی مخلوقات نہ صرف موجود ہیں جن میں بالکل وہی خصوصیات وصلاحیتیں اور صفات پائی جاتی ہیں جو آپ کے ہاتھ میں پائی جاتی ہیں بلکہ ان سے وہی سب کیا بھی جارہا ہے جو ہاتھ سے کیا جاتا ہے اور پھر ایسی تمام مخلوقات ایک کی نسبت دوسری لمبی یا بڑی ہے جنہیں آپ درج ذیل تصاویر میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔

تصاویر میں آپ الدجّال کے ید دیکھ سکتے ہیں ان میں ایک دوسرے کی نسبت لمبا ہے یا بڑا ہے۔

ACE 15XWE
CASE
KOBELCO

رسول اللـه ﷺ قـال: احـدى يـديـه أطـول مـن الاخـرى، يـغـمــس الـطـويـلة مـنهـا فى البحر، فيبلغ قعره. نعيم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا: ایک یداس کا لمبا ہوگا دوسرے سے، ان سے جو لمبا ہوگا وہ سمندر کی گہرائی میں چلا جائے گا پس پہنچے گا کھدائی کر کے اس کی نچلی سطح میں۔

آج الدجّال کا یہ لمبا ''ید''، یعنی پکڑنے یا کچھ کرنے کا آلہ سمندروں کی گہرائیوں میں کھدائی کر کے نچلی سطح میں گیا ہوا ہے اور زیر سمندر سطح زمین میں اللہ کے چھپا کر رکھے ہوئے غیب میں سے خزانے نکال رہا ہے جسے آج خام تیل، کالا سونا یا سیال سونا کا نام دیتے ہیں۔ تصاویر میں آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ ہزاروں میٹر گہرے سمندروں کی تہہ میں سینکڑوں میٹر نیچے سوراخ کر کے الدجّال کا ید زمین سے خزانے نکال رہا ہے۔

تصاویر میں دیکھیں۔
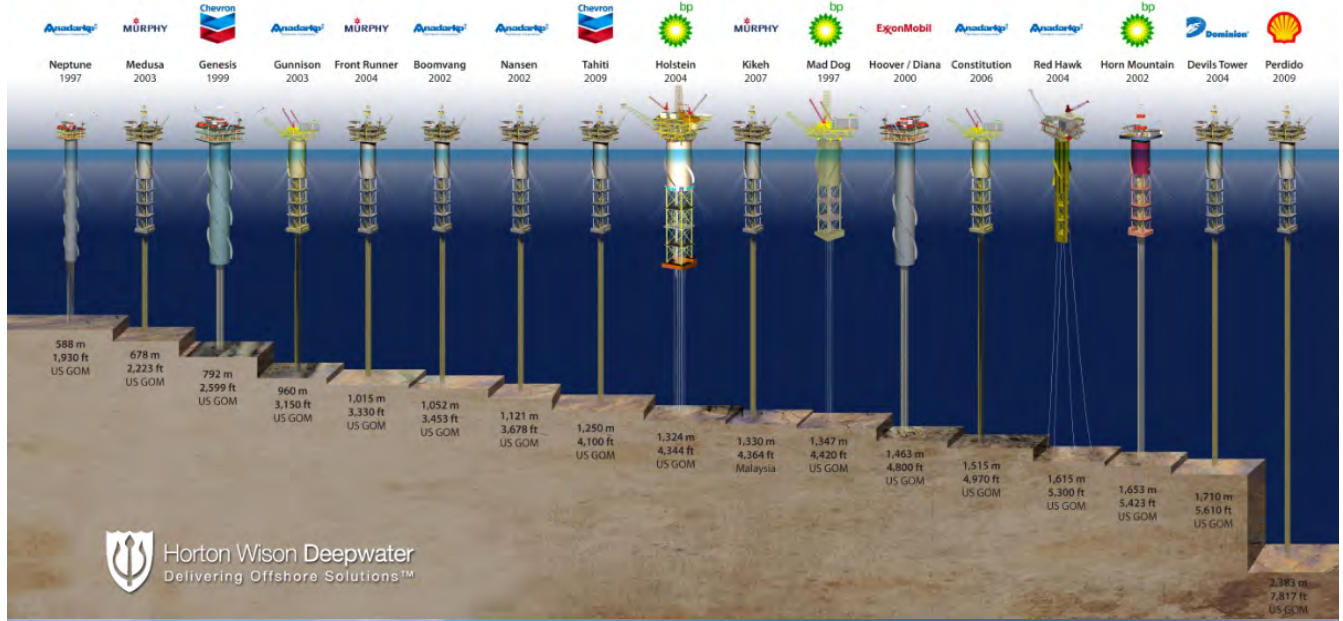
آج تک کہا جاتا رہا اور آج بھی کہا جا رہا ہے کہ الدجّال ایک مخصوص شخص انسان ہوگا اب ذرا آپ خود غور کریں کہ کیا کوئی بشر انسان ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کے دو نہیں بلکہ دو سے زائد ید ہوں اور ایک دوسرے کی نسبت لمبا ہو، وہ دوسرے کی نسبت لمبا، وہ دوسرے کی نسبت لمبا؟ اور پھر اتنا لمبا کہ چھ، سات، آٹھ کلومیٹر سمندروں کی گہرائیوں میں چلا جائے اور پھر نیچے زمین کو کھودتا ہوا اس میں سوراخ نکالتا ہوا کئی سو میٹر سطح زمین میں بھی داخل ہو جائے؟ کیا ایسا ممکن ہے؟ پہلی بات کہ ایسا ممکن ہی نہیں اس کے باوجود اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو یہ کوئی دیو مالائی کہانی تو ہو سکتی ہے لیکن حق نہیں اور ایسا کہنے والا کوئی بے وقوف، پاگل و جاہل تو ہو سکتا ہے مگر عقل مند و علم والا باشعور نہیں۔ اور دوسری بات کہ کیا آج ایسا ہو رہا ہے؟ اگر آج ایسا ہو رہا ہے تو پھر یہ کیا ہے؟ کیا اس کے بارے میں قرآن خاموش ہے؟ کیا اس کے بارے میں قرآن راہنمائی کرنے سے قاصر ہے؟ کیا اس کے بارے میں محمد علیہ السلام نے راہنمائی نہیں کی تھی؟

سوچیے گا ضرور اور فیصلہ کیجیے گا کہ آیا آپ واقعتاً مومن ہیں اور حق کے متلاشی ہیں یا پھر آپ بھی اپنے آباؤاجداد سابقہ اقوام کی طرح، اندھوں کی طرح اپنے ملاّؤں اپنے بڑوں اپنے آباؤاجداد کے پیچھے ہی چلنا چاہتے ہیں اس لیے کہ اگر انہیں چھوڑا تو لوگ ملامتیں کریں گے، سہولتوں، آسائشوں اور آسانیوں سے ہاتھ دھونا پڑ جائے گا، سختیاں برداشت کرنا پڑیں گی اور آپ نہیں چاہتے کہ ایسا ہو بلکہ آپ اپنی خواہشات کی ہی اتباع چاہتے ہیں۔

وہ لوگ جن کا کہنا ہے کہ الدجّال ایک مخصوص شخصیت انسان ہے ان سے سوال ہے کہ ایک طرف تم لوگ کہتے ہو کہ الدجّال ٹھگنے قد کا ہوگا اور دوسری طرف ایسی تمام روایات پر آنکھیں بند کر لیتے ہو حق کو چھپا دیتے ہو آخر یہ دھوکہ کسے دے رہے ہو؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک چار سے پانچ فٹ ٹھگنے قد کا شخص ہو پہلی بات کہ اس کے بہت سارے ہاتھ ہوں جو کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی نسبت لمبا ہو اور جو لمبا ہو وہ آٹھ دس کلومیٹر لمبا ہو جو سمندر کی گہرائی میں چلا جائے اور نیچے زمین کو پھاڑتا ہوا زمین سے زمین کے خزانے نکالے؟

اور اگر آج جب یہ سب ہو رہا ہے تو پھر یہ سب کیا ہے؟ اگر یہ الدجّال کا ید نہیں تو پھر اس کے بارے میں کیا محمد نے کوئی راہنمائی نہ کی؟ کیا اس پر قرآن خاموش ہے؟ حق ہر لحاظ سے آپ کے سامنے ہے جو کہ کھول کھول کر آپ پر واضح کر دیا گیا اب اگر اس کے باوجود بھی حق سے کفر ہی کرتے ہو تو جان لو عنقریب تم مانو گے لیکن تب تمہارا ماننا تمہیں کچھ نفع نہیں دے گا۔

رسول اللہ ﷺ قال: ان الدجال اعور عینہ الیمینی کانھا عنبۃ طافیۃ. النھایہ فی الفتن والملاحم

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں الدجّال کا دیکھنے کا آلہ ایک طرف ہوگا دایاں جیسے کہ وہ ہوگا باہر نکلا ہوا پانی پر تیرتا ہوا۔

عین. دیکھنے کا آلہ۔ عنبۃ. کسی شئے کا باہر نکلے ہونا جیسے انگور کا دانہ ہو۔

طافیۃ. سمندر میں یا پانی کی سطح پر کسی شئے کا تیرتے رہنا جیسے پانی میں کوئی شئے پھینکی جائے تو وہ پانی کی سطح پر تیرتی ہے اسے طافیۃ کہتے ہیں۔

آج سمندروں میں دیکھنے اور سمندروں کی سطح کے نیچے تک گہرائیوں میں دیکھنے کے لیے جن آلات کا استعمال کیا جاتا وہ بالکل محمد علیہ السلام کے ان الفاظ پر پورا اترتے ہیں۔ یہی الدجّال کا دیکھنے کا وہ آلہ ہے جس سے زمین سمندر کی گہرائیوں حتیٰ کہ اس میں نیچے زمین کی تہوں میں دیکھا جاتا ہے کہ وہاں کیا کیا موجود ہے اور پھر اسے الدجّال کے ید کیساتھ نکالا جاتا ہے۔ یہ بالکل ٹھیک محمد علیہ السلام کے الفاظ کے عین مطابق باہر کو نکلا ہوا سطح سمندر پر تیر رہا ہوتا ہے تصاویر میں دیکھیے۔
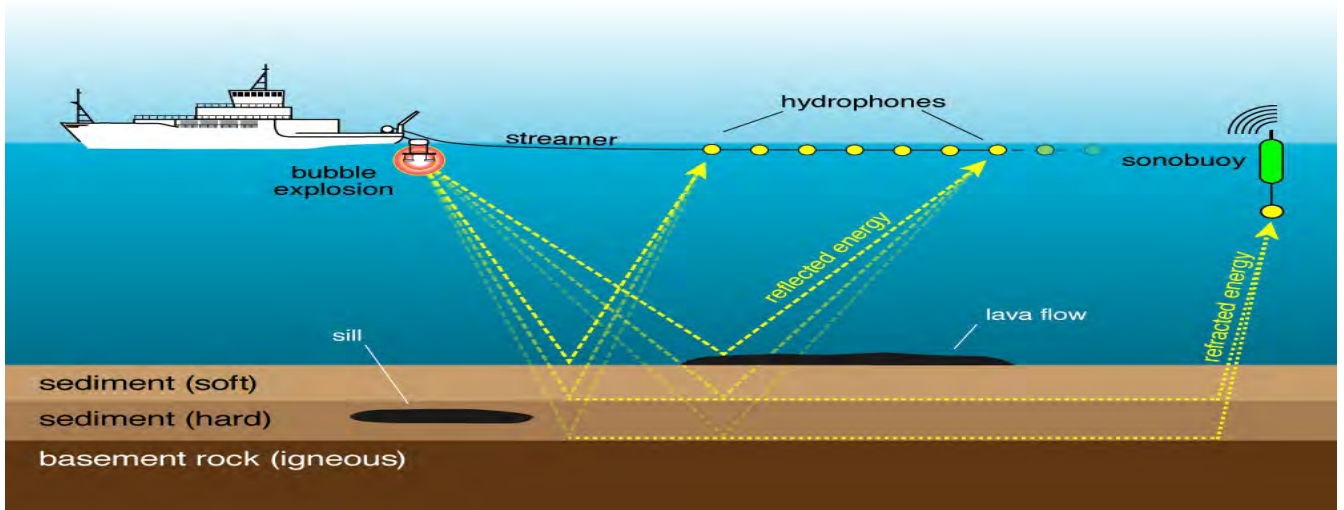
انہیں بوؤے کہتے ہیں ان کی مختلف اقسام ہیں جن میں سے کچھ سمندر کی تجزیاتی معلومات محفوظ کر کے بذریہ سیٹلائیٹ ارسال کرتے ہیں۔ مثلاً یہ لمحہ بہ لمحہ سمندر میں پیدا ہونے والی لہروں، ہوا اور اس کی شدت وغیرہ کی تمام معلومات بھیجتے ہیں اور انہی معلومات کی بنیاد پر موسموں میں تغیر وتبدل کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور سمندروں میں پیدا ہونے والے طوفانوں وغیرہ کی بھی معلومات اسی ذریعے سے حاصل کی جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ یہ سمندر کی سطح کا معائنہ کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں یعنی سمندروں میں دیکھنے کے لیے اور سمندر کے اندر سطح زمین کی گہرائیوں میں بھی انہی کی مدد سے دیکھا جاتا ہے آواز کی لہروں اور ان لہروں کو موصول کر کے ان کا ادراک کرنے کی صلاحیت رکھنے والے آلات ان میں نصب ہوتے ہیں جن کے ذریعے سمندروں کی گہرائیوں میں دیکھا جاتا ہے۔

رسول الله ﷺ قال: وتسخر له الجبال والأنهار والسحاب. نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا): اور مسخر ہو جائیں گے اس کے لیے پہاڑ، نہریں اور بادل یعنی جس کے ذریعے یا وہ مخلوقات جن سے پہاڑوں، نہروں اور بادلوں کو مسخر کر لیا جائے ان پر دسترس پالی جائے انہیں کنٹرول کیا جائے وہ الدجّال ہوگا۔

آج الدجّال یعنی ٹیکنالوجی ان مشینوں کی مدد سے جیسے جی چاہتا ہے پہاڑوں کو پھاڑا جاتا ہے ان میں سے جو جی چاہتا ہے نکالا جاتا ہے۔ اس ٹیکنالوجی ان مشینوں کے ذریعے آج پہاڑ مسخر ہو چکے اور انہی سے نہریں بھی مسخر ہو چکیں، ڈیم بنا کر جیسے جی چاہتا ہے نہریں کھودی جاتی ہیں جب جی چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ان میں پانی چھوڑا جاتا ہے اور جب جی چاہتا ہے روک لیا جاتا ہے اور اسی طرح بادل بھی مسخر کیے جا چکے اور وہ بھی اسی الدجّال سے ہی ہوا آج اسے ہارپ کا نام دیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ ایک دوسرے طریقے کو کلاؤڈ سیڈنگ کا نام دیا جاتا ہے۔

درج ذیل تصاویر میں دیکھیں الدجّال کے لیے پہاڑوں کا مسخر ہونا۔

الدجّال کے لیے نہروں کا مسخر ہونا۔
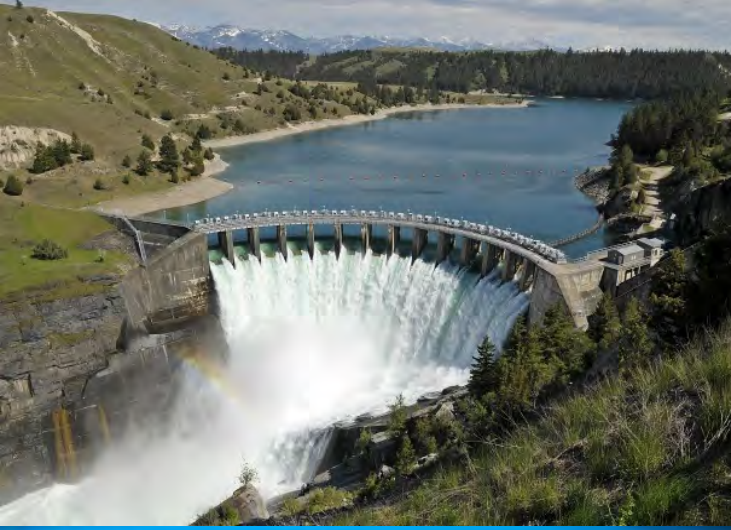
کلاؤڈ سیڈنگ یعنی بادلوں کی بوائی

پیچھے ہارپ کے ذریعے بارشیں برسانے کی مکمل تفصیل گزر چکی ہے ہارپ کے علاوہ ایک دوسرے طریقے سے بھی بارشیں برسائی جارہی ہیں جسے ''کلاؤڈ سیڈنگ'' کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں بادلوں کی بوائی۔ یعنی جیسے آپ کوئی فصل بوتے ہیں اور وہ فصل آپ کو حاصل ہوتی ہے ایسے ہی بادلوں کو بھی بویا جارہا ہے جس کے نتیجے میں بارش برستی ہے اور اس طریقے سے آج پوری دنیا میں بارشیں برسائی جارہی ہیں۔ مصنوعی طریقے سے بارش برسانے کا یہ نہایت آسان اور سستا طریقہ ہے۔ تین اشیاء ''سلور آئیوڈائڈ، نمک، ڈرائی آئس یعنی جمی ہوئی کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس'' کے مرکب کو بذریعہ پمپ یا جہاز فضا میں بلندی پر بادلوں کے مقام پر چھڑکا جاتا ہے جس سے اس جگہ پر درجہ حرارت اتنا کم ہوجاتا ہے کہ وہاں بخارات پانی میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ سلور آئیوڈائڈ اور نمک ان ٹھنڈے بخارات کو ایک دوسرے سے ملاتے ہیں جن سے قطرہ وجود میں آتا ہے اور زمین کی مقناطیسی کشش اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے جس کے نتیجے میں بارش ہوتی ہے یوں آج پوری دنیا میں بارشیں برسائی جارہی ہیں۔

الدجّال یعنی ٹیکنالوجی آسمان کو بارشیں برسانے کا امر کرتی ہے جیسے اللہ نے قانون میں کردیا جیسا کہ آپ تصاویر میں دیکھیں۔

الدجّال کے لیے بادلوں کا مسخر ہونا۔
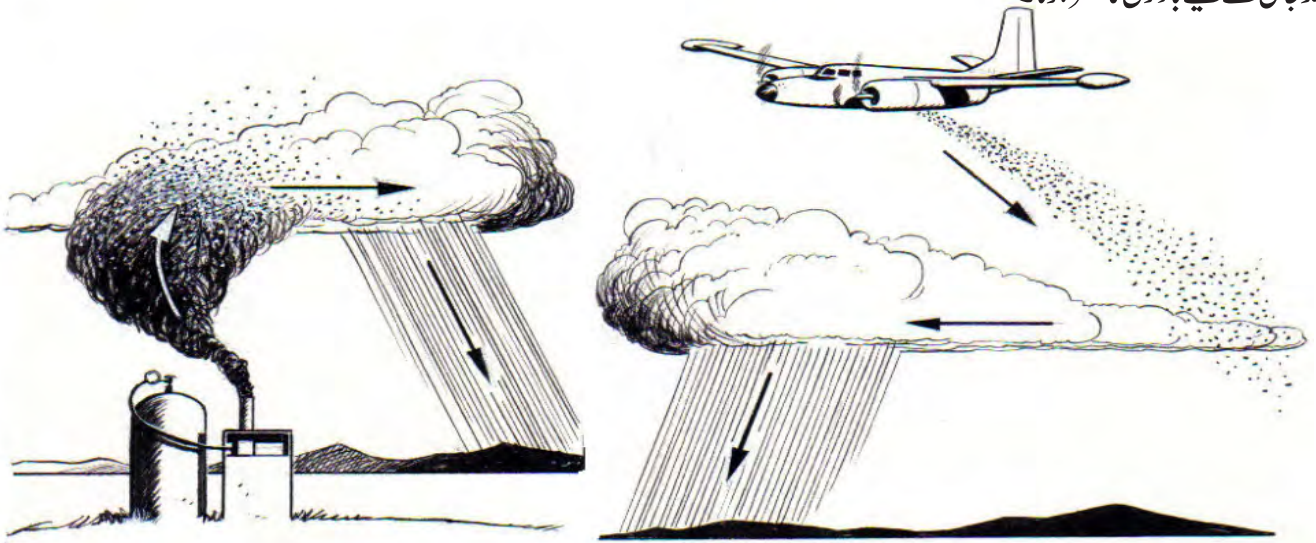
آج پوری دنیا کے انسان اور وہ ممالک جو اس کو اپنے لیے مسیحا سمجھتے ہوئے ان ایجادات سے فائدے اٹھا رہے ہیں بارشوں کے مزے لوٹ رہے ہیں وہ اس کے دوسرے پہلو سے نہ صرف اندھے بنے ہوئے ہیں بلکہ یکسر نظر انداز کیے ہوئے ہیں اس کا دوسرا پہلو جو انتہائی بھیانک ہے وہ یہ ہے کہ جب ان ایجادات کے ذریعے بادلوں کے نظام میں مداخلت کی جاتی ہے تو اللہ کا ان بادلوں میں قائم کردہ توازن بگڑ جاتا ہے کیونکہ اللہ نے کھول کھول کر واضح کر دیا اور قرآن اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ اللہ نے زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں سمیت جو کچھ بھی ہے سب کے سب کو قدر سے خلق کیا یعنی پورے علم اور حکمت کیساتھ خلق کیا ان میں المیز ان وضع کر دیا اس لیے اگر آسمانوں اور زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے اگر ان میں کسی بھی سطح پر خالق کی ہدایات کے خلاف عمل کیا جائے گا چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو خالق کا قائم کردہ توازن بگڑ جائے اور نتیجتاً پھر انسان کے ان اعمال کا ردِ اعمال انتہائی بھیانک شکل میں ظاہر ہوں گے اور پھر نہ صرف باقی تمام مخلوقات بلکہ خود انسان بھی اس ہلاکت کا شکار ہوگا اور آج جب انسان نے حق کو نظر انداز کرتے ہوئے وہی سب کیا جس سے روکا گیا تھا تو آج یہ سب آپ اپنی آنکھوں سے ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔

جب انسان نے اپنے ہاتھوں سے خلق کردہ ان ایجادات کو اپنے لیے مسیحا سمجھتے ہوئے فائدے اٹھانے کی خاطر بادلوں کو مسخر کرنے کی غرض سے ان میں چھیڑ چھاڑ کی تو نہ صرف بادلوں میں، موسموں میں اللہ کا قائم کردہ توازن بگڑ چکا بلکہ اس کا ردِعمل بھی ظاہر ہو چکا جو کہ انتہائی بھیانک ہے پوری دنیا آج انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے ان مفسد اعمال کے سبب بے وقت بارشوں، سیلابوں، طوفانوں، آندھیوں، بیماریوں اور طرح طرح کی تباہیوں کی لپیٹ میں آ چکی ہے اور ترقی کے نام پر بلند و بانگ دعوے کرنے والا انسان اتنی بڑی بڑی اور غیر معمولی ایجادات کے باوجود بے بس دکھائی دے رہا ہے۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایجادات انسان کے لیے واقعتاً مسیحا ثابت ہوئیں یا پھر الدجّال؟

لیکن افسوس اور انتہائی دکھ کی بات یہ ہے کہ اس سب کے باوجود آج انسان اپنی اسی روش پر قائم ہے اسے ترک کرنے کو تیار ہی نہیں اور جب حقیقت یہ ہے تو پھر آج موجودہ انسانوں کو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ان کا انجام انتہائی ہلاکت خیز ہے جو بالکل سر پر آ چکا ہے اور بالکل ویسا انجام جو پہلی ہلاک شدہ اقوام کا ہو چکا۔ جیسے ان اقوام کا اسی الدجّال کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے نام نشان مٹ چکا بالکل اسی طرح عنقریب موجودہ انسانوں کا بھی صفحۂ ہستی سے مکمل طور پر نام و نشان مٹنے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ قال: ویاتی الجبل فیقوده یدرک زرعه فی یوم، ویقول للجبال: تنحی عن الطریق فتفعل. نعیم بن حماد

زرع. احاطہ کرنا، پھلانگ کر گزرنا، گزرنا، پیمائش۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا: آئے گا پہاڑ کے پاس پس اسے جو چاہے گا حکم دے گا یعنی پہاڑ پر مکمل اختیار پالے گا اور ایک یوم میں اس کا احاطہ کرلے گا اور کہا جائے گا پہاڑوں کے لیے اس سے یعنی الدجّال سے تراشو ان سے رستے پس پہاڑوں سے رستے تراشے جائیں گے یعنی ایک ہی مرحلے میں پہاڑوں کیساتھ جو جی چاہے کیا جائے گا پہاڑوں کو تراشا اور کاٹا جائے گا ان کی مائننگ کی جائے گی ان سے رستے نکالے جائیں گے انہیں کاٹ کر اور ان میں سرنگیں بنا کر جس سے یہ سب کیا جائے گا وہ سب الدجّال ہوگا۔

الدجّال کے سامنے پہاڑ بھی ایسے ہوں گے کہ ایک ہی یوم میں یعنی ایک ہی وقت میں، ایک ہی مرحلے میں ان کے ساتھ جو جی چاہے کیا جائے گا ان پر مکمل دسترس پالی جائے گی یعنی اگر پہاڑوں کو پھاڑنا ہو، انہیں بالکل ختم کرنا ہو یا ان میں سے کچھ بھی نکالنا ہو یا جو بھی کرنا ہو اسے کرنے کے لیے ایسا نہیں ہوگا کہ کئی مراحل میں کیا جائے گا یعنی آپ نے کوئی کام کرنا ہو تو شروع کریں اور کچھ دیر بعد کوئی ایسی مشکل پیش آ جائے کہ اس کے حل کے لیے کچھ مزید وسائل کی ضرورت ہو تو پھر پہلے ان کو حاصل کیا جائے گا اسی طرح جیسے جیسے کام آگے بڑھتا جائے تو مزید اشیاء کی ضرورت پڑتی رہے یوں بار بار کام رکتا رہے گا اور کئی مراحل کے بعد وقفے وقفے سے لمبے وقت میں مشکل سے مکمل ہوگا، الدجّال کے لیے ایسا نہیں ہوگا بلکہ وہ ایک ہی مرحلے میں جو جی چاہے گا کرے گا۔

اسی طرح الدجّال سے یعنی ٹیکنالوجی سے ان مشینوں سے پہاڑوں کو کاٹ کر رستے بنائے جائیں گے اور آج یہ سب کچھ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔

آج پہاڑوں کو کئی کئی کلومیٹر کاٹ کر وسیع و عریض اور لمبی لمبی سڑکیں اور ہر طرح کے رستے بنا دیئے گئے اور بنائے جا رہے ہیں حتیٰ کہ پہاڑوں میں لمبی لمبی سرنگیں

کھود کر عالی شان سڑکیں بنالی جاتی ہیں جیسا کہ نیچے تصاویر میں دیکھا جا سکتا۔

وہ لوگ جو آج بھی الدجّال کو ایک مخصوص شخص انسان قرار دے کر اس کا انتظار کر رہے ہیں نہ صرف ان سے سوال ہے بلکہ وہ غور و فکر کریں اس سے پہلے کہ وقت ختم ہو جائے اور بعد میں ان کے ہاتھ سوائے پچھتاوے کے کچھ نہ آئے کہ اگر الدجّال ایک مخصوص شخص انسان ہے تو ذرا غور کریں کیا ایسا ممکن ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں وہ ٹھگنے قد کا ایک شخص ہوگا جس کی ٹانگیں بھی ٹیڑھی ہوں گی اور ایک آنکھ ہوگی ہی نہیں تو ایسا ٹھگنے قد کا ٹیڑھی ٹانگوں والا شخص پہاڑوں پر ایسے دسترس پا لے کہ ان میں کئی کئی کلومیٹر لمبی لمبی سڑکیں اخذ کرے؟ ان میں لمبی لمبی کئی کئی کلومیٹر سرنگیں کھودے؟ پہاڑوں کو پھاڑے؟ ان کی مائننگ کرے؟ ان میں سے جو جی چاہے نکالے؟ پہاڑوں کو کاٹے؟ کیا ایسا ممکن ہے؟ نہیں بالکل نہیں ایسا بالکل ممکن نہیں یہ بالکل ناممکن ہے۔

اور دوسری بات کہ کیا آج یہ سب ہوتا ہوا آپ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے؟ کیا یہ شروع سے ہی ہوتا چلا آ رہا ہے یا پھر یہ آج ہو رہا ہے؟ کیا یہ آج سے چودہ صدیاں قبل بھی ہو رہا تھا یا پھر تب نہیں بلکہ آج ہو رہا ہے؟ اگر تب نہیں اور آج ہو رہا ہے تو ایسا کس نے کرنا تھا کس کیساتھ ہونا تھا؟ یہی تو آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے بتا دے دی تھی کہ ایسا الدجّال کرے گا ایسا کرنے والا الدجّال ہوگا جس سے ایسا کیا جائے گا وہ الدجّال ہوگا لیکن آپ ہیں کہ آج حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود اپنی آنکھیں بند کر کے دیومالائی کہانیوں سے باہر نکلنے کو تیار ہی نہیں۔

آخر آپ یہ کسے دھوکہ دے رہے ہیں؟ اگر نہیں مانیں گے کفر ہی کریں گے یعنی حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی حق کو تسلیم کرنے سے انکار ہی کریں گے تو یہ کس کا نقصان کریں گے؟ کیا کسی اور کا یا اپنا ہی نقصان کریں گے؟ عذاب عظیم آپ کے سر پر آ چکا ہے تب آپ چیخیں گے چلائیں گے کہ ہاں ہم مانتے ہیں ہاں ہم مانتے ہیں لیکن تب آپ کا ماننا آپ کو کوئی نفع نہیں دے گا تب آپ کا ماننا آپ کے آباؤاجداد گزشتہ ہلاک شدہ اقوام اور فرعون کے ماننے کی مثل ہوگا۔ آج آپ کے پاس وقت ہے غور کر لیجیے اس سے پہلے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور عذاب عظیم اچانک ہی آ پکڑے جو کہ بالکل سر پر کھڑا ہے۔

رسول اللہ ﷺ قال: ویجیء الی الأرض فیقول: اخرجی ما فیک من الذهب، فتلفظه کالیعاسیب و کأعین الجراد.

نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اور آئے گا زمین کی طرف پس کہے گا نکال جو بھی تجھ میں ہے تیری قیمتی ترین اشیاء میں سے جن کے سامنے ہر قیمتی شئے کی قدر و قیمت ماند پڑ جائے۔ پس وہ اس یعنی الدجّال کے ذریعے اپنے خزانے باہر نکال دے گی جیسے کھجور کی شاخیں اور ٹڈیوں کے۔

عاسیب. کھجور کی شاخیں۔ ذیل میں تصویری معنی دیکھیں۔

ذھب. ذھب کہتے ہیں ایسی قیمتی شئے کو جس کی موجودگی میں اس کے آس پاس موجود سب اشیاء کی چمک دھمک ماند پڑ جائے، جو سب کو ڈھانپ لے یعنی وہ شئے جس کی قدر و قیمت چمک دھمک سب پر غالب آ جائے۔ ایسی قیمتی ترین شئے جس کے سامنے باقی قیمتی سے قیمتی اشیاء کی بھی قدر و قیمت چمک دھمک ماند

پڑ جائے۔ جیسے کہ اسے قرآن سے ہی ایک مثال سے آپ پر کھول کر واضح کرتے ہیں۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَنَارًا فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَاحَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ. البقرة ١٧

اس وقت جو موجود ہیں ان کی مثل ایسی ہے جیسے اس کی مثل کہ جس نے ایک آگ بھڑکائی پس جب وہ آگ جتنی روشن ہوسکتی تھی روشن ہوئی جو بھی اس کے ارد گرد ہے سب روشن ہوگیا اللہ نے ذھب کر دیا ان کے نور سے یعنی جب آگ جتنی روشن ہوسکتی تھی روشن ہوئی اور جو بھی ارد گرد تھا سب روشن ہوگیا اتنا روشن کے آگ کی روشنی جو بھی ارد گرد تھا سب پر غالب آ گئی کہ سوائے آگ کی روشنی کے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا سب آگ کی روشنی میں چھپ گیا۔

اس آیت میں اللہ نے لفظ ذھب کا استعمال کیا ہے اور اس آیت میں لفظ ذھب کی وضاحت بھی کر دی۔

مثلاً اگر آپ خود یہ تجربہ کریں کہ کسی اندھیری جگہ پر آگ جلائیں جب آگ جلے گی تو اس کے آس پاس کی اشیاء نظر آنے لگیں گی لیکن جب آگ بہت تیز بھڑک جاتی ہے اور اس کی روشنی بہت بڑھ جاتی ہے تو اس کی وجہ سے اس کے آس پاس کی اشیاء اس آگ کی روشنی میں چھپ جاتی ہیں یعنی آگ کی روشنی آس پاس کی اشیاء پر ایسے غالب آ جاتی ہے کہ وہ نظر ہی نہیں آتیں۔

ایسے ہی سورج کی مثال لے لیں۔ جب سورج غروب ہو چکا ہوتا ہے رات کا وقت ہوتا ہے رات کے وقت آسمان پر لاتعداد ستارے اور چاند بھی نظر آ رہا ہوتا ہے لیکن جب سورج نکلتا ہے تو ان کی روشنی سورج کے سامنے ماند پڑنے لگتی ہے جس وجہ سے وہ رات کی طرح نظر نہیں آتے اور جب سورج مکمل روشن ہو جاتا ہے تو نہ چاند دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی کوئی ستارہ کیونکہ سورج کی روشنی ان سب پر اتنی غالب آ جاتی ہے کہ انہیں ایسے ڈھانپ لیتی ہے جیسے وہ موجود ہی نہ ہوں اسے عربی میں ذھب کہتے ہیں۔

مال و دولت میں یہی اہمیت و حیثیت سونے کی ہوتی ہے یعنی اگر کہیں بہت سا مال پڑا ہو، جانور ہوں، رزق کے پہاڑ ہوں اور بہت سے اموال ہوں لیکن وہیں ان کے درمیان سونے کا پہاڑ ہو تو جو بھی وہاں جائے گا اس کی نظر صرف سونے کے پہاڑ پر ہی پڑے گی اسے صرف وہی نظر آئے گا۔ اس وجہ سے کہ سونا ان سب کے مقابلے میں اتنا قیمتی ہوتا ہے کہ باقی سب کی قدر و قیمت سونے کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے یہ وہ وجہ ہے جس وجہ سے جب تک سونے کی قدر و قیمت ایسی ہو اسے ذھب کہا جاتا ہے۔

آج وہ قیمتی ترین شئے جس کے سامنے دنیا کی قیمتی سے قیمتی اشیاء کی قدر و قیمت، چمک دھمک ماند پڑ چکی ہے وہ خام تیل ہے جسے سیال سونا، کالا سونا یا بلیک گولڈ وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے آج پوری دنیا میں جنگیں اور لاتعداد فتنے برپا ہیں اسی کی وجہ سے فتنہ الدجّال وجود میں آیا اور حیران کن طور پر محمد علیہ السلام کے الفاظ کے عین مطابق آج بالکل اسی طرح زمین کی گہرائیوں کو کھجور کی شاخوں کی طرح پھاڑ کر خام تیل جو کہ آج ذھب ہے نکالا جا رہا ہے۔ خام تیل اس وقت دنیا کی واحد ایسی شئے ہے جس سے کارخانے چلتے ہیں، گاڑیاں، جہاز نہ صرف بنتے ہیں بلکہ اسی سے حاصل کیے جانے والے ایندھن سے چلتے ہیں، اسی سے کپڑا بنتا ہے، اسی سے جوتے، اسی سے کھادیں، اسی سے کھانے پینے کی اشیاء، اسی سے الیکٹرانکس کی اشیاء یہاں تک کہ اس وقت شاید ہی کوئی ایسی شئے ہو جس کے وجود میں آنے کے لیے خام تیل کا عمل دخل نہ ہو جیسا کہ کتاب میں پیچھے خام تیل سے بننے والی اشیاء کا تصاویر کیساتھ مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔

پہلے جگہ جگہ زمین میں ہزاروں میٹر گہرائی تک سوراخ کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ زیر زمین ایسی چٹان کی تہہ آ جاتی ہے جو کھانے والی بریڈ، کیک یا فوم کی طرح کھوکھلی ہوتی ہے اور اس کے سوراخوں میں خام تیل اور قدرتی گیس بھری ہوتی ہے۔ پھر اس چٹانی تہہ میں دائیں یا بائیں طرف ہزاروں میٹر لمبے سوراخ کیے جاتے ہیں یوں یہ انگلش کی حرف ایل کی طرح کے سوراخ بن جاتے ہیں اس کے بعد ان سوراخوں میں سے ہر سوراخ میں ہزاروں لیٹر پانی اور کئی ہزار لیٹر زہریلے، طاقتور بارودی مواد پر مشتمل کیمیکلز کا مرکب انتہائی پریشر کیساتھ داخل کیا جاتا ہے جس سے وہ چٹانی تہہ بالکل کھجور کی شاخوں کی طرح پھٹ جاتی ہے اس کے بعد پمپ لگا کر وہاں سے اللہ کے غیب میں سے اس قیمتی ترین خزانے موجودہ دور کے ذھب یعنی خام تیل کو نکالا جاتا ہے۔

ذیل میں دی گئی تصاویر میں دیکھیں کہ کس طرح آج موجودہ دور کا ذھب ایسی قیمتی ترین شئے جس کے سامنے تمام کی تمام قیمتی سے قیمتی اشیاء کی چمک دھمک، قدر و قیمت ماند پڑ چکی یعنی خام تیل کو زمین سے محمد علیہ السلام کے آج سے چودہ صدیاں قبل کہے ہوئے الفاظ کے عین مطابق نکالا جا رہا ہے۔

OIL
OIL
OIL
OIL
OIL
OIL
Horizontal Well
Fracture Stimulation
Traditional Vertical Well
Fracture Stimulation
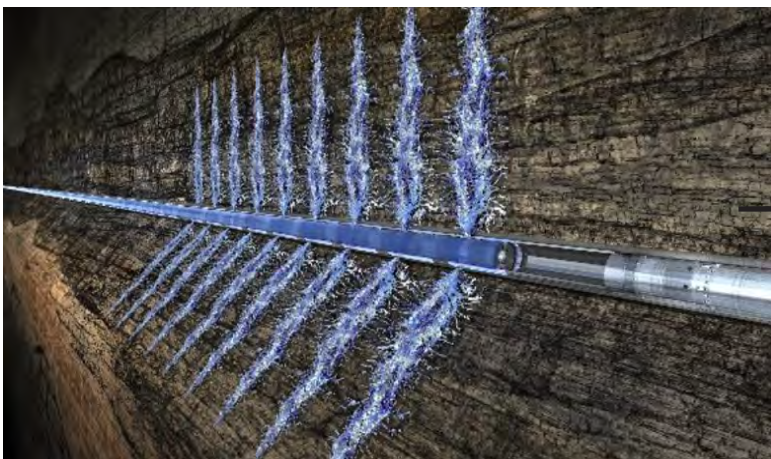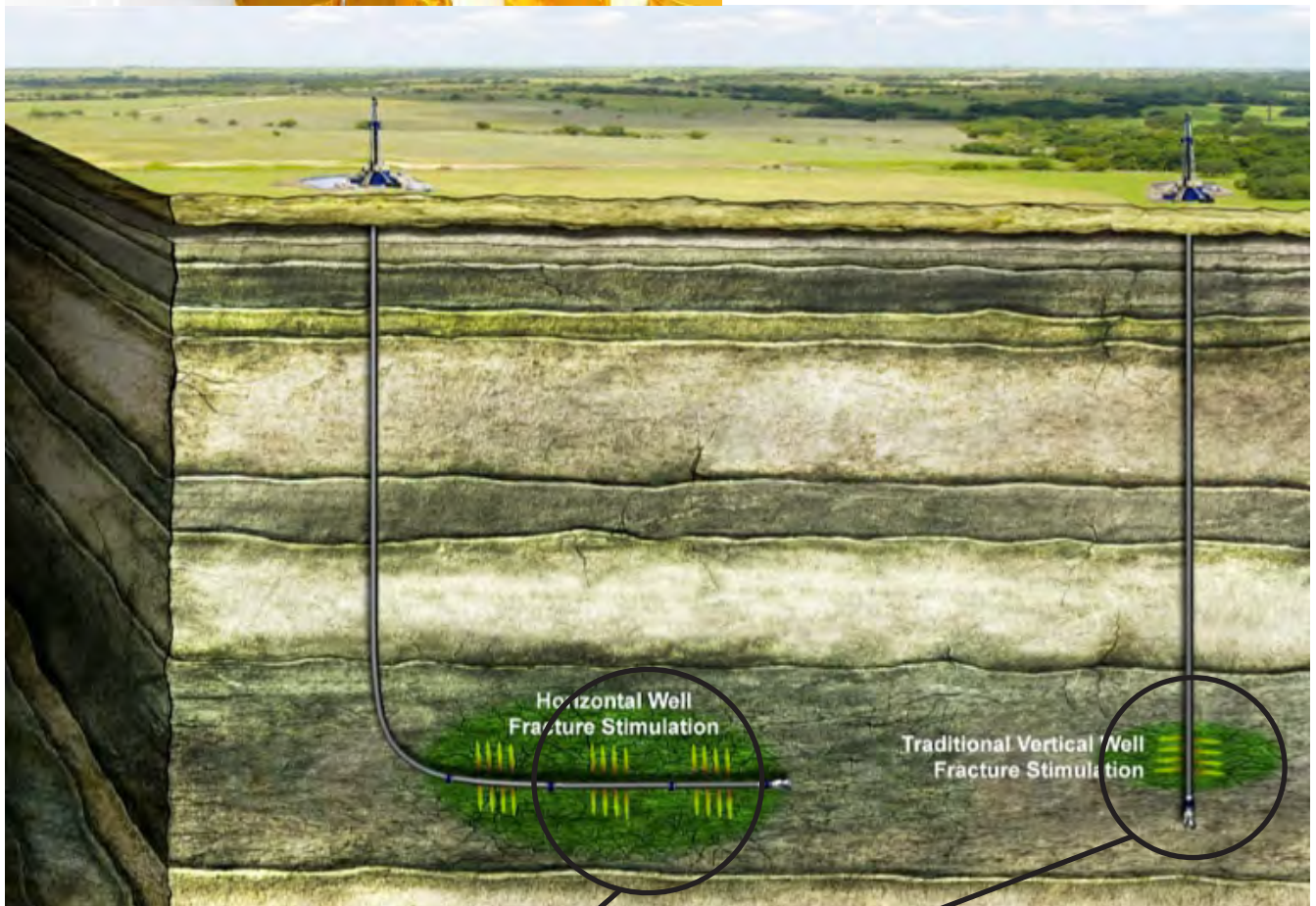
رسول اللہ ﷺ قال: انی قد حدثتکم عن الدجال حتی خشیت أن لا تعقلوا، ان مسیح الدجال رجل قصیر، افحج، جعد، اعور، مطموس العین، لیس بناتئۃٍ ولا جحراء، فان ألبس علیکم فاعلموا أن ربکم لیس بأعور. ابو داؤد

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں تحقیق کہ میں نے تمہیں الدجّال کے بارے میں تمام واقعات جو پیش آئیں گے، جو ایجادات ہوں گی جو حادثات وغیرہ ہوں گے بتادیئے اس کے باوجود مجھے خشی ہے ''خشی ایسے پیش آنے والے خطرے کو کہتے ہیں جس کے پیش آنے میں کوئی شک نہ ہو جو ضرور ہوکر رہے گا'' کہ وہ تمہاری عقل میں نہیں آرہا یعنی ممکن ہی نہیں کہ وہ تمہاری عقل میں آئے وہ تمہاری عقلوں میں نہیں آئے گا۔ اس میں کچھ شک نہیں مسح کررہا ہے مخصوص دجّال **رجل قصیر، افحج، جعد، اعور، مطموس العین، لیس بناتئۃٍ ولا جحراء،** پس اگر ألبس ہوجائے تمہارے اوپر یعنی پوری کوشش کے باوجود بھی اگر سمجھ نہ آئے یہاں تک کہ مایوسی کی حالت ہوجائے تو پس تمہیں علم ہونا چاہیے اس میں کچھ شک نہیں تمہارا ربّ اعور نہیں۔ یعنی تمہارا ربّ اللہ جو کچھ بھی خلق کرتا ہے حق کیساتھ خلق کرتے ہیں اور وہ شیئ کو ہر لحاظ سے مکمل خلق کرتے ہیں یعنی وہ کسی بھی شیئ کو یک طرفہ رخ سے خلق نہیں کرتا۔ اللہ ہر لحاظ سے بے عیب خلق کرتا ہے جو اللہ ہے اس میں عیب نہیں ہے مگر الدجّال اعور ہوگا یعنی وہ جو بھی خلق کرے گا ایک ہی رخ سے خلق کرے گا وہ شیئ عیب دار ہوگی، خامیوں ونقائص والی ہوگی، ہر وہ خلق الدجال ہوگی جو خامیوں، خرابیوں ونقائص والی ہوگی جو نامکمل ہوگی عیوب وخامیوں سے بھرپور ہوگی ایک ہی پہلو سے دیکھ کر خلق کی جائے گی اور دوسرے پہلو سے بالکل نامکمل ہوگی۔

اس روایت میں محمد علیہ السلام کے جو الفاظ ملتے ہیں وہ انتہائی حیران کن اور چونکا دینے والے ہیں اس روایت میں محمد علیہ السلام کے استعمال کیے گئے تمام الفاظ انتہائی وسیع المعنی الفاظ ہیں اور پھر دوسری بات جو اس سے بھی بڑھ کر چونکا دینے والی ہے وہ یہ کہ اگر ان الفاظ پر تحقیق کریں تو آپ کے سامنے جو معنی آئیں گے وہ اگر انسان میں ایمان کی رائی بھی ہو تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکال دینے والے ہیں ہم ان الفاظ کے معنی اور پھر ان کی تفصیل بیان کریں گے۔

مسیح الدجّال. مسیح کے معنی مسلسل مسح کرنے کے ہیں اور مسح کہتے ہیں اثر انداز ہونے کو جیسے مثال کے طور پر آپ کوئی شیئ استعمال کرتے ہیں تو اس کے جو اثرات آپ پر مرتب ہوتے ہیں اسے مسح کہتے ہیں جیسے اگر کوئی طبیب کسی بیمار کو بیماری سے شفایاب کرنے کے لیے اسے کوئی مشورہ دیتا ہے یا کوئی دوا دیتا ہے تو اس کے استعمال سے مریض پر جو اثرات مرتب ہوں گے اسے اس طبیب کا مسح کرنا کہا جائے گا، ایسے ہی اگر آپ کچھ کھاتے ہیں یا استعمال کرتے ہیں جس سے آپ پر اثرات مرتب ہوتے ہیں خواہ وہ اچھے ہوں یا برے اسے مسح کہا جائے گا اور ایسے ہی مسلسل ہوتے رہنا یا کرتے رہنا یعنی مسلسل اثر انداز ہوتے رہنے کو مسیح کہتے ہیں۔

مثال کے طور پر آپ کو کوئی شخص یا کوئی بھی کچھ کھانے کو دے کھانے کو فراہم کرے جب آپ نے وہ کھانا کھایا اس کھانے سے جو آپ کے جسم پر اثرات مرتب ہوں گے وہ اس شخص کا یا جس نے آپ کو کھانے کے لیے فراہم کیا اس کا آپ کو مسح کرنا کہلائے گا۔ اسی طرح اگر آپ کو کوئی شخص یا جو بھی آپ کو کوئی شیئ پہننے کے لیے دیتا ہے فراہم کرتا ہے تو اس کے پہننے سے آپ کے جسم پر جو اثرات مرتب ہوں، اسی طرح آپ کو کوئی شخص یا کوئی بھی کوئی بھی شیئ دے شیئ فراہم کرے جسے استعمال کرنے سے آپ پر کوئی اثرات مرتب ہوں یہ مسح کرنا کہلاتا ہے۔

الدجّال کے معنی پیچھے گزر چکے اور مسیح کے بھی مزید معنی پیچھے گزر چکے ہیں۔ عیسیٰ ابن مریم کو بھی المسیح کہا گیا اور اسی وجہ سے کہا گیا کہ عیسیٰ ابن مریم کے مسح کرنے سے بیمار شفایاب ہوتے تھے جس کو مسح کرتے اس میں موجود خامی وخرابی دور ہوجاتی وہ جو اصل ربّ ہے اللہ اس کے مسیح تھے لیکن ان کے برعکس اس الدجّال کے مسح کرنے سے جس شیئ کو بھی مسح کرے گا اس میں خامی وخرابی پیدا ہوگی کیونکہ یہ اصل ربّ نہیں بلکہ اصل کے مقابلے پر اس کا شریک دجل ربّ ہے۔

رجل قصیر.

رجل. اس کے معنی مرد یا بندے کے کیے جاتے ہیں لیکن اس لفظ کے معنی صرف مرد کے نہیں بلکہ رجل ایسی شیئ کو بھی کہتے ہیں جس پر چلا جائے یعنی سفر طے کیا جائے جیسے بشر میں اللہ نے جو عضو لگایا جس پر وہ چلتا ہے جس سے وہ سفر طے کرتا ہے آپ اسے اردو میں ٹانگیں کہتے ہیں۔ جس مخلوق کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جائے گا اس میں ایسی شیئ کو رجل کہا جائے گا جیسے گاڑیوں کے ٹائر وغیرہ اور دوسری بات کہ روایات بغیر اعراب کے تھیں جس وجہ سے آج تک اکثریت نے

رجل کا معنی مرد، شخص یا بندہ کے کر دیئے جو کہ بالکل غلط ہیں کیوں کہ اگر اعراب نہ ہونے سے اس بات کی سمجھ نہ بھی آئے تو کون سا صرف اکیلا یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے بلکہ پوری روایت موجود ہے اس کے آگے بھی جملے موجود ہیں اور پیچھے بھی جو کہ طے کر دیتے ہیں کہ یہاں کسی شخص، مرد کی بات کی جارہی ہے یا پھر جس کا ذکر کیا جارہا ہے اس کے وجود میں اس پارٹ کی اس عضو کی جس پر وہ سفر کرتا ہے جیسے کہ آپ کے جسم میں ٹانگیں ہیں۔

ان لوگوں نے اس لفظ کا ترجمہ اس لیے مرد یا شخص کر دیا کیونکہ ان لوگوں نے پہلے سے یہ عقیدہ و نظریہ اخذ کیا ہوا ہے کہ الدجّال ایک شخص ہے حالانکہ یہ روایت کسی بھی صورت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کا ترجمہ و معنی شخص یا مرد کیا جائے کیونکہ آگے اور پیچھے متن خود کھول کھول کر واضح کر رہا ہے کہ یہاں کسی بھی صورت رجل کا معنی شخص یا مرد نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے جس پر سفر کیا جاتا ہے جس پر چلا جاتا ہے جیسے کہ بشر کے جسم میں ایسے اعضاء کو ٹانگیں کہا جاتا ہے۔

اور پوری روایت کا متن اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ یہاں کسی مرد یا شخص کا ذکر نہیں کیا جارہا بلکہ یہاں تو وجود کے اس حصے یعنی اس عضو کا ذکر کیا جارہا ہے جس پر چلا جاتا ہے، جس پر سفر کیا جاتا ہے جیسے کہ یہ بات طے ہے کہ الدجّال کے رجل کا ذکر کیا جارہا ہے تو پھر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ آپ دیکھیں کہ جو الدجّال ہے اس میں ان صلاحیتوں و خصوصیات کی حامل کون سے مخلوقات ہیں جو خصوصیات و صلاحیتیں آپ کے جسم میں ٹانگوں میں پائی جاتی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ٹانگوں پر چلا جاتا ہے ان پر سفر کیا جاتا ہے یعنی رجل کے معنی ہیں وجود کا وہ حصہ وہ عضو وہ پارٹ جس پر وجود سفر کرتا ہے اور دوسری بات کے ٹانگیں جسم کا سب سے لمبا عضو ہیں لمبا حصہ ہیں یعنی رجل کے معنی ہیں وجود کا سب سے لمبا حصہ لمبی خلق۔

الدجّال جو کہ ٹیکنالوجی ہے موجودہ جدید ترین سائنسی ایجادات ہیں صنعتی انقلاب یعنی مشینیں ہیں تو دیکھیں جو موجودہ ایجادات ہیں جو ٹیکنالوجی ہے جو مشینیں وغیرہ ہیں ان میں وہ کون سی مخلوقات ہیں یا پارٹس ہیں جن پر سفر کیا جاتا ہے جن پر فاصلہ طے کیا جاتا ہے اور دوسرا وہ کون سی مخلوقات ہیں جو ٹانگوں کی طرح لمبی ہیں تو جو بھی ایسی مخلوقات سامنے آئیں جن میں یہ دو خصوصیات یا ان میں سے ایک خصوصیت پائی جائے وہی الدجّال کا رجل ہے۔

قصیر . یہ لفظ بہت وسیع المعنی ہے اور ہم ان میں سے وہ چند معنی یہاں آپ کے سامنے رکھیں گے جو باقی معنوں کا احاطہ کریں۔ اس میں اصل لفظ قصر ہے جس کے معنی ہیں چھوٹا کرنے کے یعنی لمبے کا چھوٹا ہونا، زیادہ کا کم ہونا، بڑے کا چھوٹا ہونا اور قصیر کے معنی ہیں مسلسل چھوٹا ہونا۔ مثلاً کسی بھی طرح سے کسی بھی سطح پر مسلسل کمی ہوتے چلے جانا۔ مثلاً ایک کام جو ایک دن میں ہو اس کا وقت ایک دن کی بجائے ایک دن سے مسلسل کم ہوتے چلے جانا، لمبا سفر کا مسلسل چھوٹا ہوتے جانا یعنی جو سفر سال میں ہو وہی مہینے میں، مہینے سے ہفتے میں، ہفتے سے دن میں، دن سے اس سے بھی کم وقت میں۔

پوری کوشش کے باوجود کام کا جو معیار درکار ہو اسکے مطابق کام نہ کر پانا بلکہ مسلسل معیار میں کمی واقع ہوتی چلے جانا۔

جو بھی کام کرنا اس میں خامی، خرابی، کمی، نقص یا عیب وغیرہ کا لازم ہونا۔

کام کرنے والے خصوصاً نوجوان یعنی قوت والے مردوں کا خلاف قانون کام کرنا جس سے مالک کی املاک میں کمی، خرابی و نقصان واقع ہو۔

جس میں خامی و خرابی سے پاک خلق کرنے کی صلاحیت سرے سے ہی موجود نہ ہو یعنی بغیر کسی عیب و نقص کے نہ خلق کر سکنا۔

جس شئے میں بھی چھیڑ چھاڑ کی جائے اس کو عیب، نقص، خامی و خرابی زدہ کر دینا۔

شئے کے معیار و خالص پن میں کمی کر دینا۔

کسی بھی شئے میں کسی نہ کسی سطح پر کمی کر دینا خرابی، نقص یا عیب وغیرہ پیدا کر دینا۔

جو بھی بنانا وہ ہر طرح سے مکمل نہ ہونا اس میں کسی نہ کسی کمی کا ضرور رہ جانا۔

الدجّال کے وہ اعضاء جن پر وہ سفر طے کرے گا وہ لمبے رستے کو چھوٹا کر دیں گے یعنی لمبے سفر کو چھوٹا کر دیں گے، مثلاً سالوں کا سفر مہینوں میں، مہینوں کا دنوں اور دنوں کا گھنٹوں اور گھنٹوں کا منٹوں میں یا لمحوں میں طے کرے گا۔

محمد علیہ السلام نے کہا الدجّال مختلف الخلق ہو گا یعنی الدجّال طرح طرح کی مختلف مخلوقات ہوں گی۔ آج وہ تمام کی تمام مخلوقات آپ کے سامنے ہیں جنہیں آپ اپنے لیے مسیحا سمجھتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے آپ صرف اس کا ایک ہی پہلو دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے آپ اس کے دجل کا شکار ہیں۔ انہی مخلوقات میں سے ایک سفر کے ذرائع گاڑیاں، ٹرینیں، جہاز وغیرہ ہیں جنہیں آج ہر کوئی اپنے لیے مسیحا یعنی فائدہ مند سمجھ کر استعمال کر رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے

کہ یہ گاڑیاں الدجّال ہیں۔ یہ الدجّال کا وہی الدابہ ہے جو کہ الدابۃ الارض علامات واشراط میں سے ہے ان سے خارج ہونے والا دھواں یعنی ان سے خارج ہونے والی طرح طرح کی گیسیں وہ الدخانٍ ہیں جن کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیا جن پر پوری ایک سورت قرآن میں موجود ہے جو کہ اشراط الساعت کی اشراط میں سے ایک بڑی اور آخری شرط ہے ان گاڑیوں یعنی الدجّال کے الدابہ کے ٹائر لمبے سفر کو چھوٹا بنا دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ آپ دیکھتے ہیں جنہیں ٹاور کرینیں کہا جاتا ہے ایسی تمام لمبی لمبی کرینیں اور کھمبے یہ الدجّال کا رجل ہے۔

افحج. کسی بھی شئے میں ٹیڑھ پن کا ظاہر ہونا یا معذوری کا پیدا ہونا۔ مثلاً ہڈیوں، ہاتھ، پاؤں، ٹانگوں وغیرہ میں ٹیڑھ پن ہونا یا کوئی معذوری ہونا۔ الدجّال جسے بھی مسح کرے گا وہ افحج ہو جائے گی یعنی جس شئے میں بھی چھیڑ چھاڑ کرے گا اس میں معذوری یا ٹیڑھ پن وغیرہ ظاہر ہوگا، جسے بھی الدجّال مسح کرے گا یعنی جو لوگ الدجّال کو جو کے طرح طرح کی مخلوقات ہوں گی انہیں اپنے لیے فائدہ مند سمجھتے ہوئے استعمال کریں گے تو الدجّال انہیں مفلوج کر دے گا، ان میں ٹیڑھ پن پیدا کر دے گا، ان کی ہڈیوں، ٹانگوں اور جسم کے اعضاء وغیرہ میں ٹیڑھ پن پیدا کر دے گا اجسام کو مفلوج کر دے گا ایسی صورت میں وہ اشیاء پر اثر انداز ہوگا۔

اس کے علاوہ افحج کے معنی ایک اور بھی ہیں جنہیں انگلش میں پاتھولوجی کہتے ہیں۔ پاتھولوجی انسانوں، جانداروں، نباتات وغیرہ کی چیر پھاڑ کر کے بیماریوں کا پتہ لگانے اور ان کی وجہ جاننے اور پھر ان بیماریوں کے علاج کے لیے ادویات بنانے کے لیے تحقیقات کرنے کو کہتے ہیں جسے محمد علیہ السلام نے الدجّال قرار دیا یعنی اس کا ظاہر تو بہت زبردست ہے کہ فطرت میں سائنسی تحقیقات کے ذریعے بیماریوں کی وجوہات کا پتہ لگا کر ان کا علاج دریافت کر کے انسانیت کی خدمت کا دعویٰ کیا جاتا ہے لیکن یہ محض دجل کے سوا اور کچھ نہیں کیونکہ بنیاد تو یہ ہے اور بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فطرت میں ایسی خرابیاں ہوئی ہی کیوں؟ جن کی وجہ سے لاتعداد بیماریاں وجود میں آ گئیں کیونکہ اللہ تو سبحان ہے اس کے کسی بھی کام میں کوئی خامی نہیں ہوتی وہ ہر شئے کو ہر لحاظ سے مکمل اور ہر قسم کی خامی و نقص سے پاک خلق کرتا ہے وہ سبحان ہے اس کے لیے صرف حمد ہے تو پھر مخلوقات میں خرابیاں جنہیں آپ بیماریوں کا نام دیتے ہیں کیسے وجود میں آ گئیں؟ اللہ تو احسن الخالقین ہے اس کی خلق میں رائی برابر بھی خامی و خرابی نہیں ہو سکتی، اللہ ظالم نہیں ہے جو یہ ظلم اللہ نے کیا بلکہ یہ ظلم انسانوں نے خود کیا انسان خود ظالم ہے۔ محمد علیہ السلام نے اسے الدجّال اس لیے کہا کیونکہ انسان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی بھی خلق کے بارے میں مکمل علم حاصل کر پائے خواہ وہ جتنی جی چاہے تحقیقات کر لے وہ کائنات میں اللہ کی تخلیقات کی پیچیدگیوں کو مکمل طور پر ہر پہلو سے نہیں جان سکے گا اور نامکمل علم کے نہ ہونے سے کئی گنا بڑھ کر خطرناک ہوتا ہے انتہائی تباہ کن ہوتا ہے۔ اس لیے کسی ایک مرض کا تو علاج دریافت کر لیا جاتا ہے لیکن وہی علاج مزید کئی نئی بیماریوں کو جنم دیتا ہے یوں یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اور دن بہ دن بیماریاں بڑھتی چلی جاتی ہیں اس لیے یہ الدجّال ہے اور انسان اس دجل کا شکار ہو کر اللہ سے رجوع کرنے کی بجائے سرکشی میں بڑھتا چلا جاتا ہے اور بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

دنیا کی مجموعی آبادی کا ۹۶ فیصد سے زیادہ لوگ کسی نہ کسی بیماری کا شکار ہیں۔ دنیا کی مجموعی آبادی کا پندرہ فیصد یعنی ایک ارب سے زائد انسان کسی نہ کسی معذوری کا شکار ہیں۔ چھ ارب سے زائد انسان موٹاپے یا پیٹ بڑھنے کی بیماری کا شکار ہیں اور اس سب کی وجہ دنیا میں فضائی آلودگی، خوراک اور وہ ادویات ہیں جو انسانیت کی بھلائی کے نام پر دن بہ دن وجود میں لا کر لوگوں کو کھلائی جا رہی ہیں۔

امریکہ میں مجموعی آبادی کا تقریباً ۱۹ فیصد لوگ معذور ہیں اور تقریباً پوری آبادی ہی کسی نہ کسی بیماری کا شکار ہے۔

آسٹریلیا کی سرکاری دستاویزات کے مطابق آسٹریلیا میں معذور انسانوں کی تعداد چالیس لاکھ سے زیادہ ہے جن میں ۳۴ لاکھ سے زیادہ جسمانی طور پر معذور ہیں۔ ہر چھ میں سے ایک آسٹریلوی شہری بہرے پن کا شکار ہے اور تیس ہزار سے زیادہ شہری مکمل طور پر بہرے ہیں جو کچھ بھی نہیں سُن سکتے۔ مجموعی آبادی کا دس فیصد لوگوں کو سیکھنے، پڑھنے اور الفاظ کو سمجھنے میں مشکل کا سامنا ہے۔

جعد. جعد بہت ہی وسیع المعنی لفظ ہے اس کے چند معنی درج ذیل ہیں۔

کڑکڑی اشیاء جیسے بازار سے ملنے والے مختلف چپس، سنیکس، سلانٹیز، بیکری کی کڑکڑی اشیا۔

سلوٹوں والی شئے، کسی شئے میں سلوٹیں، لہریں وغیرہ پیدا ہو جانا۔

اشیاء کا اچانک کرش ہونا جیسے آج غیر فطری طریقے سے یعنی مختلف مشینوں کے ذریعے مختلف اشیاء پیس کر سفوف بنایا جاتا ہے مشین کے تیزی سے چلنے سے اشیاء اچانک پس جاتی ہیں اس طرح کسی شئے کے پسنے سے اس کا درجہ حرارت اچانک بڑھ جاتا ہے اور اس میں موجود ایسے اجزاء جو بہت ضروری ہوتے ہیں وہ جل کر ختم ہو جاتے ہیں یا مالیکیول ٹوٹ کر واپس ذرات میں تقسیم ہو کر شئے کو فائدے کی بجائے نقصان دہ بنا دیتے ہیں اور ایسی شئے کا استعمال نقصان کا باعث بنتی ہے جس کے استعمال سے طرح طرح کی بیماریاں وجود میں آتی ہیں۔

جیسے پانی میں کچھ گرنے سے یا وائبریشن یعنی تھرتھراہٹ سے پانی میں ارتعاش پیدا ہوتی ہے اس طرح ارتعاش پیدا کرنے والی شئے، جیسے بلند آواز اس کا سبب بنتی ہے اور جس شئے میں بھی ارتعاش پیدا ہوتی ہے اس کی ہیئت میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے جیسے کہ میوزک بھی یہی کام کرتا جس وجہ سے حرام ہے۔ ایسا تیز میوزک جو ہر جگہ سنائی دیتا ہے اسے بھی جعد کہتے ہیں۔

گھنگریالہ پن جیسے بالوں میں ہوتا ہے، ایسی ہی گھنگریالی اشیاء، یا جلد میں گھنگریالہ پن پیدا کرنے والا، سکڑ پن۔

لفظ جعد کے یہ چند معنی ہیں جو اشیاء بھی اس لفظ کے معنوں کے زمرے میں آتی ہیں ان سب کی سب کو محمد علیہ السلام نے الدجّال کہا ہے یعنی ان کا ظاہر تو بہت اچھا اور فائدہ مند، دل کو لبھا دینے والا ہو گا لیکن ان کی حقیقت یعنی ان کا دوسرا پہلو جو پوشیدہ ہو گا وہ نقصان، خامیوں، نقائص سے بھرپور ہو گا۔

اعور. کسی بھی شئے کا دونوں کی بجائے ایک ہی رخ دیکھ پانا، کوئی بھی کام ایک رُخ سے کرنا اور دوسرے رُخ سے مکمل طور پر نہ کر پانا، جو کام بھی کرنا اس میں فائدے کی بجائے نقصان بھی ہونا، اگر دائیں آنکھ سے اعور ہو تو اس کے معنی جو کام کرنا اس میں فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہونا، بائیں آنکھ سے اعور ہونا کے معنی جو بھی کام کرنا اس میں نقصان کم اور فائدے زیادہ ہونا۔

لیس باعور. جو بھی کام کرنا وہ دونوں طرف سے مکمل کرنا ہر لحاظ سے فائدہ مند، نقص سے پاک اور بے عیب ہو جس میں صرف حمد ہی حمد ہو، ہر شئے کے دونوں رُخ دیکھنا، ہر شئے کو یا جو بھی کام کرنا دونوں پہلوؤں سے مکمل اور بے عیب کرنا وغیرہ۔

مطموس العین.

مطموس. چھاپہ سازی، کتاب سازی، پبلشنگ، پرنٹنگ، لیتھوگرافی، ویڈیوگرافی، نشر و اشاعت۔

العین. رنگوں کا ادراک کرنے والا آلہ، دیکھنے والا آلہ۔

مطموس العین. ایسے دیکھنے کے آلات جنہیں جو دکھایا جائے اسے چھاپ دیں، مصوری کی صورت میں محفوظ کر دیں، ایسے آلات جن سے دیکھ کر جو دیکھا جائے اسے کتب کرنا یعنی اسی حالت میں چھاپ دینا، ایسے آلات جو کسی بھی شئے کو دیکھ کر انہیں مصوری میں تبدیل کر دیں یعنی ویڈیوز، تصاویر اور پرنٹنگ کی صورت میں محفوظ کر دیں۔

FRESH
EXPRESS
Nikon

رسول الله ﷺ قال: احدى عينيه مطموسة، والاخرى ممزوجة بالدم، كأنها الزهرة. نعيم بن حماد

ایک دیکھنے کا آلہ اس کا مطموسہ اور دوسرا جس میں مختلف رنگ دار محلولوں کا آپس میں اختلاط ہونا جب اختلاط ہو تو جیسے کہ وہ چمکتا ہوا ستارہ۔

مطموس کی وضاحت پچھلی روایت میں گزر چکی اس روایت کے دوسرے حصے کو سمجھیں گے۔

ممزوجة. ایک سے زیادہ اشیاء کا آپس میں اختلاط ہونا مکس ہونا۔

دم کہتے ہیں رنگدار محلول جیسے آپ کے جسم میں جو اس طرح کا رنگدار محلول پایا جاتا ہے جس میں مختلف اجزاء موجود ہوتے ہیں اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے اسے اردو میں خون اور عربوں کی زبان میں دم کہا جاتا ہے، اسی طرح درختوں میں مختلف رنگوں کا خون یعنی رنگ دار پانی ہوتا ہے، زمین میں کالے رنگ کا ہوتا ہے اسی طرح مختلف مخلوقات میں خون کا رنگ مختلف ہوتا ہے۔

محمد علیہ السلام نے کہا اس کا دوسرا دیکھنے کا آلہ مختلف رنگدار محلولوں کا آپس میں اختلاط کرنے والا جب اختلاط کرے گا تو جیسے چمکتا ہوا ستارہ ہوتا ہے ہوگا۔

اس روایت کے پہلے حصے میں **عينيه مطموسه** کا ذکر ہے اور مطموس کے معنی درج ذیل ہیں۔

مطموس. چھاپہ سازی، کتاب سازی، پبلشنگ، پرنٹنگ، لیتھوگرافی، ویڈیوگرافی، نشر و اشاعت۔

دوسری عین بھی اس کی چھاپہ سازی، پرنٹنگ، لیتھوگرافی، اشاعت کی ہوگی لیکن اس میں خصوصیت یہ ہوگی کہ اس میں ایک تو مختلف رنگوں کے محلولوں کا آپس میں اختلاط ہوگا اور اور دوسری بات کہ اس میں ایسی چمک ہوگی ایسی لائٹ ہوگی جیسے چمکتا ہوا سفید ستارا ہوتا ہے۔

محمد علیہ السلام کے ان الفاظ سے رائی برابر بھی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ یہ جدید الیکٹرانک پرنٹرز کا ذکر کیا گیا ہے۔

جن میں بغیر کسی شک و شبے کے مختلف رنگوں کا خون یعنی محلول ڈلتے ہیں اور جب اس سے کچھ کتب یعنی پرنٹ کیا جاتا ہے تو ان رنگدار محلولوں کا اس میں آپس میں اختلاط ہوتا ہے اور دوسری بات یہ بھی کہ اس میں ایسی چمکدار سفید لائٹ بھی ہے جیسے کہ چمکتا ہوا سفید ستارا ہوتا ہے۔

جب کوئی بھی کاغذ اس میں رکھا جاتا ہے فوٹو کاپی کے لیے تو اس کے نیچے سے ایکس ریز گزرتی ہیں جو بالکل چمکتے ہوئے ستارے کی طرح نظر آتی ہیں اس کے بعد اس میں ممزوج بالدم ہوتا ہے یعنی ایک سے زیادہ خون جو کہ رنگ دار محلول ہوتے ہیں ان رنگ دار محلولوں کا آپس میں اختلاط ہوتا ہے۔

تصویری معنی۔

كأنها الزهرة. جیسے سفید چمکتا ہوا ستارہ
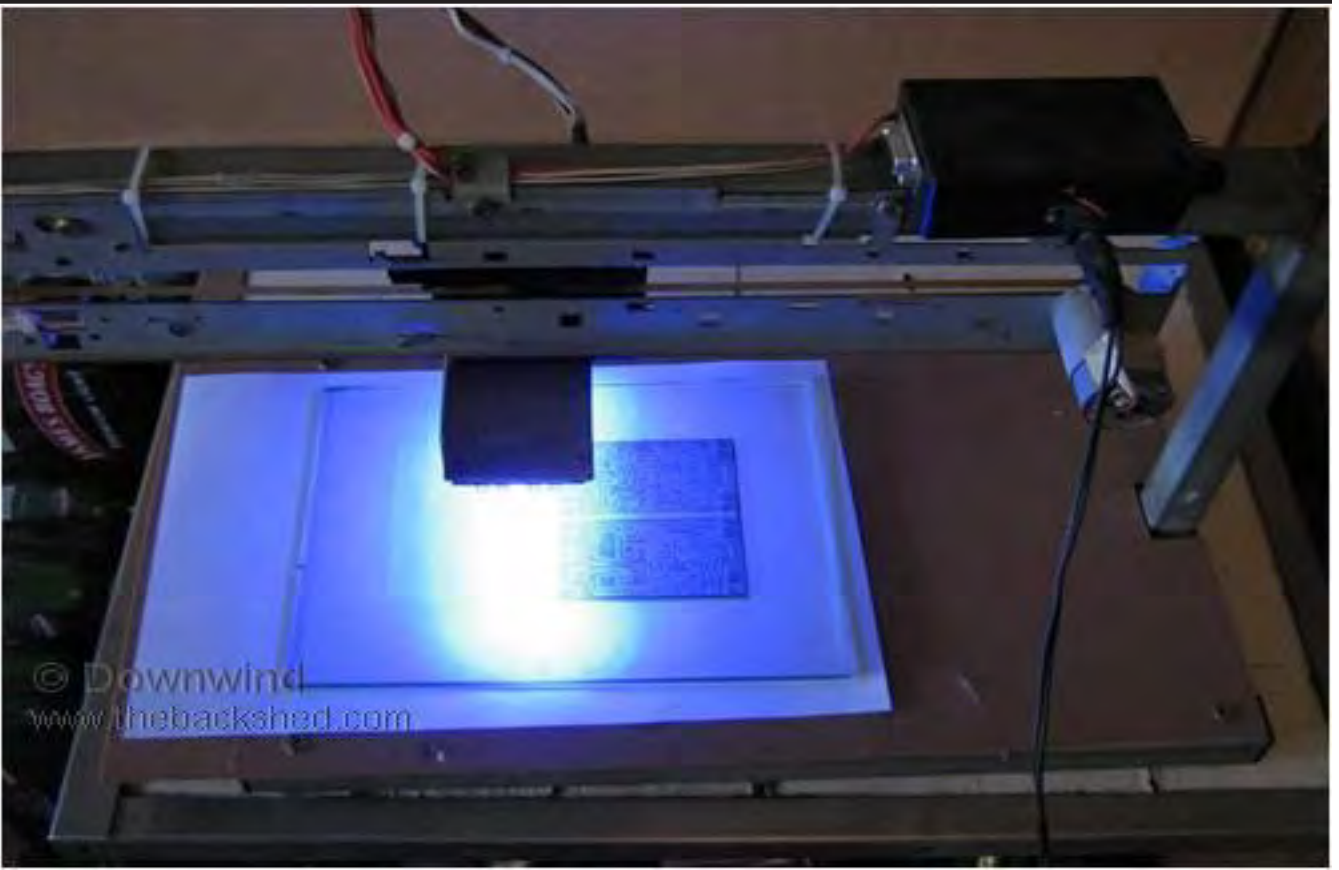
مطموس العین. چھاپہ سازی، کتاب سازی، پرنٹنگ، لیتھیوگرافی، فوٹوگرافی اور ویڈیوگرافی کے آلات

ممزوجة بالدم. مختلف رنگ دار محلولوں کا آپس میں اختلاط
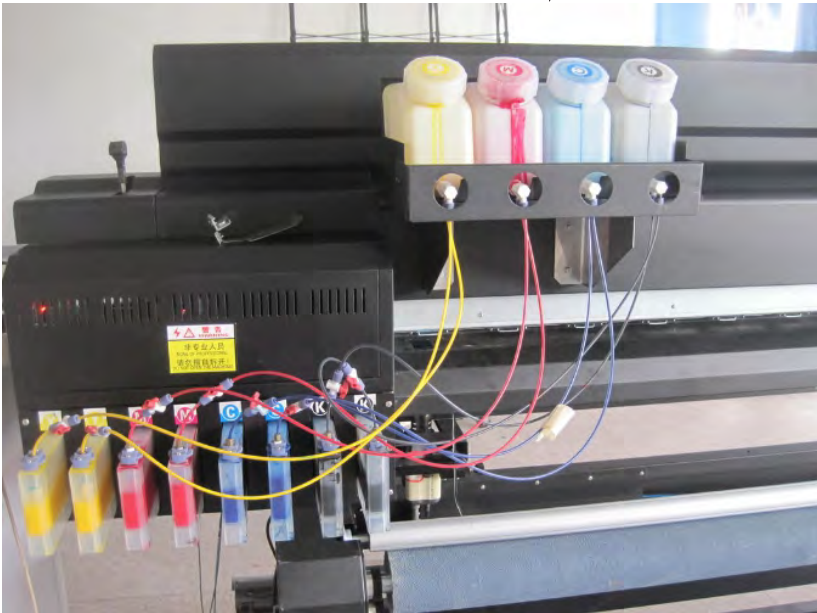
دم . رنگ دار محلول

محمد علیہ السلام نے آج سے چودہ صدیاں قبل آج موجودہ دور کی ان ایجادات کے بارے میں کہا تھا کہ الدجّال یعنی ایسے تمام کے تمام انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ طرح طرح کے آلات ہوں گے جن میں دیکھنے یعنی رنگوں کا ادراک کرنے کی صلاحیت ہوگی اور پھر نہ صرف دیکھنے یعنی رنگوں کا ادراک کرنے کی صلاحیت ہوگی بلکہ جو کچھ وہ دیکھیں گے ان میں اس کو چھاپنے کی صلاحیت بھی موجود ہوگی۔ آج آپ اپنے اردگرد دیکھیں اور غوروفکر کریں کیا آج انسان ایسی ایجادات کر چکا ہے؟ ایسی اشیاء خلق کر چکا ہے جن میں ایسی صلاحیتیں موجود ہیں؟ اور پھر انسان ان ایجادات کو ان اشیاء کو اپنے لیے مسیحا سمجھتا ہے یعنی فائدے کی اشیاء سمجھتے ہوئے ان سے فائدے حاصل کر رہا ہے انہیں اپنے لیے سہولتوں کا نام دے رہا ہے؟ اور جب آپ اپنے اردگرد دیکھیں تو آج پوری دنیا میں ایسے آلات موجود ہیں جن سے چھاپہ سازی، کتاب سازی، مصوری اور تصویر سازی وغیرہ کا کام لیا جا رہا ہے جنہیں آج پرنٹنگ پریس، پرنٹرز، کتاب سازی کے آلات اور لیتھوگرافی وغیرہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ قال: الدجال اعور العین الیسری جفال الشعر معه جنة ونار ، فناره جنة وجنة نار. ابو یعلی، ابن عساکر

رسول اللہ ﷺ نے کہا: الدجّال ہے ایک آنکھ یعنی یک طرفہ دیکھنے والا، دیکھنے کا آلہ بائیں طرف، جفال الشعر الدجّال ہے جفال الشعر الدجّال کے ساتھ ہو گی اس کی جنت اور آگ، پس آگ اس کی جنت اور جنت آگ ہوگی۔

اس روایت کو کھول کر سمجھنے کے لیے اس کے متن میں غور کرتے ہوئے اس کو تقسیم کر کے سمجھتے ہیں۔

۱ .الدجال اعور

الدجّال ہے کسی بھی کام کو صرف اس کے ایک ہی رُخ سے کرنا اور دوسرا رُخ ادھورا چھوڑ دینا یعنی نامکمل، عیب دار، نقص والا کام کرنا۔

۲ . الدجال العین الیسری

الدجّال ہے بائیں طرف یک طرفہ دیکھنے کا آلہ

۳. الدجال جفال الشعر

الدجّال ہے جفال الشعر

۴. جفال الشعر معه جنة ونار

جفال الشعر کے ساتھ ہوگی جنت اس کی اور آگ

جفال الشعر کیا ہے؟ اس کے معنی کیا ہیں؟

جفال. جس مواد سے اللہ زمین میں الدابہ خلق کرتا ہے یعنی جو کچھ اللہ نے پانی سے خلق کیا جس مواد سے جن عناصر، اجزاء سے وہ سب خلق کیا ان تمام عناصر، اجزاء ومواد کا پانی کی طرح کا غیر معمولی مقدار میں محلول۔

غیر معمولی مقدار میں ایسا محلول جس میں گیسیں اور مختلف کیمیائی عناصر پانی کی شکل میں موجود ہوں۔

جفال کو انگلش میں فروتھ (Froth) کہتے ہیں جس کے معنی چھوٹے چھوٹے بلبلوں، گیسوں اور کیمیکلز کی کثیر مقدار کا پانی کی شکل میں محلول یعنی خام تیل۔

الشعر. کہتے ہیں اس مواد کو ان عناصر کو جن سے جسم پر بال وجود میں آتے ہیں یعنی جس مواد سے بال وجود میں آتے ہیں اسے عربوں کی زبان میں الشعر کہا جاتا ہے، زمین پر تمام مخلوقات کے بال، جن میں بشر ہیں، پرندے، جانور ہیں یعنی بکریاں، گھوڑے، گائے بھینسوں سمیت تمام وہ جاندار جن پر بال ہوتے ہیں ان کے بالوں کو الشعر کہا جاتا ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ بال میں جب غوروفکر کریں تو بال بنیادی طور پر ایک ایسا مواد ہوتا ہے جسے آج آپ نائیلون، پلاسٹک اور لک یعنی اسفلت وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ عربی میں نائیلون اور پلاسٹک کے ترجمے کے لیے کوئی بھی لفظ موجود نہیں سوائے ان الفاظ کے جن کو ایسی فطرتی اشیاء کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جن میں نائیلون اور پلاسٹک پایا جاتا ہے۔ آپ بشر ہیں اس لیے آپ یہ دیکھیں کہ آپ کے جسم میں نائیلون اور پلاسٹک اگر پایا جاتا ہے تو وہ کس صورت میں پایا

جاتا ہے؟ جب آپ غور کریں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ نائیلون اور پلاسٹک آپ کے جسم پر صرف بالوں اور ناخنوں کی صورت میں پایا جاتا ہے اس لیے اگر نائیلون کا عربی میں کوئی نام ہوسکتا ہے تو وہ صرف اور صرف بال یا ناخن ہی ہو سکتے ہیں یعنی الشعر ہی ہوسکتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ آپ نے یہ دیکھنا ہے کہ نائیلون اور پلاسٹک کو اللہ نے اپنی کن کن مخلوقات میں استعمال کیا ہے؟ جب آپ یہ جان لیں گے تو نہ صرف آپ کو نائیلون اور پلاسٹک کی فطرت میں موجودگی کا علم حاصل ہوگا بلکہ یہ بھی علم حاصل ہوجائے گا کہ اللہ نے نائیلون اور پلاسٹک کو کن مقاصد کے لیے اپنی مخلوقات میں استعمال کیا ہے اس سے آپ کو نائیلون اور پلاسٹک کی اہمیت اور استعمال کا علم ہوجائے گا۔

جسم میں ناخنوں کی نسبت بال زیادہ پائے جاتے ہیں یوں ناخنوں کی بجائے بال جسم پر زیادہ واضح ہوتے ہیں جنہیں دور سے بھی دیکھا جاسکتا ہے اس لیے عربی میں پلاسٹک اور نائیلون وغیرہ کا نام الشعر ہی کیا جاسکتا ہے جس کے معنی بال ہیں۔

رسول اللہ ﷺ قال: الدجال اعور العین الیسری جفال الشعر معہ جنۃ و نار ، فنارہ جنۃ وجنۃ نار. ابو یعلی، ابن عساکر

رسول اللہ ﷺ نے کہا: الدجّال ہے ایک آنکھ یعنی یک طرفہ دیکھنے والا، دیکھنے کا آلہ بائیں طرفہ، جفال الشعر الدجّال ہے جفال الشعر الدجّال کے ساتھ ہو گی اس کی جنت اور آگ، پس آگ اس کی جنت اور جنت آگ ہوگی۔

محمد علیہ السلام نے کہا الدجّال ہے اعور العین الیسری جفال الشعر ساتھ ہوگی اس کے جنت اور آگ یعنی جفال الشعر کیساتھ ہوگی جنت اور آگ پس اس کی آگ جنت ہوگی اور جنت اس کی آگ ہوگی۔

اس روایت میں جو الفاظ آئے ہیں ان میں پہلا لفظ الدجّال ہے جو کہ آپ پر پہلے ہی واضح کیا جاچکا کہ الدجّال انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ طرح طرح کی مخلوقات ہیں جنہیں انسان اپنے لیے فائدہ مند، سہولتیں، آسائشیں اور آسانیاں سمجھتا ہے لیکن حقیقت میں وہ انسان کے لیے دنیا و آخرت میں ہلاکت کا باعث ہیں اور اس روایت میں دوسرا لفظ ہے اعور جس کے معنی کسی بھی شیئے کا ایک ہی رخ دیکھ پانا، کوئی بھی کام کرنا تو اس کو صرف ایک ہی پہلو سے کر پانا اور دوسرے پہلو سے نامکمل کرنا جس وجہ سے وہ کام یا شیئے عیب دار خامیوں والی ہو۔

تیسرا لفظ الیسری جس کے معنی بایاں اور آسانی وسہولت کے ہیں۔

چوتھا لفظ جفال جس کے معنی پانی کی شکل میں غیر معمولی مقدار میں ایسے محلول کے ہیں جو مختلف گیسوں، بلبلوں اور کئی اقسام کے مختلف عناصر و اجزاء کے مرکب سے وجود میں آیا ہو۔

آج جب غور وفکر کیا جائے تو جس جفال کا ذکر آج سے چودہ صدیاں پہلے محمد علیہ السلام نے کیا تھا وہ آج آپ کے سامنے موجود ہے جسے آج خام تیل کا نام دیا جاتا ہے۔

پانچواں لفظ ہے الشعر جس کی وضاحت پیچھے گزر چکی کہ الشعر کہتے ہیں اس مواد کو جس مواد سے بال وجود میں آتے ہیں آج آپ اس مواد کو پلاسٹک، نائیلون، اسفلت اور پینٹ وغیرہ کا نام دیتے ہیں اور یہ سب اسی جفال یعنی خام تیل میں ہی پایا جاتا ہے۔

چھٹا لفظ ہے جنت جس کے معنی ایسی جگہ کے ہیں جہاں ہر طرف آسائشیں، سہولتیں، آسانیاں اور طرح طرح کی نعمتیں موجود ہوں جن سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے یعنی ایسی جگہ جہاں مشقت نہ کرنا پڑے بلکہ آسانیاں، آسائشیں وسہولتیں موجود ہوں۔

تو جب ہم اس روایت میں محمد علیہ السلام کے چودہ صدیاں قبل کہے جانے والے الفاظ کی وضاحت کریں انہیں بیّن کریں تو بالکل کھل کر واضح ہوجاتا ہے کہ آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے جو کہا تھا وہ یہ ہے کہ انسان کی طرح طرح کی خلق کردہ مخلوقات اعور ہوں گی یعنی وہ اشیاء ایک پہلو سے دیکھ کر خلق کی جائیں گی اور دوسرے پہلو سے نامکمل ہونے کی وجہ سے عیب دار، خامیوں اور نقائص والی ہوں گی انسان ان اشیاء کا ان مخلوقات کا ان ایجادات کا صرف ایک ہی پہلو جو آسانی وسہولتوں والا ہے اسے ہی دیکھیں گے اور وہی ایک پہلو الدجّال کا دیکھنے والا آلہ دکھائے گا۔ یوں ان عیب دار نقائص اور خامیوں والی ایجادات انسان کی اپنے ہاتھوں سے خلق کردہ اشیاء سے پوری دنیا کی تمام مخلوقات فساد زدہ ہوجائیں گی۔

جفال الشعر یعنی خام تیل جس میں وہ مواد موجود ہوگا جس مواد سے بال وجود میں آتے ہیں یعنی پلاسٹک، نائلون اور پینٹ وغیرہ وہ یعنی جفال الشعر جسے خام تیل کا نام دیا جاتا ہے وہ الدجّال ہوگا۔ انسان اسے اپنے لیے مسیحا یعنی فائدہ مند سمجھے گا لیکن حقیقت اس کے برعکس ہوگی۔ اسی خام تیل کیساتھ جنت اور آگ ہو گی یعنی اس خام تیل ہی سے دنیا طرح طرح کی ایجادات سے آسائشوں، سہولتوں، آسانیوں سے مزین جگہ بن جائے گی جو کہ سب دجل یعنی دھوکہ ہوگا اور اس کیساتھ آگ ہوگی یعنی دنیا آگ یعنی جہنم بن جائیگی۔

محمد علیہ السلام کے الفاظ کے عین مطابق آج نہ صرف اس خام تیل کی دریافت کے بعد صنعتی انقلاب کے نام پر طرح طرح کی ایجادات سے دنیا آسائشوں، سہولتوں اور آسانیوں سے مزین جگہ بن چکی ہے بلکہ اسی خام تیل سے وجود میں آنے والے اسلحہ و بارود اور گاڑیوں اور کارخانوں وغیرہ کے دھویں سے دنیا آگ یعنی جہنم کا منظر پیش کر رہی ہے درجہ حرارت دن بہ دن بڑھتا چلا جا رہا ہے زمین جہنم بنتی چلی جا رہی ہے۔

محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ اس کی جنت حقیقت میں آگ یعنی جہنم اور اس کی جہنم درحقیقت جنت ہوگی اور آج جب ہم غور و فکر کریں تو حقیقت ہر لحاظ سے یہی ہے۔

ایک طرف اس خام تیل کی دریافت کے بعد صنعتی انقلاب کے نام سے ہونے والی طرح طرح کی ایجادات سے وجود میں آنے والے جدید ترین معاشرے نظر آنے میں جنت نظر آتے ہیں جن میں ہر طرح کی آسانیاں، سہولتیں، آسائشیں موجود ہیں تو دوسری طرف درحقیقت اس جنت میں رہنے والے نہ صرف طرح طرح کی بیماریوں کی لپیٹ میں ہیں جس کی وجہ انہی مشینوں اور کارخانوں سے خارج ہونے والی مختلف زہریلی گیسیں ہے بلکہ اس جنت میں رہنے والے انسان انسانوں کے ہی غلام ہیں نہ صرف انسانوں کے بلکہ وہ ان مشینوں کے غلام بن چکے ہیں جن کی اپنی کوئی زندگی نہیں کوئی آزادی نہیں۔ جن کا وقت اپنا ہو کر بھی اپنا نہیں جن کی سوچیں اپنی نہیں وہ ایک ایسی غلامی کا شکار ہیں جس کا انہیں احساس تک نہیں ہونے دیا جاتا۔ ان معاشروں میں یعنی اس جنت میں رہنے والے ہر وقت مختلف بلوں اور قانونی پیچیدگیوں کے خوف میں مبتلا رہتے ہیں، کوئی کسی دوسرے کا پرسان حال نہیں ہمسایہ اپنے ساتھ والے ہمسائے سے ہی غافل ہے۔ یوں یہ جنت صرف اور صرف دھوکہ ہے جو دور سے تو جنت نظر آتی ہے لیکن جو اس میں داخل ہوتا ہے اس کا نہ صرف سکون چھن جاتا ہے بلکہ وہ خود کو ایک ایسی میٹھی قید میں پاتا ہے جس سے وہ آزاد ہونا تو چاہتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے آزادی کا کوئی رستہ نظر ہی نہیں آتا۔ اور اگر کوئی رستہ نظر آئے بھی جائے تو یہ دھوکے کی جنت اپنے مضبوط پنجوں سے آزاد ہونے ہی نہیں دیتی۔

اب آپ سے سوال ہے یہ جو الدجّال جنت ہے جب حقیقت دیکھی جائے تو کیا یہ جنت ہے یا حقیقت میں جہنم آگ ہے؟ یہ حقیقت میں نہ صرف دنیا میں بھی جہنم بلکہ یہ آخرت میں بھی جہنم ہوگی۔

اور آج جسے لوگ جہنم تصور کرتے ہیں وہ علاقے وہ خطے جہاں یہ الدجّال نہیں ہے جہاں انسان کی خلق کردہ یہ مختلف اشیاء نہیں ہیں وہاں کے رہنے والوں کے لیے نہ صرف وہ دنیا میں حقیقی جنت بلکہ آخرت میں بھی ان کا ٹھکانہ جنت ہوگا بظاہر تو وہ ان ایجادات جنہیں انسان سہولتوں، آسائشوں اور آسانیوں کا نام دیتا ہے ان کے بغیر جہنم کی سی زندگی گزارتے نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ لوگ نہ صرف جسمانی طور پر آزاد ہیں بلکہ فکری طور پر بھی آزاد۔

جہاں الدجّال جنت یعنی یہ جدید معاشرے دھویں سے بھرے ہونے کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہیں تو وہیں جو خطے ان ایجادات سے محروم ہیں جہاں یہ الدجّال داخل نہیں ہو سکا وہ فطرت پر ہونے کی وجہ سے ایسی تمام بیماریوں، پریشانیوں اور فکروں سے پاک اور آزاد ہیں۔

یہاں ایک بار پھر لفظ ''اعور'' کو سمجھ لیں۔ اللہ نے ہر شئے کا اس سے جوڑا خلق کیا۔ اللہ نے جو کچھ بھی خلق کیا وہ دونوں پہلوؤں سے مکمل خلق کیا مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے لیے سواری کے ذرائع گدھے، گھوڑے اور خچر وغیرہ خلق کیے، اللہ کے خلق کردہ ان سواری کے ذرائع کو اگر لوگ کھرب ہا کھرب سال بھی استعمال کرتے تو دنیا میں رائی برابر بھی خرابیاں پیدا نہ ہوتیں کیوں کہ جو فضلہ یہ خارج کرتے ہیں اللہ نے ان کے اس فضلے کو دوسری مخلوقات کی خوراک بنا دیا یوں کائنات میں کوئی شئے کم اور زیادہ نہیں ہوتی بلکہ توازن برقرار رہتا ہے۔ انسان نے اللہ کے مقابلے پر سواری کے ذرائع خلق کیے جو ایک پہلو سے تو بہت زبردست نظر آتے ہیں ان کی رفتار بہت تیز اور انتہائی آرام دہ اور پرسکون ہیں اور یہی ہے العین الیسری اور ان کا دوسرا پہلو جو انسان کو نظر ہی نہ آیا کہ جو فضلہ یعنی زہریلی گیسیں یہ خارج کریں گے ان کا کیا کیا جائے گا؟ اس دوسرے پہلو سے یہ سواری کے ذرائع نامکمل خلق کیے گئے جس سے آج پوری دنیا مختلف

اقسام کے زہریلے مادوں زہریلی گیسوں سے بھر چکی ہے جس وجہ سے دنیا شدید ترین فساد سے دوچار ہو چکی ہے طرح طرح کی بیماریوں کا سیلاب آ چکا ہے جو دن بہ دن بڑھتی چلی جارہی ہیں۔

انہی گیسوں اسی دھویں کی وجہ سے لاتعداد مخلوقات صفحہ ہستی سے مٹ چکیں، اسی دھویں کے وجہ سے ہر سال کم سے کم ۳۳ لاکھ لوگ موت کا شکار ہو رہے ہیں اور شاید ہی کوئی ایک بھی انسان ایسا ہو اس دھوکے کی جنت کی انہی الدخانٍ کی وجہ سے کسی نہ کسی بیماری کا شکار نہ ہو۔ انہی الدخانٍ یعنی انہی طرح طرح کی انسان کے اپنی ہی اعمال سے خارج ہونے والی گیسوں کی وجہ سے آسمان پھٹ چکا، آسمان گدلا ہو چکا، درجہ حرارت دن بہ دن بڑھتا چلا جا رہا ہے، گلیشئر پگھلتے جا رہے ہیں جن کی وجہ سے سمندروں کی سطح دن بہ دن بڑھتی چلی جارہی ہے اور خشکی کم ہوتی چلی جارہی ہے، موسموں میں فساد عظیم ہو چکا اور اس کی وجہ صرف اور صرف یہی سواری کے ذرائع اور جدیدیت ہے ٹیکنالوجی ہے جنہیں انسان اپنے لیے اس سب کے باوجود مسیحا یعنی فائدے کی اشیاء سمجھتا ہے اسی الدجّال کی وجہ سے یہ زمین عنقریب مکمل طور پر النار یعنی جہنم میں بدل جائے گی۔

اللہ سبحان ہے اللہ جو بھی خلق کرتا ہے وہ دونوں پہلوؤں سے مکمل خلق کرتا ہے یہ ہے اللہ کا بطور ربّ اعور نہ ہونا اور الدجّال اعور ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی بھی دوسرا ایسا نہیں جو کچھ خلق کرے تو وہ مکمل خلق کر پائے وہ اعور نہ ہو ایسا ممکن ہی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ قال: احدی عینیہ عنبة یعنی الدجال کانها زجاجة خضراء، و نعوذ باالله من عذاب القبر. مسند احمد

عینیه. اس کا دیکھنے کا آلہ

عنبة . یہ لفظ بہت وسیع اور بہت سے معنوں کا حامل ہے ان میں سے غالب معنوں کو ہم بیان کریں گے۔

ا۔ بشر، جانوروں، درختوں، چرند پرند سمیت تمام جاندار مخلوقات میں مداخلت کرنے، خود خلق کرنے، پیدا کرنے کی غرض سے انہیں چیر پھاڑ کر ان کی ساخت، خلق ہونے کی معلومات سمیت زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کے لیے ان کی گہرائیوں تک دیکھنے کی صلاحیت رکھنے والا آلہ۔ نیچے دی گئی تصاویر اس کی حقیقت کی عکاسی ہے۔

۲۔ فصلوں، درختوں، پھلوں، پھولوں اور سبزیوں وغیرہ میں مداخلت کی غرض سے، خود پیدا کرنے، اگانے کی غرض سے انہیں چیر پھاڑ کر گہرائی تک علم حاصل کرنے کے لیے باریکی اور گہرائیوں تک دیکھنے کی صلاحیت رکھنے والا آلہ۔

۳۔ جیسے آنکھ کا اس طرح مفلوج ہو جانا کہ انگور کے دانے کی طرح پھول کر باہر آجائے ایسی حالت کو یعنی دانے کی طرح آگے کو آنکھ کے باہر ہونے کو عنبة کہتے ہیں جو ایک خاص بیماری کی وجہ سے ہی آنکھ پھول کر انگور کے دانے کی طرح باہر آجاتی ہے۔

آسانی سے سمجھنے کے لیے تصاویر دیکھئے۔

رسول اللہ ﷺ قال: احدی عینیہ عنبة یعنی الدجال کانھا زجاجة خضراء، و نعوذ باللہ من عذاب القبر. مسند احمد

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس کا ایک دیکھنے کا آلہ باہر کو نکلا ہوگا یعنی الدجّال ہوگا جیسے کہ بالکل سبز چمکدار شیشہ اور میں پناہ حاصل کر رہا ہوں اللہ کیساتھ عذاب قبر سے۔

محمد علیہ السلام کے الفاظ کے عین مطابق آپ دیکھ سکتے ہیں کہ الدجّال کی عین یعنی الدجّال کے دیکھنے کے آلے کو جو باہر کو نکلا ہوا اور چمکدار شیشے کا ہے اور نہ صرف وہ شیشہ سبز ہے بلکہ صرف سبزہ یعنی خوشحالی ہی دکھاتا ہے اور دوسرا رخ نہیں دکھاتا۔

زجاجة. سورت نور کی آیت ۳۵ میں یہ لفظ آیا ہے جس کے معنی صاف ستھرا چمکدار شیشے کے ہیں۔

خضراء. سبز، سبزہ، خوشحالی، ترقی وغیرہ

رسول الله ﷺ قال: احدی عینیه عنبة یعنی الدجال کانها زجاجة خضراء

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس کا دیکھنے کا ایک آلہ انگور کی طرح باہر کو نکلا ہوا یعنی الدجّال بالکل جیسے کہ وہ صاف ستھرا چمکدار شیشہ ہے سبز، سبزہ، ترقی وخوشحالی۔ الدجّال کا دیکھنے کے آلے کا وہ حصہ جو گول ہوتا ہے جیسے آنکھ کے درمیان گول حصہ اس کی پتلی جو پھول کر انگور کے دانے کی طرح جیسے آنکھ باہر کو نکلی ہوئی ہوتی ہے اس طرح باہر کو نکلا ہوگا، گول اور باہر کو نکلا ہوا ہے وہ شیشے کا ہے۔ سبز ہے، دیکھنے کا وہ آلہ جو شیشے کا ہے وہ سبزہ، ترقی وخوشحالی دیکھتا اور دکھاتا ہے۔ تصاویر میں دیکھئے۔

آگے اللہ کیساتھ عذاب قبر کی پناہ کا ذکر ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ آنکھ خوشحالی دیکھے گی جس سے اس کی اتباع کرنے والے وہی کچھ دیکھیں گے جو وہ آنکھ دیکھ رہی ہوگی۔ کیمرا یعنی الدجّال عین، الدجّال دیکھنے کا آلہ وہ دیکھتا ہے جو صرف اور صرف کسی بھی شئے کا ایک ہی رخ ہوتا ہے جو کہ دل کو چھو لینے والا اور متاثر کن ہوتا ہے جسے دیکھنے والے اپنے لیے خوشحالی تصور کرتے ہیں اور اس کی اتباع کرنے والے بھی وہی دیکھتے ہیں سکرین پر جو دجال عین دیکھ رہی ہوتی ہے جو کہ تصویر کا ایک ہی رخ دجل ہوتا ہے اور دیکھنے والے اسے اپنے لیے سبزہ وخوشحالی سمجھ کر اتباع کرتے ہوئے الدجّال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ الدجّال عین یعنی کیمرہ میڈیا کے ذریعے جو کچھ بھی دکھاتا ہے جسے لوگ اپنے لیے سبزہ وخوشحالی سمجھتے ہیں وہ محض ایک ہی پہلو ہوتا ہے نہ کہ اس کا دوسرا پہلو جو کہ جب سبزہ گل سڑ جاتا ہے تو پھر جو وہ نظر آتا ہے وہ دکھاتی ہے۔

اس روایت کے آخری حصے میں یہ آنا کہ ہم پناہ حاصل کر رہے ہیں اللہ کیساتھ عذاب قبر سے یہ بہت ہی غور وفکر کرنے والا نکتہ ہے محمد علیہ السلام نے عذاب قبر کو فتنہ الدجّال کیساتھ مشروط کر دیا جسے سمجھنا بہت ضروری ہے۔

سب سے پہلے تو یہ جان لیں کہ عذاب کسے کہتے ہیں عذاب کے معنی کیا ہیں لفظ عذاب ضد ہے انعام کی اور انعام کے معنی ہیں جن اعمال کے کرنے کا حکم دیا گیا جو کہ احسن اعمال ہیں جب انہیں کیا جائے گا تو احسن اعمال کے رد اعمال بھی احسن ہوں گے جو انعام کہلائیں گے اور اس کی ضد عذاب وہ اعمال جن سے روک دیا گیا جن سے منع کیا گیا جو کہ مفسد اعمال ہیں اس کے باوجود اگر ان اعمال کو کیا جاتا ہے تو ان اعمال کے رد اعمال بھی انتہائی برے ہوں گے جن سے نقصان و ہلاکت کا ہی سامنا کرنا پڑے گا اسے عذاب کہا جاتا ہے۔

اب یہ جان لیں کہ قبر کے معنی کیا ہیں یعنی قبر کسے کہتے ہیں؟ دنیا میں کوئی بھی ہو خواہ کوئی ہندو ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، مسلمان ہو یا کوئی بھی ہو اگر وہ کسی کو بھی قبر کہتا ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہم اس کی بات ماننے کو بالکل تیار ہیں لیکن سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا اسے یہ حق حاصل ہے کہ اس کی بات مان لی جائے؟

کیونکہ بات تو اس کی مانی جاسکتی ہے جو خالق ہو جو مالک ہو یا پھر وہ جو خالق و مالک کا نمائندہ یعنی اس کا بھیجا ہوا ہو اور اگر نہ کوئی خالق و مالک ہو نہ ہی اس کا نمائندہ یعنی بھیجا ہوا اس کے باوجود اگر وہ کوئی بات کرتا ہے کہ اس کی بات مان لی جائے تو اسے کوئی حق حاصل نہیں کہ اس کی بات مانی جائے سوائے اس کے کہ اگر وہ اپنی بات کو ہر لحاظ سے سچا ثابت کر دے، وہ مخاطب کے تمام تر سوالات کے جوابات دے کر مطمئن کر دے اگر تو وہ مطمئن کر دیتا ہے تو بلا شک و شبہ اس کی بات مانی جائے گی اور وہ مطمئن نہیں کرتا تو اس کی کسی بھی صورت بات نہیں مانی جائے گی۔

اس لیے اگر کوئی ہندو ہو وہ جسے بھی قبر کہے ہم ماننے کو تیار ہیں، کوئی یہودی، عیسائی، مسلمان یا ان کے علاوہ کوئی بھی ہو وہ جسے بھی قبر کہے ہم اسے ماننے کو تیار ہیں لیکن پہلے اسے اپنی حیثیت واضح کرنا ہوگی کہ وہ کس حیثیت کی بنا پر اپنی بات منوانا چاہ رہا ہے۔ آیا وہ خالق و مالک ہے؟ خالق و مالک کا نمائندہ یعنی اس کا بھیجا ہوا ہے؟ اگر وہ ان دونوں میں سے نہیں تو پھر پیچھے ایک ہی صورت بچتی ہے کہ وہ اپنی بات کو بالکل کھول کھول کر اس طرح واضح کرے اس کے حق میں ایسے ثبوت پیش کرے کہ سامنے والا مطمئن ہو جائے اگر اس کا کوئی سوال ہو تو اس کے ہر سوال کا اسے جواب مل جائے اور اس کے پاس کوئی ایسا عذر نہ رہے جس کی بنیاد پر وہ بات ماننے سے انکار کر سکتا ہو اگر ایسا ہوتا ہے تو بلا شک و شبہ بات مانی جائے گی اور اگر نہیں تو پھر کبھی بھی کسی کی بات نہیں مانی جائے گی۔

قبر کیا ہے؟

قبر کے معنی ہیں جس مواد سے آپ وجود میں آئے یعنی جس مواد سے جن ذرات سے آپ کا یہ بشری جسم وجود میں آیا وہ مواد اس بشری وجود کا حصہ بننے سے پہلے جہاں تھا اور اس کے بعد جہاں جائے گا۔

اب اگر کوئی کسی ایسے گڑھے کو قبر کہتا یا سمجھتا ہے جس میں کسی وفات شدہ کو دفن کیا جاتا ہے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ آیا وہ شخص وجود میں آنے سے پہلے بھی اسی گڑھے میں تھا یا پھر موت کے بعد یوم القیامت تک اسی گڑھے میں رہے گا یعنی اگر وہ گڑھا ہی قبر ہے تو پھر سال، دو، چار یا لاکھ سال بعد کبھی بھی اس گڑھے کو کھولا جائے تو پورے کا پورا مکمل جسم وہیں ملنا چاہیے اور اگر وہاں نہیں ملتا تو پھر وہ گڑھا قبر ہے ہی نہیں بلکہ قبر وہ ہے جہاں وہ جسم جا چکا ہو گا۔

قبر کو ایک مثال سے آپ پر واضح کرتے ہیں۔

ذرات پر مشتمل مواد 0.1.2.3.4.5.6.7.6.5.4.3.2.1.0 ذرات پر مشتمل مواد

آپ دیکھ رہے ہیں کہ دائیں سے بائیں سب سے پہلے آتا ہے ذرات پر مشتمل مواد یہ وہ مواد ہے جس سے آپ وجود میں آئے جو کہ پوری دنیا میں ذرات کی صورت میں بکھرا پڑا ہے اور پھر ایک سے سات اور پھر سات سے واپس ایک تک ہندسے ہیں ان میں سات آپ ہیں یعنی آپ کا بشری وجود اور سات سے پہلے ایک سے چھ اور سات کے بعد چھ سے واپس ایک یہ قبر ہے اور قبر کے مراحل ہیں۔

پیچھے آپ جان چکے ہیں کہ آپ کو کیسے خلق کیا گیا جب آپ اپنی ہی خلق میں غور کریں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آپ کو کیسے خلق کیا گیا پہلے آپ ذرات کی صورت میں پوری دنیا میں بکھرے پڑے تھے پھر ان ذرات کو کیسے اکٹھا کر کے آپ کو وجود میں لایا جا رہا ہے ان ذرات سے خام تیل، خام تیل سے نباتات، نباتات سے پھر وہ مواد مختلف جانداروں سے ہوتا ہوا آپ کے وجود کا حصہ بنتا ہے اور وفات کے بعد پھر اسی طرح واپس مخلوقات میں بدلتا بدلتا واپس پہلی حالت ذرات کی صورت میں بکھر جاتا ہے۔

اب آپ پر یہ بات بھی کھل کر واضح ہو جائے گی کہ عذاب قبر کیا ہے عذاب قبر یعنی اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے رد اعمال میں وفات کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے سے پہلے کے دوران کے مراحل کی سزا۔

اگر آپ طیب رزق سے اپنا وجود بناتے ہیں تو آپ عذاب قبر سے بچ جائیں گے اور وفات کے بعد دوبارہ ذرات کی صورت میں بدلنے کے دوران کے مراحل ایسی مخلوقات کے صورت میں گزاریں گے جو نہ صرف پوری دنیا میں اڑتی پھرتی ہیں موجیں کرتی ہیں بلکہ باغات میں طرح طرح کے طیب پھل کھاتی ہیں ورنہ آپ کو خبیث مخلوقات کی صورت میں قبر کے مراحل سے گزرنا پڑے گا جو کہ سانپ اور ایسے ہی خبیث جانور ہیں یہ انسانوں کی حالت قبر ہے۔

وہ مواد جس سے آپ کا جسم وجود میں لایا گیا وہ مواد جسم کی صورت میں وجود میں آنے سے پہلے جن جاندار مخلوقات کے وجود کا حصہ تھا وہ قبر تھی اور وفات کے بعد یہ جسم یہ مواد جن جاندار مخلوقات میں بدلتے ہوئے واپس ذرات کی صورت میں بکھر جائے گا وہ قبر ہے۔ اس جسم کی صورت میں وجود میں آنے سے پہلے جہاں یہ مواد تھا اس کا شعور نہیں لیکن جب اس جسم کو وفات دے دی جاتی ہے تب شعور بھی ساتھ ہی آگے منتقل ہو جاتا ہے۔

اگر آپ کا جسم طیب ہے یعنی طیب مواد سے اپنا وجود بنایا تو اس سے وفات کے بعد طیب مخلوقات وجود میں آئیں گی جو کہ طرح طرح کے طیب پرندے ہوں گے جو پوری دنیا میں اڑتے پھرتے ہیں اور باغات میں درختوں پر گھونسلے بنا کر رہتے ہیں اور وہ آپ ہی ہوں گے اپنی قبر میں اور اگر آپ اپنا جسم خبیث مواد سے بناتے ہیں تو وفات کے بعد یہ جسم خبیث مخلوقات میں بدلے گا جو کہ طرح طرح کے سانپ، بچھو اور اس طرح کی مخلوقات ہوں گی جو ایسے خطوں میں پائی جاتی ہیں جہاں جھاڑیاں اور انتہائی ذلت آمیز جگہیں ہوتی ہیں یہ آپ ہی ہیں جو کہ آپ کی قبر ہے۔

اگر تو جسم طیب تھا تو طیب مخلوقات میں تبدیل ہو جاتا ہے جو مخلوقات اپنے اپنے مقامات پر رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری پوری کرتی ہیں جسے قرآن میں اللہ نے الصلاۃ کہا ہے یعنی طیب جسم موت کے بعد جن مخلوقات میں تبدیل ہوتا ہے وہ مخلوقات الصلاۃ قائم کرتی ہیں اور اگر جسم خبیث ہو تو وہ جسم موت کے بعد خبیث مخلوقات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

قبر یا تو جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا پھر جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی۔

یہ وہ وجہ تھی جس وجہ سے محمد علیہ السلام نے نہ صرف اللہ کیساتھ فتنہ الدجّال سے بچتے ہوئے قبر کے عذاب سے پناہ حاصل کی بلکہ فتنہ الدجّال کو عذاب قبر کیساتھ جوڑ دیا۔ فتنہ الدجّال ہے ہی یہ کہ جو شئے انسان کے لیے دنیا و آخرت میں ہلاکت کا باعث ہے اس پر دجل کا پردہ چڑھا کر پیش کیا جائے گا کہ انسانوں کی اکثریت اسی غذا کو اپنے اجسام کا حصہ بنائے گی جسے خوشنما اور مفید بنا کر پیش کیا جائے گا لیکن حقیقت میں حرام خبیث ہو گی یوں وفات کے بعد ایسے جسم سے خبیث مخلوقات وجود میں آئیں گی جو کہ حالت قبر ہو گی اور ان مخلوقات میں وہ شعور داخل کر دیا جائے گا جو اس وقت اس بشری جسم میں ہے اور وہ کیفیت عذاب قبر کہلائے گی جس کے بارے میں تصور کرنے سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انسان یوم القیامت تک جب تک کہ قبر کے مراحل گزار نہیں لیتا اسی حالت میں رہے گا۔

قرآن میں قبر اور عذاب قبر پر درجنوں آیات ہیں جن کو سامنے رکھتے ہوئے صراحت کیساتھ تفصیل سے بات کی جائے گی آگے اپنے موضوع پر۔

رسول اللہ ﷺ قال: **ان الدجال ممسوح العين اليسرى، عليها ظفرة، مكتوب بين عينه كافر.** مسند احمد

ممسوح. بالکل سپاٹ، بالکل صاف، اتنا چمکدار کے بیچ سے عکس نظر آئے۔ گھس کر ایسے صاف کیا ہوا جیسے چمکتا ہوا شیشہ، کچھ مٹا ہوا، کسی شئے کو بہت باریک بینی سے اور اس کے چپے چپے کو دیکھ کر نقشہ بنانے کی صلاحیت ہونا، یا جو دیکھنا اسے حفظ یعنی ریکارڈ کرنے کی صلاحیت ہونا۔

پوشیدہ اشیاء یا کسی بھی شئے کی تلاش کے لیے کسی جگہ یا کسی کا بھی انگ انگ بہت ہی باریک بینی سے چھان مارنا۔

سکین کرنے والا۔

العين. رنگوں کے ادراک کرنے یعنی دیکھنے کا آلہ۔

ظفرة. ناخن، تمام کھروں والے جانوروں کے کھروں پر خول، درندوں کے پنجے، سیپ وغیرہ۔ ناخن، پنجے، کھروں کے خول، سیپ وغیرہ سمیت تمام مخلوقات میں اس طرح کی شئے کو ظفر کہا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ سخت پلاسٹک ہے اور کسی بھی شئے یا مخلوق میں اس طرح کے سخت پلاسٹک کو عربی میں ظفر کہا جاتا ہے۔

محمد علیہ السلام نے الدجّال کی عین یعنی اس کے دیکھنے کے آلے کی جو بھی خصوصیات بیان کیں وہ تمام کی تمام خصوصیات ان تمام دیکھنے کے آلات یعنی کیمروں وغیرہ جنہیں عربی میں عین کہا جائے گا میں موجود ہیں۔ موبائل فونز میں جو دیکھنے کا آلہ یعنی عین نصب ہے وہ بالکل سپاٹ ہے۔ جتنے بھی ایسے آلات ہیں ان کا شیشہ ایسا چمکدار ہے کہ جیسے گھس کر صاف کیا ہوا ہو۔ سب میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ جو بھی وہ دیکھتے ہیں اسے اپنے اندر ریکارڈ یعنی محفوظ کر سکیں۔ انہی کیمروں کی مدد سے آج نقشے بھی بنائے جا رہے ہیں یہاں تک کہ آج دنیا کا جدید ترین اور مصدقہ ترین نقشہ جسے گوگل ارتھ کا نام دیا جاتا ہے وہ بھی الدجّال کی

اسی عین یعنی دیکھنے کے آلے سے بنایا گیا جو الدجّال کے راس یعنی الدجّال کے بلند ترین مقام سیٹلائیٹ میں نصب ہے یوں محمد علیہ السلام کے آج سے چودہ صدیاں قبل کہے ہوئے ایک ایک لفظ سے ان کی تصدیق ہوتی ہے اور آج اللہ کا رسول ہی ہے جو محمد کی تصدیق کر رہا ہے کہ محمد نے جو کچھ بھی کہا تھا سچ کہا تھا۔

ظفر عربی میں سخت پلاسٹک کو کہتے ہیں الدجّال پر یا الدجّال کی آنکھ یعنی دیکھنے والے آلے پر سخت پلاسٹک ہوگا۔

آپ تصاویر میں یہ با آسانی دیکھ سکتے ہیں۔

رسول الله ﷺ قال: وعينيه اليسرى كأنها كوكب دری. ابو یعلی، ابن عساکر

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اوراس کا دیکھنے کا بایاں آلہ بالکل ایسا گویا کہ بااعتماد سیارہ ہوگا۔

عین. دیکھنے کا آلہ

یسری. بایاں

کوکب. سیارہ (Planet)

کائنات میں تمام سیارے کسی نہ کسی کو اپنا محور بنائے ہوئے اس کے گرد اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں جس کو اپنا محور بنایا ہوا ہے اس کے گرد گھوم رہے ہیں بالکل ایسے ہی الدجّال کی عین یعنی دیکھنے کے آلے نے بھی زمین کو اپنا محور بناتے ہوئے اس کے گرد اپنے مدار میں تیرنا تھا جیسے کہ ایک سیارہ ہو جو اپنا کام بخوبی انجام دے رہا ہے۔

اور آج یہ سب ہوتا ہوا آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں باقی سیاروں کی طرح الدجّال عین، الدجّال کا دیکھنے کا آلہ بھی زمین کے گرد گھوم رہا ہے گویا کہ سیارہ ہو جسے آج سیٹلائیٹ کا نام دیا جاتا ہے اور اسی سے زمین کے چپے چپے کو آج دیکھا جا سکتا ہے اور یہی نہیں بلکہ آج الدجّال کی یہ عین سب کے نزدیک بااعتماد ترین ہے اسی عین یعنی دیکھنے کے آلے سے بنایا گیا نقشہ دنیا کا مصدقہ ترین اور بااعتماد ترین نقشہ ہے یوں الدجّال کی یہ عین بااعتماد ترین سیارہ ہے۔
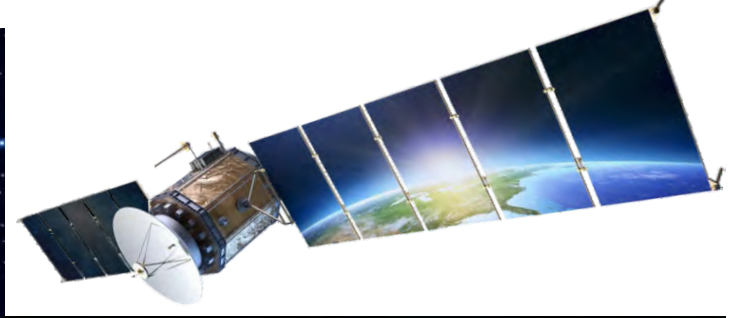
رسول اللہ ﷺ قال: ومعه مثل الجنة ومثل النار، وجنتة غبراء ذات دخان، وناره روضة خضراء. ابو یعلی، ابن عساکر

جنت. ایسا مقام جہاں سہولتیں وآسائشیں موجود ہوں جہاں بشر کواس کی خواہشات کے مطابق اشیاء حاصل ہوں، جہاں آسانیاں ہی آسانیاں ہوں، آسائشیں ہی آسائشیں ہوں جہاں مشقت نہ کرنی پڑے۔

النار. مخصوص آگ، تکلیف دہ شئے، جلا کر تباہ کرنے والی شئے۔

غبراء. گردوغبار سے بھری ہوئی

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اور ساتھ ہوگا اس کے مثل جنت کے اور مثل آگ، اور جنت ہوگی اس کی گردوغبار سے بھری ہوئی جو دخان ہوں گی یعنی طرح طرح کی گیسیں ہوں گی دھواں ہوگا اور آگ اس کی سرسبز باغ۔

الدجّال کیساتھ جنت اور آگ ہوگی اور جنت اس کی گیسوں، دھویں کے غبار والی ہوگی اور آگ اس کی سرسبز باغات ہوں گے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ جو الدجّال کی جنت میں داخل ہوگا حقیقت میں وہ آخرت میں جہنم میں ڈالا جائے گا اور جو الدجّال کی آگ میں کودے گا تو آخرت میں اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا اس کا ایک پہلو تو یہ ہے لیکن اس کے علاوہ دنیا میں بھی الدجّال کی جنت حقیقت میں جہنم ہوگی۔ آسائشیں، سہولتیں اور آرام تو بہت ہوگا دل لبھا دینے والی مزین اشیاء ہوں گی لیکن اس کی جنت دخان یعنی گیسوں سے بھری ہوئی ہوگی، اس میں دھویں کے غبار کی وجہ سے لاتعداد بیماریاں ہوں گی، حادثات، طوفانوں، زلزلوں اور طرح طرح کی مصیبتوں کی وجہ سے الدجّال کی جنت دنیا میں بھی جہنم ہی ہوگی اور جو اس کی آگ ہوگی یعنی الدجّال کی آگ جس کو دنیا جہنم تصور کرے گی یعنی اس آگ کے دجل کا شکار ہو کر لوگ اس سے بچنے کی کوشش کریں گے وہ جہنم درحقیقت دنیا میں بھی سبز باغات ہوں گے کیونکہ دنیا میں واحد دشوار پہاڑی علاقے ہوں گے جو الدجّال یعنی ٹیکنالوجی کی پہنچ سے دور ہوں گے جہاں اہل ایمان پناہ لیں گے وہاں ان پر آگ برسائی جائے گی لیکن وہ جگہیں فطرتی سرسبز باغات ہوں گی۔

درج ذیل تصاویر میں الدجّال کی جنت اور جہنم کا منظر دیکھیں۔
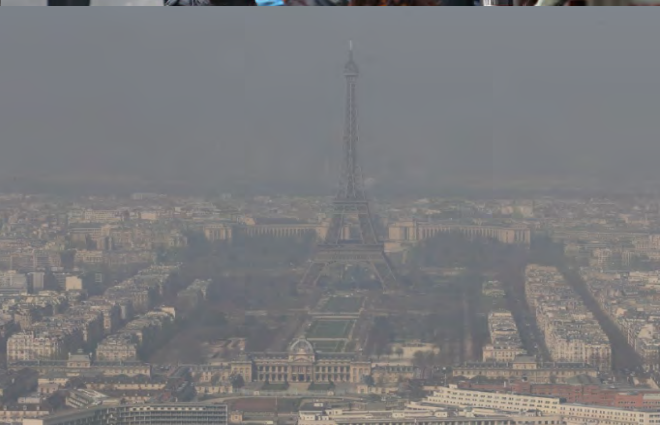
’’عالمی ادارہ صحت نے خبردار کیا ہے کہ شہروں میں آلودگی کی سطح زہریلی حد تک پہنچ گئی ہے۔
دو ہزار شہروں سے حاصل کردہ اعداد و شمار کے مطابق بہت سے لوگ عالمی ادارہ صحت کی مقرر کردہ حد سے کہیں زیادہ آلودگی کے ماحول میں زندگیاں گزار رہے ہیں۔ تحقیق کے مطابق یہ آلودگی دنیا میں مرنے والے ہر آٹھویں فرد کی موت کی وجہ ہے اور اس کی وجہ سے دنیا بھر میں صرف سنہ ۲۰۱۲ میں ۷۰ لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ بی بی سی: ۱۷ جنوری ۲۰۱۶‘‘

’’بیجنگ فضائی آلودگی کی لپیٹ میں، الرٹ جاری۔ بی بی سی: 29 نومبر 2015‘‘

’’نئی دہلی کی ’’قاتل‘‘ فضا سے شہری پریشان۔
پوری دنیا کی طرح نئی دہلی کے لوگ بھی سمجھتے تھے کہ بیجنگ ہی دنیا کا آلودہ ترین شہر ہے لیکن گزشتہ مئی میں عالمی ادارہ صحت نے اعلان کیا کہ نئی دہلی کی ہوا اس سے دوگنا زیادہ زہریلی ہے۔ جس کا نتیجہ لوگوں کو پھیپھڑوں کی بیماریاں اور ہر سال ۱۳ لاکھ اموات ہیں۔ فضا میں آلودگی کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ بھارت میں امراض قلب کے بعد سب سے زیادہ اموات فضائی آلودگی سے ہوتی ہیں‘‘ بی بی سی: 19 اپریل 2015‘‘

’’چین کے دارالحکومت بیجنگ میں حکام نے ایک بار پھر سے فضائی آلودگی بڑھ جانے کے سبب ’ریڈ الرٹ‘ جاری کیا ہے۔ بی بی سی، ۱۸ دسمبر 2015‘‘

’’ایران کے دارالحکومت تہران میں فضائی آلودگی کی سطح زہریلی سطح تک پہنچ گئی۔ پریس ٹی وی ایران: ۱۹ دسمبر 2015‘‘

’’تہران کی کلین ایئر کمیٹی کے ڈائریکٹر محمد ہادی حیدر زادے کے مطابق تہران کی فضا میں آلودگی بہت بڑھ چکی ہے اور صرف اکتوبر کے مہینے میں اس سے ۳۶۰۰ افراد ہلاک ہوئے ہیں۔ نئے اعداد و شمار کے مطابق ایران میں آلودگی کی وجہ سے ہلاکتوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور مارچ سنہ 2005 سے مارچ سنہ ۲۰۰۶ تک ۹۹۰۰ ایرانی فضائی آلودگی کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔ بی بی سی: ۹ جنوری ۲۰۰۷‘‘

’’کراچی میں دن رات لاکھوں گاڑیاں اور صنعتیں دھواں اگلتی ہیں اس آلودہ فضا میں رہنے والے ڈیڑھ کروڑ انسانوں میں سے ہر سال سینکڑوں فضائی آلودگی کے سبب مارے جاتے ہیں۔ بی بی سی: ۲۰ جون ۲۰۰۷‘‘

’’عالمی موسمیاتی تنظیم نے اپنے سالانہ جائزے میں بتایا ہے کہ صنعتی انقلاب کے بعد سے فضا میں کاربن ڈائی اکسائیڈ کی مقدار میں چالیس فیصد اضافہ ہوا ہے۔ بی بی سی: ۲۴ نومبر ۲۰۱۲‘‘

الدجّال جنت۔ جدید سہولتوں سے مزین شہری معاشرے جو کہ الدجّال جنت ہے لیکن درحقیقت یہ جہنم ہے دھویں سے بھری ہوئی جس دھویں کی وجہ سے لاتعداد بیماریاں ہیں، اچانک اموات کی شرح بہت زیادہ، بےچینی، بےسکونی، بےاطمینانی بہت زیادہ ہے، ہر طرف بھاگم بھاگ ہے، پریشانیاں اور طرح طرح کے مصائب ہیں لیکن اس کے باوجود اکثریت کو یہ سب نظر ہی نہیں آتا وہ انہی معاشروں میں رہنے کے خواب دیکھتے ہیں انہیں یہ معاشرے جنت نظر آتے ہیں حالانکہ یہ نہ صرف دھوکہ ہے بلکہ اس کی حقیقت دنیا میں بھی جہنم اور آخرت میں بھی جہنم ہے۔
جو آج الدجّال جنت ہے یعنی جدید ٹیکنالوجی سے مزین معاشرے اسی ٹیکنالوجی اسی جدیدیت کی وجہ سے یہ زمین بالآخر جہنم بن جائے گی جس کے حق دار یہی انسان ہوں گے جو اسے جہنم بنا رہے ہیں جو الدجّال کو اپنا مسیحا بنائے ہوئے ہیں۔
الدجّال جہنم۔ ظاہراً دنیا میں الدجّال جہنم میں بہت سختیاں ہیں، الدجّال کی جہنم ہر وہ جگہ ہے جو فطرت پر ہے جہاں یہ ایجادات موجود نہیں ہیں جو محمد علیہ السلام کے وقت نہیں تھیں اور آج دنیا میں موجود ہیں ایسی جگہ حقیقتاً سرسبز باغات اور خامیوں، نقائص اور بیماریوں سے پاک ہے یوں وہ حقیقتاً دنیا میں بھی جنت یعنی سرسبز باغ ہے جہاں نہ صرف مشقت نہیں بلکہ بالکل آزادی ہے اور آخرت میں بھی جنت ہے اور اس کے علاوہ ہر وہ جگہ جہاں دین قائم ہو وہ الدجّال کی جہنم ہے۔
دین اللہ نے قرآن میں واضح کر دیا کہ فطرت ہے جہاں دین قائم کیا جائے گا یعنی جس جگہ کو فطرت پر لایا جائے گا تو شیاطین اور اولیاء الشیاطین کو اس سے بہت تکلیف ہو گی یوں وہ علاقہ ہر لحاظ سے جہنم کا منظر پیش کرے گا اس میں سختیاں، آزمائشیں ہوں گی، آگ و بارود کی بارش ہو گی لیکن درحقیقت وہ دنیا میں ایک

آزمائش ہوگی جس کے بدلے مومن درجات میں بلند ہوتا جائے گا اور وہی درجہ آخرت میں جنت میں پالے گا یوں الدجّال کی جہنم کی حقیقت آخرت میں جنت کے بلند درجات کا حصول ہے نہ کہ حقیقتاً جہنم ہے۔

ان راس الدجال من ورائہ حبک حبک و انہ سیقول انا ربکم، فمن قال انت ربی افتتن، و من قال کذبت، ربی اللہ، علیہ توکلت والیہ انیب، فلا یضرہ. مسند احمد، طبرانی، حاکم

اس میں کچھ شک نہیں الدجّال کا راس یعنی الدجّال کی چوٹی اس کا بلندترین مقام سامنے سے تجھے اپنی طرف کھینچے گا، اپنے قریب کرے گا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ قریب ہی کہے گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔ پس جس نے کہا تو میرا ربّ ہے وہ اس کے فتنے میں پڑ گیا اور جس نے کہا تو کذب کرتا ہے میرا ربّ اللہ ہے اسی پر توکل کرتا ہوں اور تیری حقیقت کھلنے پر اسی کی طرف پلٹتا ہوں پس الدجّال اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

راس. کسی شیئ کا بلندترین مقام، کسی شیئ کی چوٹی، انسانی جسم کی چوٹی، بلندترین مقام سر ہوتا ہے اس لیے سر کو بھی راس کہتے ہیں۔

ورائہ. اس کا سامنے والا حصہ

حبک. حب جمع ک۔

حب. کسی شیئ کو اپنے قریب کرنے یا اپنی طرف کھینچنے کو کہتے ہیں، مقناطیسی کشش کو بھی حب کہتے ہیں۔

ک. تجھے

رب. جس ذات نے خلق کیا اسے ہی علم ہے کہ کس مقصد کے لیے خلق کیا اور جس مقصد کے لیے خلق کیا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے خلق پر اس کا مقام اور ذمہ داری واضح کرنے والی ذات اور مخلوق کو اس کی تمام ضروریات خلق کر کے مہیا کرنے والی ذات۔ اسے ہی علم ہے کہ مخلوق کے لیے کیا فائدہ مند ہے اور کیا نقصان دہ ہے اس لیے جو حکم وہ ذات دے گی اسی پر عمل کیا جائے گا اور اسی کی خلق کی ہوئی ضروریات اختیار کی جائیں گی اور اگر اس کے علاوہ کسی اور کی خلق کی ہوئی ضروریات استعمال کیں یا کسی اور کی ہدایات پر عمل کیا تو وہی ذات ربّ کہلائے گی جس کی ہدایات پر عمل کیا اور جس کی خلق کردہ ضروریات استعمال کیں۔ یعنی ذات جو کسی شیئ کو جب اس کا وجود نہ ہو وجود میں لائے اس کے بعد اسے جس مقصد کے لیے وجود میں لایا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسے اس مقام پر لانا جس مقام پر آ کر وہ اس مقصد کو پورا کر سکے اور اس کی تمام تر ضروریات کو خلق کر کے اسے مہیا کرنے والی ذات۔ قرآن میں اللہ نے بچے کے لیے اس کے والدین کو ربّ کہا ہے جیسا کہ آپ اس آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا. بنی اسرائیل ۲۴

سورت بنی اسرائیل کی اس آیت میں اللہ نے والدین کو بچے کے لیے ربّ اس لیے کہا کیوں کہ جب بچے کا وجود نہیں ہوتا تو والدین اسے وجود دیتے ہیں اس کے بعد بچہ ہر لحاظ سے والدین کا محتاج ہوتا ہے والدین اس کی تمام ضروریات اسے مہیا کرتے ہیں اگر والدین اسے کھلائیں گے تو بچہ کھائے گا ورنہ بچہ بھوکا مر جائے گا خود سے کچھ بھی نہیں کر پائے گا بالکل اسی طرح بچے کی جتنی بھی ضروریات ہیں ہر لحاظ سے بچہ والدین کا محتاج ہوتا ہے اس لیے اللہ نے والدین کو بچے کے لیے اس کے ربّ کہا۔

جب ایک بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو وہ والدین کا محتاج ہوتا ہے یوں ایک شخص جب بچہ تھا تو اللہ اس کے والدین کی صورت میں اس کا ربّ تھا اور جیسے جیسے وہ خود مختار ہوتا جائے تو ویسے ویسے اللہ نے اسے خود کو فطرت کا محتاج بنانے کا حکم دیا کیونکہ باشعور اور بااختیار ہوتے ہیں۔ جیسے وہ پہلے والدین کا محتاج تھا تو اللہ اس کا ربّ تھا بالکل اسی طرح اب وہ اگر خود کو فطرت کا محتاج بنائے گا تو اس کا ربّ اللہ ہوگا ورنہ وہ خود کو جس کا محتاج بنائے گا جس پر انحصار کرے گا وہی اس کا ربّ کہلائے گا۔ اسی کا حکم اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر دیا کہ ہر طرف سے کٹ کر یک سو ہو کر فطرت پر قائم ہو جاؤ۔

افتتن، فتنہ. فتنہ کو سمجھنے کے لیے ایک مثال سے اس کی وضاحت کرتے ہیں مثال کے طور پر ایک ایسی شیئ ہو جو مارکیٹ میں بہت مقبول ہو کوئی بھی جائے بچہ ہو، بڑا ہو یا بوڑھا کوئی بھی جائے وہ قیمت ادا کرے گا اور اس شیئ کو لے آئے گا لیکن ایسا ہوا اب مارکیٹ میں وہی شیئ جعلی یعنی نقلی بھی آ جائے اور اتنی زیادہ

تعداد میں آجائے کہ اس کے مقابلے میں اصل بہت کم اور اصل کی پہچان بہت مشکل ہو جائے تو اب جو بھی خریدنے جائے گا ممکنہ طور پر نقلی ہی خرید کر لائے گا جس سے یہ علم ہو گیا کہ مارکیٹ میں اصل کے مقابلے میں نقلی شئے بھی آچکی ہے۔ کسی بھی شئے کی جب نقل تیار کی جاتی ہے وہ ایسی نہیں بنائی جاتی کہ وہ خود بول کر کہے کہ میں نقلی ہوں بلکہ نقل ایسی تیار کی جاتی ہے کہ اصل شئے بھی نقل کے مقابلے میں نقل نظر آتی ہے۔ ایسی صورت میں کوئی بھی شئے کو خریدنے جائے خواہ وہ کتنے ہی علم والا ہی کیوں نہ ہو اس پر امتحان آجائے گا کہ آیا ان میں سے کون سی اصلی ہے اور کون سی نقلی۔ اس طرح امتحان میں پڑنے کو فتن کہتے ہیں اور جو شئے اس کا باعث بنے وہ یعنی اصل کی نقل فتنہ کہلاتا ہے اور اس شئے یعنی نقل کو اختیار کر لینے کو فتنے میں پڑ جانا یعنی فتنے کا شکار ہو جانا کہلاتا ہے۔

کذبت. اللہ کی آیات ''تمام مخلوقات سمیت ہر وہ شئے جس سے انسان اللہ کو جان سکے اللہ کو پہچان سکے جن کے پیچھے پڑنے سے اللہ کی ذات سامنے آجائے'' ان تمام مخلوقات یعنی آسمانوں و زمین میں جو کچھ بھی ہے جو کہ اللہ کی آیات ہیں کو تسلیم کرنے کی بجائے ان سے کفر کرنا ان میں چھیڑ چھاڑ کرنا ان میں فساد کرنا، انہیں اپنی مرضی کے مقاصد کے لیے استعمال کرنا جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی بلکہ سختی سے منع کیا ہے جس وجہ سے اللہ کی آیات یعنی مخلوقات میں خرابیاں پیدا ہوں فساد ہو۔

توکل. ہر لحاظ سے مکمل طور پر کسی پر انحصار کرنا، ہر معاملے میں یا کسی بھی معاملے میں کسی کا محتاج بننا خواہ آپ کو تکالیف و مصائب کا ہی سامنا کیوں نہ کرنے پڑے یا خواہ آپ کی ضروریات پوری نہ ہو آپ کو صبر یا قناعت کرنا پڑے۔

انیب. فتنے میں پڑنے کے بعد یعنی فتنے کا شکار ہو جانے کے بعد جیسے ہی اصل کا حق کا علم ہو جائے تو بغیر کسی حیلے بہانے کے فوراً اس کو ترک کر کے حق کی طرف پلٹنا یعنی آپ اپنی طرف سے حق کی اتباع کر رہے ہوں آپ یہی سمجھ رہے ہوں کہ جو آپ کر رہے ہیں جو سمجھ رہے ہیں وہ حق ہے لیکن حقیقت یہ نہ ہو بلکہ حقیقت یہ ہو کہ آپ فتنے کا شکار ہوں اور جیسے ہی آپ پر حق واضح ہو جائے آپ بغیر کسی چوں چراں کے فوراً اسے ترک کر کے حق کی طرف پلٹیں اسے عربی میں انیب کہا جاتا ہے۔

محمد علیہ السلام نے کہا کہ الدجّال کا راس تجھے تیرے بالکل سامنے سے اپنی طرف کھینچے گا تو آج آپ پر فرض ہے کہ آپ غور و فکر کریں اور جانیں کہ الدجّال کا راس کیا ہے؟ راس کسے کہتے ہیں؟ پیچھے یہ واضح کیا جا چکا کہ راس عربی میں کہتے ہیں کسی بھی شئے کے بلند ترین مقام کو اس کی چوٹی کو اس کی پیک کو۔ اور یہ بھی آپ پر کھول کھول کر واضح کیا جا چکا کہ الدجّال انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ طرح طرح کی مخلوقات ہیں تمام کی تمام اشیاء اور مشینیں جنہیں انسان اپنے لیے مسیحا سمجھتا ہے یعنی فائدہ مند اور ترقی سمجھتا ہے، موجودہ جدید ٹیکنالوجی ہے صنعتی انقلاب ہے۔

اور آج جب آپ غور و فکر کریں تو الدجّال کا راس بالکل واضح ہے۔ انسان کی خلق کردہ مخلوقات الدجّال یعنی ٹیکنالوجی کا راس جو کہ اس کا بلند ترین مقام ہے، اس کا بلند ترین مقام اس وقت سیٹلائٹ ہے جو خلاء میں زمین کے گرد گھوم رہی ہیں اور بلند ترین ٹاورز ہیں اور الدجّال کا یہی راس انسان کے سامنے سے اسے اپنی طرف کھینچتا ہے۔

الدجّال کا راس جو سب سے بلند ترین مقام ہے جو چوٹی ہے وہ سیٹیلائیٹ ہے جو خلا میں زمین کے گرد تیر رہی ہے اس کے علاوہ ٹاورز ہیں اور الدجّال کا یہ راس آج حیران کن طور پر انسان کے بالکل سامنے سے اسے اپنی طرف کھینچتا ہے اسے الدجّال کو اپنا ربّ بنانے کی دعوت دیتا ہے۔ جسے آج آپ ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ اور ریڈیو وغیرہ سمیت ٹیلی کمیونیکیشن سسٹم یعنی مواصلاتی نظام کا نام دیتے ہیں یہ سارے کا سارے میڈیا یہ مواصلاتی نظام سیٹلائٹس اور اونچے لمبے لمبے کھمبے جو کہ الدجّال کا راس ہے کا ہی حصہ ہیں اسی سے ہی کام کرتے ہیں۔

پوری دنیا کا مواصلاتی نظام، میڈیا ٹی وی چینلز، انٹرنیٹ، فون وغیرہ انہی سیٹلائٹس اور ٹاورز سے ہی چل رہے ہیں۔ سیٹلائٹ سے بچھائے گئے نیٹ ورک کے ذریعے ٹی وی چینلز چلتے ہیں جو انسان کو طرح طرح کی کمرشلز سے اور پروگراموں کے ذریعے اللہ سے دور اور اس ٹیکنالوجی کے قریب کرتے ہیں اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

ایک طرف الکتاب ہے جو انسان کو فطرت پر قائم ہونے کی دعوت دیتی ہے اللہ کے قریب کرتی ہے اور دوسری طرف یہی میڈیا جو انسان کو اللہ پر توکل کرنے کی بجائے فطرت پر قائم ہونے کی بجائے ٹیکنالوجی پر انحصار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ سب کچھ کھلم کھلا آج آپ کے سامنے ہے اسے سمجھنا بالکل بھی مشکل نہیں۔

یہی میڈیا انسان کو رزق کے لیے زمین سے اگانے، جسم ڈھانپنے کے لیے کپڑا بننے، رہنے کے لیے گھر بنانے، روزگار کے ذرائع کے لیے، سفر کے ذرائع کے لیے، دانتوں کی صفائی ہو یا جسم کی صفائی، برتن دھونے ہوں یا کھانا پکانا ہو، کسی سے رابطہ کرنا ہو یا کسی چھوٹی سی چھوٹی سطح پر بھی کوئی کام کرنا مقصود ہو تو اللہ پر توکل کرنے یعنی اللہ کے دیئے ہوئے ذرائع پر انحصار کرنے کی بجائے ٹیکنالوجی پر انحصار کرنے کی دعوت دیتا ہے اور انسانوں کی اکثریت اس کی طرف کھینچی چلی جاتی ہے جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے یہی تو ہے کسی کو ربّ بنانا۔

ٹیکنالوجی جو کہ الدجّال ہے یہ الدجّال ہی تو ہے میڈیا ٹیکنالوجی کی صورت میں جو الدجّال یعنی ٹیکنالوجی کو ہی ربّ بنانے کی دعوت دے رہا ہے اپنے ربّ ہونے کا عملاً اعلان کر رہا ہے اور ہر کوئی اس کے واضح ہونے کے باوجود اندھا بنا ہوا ہے۔

یہ میڈیا ہر معاملے میں انسان کو اللہ سے بغاوت اور الدجّال کی غلامی پر ابھارتا ہے اور لوگ اسی کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اپنی سوچیں، کھانا پینا، رہن سہن، لباس، معاشرہ حتیٰ کہ سب کچھ طے کرتے ہیں اور اسی میڈیا کی دعوت کی حقیقت کھلنے پر بندہ سب سے پہلے اسی سے ہی نفرت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تُو کذاب ہے تُو ہر شئے کا صرف ایک ہی رخ دکھاتا ہے۔ مجھ پر ہر شئے کا دوسرا رخ واضح ہو چکا جس سے تیری حقیقت مجھ پر کھل چکی ہے اس لیے میں اب اللہ ہی پر توکل کروں گا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ یہ تو بہت ہی مختصر وضاحت ہے باقی غور و فکر کرنے کے دروازے آپ پر کھلے ہیں آپ جتنا جی چاہیں گہرائی تک غور و فکر کر کے جان سکتے ہیں۔

مزید آسانی سے سمجھنے کے لیے تصاویر سے راہنمائی لیں۔ الدجّال کا راس یعنی ٹیکنالوجی جدید سائنسی ایجادات کا بلند ترین مقام، اس کی چوٹی۔
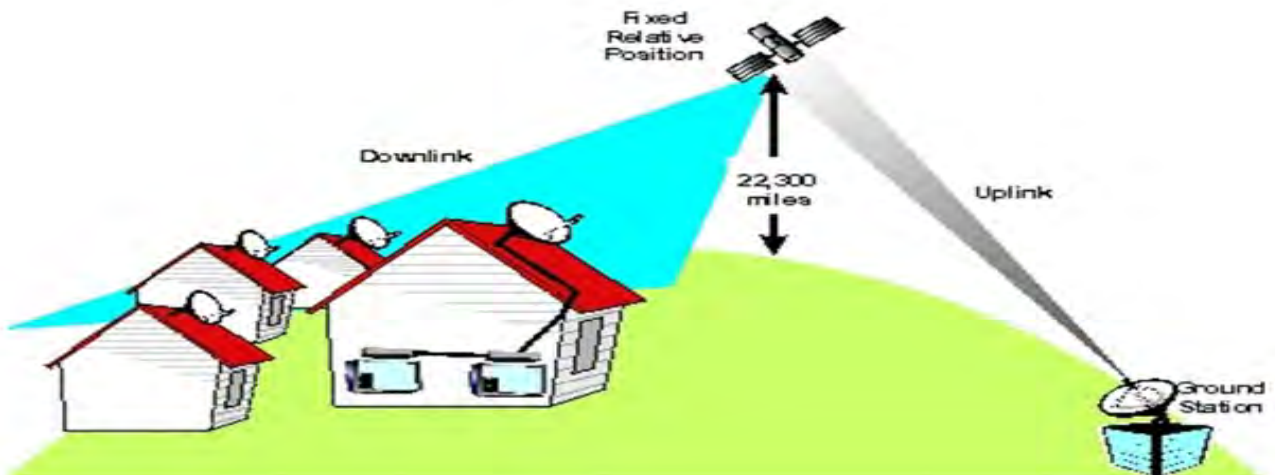
ایک طرف اللہ اپنی آیات میں رات، دن، اٹھے، بیٹھے، لیٹے ہر حال میں غور وفکر کرنے کا حکم دے رہا ہے کہ اپنا وقت اللہ کی آیات میں غور وفکر کرنے میں گزارو اور دوسری طرف یہ الدجّال کا راس انٹرنیٹ، فلموں، ڈراموں اور طرح طرح کے وقت ضائع کرنے والے پروگراموں اور گیموں وغیرہ میں مگن ہو کر اللہ کا دیا ہوا وقت ضائع کرنے کی دعوت دیتا ہے یہاں تک کہ کھانا کیا ہے، پینا کیا ہے، پہننا کیا ہے، اٹھنا، بیٹھنا کیسے ہے، ماحول کیسا ہونا چاہیے، معاشرہ کیسا ہونا چاہیے، کیا فائدے مند ہے اور کیا نقصان دہ ہے سمیت ہر معاملے میں انسان کی راہنمائی کا دعویدار ہے اور انسانیت نے اس معاملے میں بھی کس کو اپنا ربّ تسلیم کیا حقیقت آپ کے سامنے ہے۔ آج اس میڈیا کو نبی کا درجہ دے دیا گیا ہے جو یہ کہتا ہے اسی پر آنکھیں بند کر کے نہ صرف اعتماد کیا جاتا ہے بلکہ اسی پر عمل بھی کیا جاتا ہے۔

یہ الدجّال کا راس یعنی یہی میڈیا انسانوں کے بالکل سامنے سے انہیں یہ کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں یعنی اپنی تمام تر ضروریات مجھ سے ہی حاصل کرو مجھ سے ہی پوری کرو۔ وہ رزق کھاؤ جو مشینوں کا ہی بنایا ہوا ہے جو انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے فطرت میں مداخلت کر کے خلق کیا گیا ہے اپنی سواری کی ضروریات پوری کرنے کے لیے انہی مشینوں یعنی الدجّال پر ہی توکل کرو اسی پر انحصار کرو، تمہارے پہننے کے لیے کپڑا ہو یا جوتے، کھانے کی اشیاء ہوں یا پینے کی یہاں تک کہ تمہاری جتنی بھی ضروریات ہیں انہیں پورا کرنے کے لیے الدجّال یعنی انسان کی اپنے ہی ہاتھوں سے اللہ کے مقابلے پر خلق کردہ اشیاء اور مشینوں پر ہی توکل کرو انہی پر انحصار کرو۔ تو محمد علیہ السلام نے کہا کہ الدجّال کے راس کے جواب میں جس نے یہ کہا کہ تو ہی میرا ربّ ہے یعنی جس نے خود کو فطرت کی بجائے انہی مصنوعی اشیاء سے اپنی ضروریات پوری کیں خود کو انہیں مشینوں کا محتاج بنایا خود کو الدجّال کا محتاج بنایا اسی پر توکل کیا یعنی اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اسی پر انحصار کیا تو وہ اس فتنے کا شکار ہو گیا۔

فتنہ کسے کہتے ہیں پیچھے آپ جان چکے آپ پر واضح کر دیا گیا کہ فتنہ اصل کے مقابلے پر نقل کا آ جانا جس کی وجہ سے اصل اور نقل کی پہچان مٹ جائے اور اصل کی پہچان امتحان بن جائے۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا، تمام مخلوقات سمیت اس بشر یعنی آپ کو بھی خلق کیا تو کیا اللہ یہ بھول گیا تھا کہ آپ کی ضروریات کیا ہیں؟ یا پھر اللہ کو یہ ہی علم نہ تھا کہ انسان کے لیے کیا فائدہ مند اور کیا نقصان دہ ہے؟ یا پھر اللہ کو یہ ہی علم نہ تھا کہ انسان کی ضروریات کیا ہیں؟ یا پھر اللہ نے انسان کے لیے جو ضروریات خلق کیں وہ انسان کے لیے ناکافی تھیں یا اللہ سے غلط خلق ہو گئیں؟

قرآن میں اللہ نے کہا کہ اللہ نے کسی بھی شئے میں فرط نہیں کیا یعنی اللہ نے جو کچھ بھی خلق کیا وہ بالکل پرفیکٹ ہر لحاظ سے مکمل اور ہر طرح کے نقائص، خامیوں، کجیوں اور کوتاہیوں سے پاک خلق کیا اور پھر اللہ کو یہ بھی علم تھا کہ ان کی ضروریات کیا ہیں تو اللہ ان کی ضروریات خلق کرنا بھول نہیں گیا تھا اس نے ہر ایک کی تمام کی تمام ضروریات بھی خلق کیں جو کہ ہر لحاظ سے مکمل اور احسن خلق کیں وہ خالق ہے تو اسے ہی علم ہے کہ کس کے لیے کیا فائدہ مند اور کیا نقصان دہ ہے اس لیے اس نے صرف اور صرف وہی خلق کیا جو احسن ہے جو ہر لحاظ سے فائدہ مند ہے جیسا کہ آپ سورت الانعام کی درج ذیل آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُکُمۡ مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ یُحۡشَرُوۡنَ.

الانعام ۳۸

اور نہیں جتنے بھی دابہ ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی یعنی زمین میں جتنی بھی حرکت کرنے والی مخلوقات ہیں جو تیر کر، رینگ کر، چل کر اوراڑ کر حرکت کرتی ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی حرکت کرنے والی مخلوق ایسی نہیں اور نہ ہی جتنے بھی فضاؤں میں خلاوں میں تیرنے والے ہیں اپنے پروں سے فضا میں تیرتے ہیں مگر وہ امم یعنی دنیا کا نظام چلانے کے لیے کسی نہ کسی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے منظّم ترین گروہ ہیں بالکل اسی طرح جیسے تم ہو۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ زمین میں تمام کے تمام جاندار حرکت کرنے والے اوراڑنے والے جتنے بھی جاندار ہیں وہ بغیر کسی مقصد کے خلق کردیئے گئے جو ایسے ہی آوارہ اِدھر اُدھر گھوم رہے ہیں اور ان کی کوئی ضروریات نہیں ہیں یا ان کو کوئی فکریں نہیں یا ان پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ وہ تمام کے تمام منظّم ترین گروہوں کی حیثیت سے اپنی اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے پورا کررہے ہیں اور ان کی بھی بالکل تمہاری ہی طرح کی ضروریات ہیں تو کیا تم نے کبھی ان کو ایسا کرتے دیکھا جیسا تم کر رہے ہو؟ یعنی جیسے تم اللہ کے ہر کام میں مداخلت کررہے ہو اور عذر یہ پیش کرتے ہو کہ تم اپنی ضروریات خلق کررہے ہو کیا وہ مخلوقات ایسا کر رہی ہیں؟ وہ ایسا کیوں نہیں کررہیں؟ کیا ان کی ضروریات نہیں؟ کیا ان کو حاجات لاحق نہیں جیسے تم کو ہیں؟ جب ان کو بھی ضروریات وحاجات لاحق ہیں تو پھر وہ ایسا کیوں نہیں کررہیں جیسا تم کررہے ہو بلکہ وہ تو اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے میں مصروف ہیں تاکہ آسمانوں وزمین میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو ان کی لاپرواہی سے آسمانوں وزمین کے نظام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ ان کو کیوں ایسا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی جو تم کررہے ہو؟ فطرت نے تمہیں جو کچھ بھی مہیا کیا اسے ترک کرکے اس کے شریک بنتے ہوئے اس میں مداخلت کرتے ہوئے اس میں تبدیلیاں کرتے ہوئے اپنی ضروریات خود اپنی مرضیوں کیمطابق خلق کر رہے ہو آخر تمہیں اس کی ضرورت کیوں پیش آئی کیا صرف تم ہی ہو آسمانوں وزمین میں؟ یا باقی سب کی جو ضروریات تھیں وہ تو ہم نے خلق کردیں اور تمہاری خلق کرنا بھول گئے جو تم خود کررہے ہو؟ یا ہم نے تمہاری ضروریات کو خلق کرتے وقت کوئی کوتاہی برتی، کوئی کمی، کجی یا نقص چھوڑ دیا؟ یا نامکمل خلق کیں؟ آخر کیوں تم ایسا کررہے ہو؟ آگے اللہ اس کا جواب یوں دیتا ہے مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ نہیں فرط کیا ہم نے الکتاب میں کسی ایک بھی شئے سے یعنی آسمانوں اور زمین میں کسی بھی شئے سے۔ مطلب یہ کہ اللہ نے جو کچھ بھی خلق کیا وہ بالکل پرفیکٹ یعنی کامل ہرلحاظ سے مکمل اور ہر طرح کے نقائص، خامیوں، کجیوں اور کوتاہیوں سے پاک خلق کیا اور پھر اللہ کو یہ بھی علم تھا کہ ان کی ضروریات کیا ہیں تو اللہ ان کی ضروریات خلق کرنا بھول نہیں گیا تھا اس نے ہر ایک کی تمام کی تمام ضروریات بھی خلق کیں جو کہ ہرلحاظ سے مکمل اوراحسن خلق کیں وہ خالق ہے تو اسے ہی علم ہے کہ کس کے لیے کیا فائدہ مند اور کیا نقصان دہ ہے اور اس نے ہر ایک کے لیے نہ صرف اس کی تمام کی تمام ضروریات خلق کیں اور کررہا ہے بلکہ ایسی ضروریات خلق کرکے فراہم کررہا ہے جن میں ہرلحاظ سے فائدہ ہی فائدہ ہے تو اس کے باوجود جب تم ایسا کررہے ہو تو پھر ایسا ہرگز نہیں کہ تم یہ سب کرتے رہو اور کوئی تم سے اس بارے میں پوچھے گا نہیں بلکہ جان لو ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ یُحۡشَرُوۡنَ پھر ان کے یعنی وہ جو ایسا سب کررہے ہیں اس وقت دنیا میں موجود ہیں جن کے بارے میں آج سے چودہ صدیاں قبل بتادے دی گئی تھی یہ موجودہ لوگ ربّ کی طرف ہی اکٹھا کیے جارہے ہو یعنی تمہیں یہاں جو ایک محدود متعین مدت دی گئی ہے جیسے ہی یہ ختم ہوگی تو تمہیں ان تمام مخلوقات کے ربّ کی طرف اکٹھا کیا جائے گا تب تم سے پوچھا جائے گا کہ کیا تمہارے ربّ نے تمہاری ضروریات نہیں خلق کی تھیں جو تم کو خود سب کچھ خود خلق کرنا پڑا؟ کیا تمہارے ربّ نے کوئی کوتاہی کردی تھی؟ کوئی لاپرواہی کردی تھی، کچھ غلط خلق کردیا تھا؟ عیب دار خلق کردیا تھا یا پھر وہ تمہیں خلق کرکے تمہاری ضروریات کو خلق کرنا ہی بھول گیا تھا؟

تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے آسمانوں اور زمین میں جو فساد ہوا جو خرابیاں اور ان کی وجہ سے جو تباہیاں آئیں جو باقی مخلوقات کو اللہ کے عباد کو قناعت کرنا پڑی ان کو مصائب وآزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا آج تمہیں ایک ایک رائی کا حساب دینا ہوگا اور اس کے نتائج کو بھگتنا ہوگا۔

اللہ نے مخلوقات کو خلق کیا تو کیسے؟ اور ان کی ضروریات کو کیسے خلق کیا؟ جب غور وفکر کریں تو ہر بات کھل کر واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان سب کے سب کو پورے علم اور حکمت یعنی حساب کتاب کے ساتھ ایک پیچیدہ ترین مشین کی مانند خلق کیا۔ مخلوقات کی ضروریات بھی

اسی نظام سے ہی خلق ہوتی ہیں جسے ہم فطرت کہتے ہیں۔ فطرت پر قائم ہونا تھا یہ اصل شئے تھی اصل دین تھا دنیا میں آنے کا اصل مقصد و امتحان تھا تو کیا آج آپ اپنی ضروریات فطرت سے حاصل کر رہے ہیں فطرت پر قائم ہیں؟ یا پھر آج فطرت کے مقابلے پر مصنوعی اشیاء کی بھرمار ہے۔ مصنوعی جو کہ اصل کے مقابلے پر نقل ہیں اور یہ فتنہ ہے انسانوں کو اصل کا علم ہی نہیں اور وہ چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے بھی اس فتنے کا شکار ہیں، اپنا ربّ الدجّال کو بنائے ہوئے ہیں؟ اور جب کسی پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے یہ دجل چاک ہو جاتا ہے اس کے نزدیک اس الدجّال کا قتل ہو جاتا ہے یعنی اس پر یہ دھوکا واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سب مصنوعی اشیاء جو فطرت کی ضد ہیں یہ انسان کے لیے، یہ میرے لیے مسیحا نہیں فائدہ مند نہیں بلکہ دنیا و آخرت میں تباہی کا سبب ہیں تو ایسے شخص کے بارے میں محمد علیہ السلام نے کہا تھا و من قال کذبت، ربی اللہ، علیه توکلت و الیه انیب، فلا یضره اور جو الدجّال کے راس کی اس دعوت کہ میں تمہارا ربّ ہوں کے مقابلے پر یہ کہے گا کہ کذبت یعنی تو میرا ربّ نہیں تو اللہ کی مخلوقات اللہ کے کاموں میں مداخلت کر رہا ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان سب کے سب کو فساد زدہ کر رہا ہے تیری وجہ سے آسمانوں اور زمین میں طرح طرح کی تباہیاں آ رہی ہیں تیری وجہ سے بیماریاں و آزمائشیں آ رہی ہیں تیری وجہ سے دنیا کے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں اس لیے تُو میرا ربّ نہیں بلکہ میرا ربّ اللہ ہے۔

یعنی میں اپنی ضروریات انسان کی خلق کردہ ان مصنوعی اشیاء سے پوری نہیں کروں گا میں خود کو فطرت کی بجائے مصنوعی اشیاء کا محتاج نہیں بناؤں گا بلکہ میرا ربّ اللہ ہے یعنی میں اپنی تمام تر ضروریات فطرت سے پوری کروں گا خود کو فطرت پر قائم کروں گا اور اپنی حاجات و ضروریات کو پورا کرنے کے لیے فطرت پر ہی انحصار کروں گا۔ پہلے میں تجھے اپنا ربّ بنائے ہوئے تھا وہ اس لیے کہ میں بھی باقی انسانوں کی طرح تجھے اپنے لیے مسیحا سمجھتا تھا اس ٹیکنالوجی کو صنعتی انقلاب کو انسان کے لیے ترقی سمجھتا تھا لیکن اب مجھ پر یہ دجل واضح ہو چکا ہے میرے نزدیک اس الدجّال کا قتل ہو چکا ہے یعنی ان اشیاء پر پڑا دجل کا پردہ چاک ہو چکا ہے اس لیے اب میں بغیر کسی حیلے بہانے کے اپنے ربّ کی طرف پلٹتا ہوں۔

تو محمد علیہ السلام نے کہا کہ پس الدجّال اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یعنی پہلے وہ الدجّال کو ربّ بنانے کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریوں، تکالیف، مصائب، الجھنوں، پریشانیوں وغیرہ کا شکار تھا انسانوں کی غلامی کا شکار تھا رات دن الدجّال کی غلامی میں دھنسا ہوا تھا آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں تھا تو اب اس کے لیے یہ سب نہیں ہوگا وہ ہر لحاظ سے آزاد شخص ہوگا۔

آپ سب پر فرض ہے کہ غور و فکر کریں اور دیکھیں کہ کیا آپ الدجّال کو اپنا ربّ نہیں بنائے ہوئے؟ کیا آپ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے فطرت پر انحصار کرتے ہیں یا پھر اللہ کے مقابلے پر یعنی فطرت کے مقابلے پر انسان کی اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ طرح طرح کی اشیاء پر انحصار کر رہے ہیں جو کہ فطرت نہیں بلکہ فطرت کی ضد ہیں؟ کیا کبھی آپ نے غور کیا کہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جس شئے پر آپ انحصار کر رہے ہیں جسے اختیار کر رہے ہیں وہ کیسے وجود میں آئی؟ اس کی تخلیق سے آسمانوں اور زمین میں کس قدر فساد ہوا؟ کتنی مخلوقات کا قتل ہوا؟ اور آسمانوں و زمین میں اللہ کے قائم کردہ میزان میں کتنا خسارہ ہوا؟ اور یہ سلسلہ مسلسل لگا تار آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے؟

غور کیجیے اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے آج آپ کے پاس وقت ہے جب یہ وقت ختم ہو جائے گا تو پھر سوائے پچھتاوے کے کچھ نہ رہے گا۔ الدجّال کے راس کو پہچانیں یہ رات دن کیا دعوت دے رہا ہے؟ کسے اپنا ربّ بنانے کی طرف دعوت دے رہا ہے؟

بہت سے لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ کیا ہم اس سائنسی اور ترقی یافتہ دور کو چھوڑ کر پتھر کے دور میں چلے جائیں؟ کچھ انسان تو ایسا سوال بے بسی کے عالم میں ضرورت کے تحت کرتے ہیں لیکن اکثریت بطور طنز ایسا سوال کرتی ہے ایسی اکثریت خود کو عقل مند اور سامنے والے کو بے وقوف سمجھتی ہے لیکن حقیقت میں بے وقوف کون ہے یہ جاننا بالکل بھی مشکل نہیں ہے۔

پتھر کے دور سے ان لوگوں کی مراد یہ ہوتی ہے کہ آج اس مشینی دور کے برعکس آج سے چند صدیاں پہلے کا دور جسے یہ لوگ پتھر کا دور کہتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا کہ سمندر، درخت، چرند پرند، پھل، پھول، پودے سرسبز باغات سمیت طرح طرح کی مخلوقات یعنی جنت کا منظر پیش کرتی دنیا ان لوگوں کو پتھر کا دور نظر آتی ہے جس میں نہ زلزلے، نہ طوفان، جس میں نہ بیماریاں نہ انسان انسان کا غلام، جس میں رشتے ناطوں کی قدر اور اپنی جان سے زیادہ دوسرے کی جان کی فکر، کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں ہر کوئی آزاد اور مشقت سے آزاد، کوئی دشمنی نہیں، کوئی حسد، بغض نہیں، کوئی فرقہ بندی و گروہ بندی نہیں، کسی کو کسی سے کوئی ڈر اور خوف نہیں،

کوئی سرحدوں کے نام پر قید خانے نہیں اس طرح اگر بات کی جائے تو خصوصیات کے انبار لگتے جائیں الفاظ ختم ہو جائیں مگر خصوصیات وصفات ختم نہ ہوں اسے یہ لوگ پتھر کا دور کہتے ہیں۔ بات کرتے ہیں سائنس کی اور رات دن سائنس سائنس کے رٹے لگاتے ہیں سائنس کے ورد کرتے ہیں، سائنس تو کہتے ہیں علم کو تو اے عقل کے اندھو تمہاری سائنس تمہارا علم جسے تم ترقی کہتے ہو وہ تو خود پتھر کے دور کا محتاج ہے۔ کبھی غور تو کرو یہ زمین کا اگانا کیا یہ سائنس کی انتہاء نہیں؟ ایک درخت میں کتنی سائنس ہے اس کو جاننے کے لیے تمہاری سائنس بے بس ہے تمہارے بنائے ہوئے جدید ترین آلات ایک پتے کی گہرائیوں میں دیکھنے کے باوجود اندھے ہیں ان کی دیکھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے مگر پتے کی گہرائی نہیں۔ دیکھو یہ طرح طرح کے رنگ برنگے پھول یہ چہچہاتے ہوئے پرندے کیا یہ سائنس کی انتہاء نہیں؟ سمندروں میں تیرتی ہوئی مچھلیاں ہوں یا پھولوں پر اڑتی تتلیاں یہ سائنس کی انتہاء نہیں؟ دیکھو زمین کی گہرائیوں کو اس کی پیچیدگیوں کو اتنے بڑے ترقی کے دعویدار ہونے کے باوجود تمہاری ترقی تمہاری مشینیں اندھی اور بے بس کیوں ہو جاتی ہیں کیا یہ سائنس کی انتہاء نہیں؟ میرے ربّ کی خلق کو پتھر اور جہالت کا دور کہتے ہو اور اس کا شریک بنے ہوئے یعنی اس کے کاموں میں مداخلت کرتے ہوئے دنیا کو جہنم بنا کر اسے ترقی کا نام دیتے ہو؟

جسے تم پتھر کا دور کہتے ہو عقل کے اندھو دنیا کی تخلیق اور اس کے نظام کو چلتے ہوئے کھرب ہا سال گزر ے لیکن ایک رائی برابر بھی خامی یا خرابی نہیں ہوئی لیکن جسے تم ترقی وخوشحالی کا نام دیتے ہو تم جیسے انسانوں نے زمین پر جیسے ہی قدم رکھا جیسے ہی تم جیسے انسان زمین پر پدھارے تو زمین کا سارا نظام ہی درہم برہم کر دیا۔ میرے ربّ نے زمین کا توازن قائم کرنے کے لیے پہاڑوں کو وجود دیا وہ سائنس نہیں پتھر کا دور اور تم نے انہی پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر زمین کا توازن بگاڑ دیا جس سے زمین زلزلوں وتباہیوں کی لپیٹ میں چلی گئی یہ دور ترقی کا دور ٹھہرا؟ واہ کیا سائنس وترقی ہے تمہاری۔

میرے ربّ نے انسانوں کی ضروریات خلق کیں ان کے استعمال سے کبھی کوئی بیماری لاحق نہ ہوئی انسان کو، کوئی خرابی نہ ہوئی یہاں تک کہ پیٹ تک نہ پھولا اور یہ حضرت انسان ہے کہ اسی ربّ کے کاموں میں مداخلت کر کے اسی کی مخلوقات کو فساد زدہ کرتا ہے اور پھر الٹا الزام اسی پر عائد کرتا ہوا خود کو ترقی وخوشحالی پسند قرار دیتے ہوئے مزید فساد کے لیے اپنی راہ ہموار کرتا اور اپنے ہمنوا تیار کرتا ہے۔

آج جو تم مصنوعی طریقوں سے خلق کر کے ترقی کے دعوے کر رہے ہو اس ترقی کی پول تو ہم ہر لحاظ سے کھولیں گے لیکن یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اے حضرت مفسد انسان جس علم کی بنیاد پر تو ترقی کا دعویدار بنا پھرتا ہے اس علم کے حصول کے لیے بھی تو اسی پتھر کے دور کی مخلوقات کا ہی محتاج ہے۔ انہی کی چیر پھاڑ کر کے جو قوانین فطرت دریافت کرتا ہے اسی کی بنیاد پر تیرا دعویٰ کھڑا ہے ذرا اپنے نیچے اپنی بنیاد کی طرف تو جھانک؟

اے حضرت مفسد انسان پہلے اپنی اوقات تو بتا تیرا اپنا وجود ہی اسی دور سے مشروط ہے جسے تو پتھر وجہالت کا دور کہتا ہے؟

اے حضرت مفسد انسان تجھے جو وقت دیا تھا جو مدت تیرے لیے معین کی تھی جان لے وہ مدت آج پوری ہو چکی اب تو صرف اتنا ہی وقت ہے جتنا خواب کے دوران بیدار ہونے میں ہوتا ہے۔

اے حضرت مفسد ترقی کا دعویدار انسان تو کتنا عقل مند ہے اس کا اندازہ کیا لگانا تیرے اعمال خود چیخ چیخ کر تیری عقل مندی کی پول کھول رہے ہیں۔ ترقی کے نام پر ایک دعویٰ کرتا ہے ایک منصوبہ بندی کرتا ہے جب اس پر عمل کرتا ہے تو وہی منصوبہ بندی الٹا تیرے گلے پڑ جاتی ہے اور پھر بہانہ یہ بناتا ہے کہ جو پہلو آج عمل کے ذریعے سامنے آیا جس وجہ سے نقصان کا سامنا کرنا پڑا وہ پہلو تھیوری کے وقت سامنے نہیں آسکا اس لیے نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ اے حضرت مفسد ترقی کے دعویدار انسان چل تیرا یہ بہانہ قبول کیا لیکن یہ کیا جب تو آئندہ غلطی نہ کرنے اور اپنی تھیوری کے پرفیکٹ ہونے کے دعوے کیساتھ جب عمل کے میدان میں اترتا ہے تو پھر وہی ہوتا ہے اور یہی کرتے کرتے تُو نے آج اس دنیا کی کسی ایک مخلوق کو بھی سلامت نہیں چھوڑا۔ پوری دنیا، آسمانوں وزمین کو فساد زدہ کر دیا ان میں خرابیاں کر دیں زمین کی ایسی حالت کر دی کہ عنقریب اس کا انجام وہی جہنم ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔

رسول الله ﷺ قال: كأن رأسه غصن شجرة. البدايه والنهايه

رسول اللہ ﷺ نے کہا: الدجّال کا راس ہو گا جیسے درخت کی شاخ۔

راس کہتے ہیں کسی بھی شئے کی چوٹی یا بلندترین مقام کو جیسے آپ کے جسم کا بلندترین مقام سر ہے جب یہ لفظ کسی بشر کے لیے استعمال ہوگا تو اس کے معنی بشر یعنی آپ کا سر کے ہوں گے۔

الدجّال کا راس یعنی الدجّال کا بلندترین مقام کیا ہے جب آپ غور کریں تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ الدجّال جو کہ ٹیکنالوجی ہے صنعتی انقلاب ہے موجودہ جدیدیت ہے تمام کی تمام سائنسی ایجادات یہ مشینیں جنہیں انسان ترقی و خوشحالی کا نام دیتے ہیں ان کا بلندترین مقام یعنی ٹیکنالوجی کا بلندترین مقام خلا میں تیرتی ہوئی سیٹلائٹس ہیں اور لمبے لمبے کھمبے یعنی ٹاورز ہیں۔

الدجّال جو کہ آج کا میڈیا ہے، ٹی وی ہے، ریڈیو ہے، ٹیلی فون وغیرہ ہیں ان سب کا بلندترین مقام ان کا انٹینا ہوتا ہے اور وہ بالکل ایسے ہے جیسے درخت کی شاخ ہو۔ تصاویر میں دیکھیں۔
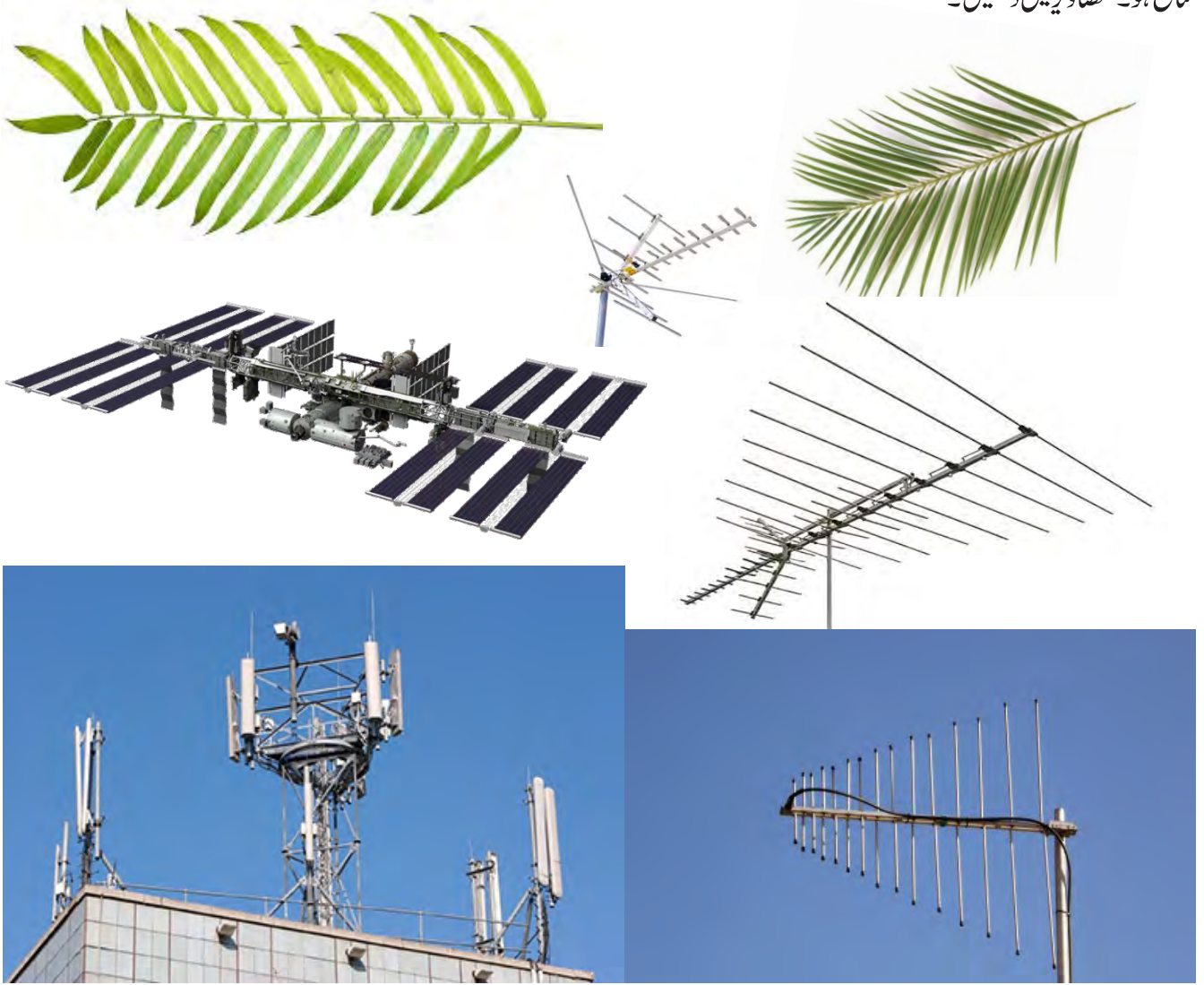
آپ ذرا تصور کریں کہ انٹینا ز کے بارے میں آج سے چودہ صدیاں قبل بات کرنا مقصود ہوتا جب کہ اس کا کوئی وجود اور تصور تک بھی نہیں تھا تو اس سے بہتر کوئی الفاظ ہو سکتے ہیں جو محمد علیہ السلام نے اس وقت استعمال کیے؟ انٹینا ز یعنی الدجّال کے راس جتنے بھی ہیں وہ کسی نہ کسی درخت کی شاخ سے ضرور مماثلت رکھتے ہیں۔

رسول الله ﷺ قال: انه خارج خلة بين الشام والعراق فعاث يميناً وعاث شمالاً، يا عباد الله! فاثبتو، قلنا: يا رسول الله ﷺ! ما لبثه فى الارض؟ قال: اربعون يوماً، يوم كسنةٍ ويوم كشهرٍ ويوم كجمعةٍ وسائر ايامه كايامكم، قلنا يا رسول الله ﷺ! فذلك اليوم كسنةٍاتكفينا فيه صلاة يومٍ، قال: لا، اقدروا له قدره، قالوا: وما اسراعه فى الارض؟ قال: كالغيث استدبرته الريح، فياتى على القوم فيد عوهم فيومنون به ويستجيبون له، فيامر السماء فتمطر والارض فتنبت، فتروح عليهم سارحتهم اطول ما كانت ذرى واسبغه ضروعاً وامده خواصر، ثم ياتى القوم فيدعوهم فيردون عليه قوله فينصرف فيصبحون ممحلين ليس بايديهم شئى

من اموالهم، ویمر بالخربة فیقول لها: اخرجی کنوزک، فتتبعه کنوزها کیعاسیب النحل. مسند احمد، مسلم، ترمذی

رسول اللہ ﷺ قال: انه خارج خلة بین الشام والعراق فعاث یمیناً وعاث شمالاً، یا عباد الله! فاثبتو.

عاث. جانداروں، لوگوں، پھلوں، فصلوں وغیرہ میں خرابیاں، خامیاں پیدا کر دینا، بیماریاں زدہ کر دینا، تباہی پھیلانا، ہر شئے درہم برہم کر دینا، ہر شئے میں نقص پیدا کر دینا جو نقصان وتباہی کا باعث بنے۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں الدجّال نکلے گا شام اور عراق کے درمیان خالی جگہ سے پس وہ تباہی پھیلائے گا دائیں یعنی ہر شئے میں خرابیاں کر دے گا، فصلوں میں خامیاں خرابیاں کر دے گا، جانوروں وانسانوں کو بیماریاں زدہ کر دے گا، زمین میں خامیاں کر دے گا، جراثیموں وکیڑے مکوڑوں کا باعث بنے گا حتیٰ کہ ہر شئے میں خرابیاں کر کے تباہی پھیلا دے گا اور اسی طرح تباہی پھیلائے گا شمال کو بھی، اے اللہ کے غلامو پس اللہ کی غلامی پر ثابت قدم رہنا اللہ کی غلامی پر ڈٹے رہنا یعنی اس وقت اللہ کو ہی اپنا ربّ بنانا اور اسی پر ڈٹ جانا۔ الدجّال سے اپنی ضروریات پوری نہ کرنا بلکہ فطرت سے ہی اپنی ضروریات پوری کرنا جس کے لیے تمہیں بڑی تکالیف وآزمائشوں اور طرح طرح کی سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا مگر اس کے باوجود ڈٹے رہنا۔

شام وعراق کے درمیان خالی علاقے سے جو شئے نکل رہی ہے اور جس طرح کہا گیا بالکل ویسے ہی تباہی پھیلا رہی ہے وہ خام تیل ہے۔ خام تیل سے نکلنے والے مختلف ایندھنوں سے گاڑیاں، فیکٹریاں وغیرہ چلتی ہیں جن کے دخان یعنی جن سے خارج ہونے والی طرح طرح کی زہریلی گیسوں سے فضا انتہائی زہریلے مادوں سے بھر چکی ہے جو طرح طرح کی بیماریوں کا باعث بن رہی ہے۔ خام تیل کے نکلنے سے پوری دنیا کے معاش میں تباہی برپا ہو چکی ہے، خام تیل سے ہی نکلنے والے طرح طرح کے کیمیائی اجزاء کو آج تمام خوراکوں میں ملا کر انہیں ظاہراً خوشنما لیکن درحقیقت زہر بنا دیا گیا ہے جسے کھانے والا ہر کوئی طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہے، خام تیل سے نکلنے والے اجزاء سے کھادیں اور فصلوں کو کیڑے مکوڑوں سے بچانے کے لیے طرح طرح کے زہر بنائے جاتے ہیں جن کے استعمال نے نہ صرف زمین کی پیدا کرنے کی صلاحیت کو تباہ برباد کر دیا ہے بلکہ طرح طرح کی بیماریوں سمیت نسلوں کی نسلوں کو مفلوج کر دیا، خام تیل سے ہی نکلنے والے اجزاء سے طرح طرح کے کیڑے مکوڑے پیدا ہو کر مخلوقات کے لیے بیماریوں کا باعث بن رہے ہیں خام تیل سے ہی نکلنے والے کیمیائی اجزاء سے ادویات تیار کی جاتی ہیں جو دوا کے نام پر زہر ہے جو ایک بیماری سے وقتی طور نجات دلاتی ہے لیکن وہیں وہ درجنوں نئی بیماریوں کا باعث بنتی ہیں۔ خام تیل سے ہی آج ہر قسم کا کپڑا بنایا جا رہا ہے جو انتہائی نقصان دہ ہے، خام تیل سے ہی ہر طرح کا بارودی مواد بنایا جاتا ہے جس سے پوری دنیا تباہ وبرباد ہو رہی ہے جس سے شہروں کے شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں، خام تیل کے نکلنے سے ہی آج دنیا میں کوئی ایک شئے بھی فطرت پر نہیں رہی ہر شئے میں فساد ہو چکا ہے، خام تیل کے نکلنے سے ہی زمین کھوکھلی ہو کر جگہ جگہ سے دھنس رہی ہے، خام تیل کے نکلنے سے ہی آج زلزلے آ رہے ہیں، یہاں تک کہ خام تیل سے ہونے والے فساد وتباہی کا اندازہ لگانا ناممکن ہو چکا ہے اور ایسی صورت حال میں محمد علیہ السلام نے اللہ کے غلاموں کو ثابت رہنے کی تلقین کی۔ ان حالات میں دین کا تھامنا اللہ کو اپنا ربّ بنانا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ جلتا ہوا انگارا مٹھی میں جکڑنا ہے ان حالات میں دین پر ڈٹنے والے کے لیے دنیا جہنم سے کم نہیں ہے۔

قلنا: یا رسول الله ﷺ! ما لبثه فی الارض؟ قال: اربعون یوماً، یوم کسنةٍ ویوم کشهرٍ ویوم کجمعةٍ وسائر ایامه کایامکم، قلنا یا رسول الله ﷺ! فذلک الیوم کسنةٍ اتکفینا فیه صلاة یومٍ، قال: لا، اقدروا له قدره، قالوا: وما اسراعه فی الارض؟ قال: کالغیث استدبرته الریح،

کہا ہم نے اے اللہ کے رسول ﷺ وہ یعنی الدجّال کتنا عرصہ زمین میں رہے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا چالیس یوم، یوم جیسے سال ہوتے ہیں اور یوم جیسے مہینے ہوتے ہیں اور یوم جیسے ہفتے ہوتے ہیں اور باقی ایام جیسے تمہارے ایام، کہا ہم نے اے اللہ کے رسول ﷺ پس اس یوم جو سالوں جیسا ہوگا کیا ہمیں یوم کی صلاۃ کفایت کرے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا نہیں، قدر کر لینا اس کی جیسے اس کی قدر ہے یعنی جیسے اللہ نے قدر میں کر دیا بالکل ویسے

ہی ہوگا اس یوم تم پورے حساب کتاب کیساتھ صلاۃ قائم کرنا جواس کی قدر ہے مطلب یہ کہ وہ مدت جو ہوگی اس میں طرح طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا تو اس دوران حالات و واقعات کے مطابق جب جب جو صلاۃ کتب ہوگی اسے قائم کرنا۔ جواباً پوچھا اس کی زمین میں تیز رفتاری کیا ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا جیسے غیث وہ بھی اس کے لیے ناکافی ہوگا، جیسے وہ بارش جسے دھکیلتی ہے پیچھے سے ہوا۔

اســـراع. تیز رفتاری اور جلدی، سفر میں تیز رفتاری اور جلدی، کام کرنے میں تیز رفتاری اور جلدی، اشیاء کو پیک کرنے میں تیز رفتاری اور جلدی، حتیٰ کہ ہر کام میں تیز رفتاری اور جلدی۔ کئی لوگوں کا کام اکیلے اور کئی گنا کم وقت میں کرنا تیز رفتاری سے کرنا، کئی لوگوں کے اُٹھانے کا وزن اکیلے ہی بہت آسانی سے کم وقت میں اور تیز رفتاری سے اُٹھالینا۔ اشیاء کو اِدھر سے اُدھر تیز رفتاری اور کم وقت میں لانا لے جانا وغیرہ۔ یعنی ہر کام بہت ہی آسانی سے، تیز رفتاری سے اور کم وقت میں کرنا۔

الغیث. بہت سے انسانوں کا مجمع جو انتہائی منظّم انداز میں کوئی کام کرتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے کوئی کام کرنا ہے سب سے پہلے اس کام کو مختلف حصوں میں تقسیم کریں اور پھر لوگوں کے مختلف گروہ بنا کر انتہائی منظّم انداز میں ان سے کام کروائیں جس سے نہ صرف کام بہترین ہوگا بلکہ وقت بھی بچے گا اور کام بھی زیادہ ہوگا۔ بارش۔

محمد علیہ السلام سے جب سوال کیا گیا کہ وہ کتنا عرصہ رہے گا جس کا جواب ملنے کے بعد انہوں نے پھر سوال کیا کہ اس یوم جو سالوں جیسا ہوگا کتنے یوم کی صلاۃ کفایت کرے گی یعنی کافی ہوگی تو اس کے جواب میں محمد علیہ السلام نے کہا کہ اس کے لیے پورا حساب کتاب لگا لینا جو قدر میں ہے۔ قدر کہتے ہیں بہت باریکی سے پورے حساب کتاب، علم وحکمہ کے ساتھ کوئی کام انجام دینا رائی برابر بھی فرق نہ چھوڑنا۔ اس جواب سے سامنے والوں کو یہ پتہ چل گیا کہ رات دن جیسے ہیں ویسے ہی ہوں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی کوئی بھی کام کرنے کی رفتار ایسے ہوگی کہ جو کام سالوں میں کیا جاتا ہے وہ مہینوں، ہفتوں اور بتدریج دنوں میں کرے گا یعنی الدجّال سے رفتار انتہائی تیز ہو جائے گی اس کی ہر کام میں رفتار انتہائی تیز ہوگی۔ جب یہ بات واضح ہوئی تو تب انہوں نے الدجّال کی تیز رفتاری کا سوال کیا کہ وہ کس تیز رفتاری سے کاموں کو انجام دے گا۔

س. وما اسراعه فی الارض؟

اور کیا اسراع ہوگی اس کی زمین میں یعنی وہ ہر کام کس تیز رفتاری سے کرے گا؟

ج. قال: کالغیث استدبرته الریح

تو محمد علیہ السلام نے جواب دیا جیسے الغیث یعنی جیسے لوگوں کا مجموعہ کسی کام کو آپس میں تقسیم کر کے بہت منظّم انداز میں انجام دیتا ہے ویسے ہی کرے گا وہ بھی اس کے لیے ناکافی ہوگا، ناکافی ہوگی اس کے لیے ہوا یعنی وہ ہوا سے بھی تیز رفتار ہوگا۔

یوم کسنةٍ ویوم کشھرٍ ویوم کجمعةٍ وسائر ایامه کایامکم

یوم جیسے سال ہوتے ہیں اور یوم جیسے مہینے ہوتے ہیں اور یوم جیسے ہفتے ہوتے ہیں اور دیگر اس کے ایام جیسے تمہارے ایام

جو کام لوگ سالوں میں انجام دیں گے الدجّال وہی کام ایک دن میں انجام دے گا۔

انسان اس کی اتباع کریں گے اسے ربّ بنالیں گے تو پھر انسان جو کام پہلے سالوں میں کرتے تھے وہی کام اب انسان دنوں میں انجام دیں گے یعنی اب انسانوں کے دن گزشتہ سالوں کے برابر ہو جائیں گے۔

پھر انسان اس رفتار سے جو کام سالوں میں کریں گے الدجّال اسی کام کو مہینوں میں کرے گا۔ انسان اسے ربّ بنا چکے تو اس لیے پھر انسانوں کی رفتار بھی بڑھ جائے گی جو کام وہ پہلے سالوں میں کر رہے تھے اب مہینوں میں کریں گے۔

اب انسان اس رفتار سے جو کام ایک مہینوں میں کریں گے الدجّال وہی کام ہفتوں میں کرے گا۔ انسان الدجّال کو ربّ بنا چکے تو انسان بھی پھر وہی کام ہفتوں میں کریں گے۔

پھر انسان اس رفتار سے جو کام ہفتوں میں کریں گے الدجّال اسی کام کو دنوں میں کرے گا۔ انسان چونکہ الدجّال کو ربّ بنائے ہوئے ہیں تو ان کی رفتار

الدجّال کیساتھ ساتھ بڑھنے سے اب وہ بھی جو کام پہلے تیز رفتاری کے باوجود ہفتوں میں کر رہے تھے اب وہی کام دنوں میں کریں گے اور پھر رفتار اس سے آگے نہیں بڑھے گی یعنی باقی جتنی مدت الدجّال زمین پر ٹھہرے گا یہی رفتار رہے گی۔ باقی ایام یعنی مدت اسی طرح گزرے گی یعنی دنیا اتنی تیز رفتار ہو چکی ہو گی کہ انسان ہر کام بہت تیز رفتاری اور انتہائی غیر معمولی کم وقت میں انجام دیں گے۔

اب جب غور وفکر کریں تو آج یہ سب ہو چکا اور ہو رہا ہے اور یہ کیسے ممکن ہوا؟ یہ صرف اور صرف ٹیکنالوجی سے ہی ممکن ہوا، صنعتی انقلاب یعنی مشینوں سے ممکن ہوا۔ سالوں کے کام مہینوں میں ہونا شروع ہوئے، پھر وہی کام ہفتوں میں اور اب وہی کام دنوں میں ہو رہے ہیں یعنی الدجّال کے نکلنے سے پہلے جو کام سالوں میں بھی کرنا ناممکن تھے آج وہ دنوں میں کرنا انتہائی آسان ہو گیا بغیر مشقت کے اور یہ سب ٹیکنالوجی یعنی جدید صنعتی انقلاب سے مشینوں سے ممکن ہوا اس لیے یہی تو الدجّال ہے یعنی اگر ٹیکنالوجی آج ختم ہو جائے تو دنیا پھر واپس پیچھے چلی جائے گی۔

اس کے باوجود اگر کوئی انسان ایسا عقیدہ ونظریہ رکھتا ہے کہ وقت اتنا لمبا ہو جائے گا کہ دن سالوں کے برابر ہو جائیں گے یعنی زمین سورج کے گرد چوبیس گھنٹوں کی بجائے سالوں میں اپنے ہی محور پر گھومے گی زمین کی گردش اتنی سست ہو جائے گی کہ دن سالوں کے برابر ہو جائیں گے اور پھر تھوڑی رفتار بڑھ کر مہینوں میں چکر مکمل کرے گی کہ رات دن مہینوں جتنے لمبے ہو جائیں گے پھر اسی طرح ہفتوں کے برابر اور پھر آخر میں زمین پھر واپس چوبیس گھنٹوں پر آجائے گی تو ایسا نظریہ وعقیدہ انتہائی جاہلانہ ہے جس کی کوئی بنیاد ہے ہی نہیں کیونکہ اللہ کا کہنا ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ. القمر ۴۹

اس میں کچھ شک نہیں ہر شئے کو ہم نے خلق کیا قدر کیساتھ یعنی پورے حساب کتاب پوری کیلکولیشن کیساتھ نہ ہی رائی برابر بھی زیادہ اور نہ ہی رائی برابر بھی کم نہ ہی کسی میں کوئی کمی، کجی، یا کوتاہی کی۔

قدر کہتے ہیں ہر لحاظ سے پورے حساب کتاب کیساتھ جو طے کر دیا گیا، ناپ تول کر، پوری کیلکولیشن سے، جتنی ضرورت ہو بالکل اتنا ہی، نہ ہی رائی برابر بھی کم اور نہ ہی رائی برابر بھی زیادہ، یعنی ہر لحاظ سے مکمل ناپ تول کر پیمائش کر کے، معیار وغیرہ بھی ہر لحاظ سے پورا پورا جس کے خلاف کسی بھی صورت ہونا ناممکن ہو۔ اللہ نے ہر شئے کو قدر کیساتھ خلق کیا ہے جیسے ایک گاڑی کا انجن ہوتا ہے اگر اس میں چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو وہ خراب ہو جائے گا، جیسے آپ اپنے ہی اس بشری وجود کو لے لیں یہ انتہائی پیچیدہ خلق ہے تمام کے تمام اعضاء کو بہت باریک بینی اور علم وحکمت سے خلق کیا گیا پوری کیلکولیشن، حساب کتاب کیساتھ خلق کیا گیا۔ خلق کر کے انہیں ان کے مقام پر لگا دیا گیا اگر ان کے مقام میں تبدیلی کی جائے گی یعنی اگر جسم سے خون نکال لیا جائے تو کیا ہوگا؟ دل نکال لیا جائے تو کیا ہو گا؟ اس طرح جسم میں کوئی بھی ایسی تبدیلی کی جائے جو اس نقشے میں نہ ہو جس نقشے کے مطابق اس بشر کو یعنی آپ کو اللہ نے خلق کیا تو جسم کا نظام بگڑ جائے گا اور خرابیوں یعنی بیماریوں کا شکار ہو کر بڑی تباہی یعنی موت کا شکار ہو جائے گا بالکل اسی طرح اللہ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا سب خلق کیا ہے، یہ سب کا سب تب تک ٹھیک رہے گا جب تک کہ ہر شئے فطرت پر رہے اگر کسی شئے کو فطرت سے ہٹا دیا جائے گا یعنی اللہ کی مخلوقات میں تبدیلیاں کی جائیں گی تو نظام بگڑ جائے گا پھر تباہیاں ہی آئیں گی اس لیے اللہ نے جو جیسا خلق کر دیا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی نہیں ہو سکتی نہ کی جا سکتی ہے اگر ایسا ہوگا تو سب کچھ تباہ وبرباد ہو جائے گا۔

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ. الروم ۳۰

نہیں ہے تبدیلی اللہ کی خلق کے لیے یعنی اللہ کی خلق تبدیلی کی متحمل ہے ہی نہیں اللہ نے جو جیسا خلق کر دیا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی نہیں کی جا سکتی اور اگر ایسا کیا جاتا ہے تو فساد ہو کر بالآخر وہ شئے تباہ وبرباد ہو جائے گی۔

اللہ نے جو بھی جیسا خلق کیا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی نہیں کی جا سکتی، اس میں تبدیلی ممکن ہی نہیں اگر اس کے باوجود تبدیلی کی جائے گی تو وہ شئے سلامت نہیں رہے گی اس میں خرابیاں ہو کر بالآخر تباہ وبرباد ہو جائے گی۔

اسی طرح اللہ نے اپنے طریقے کے بارے میں بھی کہا۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا. الاحزاب ۶۲

اور ہر گز نہیں پاؤ گے اللہ کی سنت کے لیے چھوٹی سے چھوٹی بھی تبدیلی۔

اللہ نے جو قانون بنا دیا اللہ جیسے آسمانوں وزمین کو چلا رہا ہے اس نظام میں اللہ کے قوانین میں تم کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی ہوتی ہوئی نہیں پاؤ گے یعنی اگر کوئی اللہ کی خلق میں اللہ کے قانون کے خلاف چلے گا اسے بدلنے کی کوشش کرے گا تو ایسا ممکن ہی نہیں کہ وہ کامیاب ہو جائے۔ اللہ کا قانون نہیں بدل سکتا خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ اللہ نے آسمانوں وزمین میں جو نظام وضع کر دیا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی ممکن نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا کرنے کی کوشش کرتا ہے کوئی اللہ کی خلق میں تبدیلی کرتا ہے فطرت میں تبدیلی کرتا ہے تو وہ مخلوق سلامت نہیں رہے گی اس میں خرابیاں ہو کر بالآخر وہ تباہ ہو جائے گی اس کا وجود ہی مٹ جائے گا اور اس سے متعلقہ مخلوقات کا بھی یہی حال ہوگا۔

یعنی اللہ کا جو بھی طریقہ ہے وہ تبدیلی کا متحمل ہو ہی نہیں سکتا اگر اس میں تبدیلی کی جائے گی تو اس سے خرابیاں ہوں گی اور بالآخر تباہی آئے گی اور پھر یہ بھی کہ اللہ اپنی سنت یعنی طریقے میں تبدیلی نہیں کرتا۔

اللہ نے تمام مخلوقات کو جیسے خلق کیا اور جس جس مقام پر رکھ دیا، جس جس لائن پر لگا دیا اس میں رائی برابر بھی تبدیلی کی گنجائش نہیں اللہ نے اپنی خلق میں تبدیلی کی گنجائش رکھی ہی نہیں اللہ کی خلق تبدیلی کی متحمل ہے ہی نہیں اور اگر تبدیلی کی جائے گی تو اللہ کی خلق پھر ٹھیک نہیں رہ سکتی اس میں خرابیاں ہوں گی اور آخر کار وہ تباہ ہو جائے گی جو کہ ظلم ہے اور اللہ ظالم نہیں ہے اس لیے اللہ یہ ظلم کیوں کرے گا؟ اللہ ظالم نہیں اور نہ ہی اللہ اپنی سنت کو بدلنے والا ہے اس لیے ایسا عقیدہ ونظریہ رکھنا کہ زمین پر رات دن کی مدت میں فرق پڑے گا یہ بات انتہائی جاہلانہ اور بے بنیاد وباطل ہے۔

اگر زمین اپنی رفتار میں ذرا بھی کمی کرے تو پورے آسمان دنیا کا نظام بگڑ جائے گا کیونکہ اللہ نے قرآن میں واضح کر دیا کہ اللہ نے المیزان یعنی توازن قائم کیا ہوا ہے۔ جیسے گھڑی کی سیکنڈ والی سوئی کی رفتار کم یا زیادہ کر دی جائے تو اس سے منٹ اور گھنٹے کی سوئیاں بھی اسی طرح کم یا تیز رفتار ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہوتا ہے بالکل اسی طرح ہمارے نظام شمسی، اور اس کا ہماری کہکشاں پھر ہماری کہکشاں کا پورے آسمان میں ایک دوسرے سے تعلق ہے۔ اگر زمین اپنی رفتار میں کوئی ردوبدل کرتی ہے تو لامحالہ پورے آسمان دنیا جس کا آپ ادراک بھی نہیں کر سکتے کا توازن بگڑ جائے گا اور ہر شئے تباہ ہو جائے گی، ستارے وسیارے آپس میں ٹکرا جائیں گے۔

اس کے علاوہ بھی پیچھے سورج کے اس کے مغرب سے طلوع والے موضوع پر بات کرتے ہوئے یہ بات بالکل کھول کھول کر واضح کر دی گئی کہ زمین، سورج، چاند اور جتنے بھی ستارے وسیارے ہیں وہ نہ صرف سب کے سب کسی نہ کسی کو اپنا محور بنائے ہوئے اپنے اپنے مدار میں ہر طرح سے گولائی میں دائرے کی شکل میں آگے کو بڑھتے ہوئے تیر رہے ہیں بلکہ جب تک ان کی اجل مسمیٰ نہیں آجاتی تب تک وہ ایسا ہی کرتے رہیں گی اس میں رائی برابر بھی تبدیلی نہیں کریں گے جس سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ رات دن سالوں، مہینوں اور ہفتوں جتنے لمبے اور چھوٹے ہو جائیں گے حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی اگر کوئی یہی کہتا ہے کہ نہیں دن سالوں، مہینوں اور ہفتوں جیسے لمبے ہوں گے اور سکڑیں گے تو ایسا کوئی پاگل، بے وقوف وجاہل ہی کہہ سکتا ہے۔

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ. سباء ۱۲

اور سلیمان کے لیے ہوا، اس کا صبح کا جانا، صبح کا کام، صبح کا سفر وغیرہ ایک مہینے کا اور واپسی، شام کا جانا یا شام کا کام وغیرہ ایک مہینے کا۔

قرآن میں اللہ کا کہنا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا غدو ایک مہینے کا اور رواح ایک مہینے کا تھا۔ سلیمان علیہ السلام کا دارالخلافہ موجودہ ملک اردن میں تھا پوری دنیا میں غدو اور رواح کا وقت الگ الگ نکلتا ہے اردن میں جس مقام پر سلیمان علیہ السلام کی پوری زمین پر محیط ریاست کا دارالخلافہ تھا اس علاقے میں پورے سال کا اوسطاً اگر غدو اور رواح کا وقت حساب کتاب کر کے نکالا جائے تو غدو دو گھنٹے یا اس سے بھی کم وقت کا اور اسی طرح رواح بھی دو گھنٹے یا اس سے کم وقت کا ہی نکلتا ہے۔

یعنی سلیمان علیہ السلام کے دو گھنٹے زمین پر باقی تمام لوگوں اور موجودہ لوگوں کے ایک مہینے کے برابر تھے یوں سلیمان علیہ السلام کا ایک دن موجودہ ایک سال کے برابر تھا۔ اب ایسا ہر گز نہیں تھا کہ باقی لوگوں پر ایک سال مکمل ہو جاتا تو سلیمان علیہ السلام پر صرف ایک رات دن گزرتا تھا نہیں بلکہ سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے جو اسباب دیئے تھے جو ٹیکنالوجی ان کے پاس تھی اس ٹیکنالوجی سے سلیمان علیہ السلام جو کام ایک دن میں مکمل کر لیتے تھے وہی کام یا اتنا ہی کام اس

وقت کے لوگ اور موجودہ لوگ جو اتنے تیز رفتار ہیں مشینوں کی وجہ سے اس کے باوجود ایک سال میں مکمل کر پاتے۔ رات اور دن سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی چوبیس گھنٹے کے ہی تھے جیسے باقیوں کے لیے تھے۔

جیسے جیسے رفتار بڑھتی جاتی ہے وقت سکڑتا جاتا ہے اور جیسے جیسے رفتار کم ہوتی ہے وقت لمبا ہوتا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ پیدل ایک ہزار کلومیٹر دور اپنی منزل کی طرف سفر کرتے ہیں اور ایک مہینے کے بعد اپنی منزل پر پہنچتے ہیں اب ایک دوسرا شخص الدجّال کے گدھے یعنی ہوائی جہاز پر سوار ہوکر جاتا ہے اور وہ صرف ایک گھنٹے میں پہنچ جاتا ہے تو اس کا ایک گھنٹہ آپ کے ایک مہینے کے برابر ہوگیا، جو کام آپ نے ایک مہینے میں کیا وہ کام دوسرے شخص نے صرف ایک گھنٹے میں کرلیا۔

ایسا کیوں اور کیسے ہوا؟

آپ نے جو سفر کیا آپ کی رفتار بہت کم تھی جس کی وجہ سے آپ کو منزل تک پہنچنے میں ایک مہینے لگا اگر آپ کی رفتار جو تھی اس سے بھی کم ہوجائے تو آپ کو پھر مزید اور زیادہ وقت لگے گا آپ کی رفتار کم تھی جس وجہ سے آپ کو اتنا وقت لگا لیکن آپ کے برعکس دوسرا شخص جس نے الدجّال کے گدھے پر سفر کیا اور ایک گھنٹے میں پہنچ گیا اس لیے کیونکہ اس کی رفتار آپ سے کئی گنا زیادہ تھی۔

جیسے جیسے رفتار بڑھتی ہے وقت سکڑتا چلا جاتا ہے اور اگر کسی کے پاس ایسی ٹیکنالوجی ہو کہ جس سے اس کی رفتار اتنی بڑھ جائے کہ جو وقت کی رفتار سے تجاوز کر جائے تو اس کے لیے وقت تھم جائے گا اور وہ شخص کوئی بھی کام بغیر وقت کے استعمال کے کر سکے گا۔

فياتی علی القوم فيد عوهم فيومنون به ويستجيبون له، فيامر السماء فتمطر والارض فتنبت،

پس آئے گا ایک قوم پر یعنی لوگوں پر پس انہیں دعوت دے گا پس وہ دعوت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کیساتھ یعنی الدجّال کیساتھ اپنے کام کریں گے اپنے اعمال انجام دیں گے اور جو حاصل ہوگا اس سے یعنی الدجّال سے اسے قبول کررہے ہوں گے پس حکم دیا جائے گا الدجّال کیساتھ آسمان کو پس آسمان اس کے حکم سے بارش برسائے گا اور زمین اس کے حکم سے اُگائے گی۔

اس کی دعوت کیا ہے؟ اور دعوت کیسے دیتا ہے؟ اس کا ذکر الدجّال کے راس والی روایت میں گزر چکا اور اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے الدجّال کیساتھ ہی اپنے اعمال کو بھی انجام دیا جارہا ہے اسی سے اگایا جارہا ہے اسی سے ہر کام کیا جارہا ہے اور جو کچھ اس کیساتھ کام کرنے سے حاصل ہورہا ہے اسے قبول کیا جارہا ہے اور جو اس کی دعوت کو قبول کرتے ہیں یعنی اللہ پر توکل کی بجائے ٹیکنالوجی پر توکل کرتے ہیں تو ان کے لیے آسمان کو کیسے حکم دیتا ہے بارش کا اور کیسے برستی ہے اس کا جواب جاننے کے لیے آپ پر پہلے ایک بنیادی بات کھول کر واضح کرتے ہیں۔

اللہ قرآن میں بار بار اپنی آیات میں غور وفکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور قرآن کھول کھول کر واضح کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اللہ کی آیات ہیں ان سب میں غور وفکر کرنے کا حکم دیا۔ جب تک آپ اللہ کی آیات میں یعنی آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے ان میں غور وفکر نہیں کریں گے تب تک آپ پر یہ واضح نہیں ہوگا کہ اگر الدجّال آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو کیسے دے گا اور پھر جب آپ کے پاس علم نہیں ہوگا تو آپ کے لیے سوائے گمراہی کے اور کوئی رستہ نہیں ہوگا اور کوئی بھی راہنمائی کے لبادے میں راہزن آپ کو اپنی چرب زبانی کا شکار کرتے ہوئے گمراہیوں میں لے جائے گا۔

آپ لاکھ یہ دعوے کریں کہ ہم الدجّال کی غلامی نہیں کریں گے ہم اسے ربّ تسلیم نہیں کریں گے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کے زبان سے لاکھ دعوؤں کے باوجود آپ اسے اپنا ربّ بنا چکے ہوں گے اس کی غلامی اختیار کرچکے ہوں گے اور آپ کو اس کا شعور تک بھی نہیں ہوگا اس کا علم بھی نہیں ہوگا، آپ کے لاکھ دعوؤں کے باوجود آپ میں ایمان کی رائی بھی نہیں ہوگی اور آپ کو اس کا اندازہ ہی نہیں ہوگا الٹا آپ خود کو قوی مومن سمجھ رہے ہوں گے۔ علم نہ ہونے کی وجہ سے بے بنیاد اور باطل عقائد کو اپنے دماغ میں محفوظ رکھ کر نہ صرف خود گمراہ ہوں گے بلکہ دوسروں کی گمراہی کا بھی سبب بنیں گے۔ اس لیے اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم حقیقتاً ایسے مومن بنیں جیسا کہ مومن بننے کا حق ہے تو آپ کو اللہ کی آیات میں غور وفکر کرنا پڑے گا یعنی آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی ہے ان میں اور اپنی ہی ذات میں غور وفکر کرنا ہوگا اور جب آپ آسمانوں وزمین میں اور جو کچھ بھی ان میں ہے اور اپنی ہی ذات میں غور وفکر کریں گے تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوجائے گی کس کو کیسے حکم دیا جائے گا حکم دینے کا ذریعہ کیا ہوگا وغیرہ مثلاً جیسے کہ اگر انسان کو حکم دیا جاتا ہے تو انسان کو کوئی کام کرنے کا حکم کیسے دیا جائے گا؟

اس کے لیے جو بات کھل کر واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر انسان کو کسی کام کا حکم دینے کے لیے تین طریقے ہیں۔

۱۔ زبان سے حکم دینا یعنی آواز کی صورت میں۔

۲۔ لکھ کر حکم دینا۔

۳۔ اشارے کے ذریعے حکم دینا۔

ان کے علاوہ کوئی چوتھا ذریعہ ایسا نہیں کہ جو تمام انسانوں میں مشترک ہو۔ چوتھا یا اس سے بھی زائد ہو تو سکتے ہیں لیکن وہ صرف انہی کے لیے ہوں گے جن میں وہ قابلیت ہوگی اور انہوں نے محنت سے وہ قابلیت حاصل کی ہوگی جیسے کہ اللہ کا قانون ہے۔

اب اگر آواز کی صورت میں یا لکھ کر کسی انسان کو کوئی حکم دیا جائے گا تو وہ بھی صرف اسی زبان میں ہی دیا جا سکتا ہے جو زبان وہ سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ آپ کو جو زبان آتی ہی نہیں جس زبان کو آپ سمجھتے ہی نہیں اس زبان میں آپ کو حکم دیا جائے۔ پھر بھی اگر ایسا کیا جائے گا تو اس حکم کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس کی حیثیت ایسے ہی ہوگی کہ گویا کوئی حکم دیا ہی نہیں گیا۔

مثال کے طور پر اگر آپ کی زبان اردو ہے تو آپ کو اردو میں ہی حکم دیا جائے گا اور اگر حکم دینے والے کو اردو نہیں آتی تو پھر اس کے لیے سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ کوئی ایسا ذریعہ حاصل کرے جس میں اس کی بات سمجھ کر آپ تک پہنچانے کی صلاحیت ہو کہ وہ اس کی زبان بھی سمجھتا ہو اور آپ کی بھی اور وہ ذات اس کے ذریعے آپ کو حکم دے گی۔

ایسے ہی مثال کے طور پر اگر آپ کو چینی زبان نہیں آتی اور آپ کو چینی میں حکم دیا جائے گا تو کیا آپ سمجھ سکیں گے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح آپ کسی جانور کو کوئی حکم دینا چاہتے ہیں تو اسی ذریعے سے حکم دیں گے جس ذریعے سے وہ جانور آپ کا حکم سمجھ سکے۔ جب وہ آپ کا حکم سمجھے گا تو وہ اس پر عمل کر پائے گا ورنہ عمل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسا ہرگز نہیں کہ آپ زبان سے کسی جانور کو کچھ کہیں تو وہ فوری اس پر عمل کرے گا نہیں بلکہ جو بھی جانور ہے وہ جس طرح حکم سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسے اسی طریقے سے حکم دیا جائے گا۔ بالکل اسی طرح اللہ کی تمام مخلوقات کا معاملہ ہے اللہ نے یہ قانون بنا دیا اور اسی قانون کیمطابق اللہ نظام چلاتا ہے اور چلا رہا ہے۔ اسی قانون کے مطابق اللہ تمام مخلوقات کو حکم دیتا ہے یہی اللہ کا قانون و طریقہ ہے اور اللہ خود بھی اپنی سنت کے خلاف کام نہیں کرتا۔

الدجّال آسمان کو حکم دے گا تو آسمان بارش برسائے گا تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے؟ الدجّال کیسے یا الدجّال کیساتھ انسان آسمان کو کیسے بارش برسانے کا حکم دیں گے؟ کیا اپنی زبان سے کہا جائے گا کہ اے آسمان بارش برسا اور آسمان بارش برسانا شروع کر دے گا؟ یا پھر اس طریقے سے حکم دیا جائے گا جو طریقہ اللہ نے قدر میں کر دیا اس زبان میں آسمان کو حکم دیا جائے گا جو زبان آسمان سمجھتا ہے؟

آسمان فضا کو کہتے ہیں۔ اگر وہ اس فضا کو حکم دے گا جس فضا سے اللہ بارشیں برساتا ہے تو اسے اسی طرح امر کرنا پڑے گا جیسے اللہ امر کرتا ہے یعنی اگر آپ کی زبان اردو ہے اور آپ اردو کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں سمجھتے تو کوئی بھی ہو اسے اگر آپ کو کوئی کام کہنا ہے تو اردو میں ہی کہا جائے گا ورنہ اگر کسی اور زبان میں یا کسی اور طریقے سے حکم دیا جائے گا یا کوئی بات کہی جائے گی تو عمل کرنا تو دور کی بات وہ سمجھ میں ہی نہیں آئے گی ایسے ہی الدجّال اگر آسمان یعنی اس فضا کو بارشیں برسانے کا حکم دیتا ہے تو ویسے ہی دے گا جیسے اللہ نے قدر میں کر دیا اور اللہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی بھی تب تک آسمان کو بارش کا حکم نہیں دے سکتا جب تک کہ اس کے پاس علم اور اسی طرح امر کرنے کی صلاحیت موجود نہ ہو یا وہ صلاحیت حاصل نہ کر لے۔ یہاں ایک بات جو قابل غور ہے محمد علیہ السلام نے کہا کہ الدجّال امر کرے گا آسمان کو بارش برسانے کا اس امر کے پیچھے کون ہوگا وہ الگ بات ہے لیکن جو براہ راست آسمان کو بارش کا امر کرے گا وہی الدجّال ہوگا۔

آسمان کو بارش کا حکم دینا ہے تو پہلے وہ علم ہونا لازم ہے کہ کس طرح آسمان کو بارش کا حکم دیا جاتا ہے اور اللہ نے بارش برسانے کا جو قانون بنا دیا اسی کے مطابق ہی بارش برسائی جا سکتی ہے ورنہ ایسا ہرگز نہیں کہ کوئی انسان یا کوئی بھی ہو وہ آسمان کو اللہ کے قانون کے علاوہ کسی اور طریقے سے حکم دے اور آسمان بارش برسائے ایسا ممکن ہی نہیں۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو انسان جب اس معاملے میں اللہ کا محتاج تھا وہ اللہ سے دعائیں کرنے کی بجائے خود ہی اپنی زبان سے کہتا کہ

اے آسمان بارش برسا اور آسمان بارش برسانا شروع کر دیتا جو کہ آپ جانتے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ اب جبکہ ایسا ممکن نہیں ہے تو پھر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جانی چاہیے کہ کوئی بھی ہو وہ اگر آسمان کو بارش کا حکم دے گا تو زبان سے نہیں بلکہ اسی طریقے سے دے گا جیسے اللہ نے قدر میں کر دیا۔ البتہ یہ بات الگ ہے کہ اللہ نے قدر میں آسمان کو کب کب اور کتنی کتنی بارش برسانے کا قانون وضع کیا جس سے آسمانوں وزمین میں قائم میزان برقرار رہے گا جس کا علم صرف اللہ کو ہی ہے اس کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔ البتہ اس کے پاس ہو سکتا ہے جس کے پاس آسمانوں وزمین کا مکمل علم آ جائے یا حاصل کر لے اور ایسا اللہ نے قانون میں رکھا ہی نہیں۔

اب اللہ کے علاوہ جو کوئی بھی یہ صلاحیت حاصل کر لے گا جس سے بارش برسائی جائے تو جب وہ اپنی مرضی سے آسمان کو جب چاہے بارش کا حکم دے گا تو اس سے ایسا قطعاً نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی خرابی یا خامی نہ ہو بلکہ ان میں قائم توازن بگڑ جائے گا، بادلوں کا نظام، آب وہوا اور موسموں کا نظام بگڑ جائے گا پھر طوفان، آندھیاں، بغیر وقت کے بارشیں اور موسموں میں غیر معمولی تبدیلیاں واقع ہوں گی۔

آج آسمان کو حکم دیا جا رہا ہے اور بارشیں برسائی جا رہی ہیں اور پھر یہ کیسے ممکن ہو؟ کون ہے جو آسمان کو بارش برسانے کا حکم دیتا ہے؟ تو اس کا نہ صرف جواب بالکل واضح ہے بلکہ آج آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ جدید ٹیکنالوجی ہے یہ مشینیں ہیں جن کے ذریعے نہ صرف آسمان کو بارشوں کا امر کیا جا رہا ہے بلکہ آج آسمان بارشیں برسا رہے ہیں اس لیے یہ ٹیکنالوجی و مشینیں ہی وہی الدجّال ہے جس کے بارے میں آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے آگاہ کیا تھا۔

جیسے جسے آج ہارپ کا نام دیا جاتا ہے جس پر پیچھے بات کی جا چکی اس کے علاوہ ایک دوسرا طریقہ ہے جو بارشیں برسانے کے لیے تقریباً دنیا میں عام ہو چکا ہے اسے کلاؤڈ سیڈنگ یعنی بادلوں کی بوائی کا نام دیا جاتا ہے۔ اس طریقے سے آج پوری دنیا میں بارشیں برسائی جا رہی ہیں اور مصنوعی طریقے سے بارش برسانے کا یہ نہایت آسان اور سستا طریقہ ہے۔ تین اشیاء ''سلور آئیوڈائڈ، نمک، ڈرائی آئس یعنی جمی ہوئی کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس'' کے مرکب کو بذریعہ پمپ یا جہاز فضا میں بلندی پر بادلوں کے مقام پر چھڑکا جاتا ہے جس سے اس جگہ پر درجہ حرارت اتنا کم ہو جاتا ہے کہ وہاں بخارات پانی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ سلور آئیوڈائڈ اور نمک ان ٹھنڈے بخارات کو ایک دوسرے سے ملاتے ہیں جن سے قطرہ وجود میں آتا ہے اور زمین کی کشش ثقل اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے جس سے بارش ہوتی ہے یوں آج پوری دنیا میں بارشیں برسائی جا رہی ہیں۔

الدجّال یعنی ٹیکنالوجی آسمان کو بارشیں برسانے کا امر کرتی ہے جیسے اللہ نے قانون میں کر دیا تصاویر میں دیکھیں۔
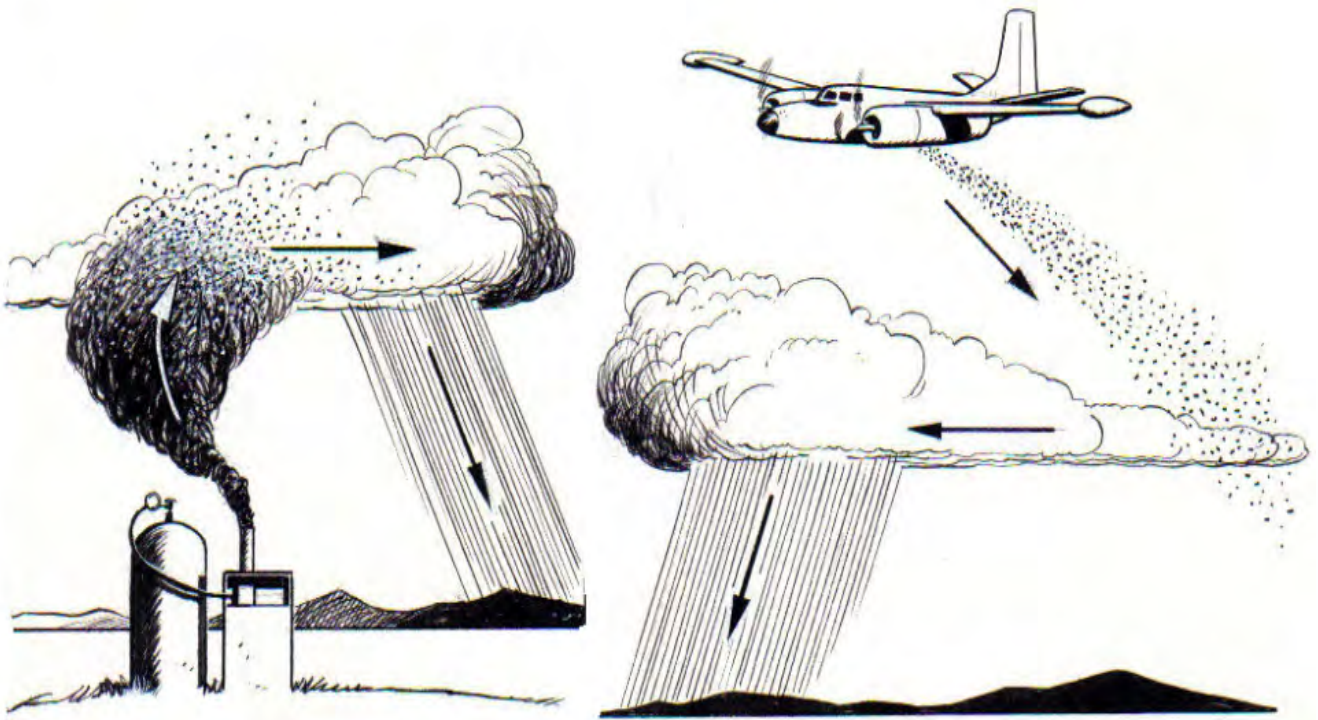
والارض فتنبت

اور زمین کوامر کرے گا پس وہ اُ گائے گی۔

پیچھے آپ نے جان لیا کہ اللہ کی ہر خلق کو حکم ویسے ہی دیا جائے گا جیسے اللہ نے قدر میں کر دیا اس لیے اس کے قانون کے خلاف کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ تو زمین کو اگر اُ گانے کا حکم دیا جائے گا تو اسی طرح جیسے اللہ زمین کو اگانے کا حکم دیتا ہے۔

ایک تو اللہ نے بیج کے ڈی این اے یعنی زمین کے اُ گانے کی تمام اشیاء کے بیجوں میں اللہ نے زمین کے لیے وہ حکم رکھ دیا اور دوسرا اس کے علاوہ جو زمین میں ایسی صلاحیتیں رکھیں جس سے زمین اُ گانے کے قابل ہوتی ہے۔

آج زمین کو نہ صرف حکم دیا جا رہا ہے بلکہ زمین اُ گا بھی رہی ہے اور زمین کو یہ حکم فصلوں کے بیجوں میں اللہ کے رکھے ہوئے نقشے میں ردوبدل کر کے دیا جا رہا ہے اور زمین کو اُ گانے کی صلاحیت بھی خلق کر کے دی جا رہی ہے۔

اور اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کیسے ممکن ہوا؟

تو اس کا جواب بالکل واضح ہے آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہ صرف اور صرف ٹیکنالوجی کی وجہ سے ممکن ہوا اور آج اسی ٹیکنالوجی کے امر سے زمین اگا رہی ہے زمین سے نباتات اگائی جا رہی ہیں یوں یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ یہ ٹیکنالوجی یہ مشینیں ہی وہی الدجّال ہے جسے قرب قیام الساعت ظاہر ہونا تھا جو کہ الساعت کے اشراط میں سے ایک شرط ہے۔

ہر شئے کو امر اسی طرح کیا جائے گا جیسے اللہ نے قدر میں کر دیا بالکل اسی طرح زمین کو امر کیا جائے گا تو زمین اگائے گی۔ امر اسی طرح کیا جائے گا زمین کو جیسے اللہ نے قدر میں کر دیا نہ کے زبان سے امر کیا جائے گا۔ زبان سے امر صرف اور صرف اسے ہی کیا جا سکتا ہے جس کے لیے اللہ نے زبان سے امر کرنا قدر میں کر دیا۔ آج زمین سے نباتات اگانے کے لیے امر کیا جاتا ہے جس سے امر کیا جاتا ہے وہ ٹیکنالوجی ہے یعنی جدید سائنسی ایجادات جنہیں آپ ایگریکلچر ٹیکنالوجی یا گرین ریولیوشن، زرعی انقلاب یا سبز انقلاب کا نام دیتے ہیں۔ کھیتی باڑی میں موجود اور آئندہ آنے والے تمام کے تمام ذرائع جو غیر فطرتی ہیں جن میں مختلف مشینری، کھادیں، ادویات، سپرے اور کئی اقسام کے کیمیکلز اور جینیاتی بیج وغیرہ شامل ہیں۔

جینیٹیکلی موڈیفائی یعنی جدید سائنسی طریقے سے تیار کردہ جینیاتی بیج۔

کھادیں اور مختلف ایسے عناصر جو زمین کو اگانے کا امر کرتے ہیں۔

روایات کیمطابق محمد علیہ السلام نے یثرب میں کھڑے ہوکر کئی بار مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ الدجّال ادھر سے نکلے گا۔ مکہ ہو یا یثرب جسے مدینہ کہا جاتا ہے دونوں کا مشرق ارض حجاز اور موجودہ سعودی عرب کا وہ علاقہ بنتا ہے جسے نجد کہا جاتا تھا اور آج بھی اسے نجد ہی کہا جاتا ہے لیکن امراء کے پالتو علماء جو ان کی خواہش پر حلال اور حرام کا تعین کرتے ہیں نے اپنے تراجم وتفاسیر میں یثرب کا مشرق اور نجد عراق کو قرار دیا لیکن جب ہم دنیا کا نقشہ اٹھا کر دیکھیں تو بندہ ان علماء کے نام پر امام الدجّال کے دجل پر حیران رہ جاتا ہے کہ عراق تو یثرب کے شمال میں واقع ہے نہ کہ مشرق میں۔ جب عراق مکہ اور یثرب کے شمال میں واقع ہے نہ کہ مشرق میں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیسے ان علماء کے نام پر امام الدجّال نے عراق کو نجد اور یثرب کا مشرق قرار دیا؟ اس سے بھی بڑھ کر حیرانی والی بات تو یہ ہے کہ آج تک کوئی ایک بھی ایسا شخص نظر نہیں آتا کہ جس نے تحقیق کی ہو اور دنیا کے نقشے کو سامنے رکھ کر اس دجل کو چاک کیا ہو۔

آگے روایات آئیں گی کہ محمد علیہ السلام نے یہ بھی کہا تھا کہ الدجّال اس زمین سے نکلے گا جس زمین میں زمین سے اگانے کی صلاحیت رکھنے والے، زمین کو اگانے پر مجبور کرنے والے عناصر یعنی کھادیں اور کیمیکلز وغیرہ ڈالے جائیں گے۔ یعنی جس زمین میں کھادیں، کیمیکلز، جینیاتی بیجوں اور زہروں کا استعمال کیا جائے گا اُس زمین سے جو نکلے گا وہ الدجّال ہو گا یعنی وہ فصل الدجّال ہوگی۔ کھادوں اور کیمیکلز سے اگائی جانے والی فصلوں کا ظاہری پہلو تو بہت زبردست اور دل کو لبھا دینے والا ہوتا ہے لیکن اس کا دوسرا باطنی پہلو بیماریوں، خامیوں، نقائص سے بھرپور ہوتا ہے اور یہی تو الدجّال ہے۔ درج ذیل تصاویر میں دیکھیں کہ مکہ اور یثرب کے مشرق میں ارض حجاز سے کتنی غیر معمولی مقدار میں الدجّال نکل رہا ہے۔ سعودی عرب کا دو ہزار کلومیٹر سے زائد لمبائی پر مشتمل لاکھوں مربع کلومیٹر صحرا سر سبز و شاداب باغات میں تبدیل ہو چکا ہے۔ آپ کو گول دائروں میں ہزاروں کھیت نظر آئیں گے اور ہر کھیت کا قطر اوسطاً ایک کلومیٹر ہے یہ سب ٹیکنالوجی سے ممکن ہوا اور اسی کو محمد علیہ السلام نے آج سے چودہ صدیاں قبل الدجّال کہا تھا۔

الدجّال یعنی ٹیکنالوجی ان مشینوں کے امر سے عرب کے لاکھوں مربع کلومیٹر صحرا سر سبز و شاداب ہو چکے ہیں ذیل میں تصاویر دیکھیں۔

آسمانوں کے نیچے بدترین مخلوق علماء کے نام پر امام الدجّال کے دجل کی اصل حقیقت تصویر کے آئینے میں۔ آج تک شمال کو مشرق بنا کر پیش کیا جاتا رہا۔ محمد علیہ السلام نے مکہ و یثرب کے مشرق والی زمین سے الدجّال کے نکلنے کا بتایا تو علماء کے نام پر امام الدجّال نے اس کو عراق بنا دیا کہ مشرق میں عراق ہے حالانکہ مشرق میں سعودی عرب کا نجد ہے نہ کہ عراق بلکہ عراق تو شمال کی طرف ہے۔تصویر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

الحجاز کے مشرق میں لاکھوں مربع کلومیٹر کے رقبے پر مشتمل صحرا کو الدجّال کے امر سے سبز و شاداب بنا دیا گیا۔
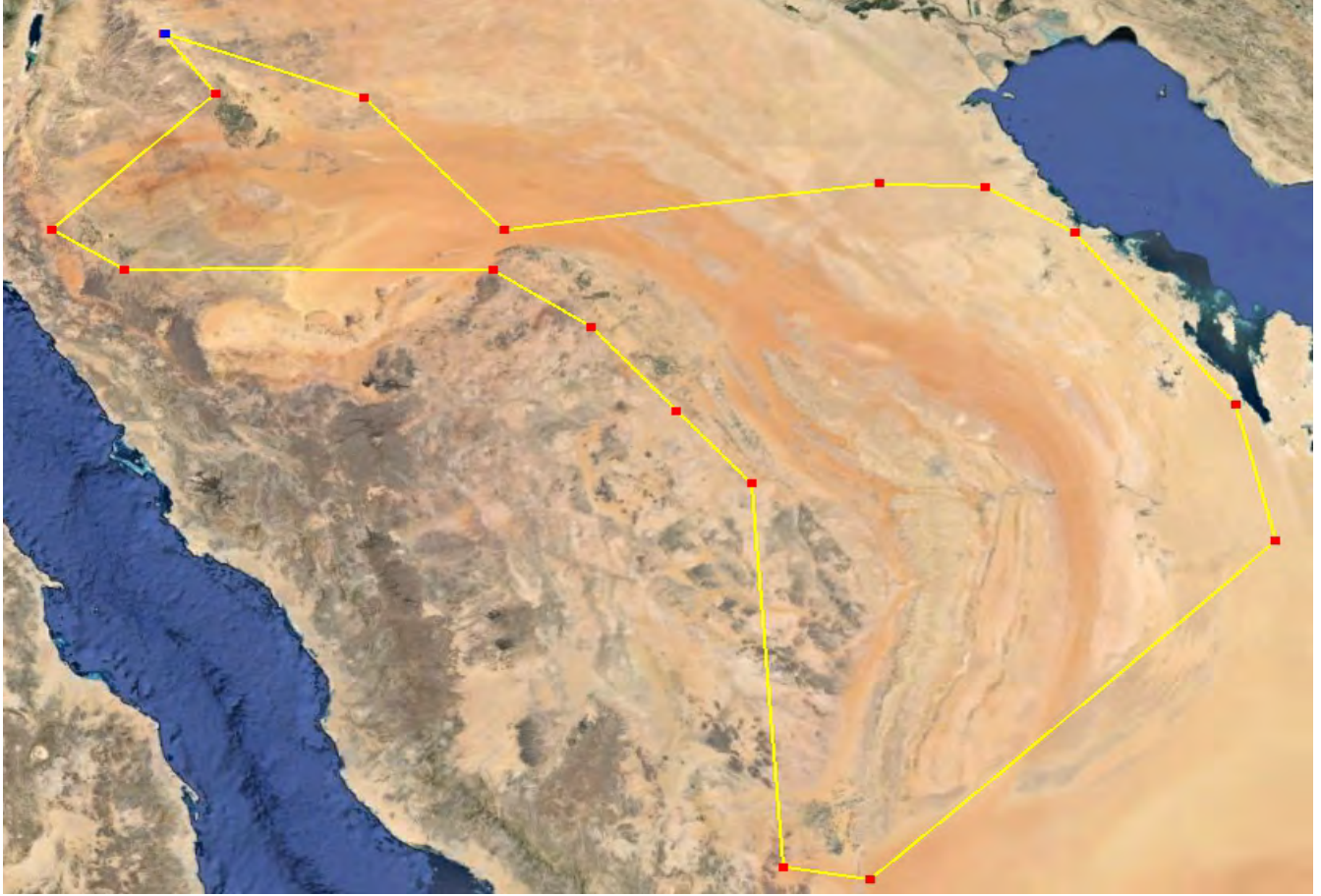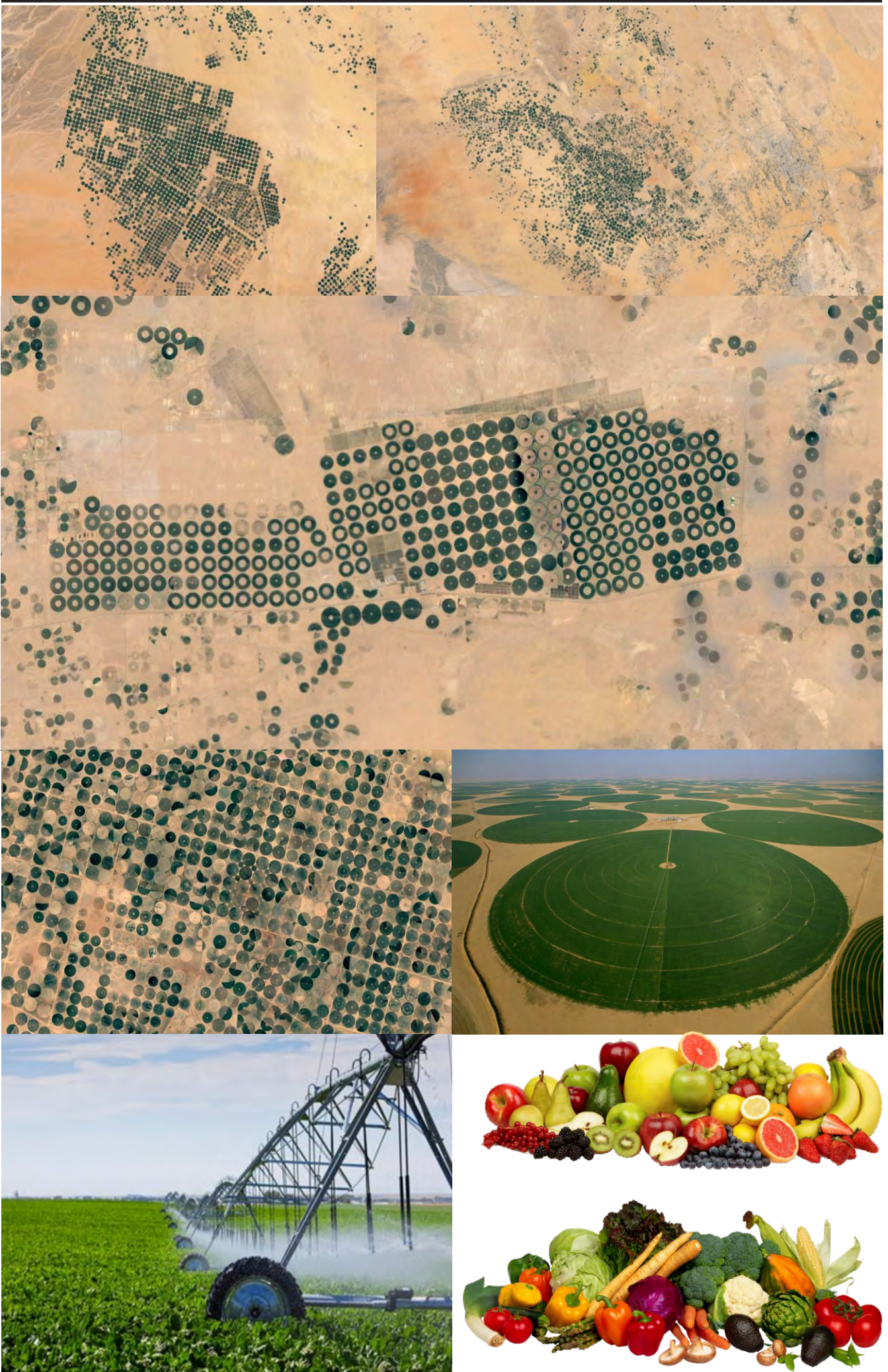
والارض فتنبت، فتروح عليهم سارحتهم اطول ما كانت ذرى واسبغه ضروعاً وامده خواصر،

اور زمین کو حکم دے گا پس وہ اگائے گی پس ان پر طاقتور سپرے کرے گا وہ فصلیں اور ان کو کھانے والے استعمال کرنے والے یعنی وہ فصلیں جن کا رزق بنیں گی وہ جلدی بڑے ہو جائیں گے نہیں تھا ان کے لیے کیا گیا اتنا جلدی بڑا ہونا اور ضرورت سے زیادہ ان کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے اور محدود وقت میں شکم بار ہو جائیں گے۔

محمد علیہ السلام کے الفاظ کے عین مطابق آج ٹیکنالوجی زمین کو حکم دیتی ہے تو زمین اُگاتی ہے اور ان فصلوں پر طرح طرح کے کیمیکلز کی سپرے کی جاتی ہے جس سے وہ فصلیں اپنے وقت سے بہت پہلے جلد بڑی ہو جاتی ہیں اور ان فصلوں اور ایسی خوراکوں اور ایسے اجزاء کو کھانے والے جانوروں کے تھن حد سے زیادہ دودھ سے بھر جاتے ہیں اور انہیں فصلوں کو کھا کر جانور موٹے تازے ہو جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ آج آپ اپنی آنکھوں سے ہوتا ہوا نہ صرف دیکھ رہے ہیں بلکہ خود بھی اسی ٹیکنالوجی کو اپنا ربّ بنائے ہوئے یہی سب کچھ کر رہے ہیں۔

تصاویر میں دیکھیں۔

ایسی فصلیں دیکھنے میں تو بہت بھلی لگتی ہیں لیکن یہ صرف ظاہراً اچھی ہیں مگر ان کا باطن لاتعداد بیماریوں سے بھرا پڑا ہے۔ یہی تو دجل ہے کہ ہر کوئی انہیں دیکھ کر اپناتا ہے حاصل کرتا ہے دیکھنے میں یہ سب بہت اچھا لگتا ہے لیکن جب یہی سب انسان اور جانور کھاتے ہیں تو وہ مفلوج ہو جاتے ہیں، ان کو طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں، بچے وقت سے پہلے بالغ ہو جاتے ہیں، لوگوں کی عمریں کم ہو جاتی ہیں، جسم کمزور ہو جاتے ہیں طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دودھ حاصل تو زیادہ کر لیا جاتا ہے لیکن ان غیر فطرتی طریقوں سے حاصل شدہ ہر شئے کا ظاہری پہلو تو بہت خوشنما ہوتا ہے لیکن اس کا باطن محض زہر ہی ہوتا ہے۔ یہی وہ دجل ہے آج جس کا ہر کوئی شکار نظر آتا ہے اور کوئی بھی اسے پہچان نہیں پا رہا اور نہ ہی پہچاننا چاہتا ہے۔

ثم یاتی القوم فیدعوهم فیردون علیه قوله فینصرف فیصبحون ممحلین لیس بایدیهم شئی من اموالهم،

پھر آئے گا ایک قوم کے پاس پس انہیں دعوت دے گا پس وہ پھیر دیں گے اس پر اس کے قول کو پس وہ لوٹ جائے گا پس وہ بنجر ہو جائے گی کچھ بھی نہیں آئے گا ان کے اموال سے ان کے ہاتھوں میں یعنی وہ الدجّال کے حکم کے بغیر اُگائیں گے تو کچھ بھی نہیں اُگے گا جیسے کہ زمین بنجر ہوتی ہے یوں انکے اموال سے کوئی شئے ان کے ہاتھ میں نہیں رہے گی۔ جب زمین الدجّال کے حکم یعنی کھادوں وغیرہ اور مصنوعی بیجوں کے بغیر کچھ اُگائے گی نہیں تو پھر ظاہر ہے ان کے اموال بھی ختم ہو جائیں گے جانور دودھ وغیرہ نہ ہونے کے برابر دیں گے بلکہ ان کے جانور زندہ ہی بمشکل رہیں گے۔

آج آپ یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ الدجّال دعوت دیتا ہے یعنی میڈیا پر کمرشلز آتی ہیں جن میں طرح طرح کے مصنوعی بیجوں کی طرف دعوت دی جاتی ہے اور زیادہ اور دل لبھا دینے والی پیداوار حاصل کرنے کے لیے کھادوں کے استعمال کی دعوت دی جاتی ہے یعنی یہ کہ ٹیکنالوجی کو اپنا ربّ بنانے کی دعوت دی جاتی ہے اور جو لوگ اس دعوت پر ایمان لائے اس کو قبول کیا یعنی ٹیکنالوجی کو اپنا ربّ بنایا تو ان کے کھیت حد سے زیادہ پیداوار دیتے ہیں ان کے جانور حد سے زیادہ دودھ دیتے ہیں، ان کے جانوروں کی کوکھیں محدود وقت میں بھر جاتی ہیں اور وہ خوشحال نظر آتے ہیں لیکن جو لوگ جان جاتے ہیں کہ یہ سب دجل ہے بے شک دیکھنے میں سب کچھ اچھا ہے مگر حقیقت میں یہ صرف اور صرف فساد ہے۔ اس طرح حاصل کر کے جو کچھ بھی استعمال کیا جائے گا اس کا انتہائی درجے نقصان ہے ہر شئے عیب دار ہو جائے گی، بیماریاں بڑھیں گی، بچے معذور اور مفلوج پیدا ہوں گے اسی طرح ہر شئے میں نقص و خرابیاں پیدا ہو جائیں گی تو وہ لوگ ٹیکنالوجی کو ربّ بنانے کی بجائے اللہ کو اپنا ربّ بناتے ہیں فطرت پر انحصار کرتے ہوئے جب قدرتی بیج استعمال کرتے ہیں اور کھادوں کے بغیر اس ٹیکنالوجی کے بغیر اُگاتے ہیں بارشوں پر انحصار کرتے ہیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گویا ان کی زمین بنجر ہے کچھ بھی نہیں اُگتا اور پھر ایسے حالات میں دنیا جہنم سے کم نہیں رہ جاتی ایسے حالات میں پھر ثابت قدم رہنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے اور اسی کا محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ اے اللہ کے غلامو ثابت قدم رہنا، ڈٹے رہنا۔ یہ حقیقتاً ایسا فتنہ ہے کہ اس سے عظیم فتنہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اکثریت نے الدجّال یعنی ٹیکنالوجی کو اپنا ربّ بنایا ہوا ہے۔

ویمر بالخربة فیقول لها: اخرجی کنوزک، فتتبعه کنوزها کیعاسیب النحل.

کنوز۔ خزانے، قیمتی اشیاء۔ زمین کے خزانے وہی ہیں جن سے زمین اپنی نباتات اگاتی ہے جن نباتات میں نائیلون، پلاسٹک، تیل، فائبر، کاٹن وغیرہ سمیت لاتعداد اشیاء موجود ہوتی ہیں جن سے زمین پر حیات وجود میں آتی ہے یعنی تمام جاندار وجود میں آتے ہیں بشر سمیت اس کے علاوہ اور بہت سے عناصر جنہیں قدرتی وسائل کا نام دیا جاتا ہے۔

اور امر کرے گا اسے یعنی زمین کو خربة کے ساتھ یعنی ایسے آلات جن میں زمین کو پھاڑنے اس میں سوراخ کرنے، زمین کی گہرائیوں سے کچھ نکالنے کی صلاحیت ہوتی ہے ان آلات کیساتھ زمین کو پھاڑے گا، اسے کھوکھلا کرے گا، کمزور کرے گا پس کہا جائے گا اس کو نکال اپنے خزانے، پس اس سے اس کے پیچھے نکال دے گی اپنے خزانے جیسے کھجور کی شاخیں۔

یہی ٹیکنالوجی یہی مشینیں ہیں جن سے آج زمین کو حکم دیا جاتا ہے زمین کو پھاڑا جاتا ہے اسے کھوکھلا کیا جاتا ہے اور زمین کے خزانے اس ٹیکنالوجی کے پیچھے نکلتے

ہیں جیسے کھجور کی شاخیں۔ سب سے پہلے کھجور کی شاخوں کو دیکھیں اور اس کے بعد محمد علیہ السلام کے الفاظ کو ذہن میں رکھتے ہوئے تصاویر کو دیکھیں تو آپ چونک جائیں گے کہ کیسے کھول کھول کر آج سے چودہ صدیاں قبل آج کے بارے میں محمد علیہ السلام نے واضح کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود کوئی بھی نہیں جو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو یا حق کو سمجھنا چاہتا ہو۔

اب نیچے تصاویر میں دیکھیں کہ بالکل کھجور کی شاخوں کی طرح زمین میں جہاں اس کے خزانے موجود ہیں وہاں سے پھاڑا جاتا ہے اور پھر زمین کے خزانے اس ٹیکنالوجی کے پیچھے پیچھے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

Horizontal Well Fracture Stimulation

Traditional Vertical Well Fracture Stimulation
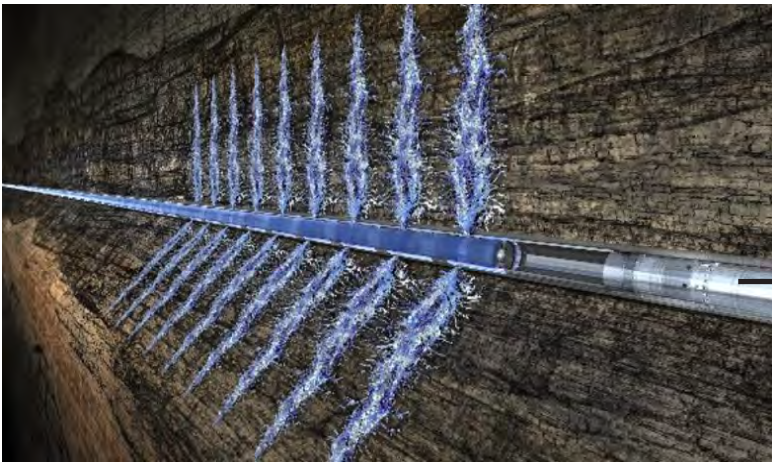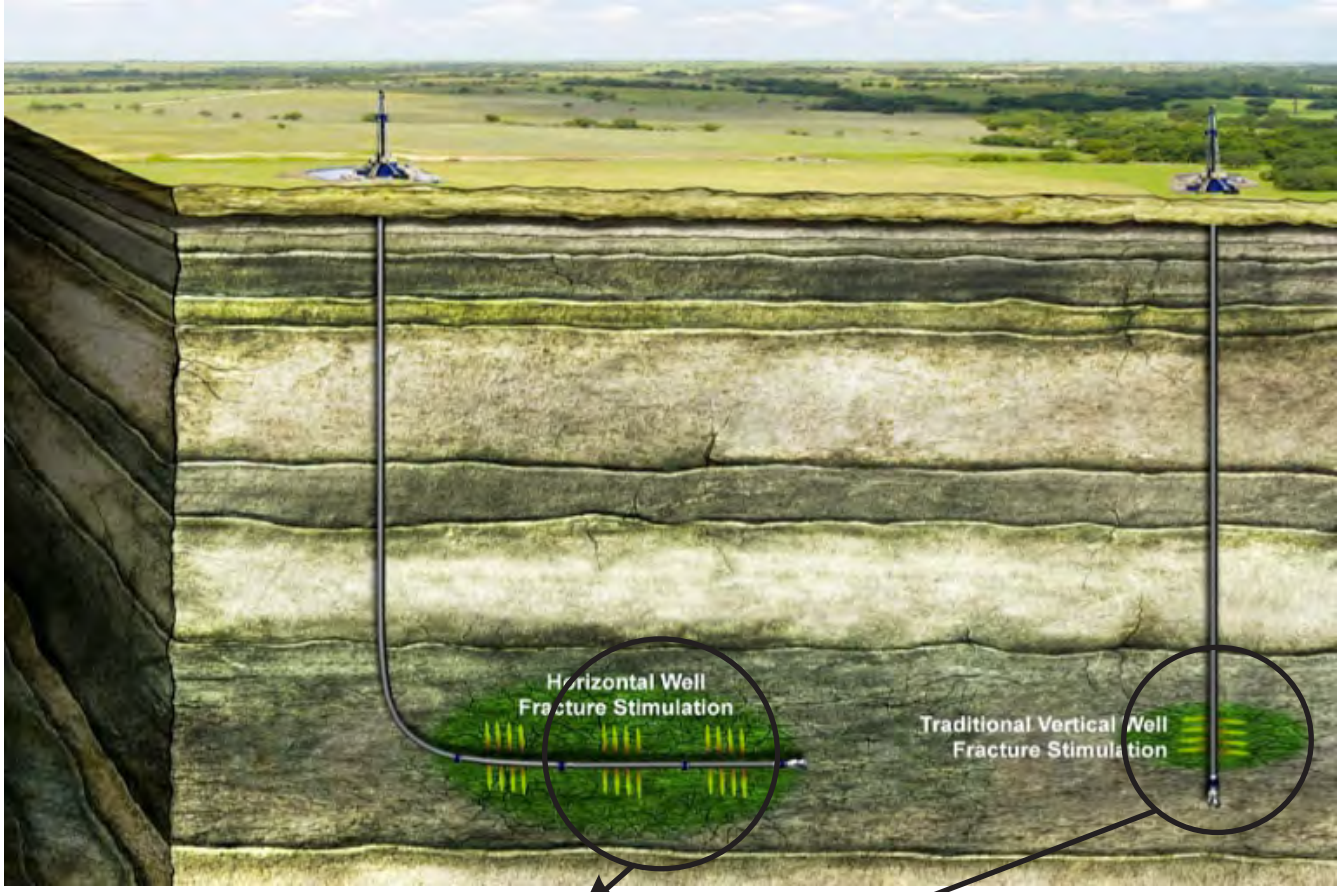
زمین کے خزانے جنہیں کالا سونا بھی کہا جاتا ہے جن کے لیے آج پوری دنیا میں جنگ و جدل ہو رہا ہے اور شہروں کے شہر کھنڈرات میں بدل رہے ہیں اور عنقریب انہی خزانوں کے حصول کی خاطر دنیا کو القارعہ یعنی آخری عالمی ایٹمی جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے ہونے والی تباہی کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ایسے بم پھاڑے جائیں گے۔ یہی خام تیل وہ الدجّال ہے جس سے دنیا میں جنت اور جہنم دونوں موجود ہیں۔ جو ٹیکنالوجی کو ربّ بنائیں گے تو دنیا ان کے لیے جنت اور جو اسے ربّ نہیں بنائیں گے تو دنیا ان کے لیے جہنم بن جائے گی۔

الدجّال کا خروج

الدجال یخرج من ارض بالمشرق یقال لھا خراسان، یتبعہ اقوام کان وجوھھم المجان المطرقۃ۔ ترمذی، حاکم
الدجّال نکلے گا زمین سے مشرق کیساتھ کہا اس کو خراسان۔ یعنی مشرق میں خراسان نامی زمین کیساتھ جو علاقہ ہے جو خطے ہیں وہاں سے الدجّال نکلے گا، اس کی اتباع کرنے والی اقوام یعنی الدجّال جو کہ ٹیکنالوجی ہے ایجادات ہیں ان کے پیچھے جو لوگ ہوں گے ان کے چہرے چپٹے ہوں گے تہہ دار۔ محمد علیہ السلام کے الفاظ کے عین مطابق آج سے چودہ صدیاں قبل جس زمین کو خراسان کہا جاتا تھا آج اس زمین کیساتھ جو علاقے ہیں جنہیں چین، جاپان و تائیوان وغیرہ کہا جاتا ہے وہیں الدجّال یعنی ٹیکنالوجی تیار ہو کر نکل رہی ہے یہ مشینیں بن کر نکل رہی ہیں اور اس کی اتباع یعنی اس کے پیچھے بالکل وہی قومیں ہیں جن کے چہرے چپٹے ہیں جیسا کہ آپ تصاویر میں ان اقوام کے چہروں کو دیکھ سکتے ہیں اور آج ٹیکنالوجی کا ایک بڑا حصہ یہیں سے تیار ہو کر نکل رہا ہے۔

الدجّال یعنی ٹیکنالوجی بغیر کسی شک وشبے کے آج دنیا کے مشرق سے ہی نکل رہی ہے اور وہ قومیں اس الدجّال کی اتباع میں اسے خلق کر رہی ہیں جن کی نشاندہی آج سے چودہ صدیاں قبل ہی محمد علیہ السلام نے کر دی تھی۔

دنیا کے مشرق میں چین، تائیوان، جاپان وغیرہ ہیں اور انہی ممالک سے ٹیکنالوجی وجود میں آ کر پوری دنیا میں پھیل رہی ہے خواہ وہ گاڑیاں ہوں، الیکٹرونکس کا سامان ہو یا آج کے دور میں جنہیں آپ مصنوعات کا نام دیتے ہیں تمام کی تمام فطرت کی ضد غیر فطرتی اشیاء کو سب کا سب آج انہیں ممالک بالخصوص چین و

جاپان میں خلق کیا جا رہا ہے اور ان لوگوں کے چہرے بھی بالکل محمد علیہ السلام کے بتائے ہوئے الفاظ کے عین مطابق ہیں اور اسی طرح ان کی ناکیں بھی چپٹی ہے۔

رسول الله ﷺ قال: انه خارج خلة بين شام والعراق. مسند احمد، مسلم ، ترمذی، ابن ماجه، ابن خزیمه، حاکم

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں الدجّال شام اور عراق کے درمیان خالی جگہ جہاں آبادی وغیرہ کچھ بھی نہیں، خالی میدانی یا صحرائی علاقے سے نکلے گا۔

پیچھے صراحت کیساتھ گزر چکا ہے اور آگے بھی آئے گا کہ زمین کا خون یعنی زمین سے نکلنے والا خام تیل الدجّال ہے اسی سے دنیا جنت اور جہنم بنی ہوئی ہے۔ اور خام تیل بالکل انہیں مقامات سے نکل رہا ہے جہاں سے محمد علیہ السلام نے الدجّال کے نکلنے کا بتایا تھا یعنی عراق اور شام کی خالی جگہوں سے جو کہ صحرائی علاقے ہیں جیسا کہ تصاویر میں واضح ہے۔

رسول اللہ ﷺ قال: انه فی بحر الشام أو بحر الیمن. لا، بل من قبل المشرق ما ھو من قبل المشرق ما ھو من قبل المشرق ما ھو وأومأ بیده الی المشرق. مسند احمد

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں وہ یعنی الدجّال شام کے سمندر میں ہے، اور کہاں ہے یمن کے سمندر میں ہے۔ نہیں بلکہ مشرق کی سمت سے، نہیں جو کچھ بھی الدجّال ہے وہ مشرق کی سمت سے، نہیں جو کچھ بھی الدجّال ہے وہ مشرق کی سمت سے اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔
آج اگر آپ بحر شام یعنی شام کے سمندر کو دیکھیں تو وہاں ٹیکنالوجی سے لیس الدجّال کے حمار یعنی بڑے بڑے بحری جہاز جو کہ الدجّال ہے کھڑے ہیں اور بحر یمن یعنی یمن کے سمندر میں بھی اور جیسا کہ پیچھے یہ بات بھی واضح ہو چکی کہ الدجّال یعنی ٹیکنالوجی مشرق سے ہی نکل رہی ہے یوں اس روایت میں محمد علیہ السلام کا ایک ایک لفظ سچا ثابت ہوتا ہے۔
محمد علیہ السلام کا یہ کہنا کہ وہ بحر شام میں ہے پھر بحر یمن میں کہنا اور پھر کہنا کہ نہیں بلکہ مشرق سے نکلے گا اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ محمد علیہ السلام خود ہی ایک بات کر کے اس کی تردید کر رہے ہیں بلکہ یہ وقت پر منحصر ہے کہ ایک وقت میں ایک جگہ سے نکل رہا ہے پھر دوسرے وقت میں دوسری جگہ اسی طرح کسی تیسری جگہ سے بھی۔ عربی کا اسلوب ہی یہی ہے کہ جب ایسا معاملہ ہو تو بات ایسے ہی کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ قال: بل ھو فی بحر العراق، یخرج حین یخرج من بلدة یقال لھا اصبھان. کنزالعمال

رسول اللہ ﷺ نے کہا: بلکہ جو کچھ بھی الدجّال ہے عراق کے سمندر میں ہے نکلنے کے وقت نکلے گا کہا جاتا ہے اس کو اصبھان۔

رسول اللہ ﷺ قال: یخرج الدجال من العراق. نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا: الدجّال نکلے گا عراق سے۔

روایات میں ان مقامات کے علاوہ بھی کچھ مقامات کا ذکر آیا ہے اور جن جن مقامات کا ذکر آیا ہے بالکل انہی مقامات سے آج خام تیل نکل رہا ہے جس سے دنیا آج جنت اور جہنم کا منظر پیش کر رہی ہے۔ اسی خام تیل سے تمام کی تمام مصنوعات بن رہی ہیں اور اسی خام تیل سے آگ و بارود بن رہا ہے۔ جو اس ٹیکنالوجی کو یعنی الدجّال کو اپنا ربّ بناتے ہیں ان کے لیے دنیا جنت بن چکی ہے اور جو اس کے ربّ ہونے کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کے ربّ ہونے کا کفر کرتے ہوئے اللہ کو اپنا ربّ بناتے ہیں تو ان کے لیے اس دنیا میں کچھ بھی نہیں سوائے آگ و بارود کے۔ یہی الدجّال ہے اور یہی اس کی جنت وجہنم ہے۔

رسول اللہ ﷺ قال: ان الدجال یبریء الأکمه والابرص ویحی الموتی ویقول للناس أنا ربکم، فمن قال: أنت ربی، فقد فتن، ومن قال: اللہ ربی، حتی یموت علی ذلک فقد عصم من فتنة الدجال ولا فتنة بعده علیه ولا عذاب، فیلبث فی الارض ما شاء اللہ، ثم یجیء عیسیٰ ابن مریم علیھما السلام من قبل المغرب مصدقاً بمحمد ﷺ وعلی ملته فیقتل الدجال، ثم انما ھو قیام الساعة. مسند احمد، طبرانی، والرویانی

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں الدجّال جسے قیام الساعت کے قریب وجود میں آنا ہے ٹھیک کرے گا اندھے پن یعنی بینائی کی کمی کی بیماریوں اور برص یعنی جذام، کوڑھ، جلد کی بیماریوں کے مریضوں کو اور موت کو حیات کرے گا یعنی آسمان سے بارشیں برسائے گا زمین سے نباتات نکالے گا ان نباتات سے مختلف مخلوقات وجود میں آئیں گی اور کہہ رہا ہے لوگوں کو یعنی اپنے اعمال سے لوگوں کو کہہ رہا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں، پس جس نے کہا تو میرا ربّ ہے، پس تحقیق فتنے میں پڑا اور جس نے کہا اللہ میرا ربّ ہے یہاں تک کہ اس کی اسی پر موت ہوئی پس تحقیق بچا لیا گیا فتنہ الدجّال سے اور نہ ہی اس کے بعد اس پر کوئی فتنہ ہوگا اور نہ عذاب، پس فتنہ الدجّال رہے گا زمین میں جتنا اس کا زمین پر ٹھہرنا اللہ کے قانون میں ہے پھر آئیں گے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام جو کہ دو عیسیٰ ہیں ان میں سے ایک کو سلف یعنی گزرا ہوا کیا جا چکا اور نہ صرف سلف یعنی گزرا ہوا کیا جا چکا بلکہ مثل کر دیا بعد والے کے لیے تو آئیں گے ابن مریم جو کہ سلف ہیں ان کی مثل عیسیٰ رسول اللہ علیہ السلام مغرب سے پہلے یعنی امت محمد کے یوم کے بالکل آخر میں قیام الساعت کے بالکل قریب، تصدیق کریں گے

ایک ایک شئے کی ایک ایک بات کی محمد ﷺ کیساتھ یعنی جو کچھ بھی محمد علیہ السلام نے کہا تھا محمد علیہ السلام کے الفاظ سے ہی ان کی ایک ایک بات کی تصدیق کریں گے اوراس کی یعنی اباابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہوں گے پس قتل کریں گے الدجّال کو پھراس میں کچھ شک نہیں جو ہے وہ الساعت کا قیام ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ قال: ان الدجال یبریء الأکمه والابرص.

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں کہ قرب قیام الساعت اشراط الساعت میں سے ایک شرط الدجّال ہوگا جواندھے پن، بینائی کی کمی کی بیماریوں اورجلدی بیماریوں کے مریضوں سے ان کی یہ بیماریاں ہٹادے گا ان سے یہ بیماریاں دور کردے گا۔

آج آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ آیا کیا آج ایسا ہورہا ہے؟ کیا آج قرب قیام الساعت اشراط الساعت میں سے ایک شرط جوکہ الدجّال یعنی مخصوص دجّال ہے جس کی وجہ سے الساعت کا قیام ہونا ہے، الساعت جوکہ ایسا زلزلہ ہے کہ اگر زلزلوں میں سے اس زلزلے کو نکال دیا جائے تو باقی زلزلوں کی اہمیت وحیثیت ایسے ہی رہ جائے گی جیسے جسم سے تمام کی تمام ہڈی نکال لینے سے جسم کی اہمیت وحیثیت رہ جاتی ہے، الساعت ایسا عظیم زلزلہ ہے جس میں کوئی ایک بھی انسان نہیں بچے گا سب کے سب مارے جائیں گے کیا آج اشراط الساعت میں سے ایک بڑی شرط ایسا دجّال موجود ہے؟ جوکہ پیچھے ہرلحاظ سے یہ بات کھول کھول کرواضح کی جاچکی کہ یہ الدجّال کوئی مخصوص بشرانسان نہیں بلکہ فطرت کے مقابلے پرفطرت میں چھیڑ چھاڑ کرکے فطرت میں تبدیلیاں کرکے فطرت کی ضدانسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ طرح طرح کی مخلوقات ہیں جو کہ عیب دار ہیں جنہیں انسان ایک ہی رخ سے دیکھتا ہوا اپنے لیے سہولتیں، آسائشیں، آسانیاں وغیرہ سمجھتا ہے یعنی اپنے لیے مسیحا سمجھتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ محض دجل ہے حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اورحقیقت یہ ہے کہ یہ مخلوقات انسان کے لیے دنیا وآخرت میں ہلاکت کا باعث ہیں جوکہ یہ سب کا سب آج موجود ہے نہ صرف موجود ہے بلکہ آج اس ٹیکنالوجی سے اندھے پن، بینائی کی کمزوری کے مریضوں اورطرح طرح کی جلدی بیماریوں کے مریضوں سے ان کی یہ بیماریاں دورکی جارہی ہیں۔

آج ٹیکنالوجی یعنی الدجّال نہ صرف آنکھیں ٹرانسپلانٹ کررہا ہے بلکہ مصنوعی آنکھیں بھی بناکر کامیابی سے لگائی جارہی ہیں اس کے علاوہ نظر کی عینکیں بالکل عام ہیں اوراسی طرح جذام کے مریضوں کا بھی علاج کیا جارہا ہے جیسا کہ آپ تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں۔

ویحی الموتی.

قرب قیام الساعت اشراط الساعت میں سے ایک بڑی شرط الدجّال حی کر رہا ہے موت کو۔

اس کے بارے میں ایک بہت بڑی غلط فہمی پھیلا دی جا چکی ہے کہ الدجّال وفات شدہ لوگوں کو جو وفات پا کر گڑھوں میں جا چکے ہیں جنہیں زمین میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا جاتا ہے ان کو ان گڑھوں سے نکال کر بالکل پہلے جیسے جیتا جاگتا زندہ کرے گا۔ یہ بات بالکل غلط، بے بنیاد اور باطل ہے جس کا حقیقت کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں نہ ہی محمد علیہ السلام نے کسی ایک بھی موقع پر ایسا کہا یہاں تک کہ کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا کہ جس سے ایسا کوئی تاثر ملتا ہو بلکہ یہ سب کا سب علماء کے نام پر جہلاء کے کارنامے ہیں جو انہوں نے خوب جہالت پھیلائی۔

موت کو حی کرنے سے مراد یہ کہ الدجّال وفات شدگان کو زندہ یعنی جیتا جاگتا کرے گا ایسی کوئی بات نہ تو ذخیرہ روایات میں ہے جنہیں یہ لوگ احادیث کا نام دیتے ہیں اور نہ ہی قرآن میں آپ کو کہیں ملے گی بلکہ روایات میں جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں "یحی الموتی" جس کے معنی ہیں موت کا حیات کیا جارہا ہونا۔ جو الفاظ الدجّال کے بارے میں کہے گئے بالکل وہی الفاظ قرآن میں اللہ نے کئی مقامات پر اپنے لیے استعمال کیے جنہیں آپ درج ذیل آیات میں دیکھ سکتے ہیں۔

هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى. الحج ٦

هُـــوَ الحق ہے یعنی دیکھو کیا موجود ہے جو موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو جو وجود سامنے آئے یہی وجود اللہ کی ذات ہے یہی وجود حق ہے اگر کوئی اس وجود کا انکار کرتا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کو اللہ قرار دیتا ہے یا اس وجود کے علاوہ کسی اور وجود کا دعویدار ہے تو اس کا کوئی وجود نہیں وہ حق نہیں وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى اور اس میں کچھ شک نہیں یہ جو وجود موجود ہے یعنی ھُوَ یہی حی کر رہا ہے موت کو۔

موت۔ موت کہتے ہیں اس مواد کو جس سے مخلوقات کو وجود میں لایا جاتا ہے جو کہ چھوٹے چھوٹے ذرات میں پوری دنیا میں بکھرا پڑا ہے اور اس سے بھی پیچھے وہ گیسوں کی صورت میں کائنات میں موجود ہے۔

حی۔ حی کہتے ہیں مواد کو یعنی ان ذرات کو کوئی نہ کوئی صورت دینا انہیں جمع کرتے ہوئے ان سے کوئی وجود وجود میں لے آنا، انہیں کسی خلق میں بدل دینا۔

وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى اور اس میں کچھ شک نہیں یہ جو وجود موجود ہے یعنی ھُوَ یہی حی کر رہا ہے موت کو یعنی اس میں کچھ شک نہیں یہ جو وجود موجود ہے جو کچھ بھی موجود ہے یہی وجود ہے جو موت کو یعنی چھوٹے چھوٹے ذرات پر مشتمل مواد کو مختلف مراحل سے گزارتے ہوئے انہیں کسی نہ کسی مخلوق کی شکل میں ڈھال رہا ہے انہیں کوئی نہ کوئی صورت دے رہا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى. یٰس ١٢

اس میں کچھ شک نہیں ہم ہی ہیں ہم حی کر رہے ہیں موت کو۔

وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى. الشوریٰ ٩

اور ھُوَ حی ہو رہا ہے جو موت تھی، اور ھُوَ حی کر رہا ہے موت کو، اور ھُوَ تھا موت جو حی ہو رہا ہے۔

یعنی دیکھو تمہارے علاوہ اور کیا موجود ہے جو موجود ہے اور اور کرتے جاؤ جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے ماضی کا صیغہ بن جائے تو جو وجود سامنے آئے اللہ ہی سامنے آئے گا یہی ذات ہے یہی وجود ہے جو خالق، مخلوق اور جس سے خلق کیا جارہا ہے تینوں صورتوں میں سامنے آئے گا، تینوں کو ایک کرو گے تو اللہ ہے اگر الگ کرو گے تو خلق، خالق اور مخلوق بن جائے گی۔

آپ نے دیکھا ان آیات میں اللہ نے وہی الفاظ اپنے لیے استعمال کیے جو محمد علیہ السلام نے الدجّال کے لیے استعمال کیے اور اللہ نے نہ صرف قرآن میں ان الفاظ کا استعمال کیا بلکہ بالکل کھول کھول وضاحت بھی کر دی کہ اللہ کیسے یحی الموتی کر رہا ہے؟

وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ . البقرة ١٦٤

اور جو اتارا کیا ہے؟ اللہ ہے آسمان یعنی فضا سے پانی سے پس اس پانی کیساتھ حیا کیا زمین کو اس کی موت کے بعد اور اس کیساتھ پھیلائے اس میں تمام کے تمام

دابہ سے یعنی جتنی بھی حرکت کرنے والی مخلوقات ہیں جو تیر کر، رینگ کر، چل کر اور اڑ کر حرکت کرتی ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا. النحل ٦٥

اور اللہ ہے کیا ہے جو اتارا آسمان سے پانی سے پس اس کیساتھ حیا کی زمین کو اس کی موت کے بعد۔

یہ دو آیات ہیں ان کے علاوہ اسی بات کو درجنوں آیات میں مختلف پہلوؤں سے پھیر پھیر کر سامنے لایا گیا کہ فضا سے خلا سے پانی زمین پر اترتا ہے اس پانی کیساتھ زمین میں مختلف مخلوقات جو اپنی موت یعنی ذرات کی صورت میں بکھری پڑی ہوتی ہیں جو کہ ان کی موت ہے یعنی مخلوقات اپنی حالت موت میں ہوتی ہیں انہیں حی کیا یعنی ان ذرات کو پانی کیساتھ مختلف مراحل سے گزار کر مخلوقات کی صورت میں وجود دے دیا ان کے اجسام کا حصہ بنا دیا۔ جیسے ہی آسمان سے پانی اترا تو اس پانی کیساتھ زمین میں وہ عناصر مختلف کیمیائی عوامل سے گزر کر نباتات کی صورت اختیار کرتے ہیں جیسے کہ طرح طرح کے پھل، سبزیاں، اناج وغیرہ جو کہ مخلوقات کا رزق ہوتا ہے آپ کا رزق ہوتا ہے ان نباتات یعنی اس رزق سے پھر جاندار وجود میں آتے ہیں جن میں بذات خود یہ بشر بھی ہے یعنی آپ بھی ہیں۔ اس کا ذکر بھی اللہ نے قرآن میں کر دیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیت میں دیکھ سکتے ہیں۔

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ. البقرة ٢٢

اور کیا اتارا آسمان سے یعنی خلا سے؟ پانی اتارا پس اس پانی کیساتھ نکالے زمین سے ثمرات یعنی طرح طرح کی فصلیں، پھل، سبزیاں، اناج وغیرہ جو کہ رزق ہے تم کا یعنی وہ مواد جس مواد کی تمہارے اجسام کو ضرورت ہوتی ہے جن عناصر پر مشتمل مواد سے تمہارا جسم بن رہا ہے۔

یہ بالکل مختصراً آپ کے سامنے رکھا گیا کہ اللہ کیسے موت کو حیا کر رہا ہے اور یہ ہے موت کو حیا کرنا۔

یہی اللہ نے انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے سورۃ الروم کی آیت نمبر ۵۰ میں کہا۔

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ''. الروم ٥٠

سورۃ الروم کی اس آیت میں اللہ کا یہی کہنا ہے کہ پس کیا دیکھا؟ زمین میں جو بھی قیمتی ترین عناصر ہیں جیسے کہ لوہا، تانبہ، گندھک وغیرہ سمیت جو بھی زمین کے عناصر ہیں جنہیں تم معدنیات کا نام دیتے ہو یا زمین کے عناصر کا نام دیتے ہو اللہ کی رحمت ہے یعنی ان سے ہی تمہیں ہر طرح کی تکالیف سے محفوظ رکھا جا رہا ہے انہی سے نہ صرف تمہیں خلق کیا جا رہا ہے بلکہ انہی سے تمہاری تمام تر ضروریات وجود میں لائی جا رہی ہیں جیسے کہ تمہیں سانس لینے کے لیے آکسیجن کی ضرورت ہے، تمہارا جسم انہی عناصر سے وجود میں لایا گیا تو تمہارے جسم کو انہی عناصر کی ضرورت ہے اگر وہ عناصر تمہارے جسم کو نہ ملیں تو تمہیں تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا ان کے عدم سے ممکنہ تمام تر تکالیف سے انہی کے ذریعے تمہیں محفوظ کیا گیا، تو کیا دیکھا؟ یہ سب کیسے ہو رہا ہے؟ یہ جو ہو رہا ہے جیسے ہو رہا ہے یعنی زمین کے عناصر جن جن مراحل سے گزر کر مختلف مخلوقات کی صورت اختیار کر رہے ہیں بذات خود تم وجود میں آ رہے ہو یہ ہے اللہ کا ارض کی موت کے بعد اسے حیا کرنا كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا دیکھا کیسے اللہ حی کر رہا ہے ارض کو اس کی موت کے بعد یعنی یہ جو تم نے دیکھا اس طرح اللہ موت کا حی کر رہا ہے یہ ہے موت کا حی ہونا۔

یعنی آپ کو اپنی ہی ذات میں غور و فکر کا بار بار کہا گیا کہ غور کرو تمہیں کیسے خلق کیا گیا؟ تمہیں کیسے خلق کیا جا رہا ہے؟ جب آپ غور کریں گے تو آپ پر ساری حقیقت کھل کر واضح ہو جائے گی کہ اللہ کیسے موت کو حیا کر رہا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ. البقرة ٢٨

آپ پہلے اموات تھے یعنی آپ کو جن عناصر پر مشتمل مواد سے وجود میں لایا گیا جن عناصر پر مشتمل مواد کو آپ کی صورت میں ڈھالا گیا وہ عناصر آپ کو وجود میں لانے سے پہلے ذرات کی صورت میں پوری دنیا میں بکھرے پڑے تھے اور پھر کیسے انہیں مختلف مراحل سے گزار کر تمہاری صورت میں وجود دیا جا رہا ہے پھر موت کیا جا رہا ہے پھر حیا کیا جا رہا ہے پھر اسی وجود میں واپس پلٹایا جا رہا ہے جس سے وجود میں لائے گئے۔

آپ کو جتنی بھی جاندار مخلوقات نظر آ رہی ہیں یہ سب کی سب زمین کی حیات ہے جن میں آپ بھی آتے ہیں آپ سمیت یہ تمام کی تمام جاندار مخلوقات پہلے موت

تھیں یعنی جس مواد سے انہیں وجود میں لایا گیا وہ مواد جن عناصر پر مشتمل ہے وہ عناصر ذرات کی صورت میں پوری زمین میں بکھرے پڑے تھے پھر ان ذرات پر مشتمل عناصر کو کیسے مختلف مراحل سے گزار کر انہیں کسی نہ کسی مخلوق کی صورت میں ڈھالا جا رہا ہے یعنی حیا کیا گیا اور حیا کیا جا رہا ہے؟ یہ ہے موت کو حیا کرنا نہ کہ گڑھوں میں مدفون وفات شدگان کو گڑھوں سے نکال کر پہلے جیسا جیتا جاگتا زندہ کرنا حی کرنا کہلاتا ہے موت کو۔

اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی

اس میں کچھ شک نہیں وہ تھا اللہ کا موت کو حیا کرنا یعنی جو آپ نے غور و فکر کرنے سے دیکھا جو آپ کے سامنے آیا وہ تھا اللہ کا موت کو حی کرنا نہ کہ گڑھوں میں مدفون وفات شدہ لوگوں کو گڑھوں سے نکال کر انہیں پہلے جیسا جیتا جاگتا کر دینا۔

اور ایسے ہی الدجّال نے حی کرنا تھا موت کو، الدجّال نے بھی آسمان سے پانی برسانا تھا یعنی بارشیں برسانا تھیں، اوپر سے زمین پر پانی چھڑکنا تھا پھر اس پانی سے زمین سے نباتات نے نکلنا تھا ان نباتات نے نکلنا تھا وہ نباتات انسانوں کا رزق ہونا تھا اس رزق سے لوگوں نے اپنے اجسام بنانا تھے، اس کے علاوہ جیسے اللہ ان عناصر کو مختلف مراحل سے گزار کر رزق بناتا ہے جسے مخلوقات استعمال کرتی ہیں بالکل ایسے ہی الدجال نے بھی زمین کے عناصر کو مختلف مراحل سے گزار کر اس سے رزق وجود میں لانا تھا تو ذرا غور کریں کیا آج ایسا ہو رہا ہے؟ اگر تو نہیں ہو رہا تو ابھی الدجّال نہیں نکلا اور اگر ایسا ہو رہا ہے اور جس کیساتھ کیا جا رہا ہے وہ الدجّال ہے اور جو رزق ہے وہ بھی الدجّال ہے ایسا سب کا سب جو غیر فطرتی ہے وہ الدجال ہے اور جب غور کیا جائے اپنے اردگرد دیکھا جائے تو ہاں بالکل آج ایسا سب کچھ ہو رہا ہے۔

الدجّال جو کہ انسانوں کے اپنے ہی ہاتھوں سے ترقی و خوشحالی کے نام پر خلق کردہ طرح طرح کی مخلوقات ہیں یعنی مشینیں ہیں، ایجادات ہیں مصنوعات ہیں ٹیکنالوجی ہے ان سے بارشیں برسائی جا رہی ہیں، بلندی سے زمین پر بارشوں کی مانند پانی اتارا جا رہا ہے جس سے نباتات نکلتی ہیں وہ نباتات رزق ہوتا ہے لوگوں کا اور لوگ اسے اپنا رزق بناتے ہیں۔

ایسے ہی وہ عناصر جن سے آپ کو وجود میں لایا گیا انہیں الدجّال سے ہی زمین سے نکال کر مختلف مراحل سے گزار کر آپ کا رزق وجود میں لایا جا رہا ہے آپ کی ضرورت کی اشیاء وجود میں لائی جا رہی ہیں، زمین سے طرح طرح کے عناصر کو نکالا جاتا ہے جو کہ موت ہوتی ہے پھر ان عناصر کو مختلف مراحل سے گزار کر انہیں کوئی نہ کوئی خلق کی شکل دے دی جاتی ہے یعنی موت کو اللہ کے مقابلے پر حی کیا جا رہا ہے، یہ سب کا سب آج آپ کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔

اپنے اردگرد دیکھیں کہ ایک طرف فطرت ہے اور دوسری طرف فطرت کی ضد، فطرت میں تبدیلی کر کے مخلوقات کو وجود میں لایا گیا اب جو فطرت نہیں ہے تو وہ کیا ہے؟ وہ کس کا ہے؟ ظاہر ہے یہی تو الدجّال ہے، یہی تو الدجّال رزق ہے۔

آج یہ سب کچھ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اور یہ سب ٹیکنالوجی سے ممکن ہوا، ٹیکنالوجی کے ذریعے مختلف طریقوں سے بارشیں برسائی جا رہی ہیں اور زمین کو اس کی موت کے بعد حیا کیا جا رہا ہے۔

ویقول للناس أنا ربکم. اور کہہ رہا ہے لوگوں کو اس میں کچھ شک نہیں کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔

یہاں یہ بات ذہن میں ہونا بہت ضروری ہے کہ وہ کہے گا میں تمہارا ربّ ہوں اگر کوئی ربّ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ زبان سے یہ کہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں بلکہ لفظ ربّ کے معنی سامنے ہوں گے تو بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

ربّ کہتے ہیں ایسی ذات جو نہ صرف عدم سے وجود میں لائے بلکہ عدم سے وجود میں لا کر یعنی خلق کر کے مخلوق کا رزق یعنی جو جو بھی اس کی ضروریات ہیں اس کے کھانے، پینے، پہننے، رہن سہن کی اشیاء، سفر کرنے کے ذرائع سمیت جو بھی ضروریات ہیں وہ خلق کر کے اسے فراہم کرے اور پھر اس پر واضح کرے کہ تمہیں وجود میں لانے کا مقصد کیا ہے یعنی تم نے کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا، جو ذات بھی ایسا کر رہی ہو وہ اپنے عمل سے یہ اعلان کر رہی ہے کہ میں ربّ ہوں اور جن کے لیے وہ ذات ضروریات خلق کر رہی ہوتی ہے اپنے عمل سے انہیں یہ کہہ رہی ہوتی ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں یعنی میں وہ ذات ہوں جس نے تمہیں وجود میں لایا اور میں ہی وہ ذات ہوں جسے علم ہے کہ تمہاری ضروریات کیا ہیں اور میں انہیں تمہارے لیے وجود میں لا رہا ہوں انہیں استعمال کرو اور میں تم پر واضح کر رہا ہوں کہ دنیا میں تمہاری موجودگی کا مقصد کیا ہے تمہیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا اور پھر اس کے جواب میں جو لوگ اس کی خلق کردہ ضروریات کو استعمال کرتے ہیں تو

وہ اپنے عمل سے اسے اپنا ربّ تسلیم کر لیتے ہیں ان کا ربّ وہی ذات کہلائے گی خواہ وہ اپنی زبان سے رات دن کسی اور کے ربّ ہونے کے رٹے لگاتے رہیں۔
یعنی جس کی خلق کردہ ضروریات پر انحصار کیا جائے گا، ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اپنی حاجات کو پورا کرنے کے لیے جس پر انحصار کیا جائے گا جس پر توکل کیا جائے گا وہی آپ کا ربّ کہلائے گا اگر آپ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے فطرت پر انحصار کرتے ہیں تو آپ کا ربّ فطرت یعنی اللہ ہے اور اگر اس کے علاوہ کسی اور پر انحصار کرتے ہیں تو جس پر انحصار کریں گے وہ آپ کا ربّ کہلائے گا اور اس کا آپ کی ضروریات خلق کر کے فراہم کرنا ہی اس کا یہ کہنا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔

الدجّال انسانوں کی تمام ضروریات خلق کرے گا، انسان کے لیے خوراک وہ خلق کرے گا، پہننے کے لیے، پینے کے لیے، سواری کے ذرائع نیز تمام کی تمام ضروریات زندگی خلق کرے گا اور انہیں دعوت دے گا کہ یہ ہیں تمہاری ضروریات انہیں استعمال کرو اور تمہارا دنیا میں وجود کا مقصد ہی یہی ہے کہ ان ضروریات کو حاصل کرو اور ان سے مزے لوٹو، جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا انہی کے پیچھے انہی کے حصول میں استعمال کرو یہی تمہاری زندگی کا مقصد ہے اور جو انسان اللہ کے علاوہ کسی اور کی خلق کردہ ضروریات کو اختیار کرے تو جس کی خلق کردہ ضروریات کو اختیار کرے وہی اس کا ربّ کہلائے گا اس کے لیے ضروری نہیں کہ زبان سے کہا جائے کہ فلاں میرا ربّ ہے بلکہ ربّ اس ذات کو کہتے ہیں جس کی خلق کردہ ضروریات کو استعمال کر کے زندگی گزاری جائے۔ تو آج پوری دنیا میں ٹیکنالوجی سے انسان کی تمام کی تمام ضروریات نہ صرف اللہ کے مقابلے پر خلق کی جا رہی ہیں بلکہ یہی ٹیکنالوجی میڈیا کے ذریعے اشتہارات کے ذریعے انسانوں کو دعوت دے رہی ہے کہ مجھے اپنا ربّ بناؤ اور جو کچھ بھی تمہیں دیا گیا مال ہو، اولاد ہو، ذہانت ہو، صلاحیتیں ہوں یا کوئی عہدہ و رتبہ وغیرہ ہو سب کا اسی الدجّال کے حصول کے لیے استعمال کرو اور آج تقریباً تمام انسانوں نے اللہ کے مقابلے پر اسی ٹیکنالوجی کو اپنا ربّ بنایا ہوا ہے اور کسی کو اس کا ادراک تک نہیں۔

فمن قال: انت ربی، فقد فتن. پس جس نے جواب دیا تُو ہی میرا ربّ ہے پس تحقیق وہ فتنے میں پڑ گیا۔

پھر وہی بات ایسا ہرگز نہیں ہے کہ کوئی آ کر زبان سے یہ کہے گا کہ میں تمہارا ربّ ہوں تو آگے سے زبان سے جواب دیا جائے گا ہاں یا ناں۔ اکثریت زبان سے یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اللہ ہمارا ربّ ہے تو کیا کبھی ایسا ہوا کہ اللہ نے سامنے آ کر یا زبان سے کبھی کسی کو یہ کہا ہو کہ میں تمہارا ربّ ہوں؟ اور اگر کہا تو کیسے کہا؟ پہلی بات کہ سب سے پہلے تو یہ علم ہونا چاہیے کہ اللہ ہے کیا اس کا ربّ ہونا کیا ہے وہ کیسے ربّ ہے؟ جب یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کیا ہے جو کہ یہی وجود جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے یہی آپ کا ربّ ہے یعنی ذرا غور کریں کیا یہی وجود جسے آپ کائنات کا نام دیتے ہیں یہی آپ کو عدم سے وجود میں نہیں لایا؟ کیا یہی آپ کی تمام تر ضروریات خلق کر کے مہیا نہیں کر رہا؟ اسی نے آپ کو تمام اعضاء نہیں دیئے؟ یہی وجود آپ کو آکسیجن فراہم نہیں کر رہا؟ کیا یہی وجود آپ کو آپ کا رزق فراہم نہیں کر رہا؟ کیا یہی وجود بارشیں نہیں برساتا؟ یعنی جب یہی وجود یہ سب کر رہا ہے تو پھر ربّ کون ہوا؟ اللہ کون ہوا؟ بالکل واضح ہے کہ یہی وجود جو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود ہے یہ اللہ ہی کی ذات نظر آ رہی ہے۔ جہاں تک بھی آپ کی رسائی ہے اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں ایک ہی وجود ہے اور جو وجود ہے اللہ کا وجود ہے۔

اب ذرا غور کریں کہ اس وجود نے آپ کو کیسے کہا کہ میں تمہارا ربّ ہوں؟ یعنی پیچھے ماضی میں چلے جائیں جب انسان صرف اور صرف اسی وجود اللہ یعنی فطرت کے محتاج تھے تو کیا کوئی آواز آ رہی تھی کہ میں تمہارا ربّ ہوں یا پھر یہ وجود اپنے عمل سے آپ کا ربّ ہونے کا دعویدار ہے اور آپ اسے اپنا ربّ بنائے ہوئے تھے۔

اور اس کے علاوہ آپ کی زبان میں بھی اس وجود نے آپ کو کہا آپ کو دعوت دی کہ میں تمہارا ربّ ہوں جب انسانوں نے اللہ کے مقابلے پر کسی کو اس کا شریک مقرر کرتے ہوئے اسے اپنا ربّ بنایا تب اللہ اپنی زبان یعنی یہ جو وجود ہے انسان چونکہ بشر ہیں تو انہی میں سے ایک بشر کے ذریعے ان کی اپنی زبان میں کہتا ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔

تو جیسے اصل ربّ اپنے ربّ ہونے کا دعویدار ہے ایسے ہی نقل ربّ الدجّال نے اپنے ربّ ہونے کا دعویٰ کرنا تھا ایک عمل سے اور دوسرا اپنے نمائندوں یعنی اپنے رسولوں کے ذریعے انسانوں کو اپنے ربّ ہونے کی دعوت دینا تھی۔

اللہ کو ربّ تسلیم کرنے کا مطلب ہے کہ ہر لحاظ سے اللہ پر ہی توکل کیا جائے فطرت پر قائم ہوا جائے یعنی جو ضروریات اللہ نے آپ کے لیے خلق کیں جب صرف

اور صرف انہی کو استعمال کیا جائے گا تو یہ آپ کا اپنے عمل سے اللہ کو اپنا ربّ تسلیم کرنا ہوگا اور اللہ کے علاوہ جو بھی ربّ ہونے کا دعویدار ہوگا اس کا کفر ہوگا ورنہ جس کا خلق کردہ یا مہیا کردہ اختیار کیا جائے گا وہی ربّ کہلائے گا خواہ زبان سے دعویٰ کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

اللہ کے مقابلے پر ایک ہی ایسی ذات ہے جو پوری دنیا میں انسان کی تمام کی تمام ضروریات خلق کر رہی ہے اور وہ ٹیکنالوجی ہے۔ اس ٹیکنالوجی کے وجود سے پہلے صرف اور صرف اللہ ہی کی ذات ایسی تھی جو واحد خالق تھا لیکن ابھی اللہ کے ساتھ اس کے تمام کاموں میں اس ٹیکنالوجی کیساتھ شریک ہوا جا رہا ہے۔ تقریباً دنیا کے تمام انسانوں نے اسے اپنا ربّ بنایا ہوا ہے لیکن کوئی بھی غور و فکر کرنے کو تیار ہی نہیں۔

آج یہ ٹیکنالوجی اپنے عمل کے ذریعے انسانوں کا ربّ ہونے کی دعویدار ہے اور پھر انسانوں کی اپنی زبان میں اپنے نبیوں یعنی میڈیا کے ذریعے اسے ربّ بنانے کی دن رات دعوت دے رہی ہے اور انسانوں کی کثیر تعداد اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اسے اپنا ربّ تسلیم کر چکی ہے۔

ومن قال: الله ربی، حتی یموت علی ذلک فقد عصم من فتنة الدجال ولا فتنة بعده علیه ولا عذاب. اور جس نے کہا اللہ میرا ربّ ہے یعنی جس نے صرف اور صرف اللہ ہی کی خلق کردہ ضروریات کو اختیار کیا یعنی فطرت پر قائم ہو گیا ہر لحاظ سے فطرت پر ہی انحصار کیا یہاں تک کہ اس کی اسی پر موت ہوگئی پس تحقیق وہ بچ گیا فتنہ الدجّال سے، الدجّال کو اپنا ربّ تسلیم کرنے سے یعنی امتحان سے اور نہ ہی اس کے بعد اس پر کوئی امتحان ہوگا اور نہ ہی عذاب یعنی سزا۔

آج موجودہ دور میں صرف اور صرف اللہ کو اپنا ربّ بنانا انتہائی مشکل ہو چکا ہے کیونکہ آج الدجال پوری زمین پر دھندناتا پھر رہا ہے ہر طرف الدجّال کی ہی آیات نظر آ رہی ہیں یعنی غیر فطرتی اشیاء، اب ایسی صورت حال میں ایسے میں اگر اللہ کو اپنا ربّ بنایا جائے گا تو زندگی قید خانے سے بھی بدتر ہو جائے گی کیونکہ باقی ضروریات تو بعد کی بات ہے ایک مومن کے لیے کچھ بھی کھانے کو طیب نہیں رہا۔ آج تقریباً پوری زمین پر ساری کی ساری خوراک اسی الدجّال کے قبضے میں ہے یعنی ٹیکنالوجی کے ذریعے ہی اگائی اور تیار کی جا رہی ہے انسانوں کا رزق یعنی تمام کی تمام ضروریات اسی ٹیکنالوجی کے ذریعے ہی وجود میں لائی جا رہی ہیں سب کا سب مصنوعی ہے غیر فطرتی اور اسی وقت کے لیے آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ ایک مومن کے لیے کھانے کو کچھ بھی نہیں ہو گا۔ اگر کوئی مومن ہو تو اسے اندازہ ہوگا کہ ہاں محمد علیہ السلام نے بالکل سچ کہا تھا آج مومن کے لیے کھانے کو کچھ بھی نہیں بچا، مومن کہتے ہیں وہ جو دل سے اللہ کے احکامات کو تسلیم کرتے ہوئے ان پر عمل کرتا ہے ہر کام وہی اور ویسے ہی کرتا ہے جیسے اس کے ربّ اللہ کا اسے حکم ہے اب اللہ نے حکم دیا کہ تمہارے لیے طیبات کو حلال کیا یعنی تمہارا رزق طیبات ہیں اگر شئے طیب ہے تو حلال ہے یعنی اس کے استعمال کی اجازت ہے اگر طیب نہیں تو حرام ہے یعنی اس کے استعمال کی اجازت نہیں دی گئی۔

آج پوری دنیا میں کچھ بھی طیب نہیں رہا ہر طرف خبائث ہی خبائث ہیں یعنی یا تو مصنوعی ہے غیر اللہ کا یا پھر فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر کے اس میں پنگے لیکر اسے خراب کر دیا گیا اسے ایسا بنا دیا گیا کہ اس کے استعمال سے فائدے کی بجائے نقصان ہوگا۔ اب ایسی صورت حال میں ایک مومن ہی جانتا ہے کہ اس وقت دنیا میں زندہ رہنا، دین پر ڈٹ جانا کتنا عظیم امتحان ہے اور جو نہ صرف الدجّال کے ربّ ہونے کا عملاً کفر کرتے ہوئے یعنی انکار کرتے ہوئے اللہ کو اپنا ربّ بنائے گا بلکہ اس پر ڈٹ جائے گا تو نہ صرف وہ فتنہ الدجّال سے بچ گیا بلکہ اس کے بعد نہ ہی اس کو کسی اور فتنے میں ڈالا جائے گا یعنی اسے قبر کے فتنے سے بچا لیا جائے گا اور پھر نہ ہی اسے آخرت میں کوئی عذاب یعنی سزا دی جائے گی کیونکہ اللہ کو ربّ بنانے اور اس پر ڈٹ جانے سے وہ عفو و غفر ہو جائے گا اس کے ماضی کے جتنے بھی جرائم تھے وہ ختم ہو جائیں گے۔

آج جو حالات ہیں کہ الدجّال پوری دنیا میں دھندناتا پھر رہا ہے یہ حالات دنیا کے تب تک رہیں گے جب تک اللہ کے قانون میں ہوگا جیسا کہ محمد علیہ السلام نے کہا **فیلبث فی الأرض ما شاء الله** پس رہے گا زمین میں جو اللہ کا قانون ہے یعنی الدجّال کا زمین میں ٹھہرنا اللہ کے قانون میں متعین ہے جب تک اس کا زمین پر ٹھہرنا کیا جا چکا تب تک رہے گا اور جب وہ وقت ختم ہو جائے گا تو الدجّال کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا اسے ختم کر دیا جائے گا۔ یہ دجل اس وقت تک زمین میں رہے گا زمین کے حالات اس وقت تک ایسے رہیں گے جب تک کہ اللہ کے قانون میں ایسا رہنا ممکن ہے اور اس کا جواب قرآن میں سورت الدخان میں بھی موجود ہے یہ حالات اس وقت تک رہیں گے جب تک کہ آسمان یعنی زمین کے گرد فضا انسان کے اپنے ہی اعمال کے سبب

دخانٍ یعنی طرح طرح کی زہریلی گیسوں سے نہ بھر جائے جو انسانوں کو ڈھانپ لے اور اس کی وجہ سے انسان طرح طرح کی ہلاکتوں کا سامنا کریں۔ جب دنیا میں ایسے حالات ہوں گے جو کہ آج یہ سب حالات ہو چکے ہیں تو تب اللہ ان میں انہی سے اپنا رسول بعث کرے گا جیسے کہ اس کا قانون ہے اور اللہ اپنے اس رسول کے ذریعے سب کچھ کھول کھول کر واضح کر دے گا جیسے ہی رسول کھول کھول کر سب کچھ واضح کر دے گا تو الدجّال کے زمین پر ٹھہرنے کی مدت ختم ہو جائے گی۔

یعنی جب تک کہ اللہ اپنے رسول کو بعث نہیں کرتا جو آ کر سب کچھ کھول کھول کر نہ رکھ دے جو آ کر کہے گا کہ یہ جو دخانٍ ہیں یہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کا نتیجہ ہیں اور ان کی وجہ سے آج تمہیں جن جن ہلاکتوں کا سامنا ہے جیسے کہ طرح طرح کی بیماریاں، تکالیف، جنگیں، زلزلے، سیلاب، طوفان، آندھیاں وغیرہ یہ سب تمہارے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے رد اعمال تمہارے لیے تمہاری سزا ہیں اور جب اللہ کا رسول یہ سب واضح کر دے گا تب الدجّال کا خاتمہ کر دیا جائے گا جس کا سورۃ الدخان میں بھی ذکر کیا گیا اور محمد علیہ السلام نے بھی اس روایت میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ اللہ نے الدجّال کا زمین پر ٹھہرنا کب تک قانون میں کر دیا اسی کا آگے محمد علیہ السلام نے جواب دیا **ثم یجی ء عیسیٰ ابن مریم علیھما السلام من قبل المغرب** محمد علیہ السلام نے عیسیٰ کے آنے کا کہا اور یہاں دہلا کر اور چونکا کر رکھ دینے والی بات یہ ہے کہ محمد علیہ السلام نے کہا کہ ایک عیسیٰ نہیں ہے بلکہ دو عیسیٰ ہیں ان دو میں سے ایک عیسیٰ نے آنا ہے جب تک کہ وہ نہیں آتا تب تک الدجّال دنیا میں دھندناتا پھرے گا اور جب عیسیٰ آ جائے گا تب الدجّال کے زمین پر ٹھہرنے کی مدت ختم ہو جائے گی عیسیٰ کی موجودگی میں الدجّال کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

اب جو کہ ہم نے کہا کہ یہاں محمد علیہ السلام نے ایک نہیں بلکہ دو عیسیٰ کا ذکر کیا تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت میں کہاں ایک نہیں بلکہ دو عیسیٰ کا ذکر ہے ؟ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے روایت میں محمد علیہ السلام کے الفاظ کو دیکھیں اور ان میں غور کریں محمد علیہ السلام نے کہا "**عیسیٰ ابن مریم علیھما السلام**" اگر تو "**علیه**" ہوتا تو اس کا مطلب تھا کہ ایک ہی عیسیٰ ہے جس کا ذکر کیا جا رہا ہے لیکن یہاں "**علیه**" نہیں بلکہ چونکا دینے والی بات ہے کہ یہاں "**علیھما**" کا استعمال کیا گیا جو کہ دو یا دو سے زائد یعنی جمع کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے نہ کہ واحد کے لیے۔

پھر دیکھیں اسی بات کو ایک اور موقع پر محمد علیہ السلام نے بالکل دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا جو کہ درج ذیل روایت آپ کے سامنے ہے۔

ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه عن النبی ﷺ قال: حیاۃ عیسیٰ ھذہ الآخرۃ لیست کحیاته الاولیٰ یلقی علیه مھابۃ الموت یمسح وجوہ رجال ویبشرھم بدرجات الجنة. نعیم بن حماد

حیاۃ. جسمانی وجود، جو زندگی دی گئی، جس مواد سے جسم وجود میں آتا ہے اس مواد سے وجود میں آنے والا جسمانی وجود

مھابۃ. اسے ایک مثال سے سمجھ لیجیے مثال کے طور پر اگر آپ کسی کو کسی مشن پر بھیجتے ہیں جو کہ بہت مشکل و کٹھن مشن ہے جسے پورا کرنا انتہائی غیر معمولی بہادری کا کام ہو تو آپ اس مشن کو پوری جوانمردی سے کر کے تمام تر مشکلات کا جوانمردی سے مقابلے کرتے ہوئے پورا کر کے واپس پلٹتے ہیں تو آپ کو اس مشن پر بھیجنے والے کی نظر میں آپ کا جو عزت و مقام ہو گا جو عظمت ہو گی جو شان و شوکت ہو گی، جیسے آج کوئی بہت بڑا معرکہ سرانجام دے کر آتا ہے تو واپسی پر اس کے لیے دوسروں کی نظروں میں جو مقام ہوتا ہے اسے مھابۃ کہتے ہیں اور **مھابۃ الموت** کے معنی ہیں کہ جس مقصد و مشن کو پورا کرنے کے لیے زندگی دی گئی اسے اسی طرح پورا کر کے پوری شان و شوکت سے موت کو جا ملنا۔

یمسح. اپنے عمل، اپنے قول و فعل یا کسی بھی طرح کسی پر اثر انداز ہونا۔

وجوہ رجال. بالغ با اختیار مردوں کا جس کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے ہوئے اس کی طرف اپنا رخ کیے ہوئے ہونا یعنی جو کچھ بھی دیا گیا مال، اولاد، ذہانت، کچھ کرنے کی صلاحیتیں، کوئی عہدہ و رتبہ تو ان سب کا یا ان میں سے کسی کا جس کو مقصد بنائے ہوئے ان کا استعمال کر رہے ہونا، اپنی توجہ وغیرہ اس کی طرف کیے ہوئے ہونا۔

یمسح وجوہ رجال . اپنے عمل، اپنے قول و فعل یا کسی بھی ذریعے سے بالغ با اختیار مردوں کی سمت پر اثر انداز ہونا کہ ان کی زندگی کی سمت بدل دینا، پہلے وہ جس کسی کو بھی یا جو بھی اپنا مقصد و مشن بنا کر اپنی تمام تر توجہ یا جو کچھ بھی دیا گیا اس کا اسی کی طرف رخ کیے ہوئے استعمال کر رہے ہوں تو اپنے عمل، قول، فعل یا

کسی بھی طریقے سے ان کی ڈائریکشن ان کے زندگی کے مقصد پر اثر انداز ہو جانا اسے بدل دینا۔

ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: حیاۃ عیسیٰ ھذہ الآخرۃ لیست کحیاتہ الاولیٰ یلقی علیہ مھابۃ الموت یمسح وجوہ رجال ویبشرھم بدرجات الجنۃ. نعیم بن حماد

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے النبی یعنی اللہ کے رسول نبی ﷺ سے سنا رسول اللہ ﷺ نے کہا: کہ اس امت کے آخر میں آنے والا عیسیٰ وہ عیسیٰ نہیں ہوگا جو پہلے آیا تھا، پہلے جو بنی اسرائیل میں عیسیٰ آیا تھا وہ الگ جسمانی وجود تھا اور اس امت کے آخر میں آنے والے عیسیٰ کا الگ جسمانی وجود ہوگا دونوں الگ الگ ہیں، پہلے یعنی بنی اسرائیل میں جو عیسیٰ آیا تھا اسے جس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا گیا تھا اس نے اس انتہائی مشکل و کٹھن مقصد کو پوری جوانمردی سے ڈٹ کر پورا کیا اور اس عظیم مقصد و مشن کو پوری ہمت، جذبے اور جوانمردی سے پورا کر کے ہی اس پر عظمت و جلال والی اور عالی شان عظیم موت ڈالی گئی۔ اس امت کے آخر میں آنے والا عیسیٰ ہرگز پہلے والا عیسیٰ نہیں ہوگا اس امت کے آخر میں آنے والا عیسیٰ اپنے کردار سے اپنی دعوت سے اپنے عمل سے اس کی دعوت کو تسلیم کرنے والے بالغ بااختیار مردوں کی زندگیوں پر ایسا اثر انداز ہوگا کہ انہوں نے اس سے پہلے جو اپنی ڈائریکشن طے کی ہوئی گی جو سمت طے کی ہوئی گی اور جو کچھ بھی انہیں دیا گیا اسی مقصد کی طرف رخ کر کے استعمال کر رہے تھے اپنی تمام تر توجہ اسی کی طرف کی ہوئی ہوگی عیسیٰ ان کی سمت بدل دے گا ان کا رخ اللہ کی طرف کر دے گا کہ وہ اس کا ساتھ دیکر اللہ کی نصرت کر کے درجات میں بلند ہوں گے عیسیٰ انہیں آگاہ کر دے گا کہ جنت میں ان کے درجات کیا ہیں۔

یہ روایت نہ صرف چونکا اور دہلا کر رکھ دینے والی ہے بلکہ اس میں بالکل واضح اور دوٹوک الفاظ میں محمد علیہ السلام نے یہ بات واضح کر دی کہ عیسیٰ ایک نہیں بلکہ دو ہیں اور دونوں الگ الگ ہیں پھر یہ بات بھی واضح کر دی کہ وہ عیسیٰ جو پہلے آیا تھا یعنی جسے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا اسے جس عظیم مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا اس نے انتہائی شاندار طریقے سے اس مقصد کو پورا کیا اس پر عظیم، عالی شان، عظمت و جلال والی موت ڈالی گئی یعنی اس کی موت ہو چکی اور اس امت کے آخر میں آنے والا عیسیٰ الگ ہوگا، دوسرا ہوگا اور اس کی پہچان بھی واضح کر دی۔

اس کے علاوہ بھی ایسے ناقابل تردید اور لاجواب دلائل ہیں کہ عیسیٰ ایک نہیں بلکہ دو ہیں اور نہ صرف امت بنی اسرائیل کی طرف بھیجے جانے والے عیسیٰ ابن مریم کی موت ہو چکی بلکہ اس امت کے آخر میں آنے والا عیسیٰ الگ ہوگا جو کہ ابن مریم کی مثل ہوگا جب آگے بڑھیں گے تو عیسیٰ کے موضوع پر تفصیل کیساتھ بات کی جائے گی اور دنیا کی کوئی طاقت چاہ کر بھی اس کا رد نہیں کر سکے گی یعنی اس کو غلط ثابت نہیں کر سکے گی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے اور ہر ایک پر کھل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ حق کیا ہے۔

اب آتے ہیں واپس اسی روایت کی طرف جس پر بات کی جا رہی تھی بات ہو رہی تھی الدجّال کے زمین پر ٹھہرنے کی کہ وہ زمین میں کب تک رہے گا تو اس کا جواب یوں دیا گیا تھا کہ جب تک کہ اس کا زمین پر ٹھہرنا اللہ نے قانون میں کر دیا پھر سوال یہ تھا کہ کب تک الدجّال کا زمین پر ٹھہرنا اللہ نے قانون میں کیا تو آگے اسی سوال کا جواب دیا گیا ثم یجی ء عیسیٰ ابن مریم علیھما السلام من قبل المغرب پھر آئیں گے عیسیٰ علیہ السلام اور وہ عیسیٰ نہیں جو ابن مریم تھے جو پہلے آئے تھے جنھیں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا ان کی تو موت ہو چکی اس امت کے آخر میں دوسرے عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے، عیسیٰ ایک نہیں بلکہ دو ہیں ایک عیسیٰ ابن مریم یعنی جو مریم کا بیٹا تھا جو کہ سلف ہو چکا اور دوسرا ابن مریم کی مثل عیسیٰ جو اس امت کے آخر میں آئے گا۔

جب تک کہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں آ جاتے تب تک الدجّال زمین میں ٹھہرے گا زمین میں رہے گا اور جب عیسیٰ علیہ السلام آ گئے ان کی بعثت ہو گئی تو الدجّال کے زمین پر ٹھہرنے کا وقت ختم ہو جائے گا اور عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے من قبل المغرب یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو ان کے آگے صرف اور صرف المغرب ہو گی۔ مغرب یوم کے اختتام کے بعد دوسرے یوم کی ابتداء کو کہتے ہیں مغرب سے پہلے یوم کے اختتام کا وقت ہوتا ہے۔

امت محمد کو جو مدت دی گئی تھی اسے ایک یوم کہا گیا اس یوم یعنی اس مدت کی مغرب سے پہلے جس کا مطلب ہے کہ جو مدت اس امت کو دی گئی تھی اس کے بالکل آخر پر عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے ان کے بعد جو ہوگا وہ اس مدت کا خاتمہ ہوگا جو مدت دی گئی تھی یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے بعد الساعت قائم ہو گی جو کہ ایک عظیم

زلزلہ ہوگا جس میں کوئی ایک بھی انسان نہیں بچے گا سب کے سب مارے جائیں گے۔ پھر آگے محمد علیہ السلام نے کہا **مصدقاً بمحمد** ﷺ عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو وہ محمد علیہ السلام کی ایک ایک بات کی تصدیق کریں گے انہی سے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی ایک پہچان یہ بھی ہوگی کہ وہ جب آئیں گے تو وہ محمد علیہ السلام کی ایک ایک بات کی انہی کے کئی صدیوں قبل کہے ہوئے الفاظ سے ان کی تصدیق کریں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کو کھول کھول کر واضح کریں گے اور پھر محمد علیہ السلام کے صدیوں قبل کہے ہوئے الفاظ سے ہی ان کی تصدیق کریں گے خود کو امت محمد کہنے والوں پر واضح کریں گے کہ دیکھو یہی تو محمد علیہ السلام نے آج سے صدیوں قبل کہا تھا جو تمہیں آج تک نظر ہی نہ آیا، رات دن محمد محمد کی گردان کرر ہے ہو ورد جپ رہے ہو محمد کے اللہ کا رسول ہونے کی گواہیاں دے رہے ہو رات دن محمد پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے زبانی دعوے کر رہے ہو اور یہ کہہ رہے ہو کہ جو محمد علیہ السلام نے کہا تھا وہ ایک ایک حرف سچ ہے اور ہم اسی کو مانیں گے تو لو یہ دیکھو یہی تو محمد نے کہا تھا جو آج میں تم پر کھول کھول کر واضح کرر ہا ہوں،۔

عیسیٰ علیہ السلام یاجوج اور ماجوج، الدجّال، النار، الدابۃ الارض، الدخانِ، غزوہ ہند، فتح قسطنطنیہ، عربوں کی فتح، غزوہ اعماق اور دابق، روم کی فتح، مہدی، ذی القرنین، گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کیسے ہلاک ہوئی، الساعت کیا ہے، القارعہ، الحاقہ، التکویر وغیرہ سمیت جو کچھ بھی ہوگا سب کا سب کھول کھول کر واضح کر دیں گے، تمام تر علامات واشراط الساعت کو کھول کھول کر واضح کر دیں گے اس طرح واضح کر دیں گے کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کی کسی ایک بات کو بھی غلط ثابت نہیں کر سکے گی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے اور پھر وہ محمد کے ہی صدیوں قبل کہے ہوئے الفاظ کیساتھ محمد کی تصدیق کریں گے کہ اے خود کو مسلمان کہلوانے والو، اے امت محمد ہونے کے دعویدار و دیکھو یہی سب تو محمد نے کہا تھا یوں محمد کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ سے عیسیٰ رسول اللہ کی تصدیق ہوگی کہ یہی اللہ کا وہ رسول ہے جس کے بارے میں محمد علیہ السلام نے چودہ صدیاں قبل بشارت دی تھی۔

محمد نے جسے الدجّال کہا اسی کو تم اپنا ربّ بنائے ہوئے ہو، جو جو کچھ محمد نے کہا تھا یہ لو سب تم پر کھول کھول کر رکھ دیا اب بتاؤ اب تم کیوں نہیں مان رہے رات دن محمد محمد کے دعوے تو بہت کرر ہے تھے۔

محمد علیہ السلام نے اپنی موجودگی کے وقت جس جس سے بھی متنبہ کیا جو ہدایات وراہنمائی کی جسے الدجّال کہا جسے فتنہ کہا لوگ ان سب باتوں کو بھول چکے ہوں گے اور الٹا ان ہدایات کے خلاف کرر ہے ہوں گے جس کو محمد علیہ السلام نے الدجّال کہا تھا الٹا اسے مسیحا تسلیم کر چکے ہوں گے اور انہیں اس کا شعور تک بھی نہیں ہوگا الدجّال کو ربّ بنا چکے ہوں گے ہر وہ عمل کرر ہے ہوں گے ایسے ایسے اعمال انجام دے رہے ہوں گے جس سے محمد علیہ السلام نے روکا تھا تو ایسی صورت میں واحد ایک ہی ایسی شخصیت ہوگی جو محمد علیہ السلام کی ایک ایک بات کی ان ہی کے کہے ہوئے الفاظ سے تصدیق کریں گے کہ جسے تم اپنے لیے مسیحا سمجھتے ہو اسے محمد علیہ السلام نے الدجّال کہا تھا جن اعمال کو تم اصلاح والے اعمال سمجھ کر کرر ہے ہو اس سب کو تو خود محمد علیہ السلام نے فساد کہا تھا یعنی محمد علیہ السلام کی ایک ایک بات کی تصدیق کریں گے کہ کیا محمد علیہ السلام جنہوں نے اپنی بعثت سے لیکر الساعت کے قائم ہونے تک چھوٹے سے چھوٹے واقعے یا فتنے کا ذکر نہیں چھوڑا تو کیا محمد علیہ السلام نے آج ہونے والے اتنے بڑے بڑے غیر معمولی امور کے بارے میں آگاہ کرنا بھول گئے تھے یا انہوں نے بتایا ہی نہیں تھا؟ یہ غیر معمولی مشینیں؟ انسان کا انہی مشینوں کے ذریعے بادلوں کا برسانا، انہی مشینوں کے ذریعے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر رستے بنانا، کئی کئی کلومیٹر لمبی غیر معمولی سرنگیں نکالنا، سینکڑوں کی تعداد میں انسانوں کا ایک ہی مشین پر سوار ہو کر فضا میں انتہائی تیز رفتاری سے سفر کرنا، ہر کام کا غیر معمولی حد تک تیز رفتاری کیساتھ انجام پانا، انہیں مشینوں کے ذریعے غیر معمولی درکار قوت کے حامل امور کو ایسے انجام دینا کہ جیسے خود بخود ہو رہے ہوں، نہروں اور دریاؤں کا مسخر ہو جانا جب جی چاہے اور جتنا چاہے ان میں پانی چھوڑنا اور جب جی چاہے روک لینا، زمین سے اپنی مرضی کے مطابق غیر معمولی طور پر کم وقت میں اور کئی گنا زیادہ فصلیں اگانا، ہر طرح کی فصلیں جو سال میں کسی مخصوص خطے اور مخصوص موسم وآب وہوا میں ایک ہی بار اگتی تھیں انہیں پورے سال میں کہیں بھی اور کسی بھی موسم میں اگانا یہاں تک کے ایسے ایسے غیر معمولی امور انجام پار ہے ہیں اور وہ سب آج ہو رہا ہے کہ اگر کوئی چند صدیاں پہلے کا شخص اس دنیا میں واپس آئے تو اسے یقین ہی نہ ہو کہ وہ اسی دنیا میں واپس آیا ہے جہاں وہ پہلے تھا کہ یہ وہ دنیا ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ وہ ربّ نہیں ہو سکتا جو میرا ربّ تھا اور ہے کیونکہ میرا ربّ تو سبحان ہے وہ الرحمان ہے وہ اپنی سنت اپنا طریقہ اپنا قانون تبدیل نہیں کرتا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہزار سال پہلے کے انسانوں کے لیے اس کے تمام کے تمام قوانین اور ہوں

اور آج وہ تمام قوانین بدل دے؟ آج کے انسانوں کے لیے اس کا اگانے کا قانون تبدیل، بارشیں برسانے کا قانون تبدیل، وہ ربّ جو اپنی کائنات میں آسمان وزمین میں ایک رائی برابر بھی خرابی نہیں چاہتا وہی ایسے امور انجام دینا شروع کردے کہ جس سے پوری دنیا فساد زدہ ہو کر تباہیوں کی دہانے پر کھڑی ہو، وہ ربّ جس کے لیے ہے ہی حمد وہی ایسے امور انجام دے کہ ہر کام میں خرابیاں ہی خرابیاں ہوں حمد کا شائبہ تک بھی نہ ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میرا ربّ تو اس سب سے سبحان ہے پاک ہے وہ تو ایسا نہیں، وہ تو الرحمان ہے وہ انسانوں کے لیے اپنے قوانین نہیں بدلتا اور نہ بدلنے والا ہے ۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ اگر آج ان غیر معمولی امور کے بارے میں بات کی جائے تو بات کرتے کرتے انسان تھک جائے لیکن ان پر بات مکمل نہ ہو اس غیر معمولی حد تک اور کثرت سے آج ایسے امور انجام پاتے دیکھے جا رہے ہیں اور ہر کوئی انہی کا حصہ بنا ہوا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ محمد علیہ السلام نے ان کا ذکر ہی نہ کیا ہو؟

وہ اللہ کے رسول محمد علیہ السلام جنہوں نے کسی چھوٹے سے چھوٹے فتنے کو بھی کھول کھول کر بیان کیا ان کی بعثت سے لیکر الساعت کے قیام تک جو کچھ بھی ہونا تھا سب کا سب کھول کھول کر بیان کیا تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اسی اللہ کے رسول نے ان غیر معمولی اور اس وقت کے مطابق ناقابل تصور امور کے بارے میں ذکر نہ کیا ہو؟

محمد علیہ السلام پر ایمان لانے کے تو بہت بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن کیا اپنے اعمال سے انہی کی ہر بات کا کفر نہیں کرتے؟ ایک طرف تو اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ محمد علیہ السلام نے اپنی بعثت سے لیکر قیام الساعت تک رونما ہونے والے کسی چھوٹے سے چھوٹے فتنے کا بھی ذکر کرنا نہیں چھوڑا اور دوسری طرف یہ تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں کہ آج اتنے بڑے بڑے غیر معمولی بڑے بڑے امور کے بارے میں کچھ بتایا ہو۔ محمد علیہ السلام نے سب کچھ بتایا لیکن لوگ وہی کریں گے جو پہلی قوموں نے کیا اور وہی ہوا تو ایسی صورت میں محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ واحد ایک ہی شخصیت ہوگی جو میری ایک ایک بات کی میرے ہی کہے ہوئے الفاظ سے تصدیق کرے گی اور وہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے، عیسیٰ علیہ السلام کی مجھ سے ہی تصدیق ہوگی۔

یوں آج سے چودہ صدیاں قبل ہی محمد علیہ السلام نے اس امت کے آخرین میں آنے والے عیسیٰ کی غیر معمولی پہچان بھی واضح کردی کہ وہ محمد کے ہی کہے ہوئے سے محمد کی ایک ایک بات کی تصدیق کریں گے، محمد کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ سے عیسیٰ رسول اللہ کی تصدیق ہوگی۔ پھر آگے محمد علیہ السلام نے کہا و علی ملتہ اور جس کی ملت پر میں ہوں اسی کی ملت پر ہوں گے یعنی ابا ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر۔ اللہ نے قرآن میں واضح کردیا کہ تمہارے ابا محمد نہیں بلکہ تمہارے ابا ابراہیم تھے اس لیے ابا ابراہیم کی ملت پر قائم ہونا ہے اور محمد تو اللہ کا رسول تھا جس کا مقصد تھا لوگوں پر ابا ابراہیم کی ملت کو واضح کرنا تھا سو محمد نے نہ صرف اس وقت ابا ابراہیم کی ملت کو لوگوں پر کھول کھول کر واضح کردیا بلکہ خود عملاً اس پر قائم ہو کر دکھا دیا لیکن بعد والوں نے حسب سابق یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ہی کیا محمد کی موت کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل پھر گئے جیسے پہلے کرتے رہے وہی کیا، پہلے بھی جب رسول بعث کیا جاتا تو اس کی موت کے کچھ عرصے بعد اسے ہی اپنا ابا بنالیا حالانکہ ان پر واضح کردیا گیا کہ تمہارا ابا ابراہیم تھا رسول تو اس لیے بھیجا گیا تاکہ اس کے ذریعے سے تم پر تمہارے ابا ابراہیم کی ملت واضح کردی جائے لیکن انہوں نے موسیٰ کی موت کے بعد موسیٰ کو اپنا ابا بنالیا اسی طرح عیسیٰ کی موت کے بعد عیسیٰ کو اپنا ابا بنالیا گیا اور تمہیں ایسا کرنے سے منع کیا تھا کہ جو ماضی میں کرتے رہے وہی نہیں کرنا وہی پھر نہیں کرنا کہ رسول کی موت کے بعد اسے ابا بنالو اور دروازہ بند کرکے بیٹھ جاؤ اس کے باوجود تم نے وہی کیا۔

اس لیے محمد علیہ السلام نے کہا کہ و علی ملتہ اور عیسیٰ علیہ السلام جب آئیں گے تو وہ اسی کی ملت پر ہوں گے جس کی ملت پر میں ہوں یعنی ابا ابراہیم کی ملت پر ہوں گے۔ جیسے مجھے جب بعث کیا گیا تو مجھ سے پہلے کچھ موسیٰ کا دم بھر رہے تھے اور موسیٰ سے بہت کچھ منسوب کرکے اسے ہی دین سمجھ کر عمل کررہے تھے اور کچھ عیسیٰ ابن مریم کا دم بھر رہے تھے اور بہت کچھ عیسیٰ ابن مریم سے منسوب کرکے دین کے نام پر کررہے تھے کہ انہیں عیسیٰ نے یہ تعلیمات دیں تھیں اور جب مجھے بعث کیا گیا تو میں نے اس سب کے سب پر لکیر پھیر دی اس کا رد کردیا کیونکہ رسول صرف اور صرف تب بعث کیا جاتا ہے جب اس سے پہلے ہر لحاظ سے سو فیصد کھلم کھلا گمراہیاں ہوں نور کی ہدایت کی ایک کرن بھی نہ ہو تو جیسے میں نے کیا کہ میں نے اس کی تصدیق نہیں کی جو عیسیٰ وموسیٰ سے منسوب کرکے دین کے نام پر کیا جارہا تھا ایسے ہی عیسیٰ ابن مریم نے کیا تھا اس نے بھی جو کچھ بھی اس سے پہلے موسیٰ سے منسوب کرکے کیا جارہا تھا اس سب پر لکیر پھیر دی کسی ایک لفظ کی بھی تصدیق نہیں کی ایسے ہی موسیٰ نے کیا اور بالکل ایسے ہی اس امت کے آخر میں بعث کیا جانے والا رسول عیسیٰ کرے گا۔

جب اسے بعث کیا جائے گا تو اس کی بعثت سے پہلے جو کچھ بھی مجھ سے یعنی محمد سے منسوب کر کے کیا جا رہا ہوگا وہ سب کا سب ضلالٍ مبینٍ ہوں گی یعنی ہر لحاظ سے سو فیصد کھلم کھلا گمراہیاں ہوں گی نور کی ہدایت کی ایک بھی کرن نہیں ہوگی میں نے ایسا کچھ بھی کرنے کو نہیں کہا ہوگا اس کے باوجود مجھ سے منسوب کر کے کیا جا رہا ہوگا تو عیسیٰ علیہ السلام اس سب کے سب پر لکیر پھیر دیں گے بالکل صفر سے شروع کریں گے۔

جو اس وقت موجود ہر ایک کے لیے بالکل نئی باتیں ہوں گی ہر کسی کو یہی لگے گا کہ یہ تو ایک نیا دین لیکر آ گیا جس کے بارے میں نہ ہم نے کبھی سنا نہ ہمارے آباؤاجداد نے یوں اس کی مخالفت کی جائے گی اس کیساتھ دشمنی کی جائے گی اس پر فتوے لگائے جائیں گے اس کے خلاف محاذ کھولے جائیں گے ایسے ہی جیسے میرے یعنی محمد کیساتھ کیا گیا اور مجھ سے پہلے ہر رسول کیساتھ کیا گیا۔

یہی وجہ ہے جس وجہ سے ہر رسول کو کہا گیا کہ یہ تو ایک نیا دین لیکر آ گیا جس کے بارے میں نہ تو ہم نے کبھی کسی سے سنا اور نہ ہی ہمارے آباؤاجداد نے سنا تھا یوں ہر رسول کیساتھ دشمنی کی گئی اس کی مخالفت میں ہر حد کو پار کیا گیا اور یہی سب اس امت کے آخر میں آنے والے عیسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ کیا جائے گا۔

پھر آگے محمد علیہ السلام نے کہا **فیقتل الدجال** پس قتل کر دیں گے الدجّال کو یعنی اس مخصوص دجال کو جسے قرب قیام الساعت نکلنا تھا۔ قتل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جیسے کسی شخص کی موت کر دی جاتی ہے بلکہ قتل کہتے ہیں لڑائی میں شکست دے دینے کو، قتال کہتے ہیں لڑائی کو لڑنے کو۔ لڑائی ہاتھوں سے بھی ہوتی ہے یعنی اسلحے وقوت سے بھی ہوتی ہے، زبان سے بھی ہوتی ہے، قلم سے بھی ہوتی ہے اسی طرح لڑائی کے اور بھی بہت سے محاذ ہوتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا کام اسلحے کیساتھ کسی سے لڑنا نہیں ہوگا بلکہ ان کی بعثت سے قبل دنیا جس عظیم فتنے کا شکار ہو چکی ہوگی جو کہ فتنہ الدجّال ہوگا خالص اللہ کے دیئے ہوئے علم کی بنیاد پر اس فتنے کی حقیقت کو کھول کھول کر رکھ دیں گے ان سے پہلے ہر کوئی اس فتنے کا شکار ہوگا الدجّال کو اپنے لیے مسیحا سمجھ کر اسے اپنا ربّ بنائے ہوئے ہوگا لیکن عیسیٰ علیہ السلام اس کا سارا دجل چاک کر کے رکھ دیں گے، حق اس قدر کھول کھول کر رکھ دیں گے کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت عیسیٰ علیہ السلام کی کسی ایک بھی بات کو غلط ثابت نہیں کر سکے گی بلکہ الٹا حق کھل کھل کر واضح ہو جائے گا اس کے باوجود اکثریت ماننے کی بجائے کفر کرے گی یعنی جب الدجّال ایک اعظم فتنہ ہے تو پھر ظاہر ہے فتنے کا قتل علم کی بنیاد پر کیا جاتا ہے، علم سے فتنے کو کھول کھول کر واضح کر دیا جانا کہ اس کے فتنہ ہونے میں کسی بھی قسم کا کوئی شک وشبہ نہ رہے ہر لحاظ سے کھل کھل کر واضح ہو جائے فتنے کا قتل کہلاتا ہے اس لیے عیسیٰ رسول اللہ فتنہ الدجّال کا قتل علم کی بنیاد پر کریں گے جو کہ خالص اللہ کا عطا کردہ علم ہوگا فتنہ الدجّال کو اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیں گے کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت حق کو غلط ثابت نہیں کر سکے گی اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں جس عذاب عظیم القارعہ نے آنا ہے وہ آئے گا جس سے الدجّال صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا الدجّال کا خاتمہ ہو جائے گا۔ آگے محمد علیہ السلام نے کہا **ثم انما هو قيام الساعة** پھر اس میں کچھ شک نہیں جو ہوگا الساعۃ کا قیام ہوگا یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف اور صرف الساعت ہوگی جو آئے گی ایک عظیم زلزلہ جس میں کوئی ایک بھی انسان نہیں بچے گا مطلب یہ ہے کہ ہر رسول کی بعثت کے بعد جب دوبارہ ضلالٍ مبینٍ آ جاتی ہیں تو اللہ اپنا رسول بعث کرتا ہے لیکن عیسیٰ رسول اللہ کے بعد جب ضلالٍ مبینٍ آئیں گی تو رسول کو بعث نہیں کیا جائے گا بلکہ الساعت آئے گی۔

عیسیٰ علیہ السلام جب آئیں گے تو یہ وہ وقت ہوگا جب دنیا میں کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہوگا جو الدجّال کو پہچان سکا ہوگا حالانکہ محمد علیہ السلام نے ہر لحاظ سے کھول کھول کر بتا دیا تھا کہ الدجّال کون اور کیا ہوگا لیکن اس کے باوجود انسان الدجّال کو اپنا ربّ بنائے ہوئے ہوں گے اور اسے الدجّال تسلیم ہی نہیں کر رہے ہوں گے جیسے کہ اللہ کے رسول محمد علیہ السلام نے بتایا ہی نہ ہو اس شئے کے بارے میں جسے انسان اپنا مسیحا بنا کر بیٹھے ہوں گے اور واحد عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ایسی ہوگی یہ ایک ایسی شخصیت ہوگی جو نہ صرف بالکل آخر میں آئے گی بلکہ محمد علیہ السلام کی انہی کیساتھ تصدیق کرے گی۔

یہ شخصیت عیسیٰ علیہ السلام دنیا والوں پر کھول کھول کر واضح کر دیں گے کہ جس کو تم نے اپنا ربّ بنایا ہوا ہے جس کو تم اپنا مسیحا بنا کر بیٹھے ہوئے ہو اسے محمد علیہ السلام نے الدجّال کہا تھا۔ یہ ایسی غیر معمولی ایجادات جن کے بارے میں چند صدیاں پہلے تصور کرنا بھی محال تھا کیا محمد علیہ السلام نے ان کے بارے میں بتایا نہ ہو گا؟ کیا محمد علیہ السلام نے ان کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی؟

اور اگر یہ سب مسیحا ہے یہ سب آسائشیں ہیں، سہولتیں ہیں تو کیا تم لوگ محمد علیہ السلام یا اللہ کے رسولوں سے زیادہ خوش قسمت ٹھہرے یا پھر تم میں ان سے عقل

زیادہ ہے جو وہ نہ بنا سکے اور تم نے یہ سب بنالیا؟

یہ واحد شخصیت اس وقت اپنے ابا ابراہیم کی ملت پر ہوگی اس کے علاوہ کروڑوں کی تعداد میں ایسے ہوں گے جو ملت ابراہیم کے دعویدار تو ہوں گے لیکن کوئی بھی ملت ابراہیم سے واقف نہ ہوگا۔ یہ شخصیت الدجّال کا قتل کردے گی یعنی جس شئے پر دجل کے پردے کی وجہ سے انسانیت نے اسے اپنا مسیحا سمجھا ہوا تھا اور اپنا ربّ بنایا ہوا تھا اس پر سے ناقابل تردید علمی دلائل کیساتھ دجل کا پردہ چاک کر کے اس کی حقیقت جو اس کا پوشیدہ پہلو تھا وہ دنیا کے سامنے لے آئے گی یہی شخصیت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے لیکن افسوس کا مقام یہ ہوگا کہ اکثریت اس کی تکذیب کرے گی اسے پہچاننے سے قاصر رہے گی لیکن بہت جلد عذاب آئے گا تو نہ صرف اس شخصیت کی تکذیب کرنے والے پچھتائیں گے بلکہ افسوس کریں گے کہ کاش اس کی تکذیب کرنے کی بجائے اس کی باتوں پر توجہ دی ہوتی اسے پہچان کر دنیا و آخرت کے عذاب عظیم سے بچ جاتے۔

جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب سارے کے سارے ایمان لائیں گے لیکن تب ایمان لانا کوئی نفع نہیں دے گا۔

رسول الله ﷺ قال: واعلموا أن الله عزوجل صحيح ليس بأعور، وأن الدجال أعور ممسوح العين، بين عينيه مكتوب "كافر" يقرؤه كل مؤمن كاتب أو غير كاتب. سنن الواردة فی الفتن

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اور تمہیں علم ہونا چاہیے کہ اللہ عزوجل بے عیب ہے ہرگز اعور نہیں یعنی اللہ جو بھی خلق کرتا ہے اس میں کوئی عیب نہیں ہوتا، کسی قسم کی کوئی خامی، کجی یا کوتاہی نہیں کرتا، وہ جو بھی خلق کرتا ہے اسے دونوں پہلوؤں سے مکمل اور بے عیب خلق کرتا ہے وہ ہر شئے کے دونوں رخ سامنے رکھ کر اپنا کام کرتا ہے نہ کہ ایک ہی پہلو سے ایک ہی رخ سے، اللہ ہر لحاظ سے مکمل اور بے عیب خلق کرتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ الدجّال اعور ہوگا یعنی ہر وہ شئے جو عیب دار ہوگی، جو نامکمل ہوگی، جس میں عیوب، خامیاں و خرابیاں ہوں گی جو ایک ہی رخ سے ایک ہی پہلو سے دیکھ کر خلق کی گئی ہوں گی وہ الدجّال ہوگا۔ الدجّال عیب دار ہوگا وہ جو بھی کرے گا اس میں عیب، خامیاں لازمی ہوں گی وہ کسی بھی کام کو ایک ہی پہلو سے دیکھ کر کر پائے گا اس کے دوسرے رخ دوسرے پہلو سے شئے بالکل نامکمل، خامیوں و خرابیوں والی ہوگی۔ دیکھنے کا آلہ ممسوح ہوگا، درمیان اس کی عین کے کتب ہوگا "کافر" پہچان لے گا اسے ہر مومن خواہ وہ لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

درمیان اس کی عین کے کتب ہوگا کافر اور پڑھ لے گا اسے ہر مومن خواہ وہ کتب کرنا جانتا ہو یا کتب کرنا نہ جانتا ہو۔ روایت کے اس حصے کو آپ اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ اس میں استعمال ہونے والے الفاظ کو نہیں سمجھ لیا جاتا اور اس سے پہلے ایک بات جو واضح کرنا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ اس بارے میں اسی ملاں طبقے نے لوگوں کو ایک ایسی غلط فہمی کا شکار کر دیا ہوا ہے کہ کسی کو حقیقت کا علم ہی نہیں جس کی وجہ سے اکثریت گمراہیوں کی گھاٹیوں میں چلی گئی۔ وہ غلط فہمی کم اور ایک عقیدے و نظریے کی حیثیت زیادہ رکھتا ہے کہ الدجّال کی آنکھوں کے درمیان یعنی اس کے ماتھے پر "کافر" "ک ف ر" یا پھر "کفر" لکھا ہوگا اور اس کو تمام کے تمام مسلمان پڑھ لیں گے خواہ وہ پڑھے لکھے ہوں یا نہ ہوں۔

اس عقیدے و نظریے کے عام ہونے کی وجہ سے عام عوام فتنہ الدجّال سے بالکل بے فکر ہوگئی اور اس کی وجہ یہی بنی کہ ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی گئی کہ تم تو مسلمان ہو اور الدجّال جب بھی آئے گا اس کے ماتھے پر کفر لکھا ہوا تم پڑھ لوگے یوں تم پر الدجّال واضح ہوگا اور صرف کافر ہی نہیں پڑھ سکیں گے اور وہ اس کے فتنے کا شکار ہو جائیں گے۔

پھر ان کے نزدیک مسلمان کی تعریف کچھ یوں ہے کہ مسلمان وہ کہلاتا ہے جو دین اسلام کا ماننے والا ہے اور دین اسلام کیا ہے اس کی تعریف کچھ یوں ہے کہ جیسے دنیا میں باقی مذاہب موجود ہیں جنہیں آپ ہندوازم، ہندوتوا، بدھ ازم، پارسی، یہودی، عیسائی وغیرہ کے ناموں سے جانتے ہیں بالکل اسی طرح ایک دائرہ ہے جس میں داخل ہونے کا ایک رستہ ہے جو کہ ایک کلمے یعنی چند الفاظ پر مشتمل ایک جملے کا اقرار ہے اور باہر نکلنے کا کوئی رستہ نہیں اس دائرے کا نام اسلام ہے۔ جو بھی اس دائرے میں داخل ہوگا وہ مسلمان ہے اور جو اس دائرے کے باہر ہے وہ کافر ہے۔ یوں جب الدجّال آئے گا تو اس کے ماتھے پر لکھا کافر وہ تمام لوگ پڑھ لیں گے جو اس دائرے میں موجود ہوں گے خواہ وہ پڑھے لکھے ہوں یا نہ ہوں۔

انتہائی دکھ، افسوس اور پریشان کن بات یہ ہے کہ نہ صرف پوری دنیا میں اسلام کے بارے میں یہی نظریہ پایا جاتا ہے یہی تصور پایا جاتا ہے بلکہ جو لوگ خود کو

مسلمان کہلواتے ہیں وہ بھی اسی نظریے وتصور پر قائم ہیں حالانکہ جیسے جیسے آگے بڑھیں گے تو قرآن سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آئے گی کہ اللہ نے بہت سختی سے اس سے منع کیا تھا کہ جیسے یہودیوں اور عیسائیوں نے دین الاسلام کو بدلتے ہوئے یہودیت اور عیسائیت کے نام پر دائرے بنا دیئے اور ان کے نزدیک وہی دائرہ اسلام اور اسی دائرے والے اللہ کے چہیتے اور باقی سب کے سب کافر وجہنمی ہیں تم ویسا نہ کرنا۔ لیکن خود کو مسلمان کہلوانے والوں نے بھی بالکل وہی کیا کہ باقی مذاہب کی طرح دین الاسلام کو بدلتے ہوئے ایک دائرہ اخذ کر لیا جسے اسلام کا نام دے دیا اور جو اس دائرے میں داخل ہوگا وہ دنیا وآخرت میں اللہ کا چہیتا ہے اور سب کے سب جو بھی اس دائرے سے باہر ہیں بدترین کافر ومشرک ہیں ان کا کوئی بھی احسن عمل قابل قبول نہیں وہ سب کے سب نہ صرف سیدھے جہنم میں جائیں گے بلکہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ بالکل عین یہی عقیدہ ونظریہ یہودیوں کا ہے ان کے نزدیک بھی اللہ کے ہاں ایک ہی دین قابل قبول ہے اور وہ ہے اسلام جسے وہ یہودیت کا نام دیتے ہیں، یہودیت ایک دائرہ ہے جو بھی اس دائرے میں داخل ہوگا وہ اللہ کا چہیتا ہوگا اور سیدھا جنت میں جائے گا اور جو بھی اس دائرے سے باہر ہوگا وہ نہ صرف بدترین کافر ومشرک ہے بلکہ وہ جہنم میں جائے گا اور ہمیشہ اسی میں رہے گا اور بالکل یہی عقیدہ ونظریہ عیسائیوں کا ہے عیسائیت کے حوالے سے۔ اور خود کو مسلمان یا مسلم کہلوانے والے بھی اپنے آباؤاجداد یہودیوں اور عیسائیوں کی اتباع میں وہی عقیدہ ونظریہ رکھتے ہیں۔

کسی کو یہ علم ہی نہیں کہ اسلام ہے کیا؟ لفظ اسلام کے معنی کیا ہیں اور مسلم کے معنی کیا ہیں؟ یہ تمام کے تمام الفاظ اشیاء کی پہچان کے لیے ان کے نام یعنی القابات نہیں ہیں بلکہ یہ تو اسماء ہیں یعنی یہ تو صفات ہیں۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اللہ نے قرآن میں دوٹوک الفاظ میں صراحت کیساتھ کہا کہ اللہ کے ہاں صرف ایک ہی دین قابل قبول ہے اور وہ الاسلام ہے جیسا کہ درج ذیل آیات میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ. آل عمران ۱۹

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ. آل عمران ۸۵

آیات میں بلاشک وشبہ اللہ نے دین الاسلام کو ہی قابل قبول قرار دیا اس کے علاوہ کوئی دین اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کے نزدیک اسلام کا مطلب وہی ہے جسے آج پوری دنیا کے انسان اسلام قرار دیتے ہیں۔

کیا اللہ نے یہ کہا کہ اکثریت جسے اسلام کہتی ہے یا سمجھتی ہے وہ دین الاسلام ہے؟ کیا اللہ نے یہ کہا کہ کسی دائرے کا نام اسلام ہے اور اللہ کے ہاں وہ دائرہ اسلام قابل قبول ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا دائرہ قابل قبول نہیں؟ کیا اللہ نے کہیں یہ کہا کہ دین الاسلام وہ ہے جسے خود کو مسلمان کہلوانے والے دین اسلام کہتے ہیں اور وہی اللہ کے ہاں قابل قبول ہے؟ جب اللہ نے ایسا کچھ کہا ہی نہیں تو پھر بے شک پوری دنیا جسے اسلام قرار دے اور اس پر ڈٹ جائے وہ اللہ کے نزدیک الاسلام نہیں، اللہ انسانوں کی اکثریت کے نزدیک اسلام کے تصور کو تسلیم نہیں کرنے والا اور نہ ہی اس بنیاد پر فیصلہ سنانے والا ہے چونکہ اکثریت کے نزدیک اسلام کا تصور یہی ہے جو پایا جاتا ہے کہ اسلام باقی مذاہب کی طرح ایک مذہبی دائرہ ہے تو یہ الاسلام ہے، نہیں بالکل نہیں۔ اللہ نے قرآن میں کہا کہ اللہ کے ہاں الاسلام کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں ہے تو اللہ نے یہ بات بھی صراحت کیساتھ واضح کر دی کے اللہ کے ہاں الاسلام ہے کیا؟

جیسا کہ پیچھے واضح کر دیا گیا کہ الاسلام کوئی لیبل یا لقب یعنی نام نہیں ہے جو کسی شئے کی پہچان کے لیے اسے دیا جاتا ہے بلکہ لفظ الاسلام اسم ہے اور اسم کہتے ہیں خصوصیات وصفات کو۔

وہ لوگ جو خود کو مترجم ومفسر قرآن سمجھتے، کہتے یا کہلواتے ہیں، اپنے لیے بڑے بڑے القابات کا استعمال کرتے ہیں ان لوگوں سے بھی سوال ہے اور آپ سے بھی یہ سوال ہے کہ جب یہ لوگ قرآن کے تراجم وتفاسیر کرتے ہیں تو انہوں نے لفظ اسلام کا ترجمہ کیوں نہ کیا؟ کیا لفظ اسلام کو یہ لقب سمجھتے ہیں یا پھر اسم؟ اگر تو یہ لفظ اسلام کو لقب سمجھتے ہیں تو پھر ہر رسول کو دین کے لیے یہی لفظ اسلام کا استعمال کرنا چاہیے تھا، عربوں کے علاوہ ہر اس قوم میں اس لفظ کا وجود ہونا چاہیے تھا جس جس میں بھی رسول بعث کیے گئے تو کیا نوح نے لفظ اسلام کا استعمال کیا؟ جو عاد تھے انہوں نے لفظ اسلام کا استعمال کیا؟ ھود نے؟ ثمود نے؟ صالح نے؟ مدین نے؟ شعیب نے؟ لوط نے؟ موسیٰ وعیسیٰ نے؟ اگر نہیں تو پھر اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ لفظ اسلام لقب نہیں ہے لیبل نہیں ہے کہ

جس پر بھی چپکا دیا جائے وہ اسلام بن جائے گا بلکہ اسلام تو اسم ہے اور اگر خود کو مترجم ومفسر قرآن کہلوانے والے اور ان کے پیروکار لفظ اسلام کو لقب کی بجائے اسم سمجھتے ہیں تو انہوں نے لفظ اسلام کا ترجمہ کیوں نہ کیا؟ اس کے معنی بیان کیوں نہ کیے؟ صرف اور صرف اس لیے کہ کہیں ان کے خود ساختہ اسلام نامی دائرے کا وجود ہی نہ مٹ جائے جس خوف سے انہوں نے دجل سے کام لیا حق کو چھپایا، خود تو گمراہ تھے ہی اکثریت کو بھی گمراہ کیا۔

اب آتے ہیں الاسلام کی طرف کہ الاسلام کیا ہے؟ الاسلام کیا ہے اس کی وضاحت لفظ اسلام خود کھول کھول کر رہا ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ ''اسلام'' جملہ ہے جو کہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے ''ا، سلم، ا'' یعنی شروع میں ایک الف ہے پھر لفظ ''سلم'' ہے اور ایک الف سلم کے درمیان ہے۔ جب بھی کسی جملے کے شروع میں الف آئے تو الف سوالیہ بنا دیتا ہے جس کے معنی ہیں کیا، کب، کہاں، کیسے، کیوں اور کتنا وغیرہ۔ اور آگے انہی سوالات کا جواب موجود ہوتا ہے یوں لفظ اسلام کے شروع میں الف سوالیہ بنا دیتا ہے اور آگے اسی کا جواب ہے ''سلم'' جس کے معنی ہیں شئے کا ہر لحاظ سے ایسا ہونا کہ اس میں کسی بھی قسم کی کوئی کمی، کجی، نقص، عیب یا خرابی وغیرہ نہ ہو شئے کا ہر لحاظ سے سلامت ہونا، اگر اس میں کوئی کمی، کجی، کوتاہی، نقص، عیب یا خرابی وغیرہ ہے تو اس کا دور ہو کر اس میں سلم یعنی سلامتی آجانا، پرفیکشن آجانا۔

آگے لفظ سلم کے درمیان الف آجاتا ہے اور جملہ بنتا ہے ''سلام'' جس کے معنی بنتے ہیں جو کچھ بھی ہے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے ہر شئے میں سلم آجانا کسی میں بھی کہیں کوئی خرابی کا نہ ہونا، کوئی کمی، کجی، کوتاہی، نقص، خرابی یا عیب وغیرہ کا نہ ہونا اگر ایسا کہیں یا کسی میں بھی ہے تو اس کا دور ہو کر اس میں سلم آجانا پرفیکشن آجانا بالکل پرفیکٹ یعنی کامل ہو جانا۔

یوں لفظ اسلام کے معنی بنتے ہیں کہ وہ کیا ہے؟ جس سے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے ہر شئے میں ذرے ذرے میں سلم آجائے، اگر کہیں بھی کوئی خامی ہے، کوئی نقص ہے کوئی عیب ہے یا کوئی تبدیلی ہے تو اس کا دور ہو کر ہر شئے کا پرفیکٹ ہو جانا سلامت ہو جانا۔ تو جو بھی طریقہ اسلام ثابت ہو جائے تو یہ مخصوص طریقہ ثابت ہو جائے گا جسے عربوں کی زبان میں الاسلام کہا جائے گا۔

اب کوئی بھی ہو خواہ وہ ہندو ہو، پارسی ہو، بدھ مت ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، مسلمان ہو یا پھر ان میں مزید فرقہ در فرقہ، کوئی بھی گروہ ہو، کوئی تنظیم، کوئی جماعت، کوئی ریاست ہو، یا کوئی بھی ہو وہ جسے دین حق کہتا ہے یعنی وہی نظام وہ طریقہ جس پر چلنے سے جس کے نفاذ سے سب کا فائدہ ہی فائدہ ہے تو دیکھا جائے گا کہ کیا اس پر عمل کرنے سے کیا اس سے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے یہاں تک کہ ذرے ذرے میں سلم آتا ہے پرفیکشن سلامتی آتی ہے؟ اگر کہیں کوئی خرابی ہے، خامی ہے، کوئی نقص ہے کوئی کمی ہے تو وہ دور ہو کر سب کچھ سلامت ہو جاتا ہے بالکل ٹھیک ٹھاک اور مکمل ہو جاتا ہے؟ اگر زلزلے آرہے ہیں، طوفان، آندھیاں، ہلاکتیں آرہی ہیں تو کیا اس پر عمل کرنے سے اسے اختیار کرنے سے زلزلے، طوفان، آندھیاں و ہلاکتیں رک جاتی ہیں اور آسمانوں اور زمین میں سلم آجاتا ہے ہر شئے میں سلم آجاتا ہے اگر تو ہر شئے میں سلم آجاتا ہے تو دین حق ہے جس نے خود کو الاسلام ثابت کر دیا اور اگر نہیں تو پھر خواہ پوری کی پوری دنیا ایک طرف ہو جائے وہ دین حق الاسلام نہیں بلکہ وہ لوگوں کی اپنی خواہشات ہیں ان کی جہالت ہے جسے وہ دین حق کا نام دے رہے ہیں اسلام کا نام دے رہے ہیں۔

اب آپ پر ہر لحاظ سے کھل کر واضح ہو جائے گا کہ اللہ نے کیوں کہا کہ اللہ کے ہاں ایک ہی دین قابل قبول ہے اور وہ الاسلام ہے اور اللہ نے الاسلام کسے کہا یعنی اللہ کے ہاں الاسلام ہے کیا۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ. آل عمران ۱۹

اس میں کچھ شک نہیں دین تھا اللہ کے ہاں مخصوص وہ جس سے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے ذرے ذرے میں سلم یعنی سلامتی آجائے کہیں کوئی خرابی نہ ہو، کوئی خامی یا نقص نہ ہو اور اگر کہیں پر ایسا ہے یعنی کہیں پر انسانوں کے مفسد اعمال کی وجہ سے خامی، خرابی یا نقص ہو چکا ہے تو وہ دور ہو کر سب کے سب میں سلم یعنی سلامتی پرفیکشن آجائے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ. آل عمران ۸۵

اور جو دین کے ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی اپنی مرضی کا استعمال کرتے ہوئے الاسلام کے علاوہ دین اپنائے گا یعنی ہر لحاظ سے

واضح کر دیا گیا کہ الاسلام کیا ہے وہ کیا ہے جس سے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے یہاں تک کہ ذرے ذرے میں سلم یعنی سلامتی آجائے کہیں کوئی نقص، کمی، کجی یا خرابی نہ ہوا گر ہے تو وہ دور ہوکر ہر شئے بالکل ٹھیک ٹھاک ہو جائے اس کے باوجود جو اس کے علاوہ کسی اور طریقے کو اختیار کرتا ہے کچھ اور کرتا ہے یا اسی طرح نہیں کرتا اتنا ہی نہیں کرتا جیسا اور جتنا کرنے سے سلم آتا ہے تو اس سے نہیں قبول کیا جاتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک الاسلام کیا ہے یعنی وہ کون سا طریقہ ہے وہ کیا ہے جس پر چلنے سے جس پر قائم ہونے سے آسمانوں زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے سب کے سب میں سلم آجائے تو اس کا جواب اللہ نے بالکل واضح طور پر دے دیا۔

اللہ کے ہاں الاسلام کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں تو سب سے پہلے یہ جاننا ہوگا کہ اللہ کیا ہے؟ جب تک اللہ کیا ہے اس کا علم نہیں ہوگا تو کوئی بھی یہ فیصلہ نہیں کر پائے گا کہ اللہ کے ہاں کیا قابل قبول ہے اللہ کیا قبول کرتا ہے قبول کر رہا ہے اور کیا قبول نہیں کرتا کیا قبول نہیں کر رہا۔ یہ بھی دین حق الاسلام کیا ہے اس کی پہچان کا بالکل آسان ترین طریقہ ہے۔ نہ صرف پیچھے مختلف مقامات پر واضح کر دیا گیا کہ اللہ کیا ہے بلکہ آگے اللہ کے موضوع پر مکمل تفصیل کیساتھ ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے بات کی گئی ہے کوئی سوال سوال نہیں رہنے دیا گیا ہر سوال کا جواب دیا گیا ہے اور بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ یہ جو کچھ بھی موجود ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے جو بھی اپنی موجودگی کا احساس یا یقین دلا رہا ہے اور اور کرتے جاؤ جب تک کہ اور ختم ہوکر ماضی میں نہیں چلا جاتا جب اور ختم ہوکر ماضی میں چلا جائے اور ختم ہو جائے تو جو وجود جو ذات سامنے آئے اللہ ہی کی ذات سامنے آئے گی۔ یعنی یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کی ذات اسی کا وجود نظر آ رہا ہے جسے آپ فطرت بھی کہتے ہیں۔

اب آپ دیکھیں کہ آپ کونسا عمل کرتے ہیں جو اللہ یعنی فطرت قبول کرتی ہے تو جو بھی عمل کرتے ہیں جیسا جہاں اور جتنا کرتے ہیں اور فطرت اسے قبول کرتی ہے اسے مسترد نہیں کرتی یعنی آپ کے عمل کے بدلے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے کوئی خرابی نہیں ہوتی بلکہ اچھا ردعمل آتا ہے تو وہ الاسلام ہے اور جو عمل فطرت قبول نہیں کرتی بلکہ اسے مسترد کر دیتی ہے جس سے آسمانوں زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان میں خرابیاں ہوتی ہیں تو وہ الاسلام نہیں بلکہ غیر الاسلام ہے۔ مثلاً جیسے اگر آپ کچھ کھاتے ہیں تو آپ کا معدہ اسے ہضم نہیں کر پاتا جسم کا فائدے کی بجائے نقصان ہوتا ہے تو اسے کہا جائے گا کہ آپ کے معدے نے یا آپ کے جسم نے اس شئے کو قبول نہیں کیا اور اس کے برعکس جو آپ کھاتے ہیں کہ نہ صرف معدہ اسے ہضم کرتا ہے بلکہ پورا جسم اس سے سکون و راحت محسوس کرتا ہے تو اسے کہا جائے گا کہ معدے نے یا جسم نے اس شئے کو قبول کر لیا۔

ایسے ہی وہ اعمال جن سے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہیں کہیں بھی کسی میں بھی خرابیاں ہوتی ہیں، نقائص پیدا ہوتے ہیں تو یہ ہے اللہ کا ان اعمال کو قبول نہ کرنا اور ان کے برعکس وہ اعمال جن سے اصلاح ہوتی ہے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے وہ راحت و سکون محسوس کرتے ہیں کہیں کوئی خرابی نہیں ہوتی کہیں کوئی خامی یا نقص نہیں ہوتا اگر ہوتا بھی ہے تو وہ دور ہوکر اصلاح ہو جاتی ہے تو یہ ہے فطرت کا اس وجود اللہ کا ان اعمال کو اس دین کو قبول کرنا۔

اب آپ خود دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ جو کچھ بھی آپ دین کے نام پر کر رہے ہیں فطرت اسے قبول کر رہی ہے یا پھر مسترد کر رہی ہے؟ اگر تو قبول کر رہی ہے تو بلا شک و شبہ وہی الاسلام ہے اور اگر مسترد کر رہی ہے یعنی فطرت تباہ کن رد اعمال کا اظہار کر رہی ہے تو آپ کے ان اعمال آپ کے دین کو قبول نہیں بلکہ مسترد کیا جا رہا ہے آپ کے دین کو آپ کے منہ پر دے مارا جا رہا ہے۔

اب جبکہ آپ غور و فکر کریں گے کہ وہ کیا ہے کون سا طریقہ ہے کون سے اعمال ہیں جنہیں فطرت قبول کر رہی ہے یعنی جنہیں اللہ قبول کرتا ہے دین حق کیا ہے تو آپ پر بالکل واضح ہو جائے گا کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے کہ فطرت پر قائم ہو جانا، اگر سب کا سب فطرت پر ہوگا یعنی جیسا اللہ نے وجود میں لایا اس میں کہیں بھی کوئی رد و بدل نہیں کی جائے گی ہر شئے کو سب کے سب کو ویسا ہی رہنے دیا جائے گا تو سب کے سب میں سلم آجائے گا سب کے سب میں سلم رہے گا ورنہ سلم نہیں آئے گا بلکہ الٹا سب کچھ فساد زدہ ہوکر تباہیاں آئیں گی ہلاکتیں آئیں گی۔

یعنی فطرت کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے فطرت ہی دین حق ہے فطرت پر قائم ہونا ہی دین الاسلام ہے نہ کہ فطرت کے علاوہ خواہ کچھ بھی ہو۔

اور دیکھیں اسی کو اللہ نے قرآن میں بھی دو ٹوک الفاظ میں واضح کر دیا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

يَعۡلَمُوۡنَ. الروم ٣٠

فَاَ پس کیا کرنا ہے؟ یعنی انسان کو نہیں علم کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا اور وہ حق کا طلب گار ہے مگر اسے سمجھ نہیں آ رہی کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے تو اللہ اسی کا آگے جواب دے رہا ہے قِمۡ قائم ہونا ہے قائم کرنا ہے وَجۡهَكَ تیرا جو رخ ہے یعنی تجھے جو کچھ بھی دیا گیا مال، اولاد، ذہانت، ہاتھ، پاؤں، ٹانگیں، آنکھیں، کان، دماغ سمیت جتنے بھی اعضاء ہیں، کچھ کرنے کی صلاحیت، کوئی عہدہ، مرتبہ، یا جو کچھ بھی دیا گیا ان سب کے استعمال کی سمت، رخ، ڈائریکشن طے کرنی ہے لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ہر طرف سے کٹ کر بالکل یک سو ہو کر دین کے لیے، یعنی تجھے جو کچھ بھی دیا گیا ہے خواہ وہ مال ہو، اولاد ہو، ذہانت ہو، جسم کا کوئی بھی عضو ہو، کچھ کرنے کی صلاحیتیں ہو، کوئی عہدہ، رتبہ، مرتبہ ہو یا کچھ بھی دیا گیا ہو کسی پر بھی اختیار دیا گیا ہو تو سب کے سب کو ہر طرف سے کٹ کر بالکل یک سو ہو کر دین کے لیے ہی استعمال کرنا ہے دین ہی مقصد ہونا چاہیے کچھ بھی کرنا ہے تو دین کے لیے، کچھ بھی کھانا ہے تو دین کے لیے، کچھ بھی سوچنا ہے تو دین کے لیے، جو کچھ بھی دیا گیا کسی کا بھی استعمال کرنا ہے تو دین کے لیے اور ایک رائی برابر بھی اپنا رخ اِدھر اُدھر نہیں کرنا یعنی رائی برابر بھی کسی کا بھی استعمال اس مقصد یعنی دین سے ہٹ کر یا اس کے علاوہ نہیں کرنا خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ پس کیا کرنا ہے قائم ہونا ہے سو پس قائم ہو جا یعنی دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے چاہے کچھ بھی ہو جائے تُو ڈٹ جا، اپنے رخ کو ہر طرف سے ہٹا کر، ہر طرف سے کٹ کر بالکل ایسے جیسے کہ دنیا میں اور کچھ ہے ہی نہیں سوائے دین کے اس طرح ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر ڈٹ جا قائم ہو جا دین کے لیے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دین ہے کیا؟ یعنی کیا ہے مقصد، ٹارگٹ، مشن جس کو پورا کرنے کے لیے دنیا میں لایا گیا اور جو کچھ بھی دیا گیا صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے ہی استعمال کرنا ہے آخر وہ دین یعنی دنیا میں آنے اور سب کچھ دیئے جانے کا مقصد ہے کیا تو آگے اسی کا اللہ نے جواب دے دیا۔ فِطۡرَتَ اللّٰهِ فطرت تھی اللہ کی یعنی دین یہ نہیں آج جو کچھ بھی تم دین کے نام پر کر رہے ہو بلکہ دین کو تو تم نے تھا کیا ہوا ہے اس لیے دین فطرت تھی جس پر قائم ہونا ہے ہر طرف سے کٹ کر بالکل یک سو ہو کر کچھ بھی کرنا ہے تو اسی کے لیے، جو کچھ بھی دیا گیا تو اس کا استعمال صرف اور صرف اسی کے لیے کرنا ہے، دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے اپنا رخ اپنی توجہ اس سے نہیں ہٹانی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اے اللہ فطرت کیا ہے؟ جسے تُو تھا کہہ رہا ہے کہ دین فطرت تھی؟ تو آگے اللہ نے اس سوال کا بھی جواب دے دیا الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا دین وہ فطرت تھی جس پر لوگوں کو فاطر کیا گیا تھا یعنی جب لوگوں کو دنیا میں لایا گیا جب ان میں کسی بھی قسم کی کوئی خرابی نہیں تھی کوئی نقص کوئی بیماری نہیں تھی کوئی عیب نہیں تھا یہ ہر لحاظ سے بالکل پرفیکٹ تھے جو کہ آج نہیں ہیں آج طرح طرح کی بیماریوں نے انہیں گھیر رکھا ہے عمر کی کوئی مخصوص حد نہیں ہے، بیماریوں، تکالیف، زلزلوں، طوفانوں، آندھیوں، سیلابوں اور طرح طرح کی تباہیوں نے انہیں گھیر رکھا ہے، آپس کی لڑائیاں، جنگ و جدل، حسد، بغض، دشمنی جب یہ سب نہیں تھا تو تب جو کچھ بھی جیسا بھی تھا وہ تھی فطرت۔ پیچھے سے پیچھے جاؤ جب لوگوں کو دنیا میں لایا گیا تب سب کچھ کیسا تھا؟ تب بارشیں کیسے اور کب کب برستی تھیں؟ تب موسم کیسے تھے؟ تب درجہ حرارت کیسا تھا؟ تب زمین کیسے اگاتی تھی؟ تب بیج کیسے تھے؟ تب جانداروں کی نسلیں آگے کیسے بڑھتی تھیں؟ تب فضا کیسی تھی؟ تب لوگوں کو ان کی ضروریات کیسے حاصل ہو رہی تھیں؟ تب لوگوں کی ضروریات جو کچھ بھی ان کے کھانے، پینے، پہننے، سواری کے ذرائع سمیت جتنی بھی ضروریات ہیں سب کی سب کیسے وجود میں آتی تھیں؟ کیسے سب خلق ہوتا تھا؟ تب خلق کیسی تھی؟ تو جو کچھ بھی تب تھا اور جیسا تھا وہ تھی فطرت جس پر قائم ہونے سے جس سے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے یہاں تک کے ذرے ذرے میں سلم آ جائے گا اگر کہیں کوئی نقص، خامی، خرابی، فساد انسانوں نے کر بھی دیا تو فطرت ہی واحد ایسا رستہ ہے جس پر چلنے سے جس پر قائم ہونے سے خرابیاں دور ہو جائیں گے نقائص دور ہو جائیں گے اور اصلاح ہو جائے گی۔

اور اگر فطرت پر قائم ہونے کی بجائے یعنی لوگوں کی جو بھی ضروریات ہیں ان کے حصول کے لیے فطرت پر انحصار کرنے کی بجائے فطرت میں تبدیلی کی جائے گی، جیسا فطرت مہیا کرتی ہے اس میں کوئی بدلاؤ کیا جائے گا کسی بھی سطح پر اس میں تبدیلی کی جائے گی، کسی بھی خلق کو اس کے مقام سے ہٹایا جائے گا تو پھر ایسا ممکن ہی نہیں کہ وہ سلامت رہے بلکہ پھر اس میں سلم نہیں رہے گا اس میں خرابیاں ہو کر وہ شئے تباہ و برباد ہو جائے گی، فطرت میں تبدیلیاں کرنے سے فساد ہو گا جس سے طرح طرح کی تباہیاں آئیں گی کسی شئے میں بھی سلم نہیں رہے گا آسمانوں زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے جن پر انسان کو اختیار دیا گیا سب کے سب میں فساد ہو کر ہلاکتیں و تباہیاں آئیں گی کسی میں بھی سلم یعنی سلامتی پرفیکشن نہیں رہے گی یہی اللہ نے آیت میں آگے واضح کر دیا لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ

نہیں تبدیلی اللہ کی خلق کے لیے یعنی اللہ نے جو بھی جیسا بھی خلق کیا اور خلق کرتا ہے اس میں رائی برابر بھی تبدیلی ممکن نہیں، اگر تبدیلی ممکن ہوتی تو اللہ اسے ویسا ہی خلق کرتا لیکن اللہ نے جو کچھ بھی خلق کیا اور جیسا بھی خلق کیا اس میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی اگر اس کے باوجود کوئی تبدیلی کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ کی خلق کو بدلتا ہے تو اللہ کی خلق بدلے گی تو نہیں مگر اس میں فساد ہو کر تباہ ہو جائے گی، اس لیے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے تم نے اپنی ضروریات کے لیے فطرت پر ہی انحصار کرنا ہے اللہ کو علم ہے کہ جیسے وہ خلق کر رہا ہے اس سے تیز رفتار اور زیادہ بھی خلق کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے باوجود اگر اللہ تیز رفتاری سے اور زیادہ نہیں اگا رہا تو ضرور اس کی کوئی نہ کوئی وجوہات ہیں اللہ العزیز الحکیم ہے اللہ نے المیزان یعنی توازن قائم کیا ہے اگر اللہ کی خلق میں کسی بھی سطح پر رائی برابر بھی تبدیلی کی جائے گی تو توازن بگڑ جائے گا اس لیے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے تمہیں ہر لحاظ سے فطرت پر ہی انحصار کرنا ہے فطرت جو کھانے کو مہیا کرے اسے ہی کھانا ہے، جو پینے کو مہیا کرے اسے ہے پینا ہے، جو سواری کے ذرائع فراہم کرے انہی پر انحصار کرنا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ فطرت میں تبدیلیاں کرنا شروع کردو اگر ایسا کرو گے تو اللہ کی خلق کے لیے تبدیلی ہے ہی نہیں اللہ کی خلق بدلے گی تو نہیں البتہ اس میں خرابیاں ہو کر تباہ ہو جائے گی اور نقصان تمہارا اپنا ہی ہوگا تم خود ہی ہر لحاظ سے ہلاکت کا شکار ہو گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آج کوئی ہے جسے یہ علم ہو کہ دین تو فطرت پر قائم ہونا تھا دین الاسلام تو فطرت پر قائم ہونا تھا ہر طرف سے کٹ کر؟ تو جواب بالکل واضح ہے کہ کسی کو بھی علم نہیں اور اسی کا اللہ نے آگے اسی آیت میں ذکر بھی کر دیا ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وہ تھا جو دین ہے جسے قائم کیا جانا ہے جس پر قائم ہونا ہے تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا اس کے لیے قائم ہونے کے لیے دیا گیا تھا نہ کہ فطرت میں چھیڑ چھاڑ کرنے کے لیے دیا گیا، اللہ کی خلق میں تبدیلیاں کرنے کے لیے دیا گیا جو کہ آج تم کر رہے ہو آج جسے تم دین سمجھ رہے ہو اور دین کا نام دے کر اللہ کی خلق میں تبدیلیاں کر رہے ہو یہ دین ہے ہی نہیں ہم نے یعنی اللہ نے کبھی بھی اسے دین نہیں کہا یہ تمہاری اپنی خواہشات ہیں تمہارا اپنا افتراء ہے اللہ اور اس کے رسولوں پر وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ اور لیکن زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کا علم ہی نہیں ہے کہ دین الاسلام فطرت پر قائم ہونا ہے اللہ کی خلق جیسے تھی ویسے ہی رہنے دینی ہے اللہ کی خلق میں تبدیلیاں نہیں کرنی کیوں کہ غور و فکر ہی نہیں کر رہے۔

اگر کوئی غور و فکر کرے تو وہ جان جائے گا کہ دین کیا ہے اور جب غور و فکر کیا ہی نہیں جائے گا اللہ نے جو سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں دیں جو دل دیئے انہیں اس مقصد کے لیے استعمال ہی نہیں کیا جائے گا جس مقصد کے لیے یہ سب دیا گیا تو ظاہر ہے کیسے علم ہو پائے گا کہ دین کیا ہے؟ بلکہ پھر تو نظر آنے میں بشر ہوں گے لیکن حقیقت میں اللہ کے قانون میں ایسے تمام کے تمام بندر، سور، گدھے ہیں جو تمام مخلوقات کے لیے شر ہے یعنی نقصان پہنچانے والے جن سے نفع کی رائی برابر بھی امید نہیں کی جاسکتی۔

فطرت کہتے ہیں کہ اللہ نے جیسے اور جن قوانین کے تحت تمام کی تمام مخلوقات کو خلق کر کے جس جس مقام پر رکھ دیا جس جس لائن پر لگا دیا سب کی سب مخلوقات اسی پر قائم رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری پوری کریں۔ جس سے تمام مخلوقات کی نہ صرف تمام کی تمام ضروریات بھی پوری ہوں گی بلکہ سب کی سلامتی اور بقاء بھی اسی سے مشروط ہے بالکل اسی طرح انسان نے بھی خود کو انہی حدود کے اندر رکھنا ہے جن کا تعین اللہ نے کر دیا، اسی لائن پر قائم ہونا ہے اسی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے جس کے لیے اسے وجود میں لایا گیا ہر لحاظ سے خود کو اسی کا محتاج بنانا ہے۔ خود سے اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کرنا اپنی تمام تر ضروریات اسی نظام سے حاصل کرنا ہیں جو اللہ نے وضع کر دیا یعنی تمام کی تمام مخلوقات اپنی اپنی لائن پر قائم رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری پوری کریں گی تو انسان سمیت تمام مخلوقات کی تمام تر ضروریات وجود میں آئیں گے۔ جیسے انسان کی تمام ضروریات سفر کے ذریعے کے لیے اللہ نے اسی نظام سے گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ خلق کیے، کھانے کے لیے فصلیں، پھل، سبزیاں وغیرہ۔ جب تک کوئی خود کو فطرت پر قائم نہیں کر لیتا وہ دنیا و آخرت میں خسارے و ہلاکت کا شکار ہوگا خواہ وہ دنیا میں کسی بھی لفظ سے پکارا یا جانا جاتا ہو۔ مسلمان، ہندو، یہودی، عیسائی یا کچھ بھی۔ یہ تمام کے تمام دائرے انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں اللہ کے نہیں اور انسانوں کے لگائے ہوئے دائروں کی بنیاد پر اللہ اپنے فیصلے نہیں کرے گا۔

اللہ نے بالکل کھول کر واضح کر دیا کہ الاسلام کیا ہے یعنی تم انسانوں سمیت تمام کی تمام مخلوقات کی سلامتی اسی میں ہے کہ اللہ نے جیسا اور جس مقصد کے لیے تمہیں خلق کیا بالکل ویسے ہی رہو اسی مقصد کو پورا کرو یعنی ہر طرف سے کٹ کر مکمل طور پر فطرت پر قائم ہو جاؤ یہی اصل دین ہے فطرت پر قائم ہونے سے ہی

سلامتی ہے جسے الاسلام کہا گیا۔ اگر کوئی فطرت پر قائم ہے خواہ دنیا میں اسے لوگ ہندو، عیسائی، یہودی یا کسی بھی لفظ سے جانتے یا پکارتے ہوں وہ اللہ کے قانون میں مومن ہے اور جو فطرت پر قائم ہونے کی بجائے فطرت کے مقابلے پر مصنوعی اشیاء پر توکل کریں، انہی مشینوں پر توکل کریں گے وہ اپنے نام کیساتھ خواہ کتنا ہی بڑا مسلم یا مومن کیوں نہ لکھوالیں وہ اللہ کے قانون میں بدترین مشرک ہیں۔ یہودی، عیسائی، ہندو، بدھ اور مسلم لفظ کی بنیاد پر قطعاً کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔

اب آتے ہیں واپس روایت کی طرف کہ الدجّال کی عین کے درمیان کافر کتب ہوگا جسے ہر مومن غور و فکر کر کے جان لے گا خواہ وہ لکھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود جو عقیدہ و نظریہ اس حوالے سے پوری دنیا میں پھیلا دیا گیا کہ جو مسلمان ہیں وہ الدجّال کے ماتھے پر لکھا کفر پڑھ لیں گے خواہ پڑھے لکھے ہوں یا نہ ہوں اور مسلمانوں کے برعکس جو کافر ہیں وہ بے شک کتنے ہی پڑھے لکھے کیوں نہ ہوں وہ نہیں پڑھ سکیں گے اور الدجّال کو نہیں پہچان سکیں گے یوں اسے اپنا ربّ مان لیں گے، یہ جو لوگوں کے اذہان میں راسخ کر دیا گیا کچھ وقت کے لیے اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ کو چینی یا روسی زبان نہیں آتی اور کوئی آپ کے سامنے چینی، روسی یا کسی ایسی زبان میں کوئی لفظ لکھے جو زبان آپ پڑھ لکھ نہیں سکتے تو کیا آپ اسے پڑھ پائیں گے؟ آپ خواہ کتنے ہی بڑے مومن کیوں نہ ہوں اگر آپ کو چینی زبان نہیں آتی تو آپ کے سامنے چینی میں لکھا ہوا آپ اپنا نام تک نہیں پڑھ سکتے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے ماتھے پر کافر لکھ کر سامنے آجائے اور جو پڑھے لکھے نہیں محض مسلمان کہلوانے کی بنیاد پر اسے پڑھ لیں گے اور جو مسلمان کہلوانے والے نہیں خواہ وہ کتنا ہی پڑھے لکھے کیوں نہ ہوں وہ نہیں پڑھ پائیں گے؟ کیا آج دنیا میں بہت بڑی تعداد میں ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جو مسلمان کی بجائے یہودی، عیسائی مختلف مذاہب کے کہلاتے ہیں لیکن وہ عربوں کی زبان پر عبور رکھتے ہیں جن کو علم ہے اس لفظ کا فر یا کفر کا؟ کسی بھی طرح اور کسی بھی لحاظ سے اس بات میں ایک رائی برابر بھی صداقت نہیں ہے جو آج تک پھیلا دی گئی اور لوگوں کے اذہان میں راسخ کر دی گئی اور آپ اس وقت تک حق کو نہیں جان سکتے جب تک کہ اپنی خواہشات کو ترک کر کے خالص اللہ کی غلامی کو اختیار نہ کریں۔ اس روایت میں جو بات کی گئی اس کو اس وقت تک جاننا ناممکن ہے جب تک کہ آپ کو عربی کی اہمیت کا علم نہ ہو جائے۔ عربی دنیا کی باقی زبانوں کی طرح محض بول چال، ایک دوسرے کو مخاطب کرنے یا اشیاء کی پہچان کے لیے الفاظ کے مجموعے کا نام ہرگز نہیں ہے۔ اس کا ادراک آپ اس بات سے بھی کر سکتے ہیں کہ دنیا میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں زبانیں بولی جاتی تھیں جن میں عربی کو کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں تھی اس سے بڑی بڑی زبانیں دنیا میں موجود تھیں۔ دنیا میں اس وقت عالمی سطح پر لاطین کا بول بالا تھا بالکل ایسے ہی جیسے آج انگلش کا ہے تو اس کے باوجود قرآن کو عربی میں ہی کیوں اتارا گیا؟

جب کہ آپ جانتے ہیں آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان عربی نہیں یہاں تک کہ آج لوگ جسے عربی سمجھتے ہیں یعنی عربوں کی زبان کو عربی سمجھتے ہیں یہ وہ اصل عربی ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو بذات خود عربی کے لقب میں عجمی ہے اور نہ ہی اس کا قرآن کی عربی کیساتھ کوئی تعلق ہے۔ آج دنیا میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبانیں انگلش، چینی، ہندی اردو، فرنچ اور سپانش وغیرہ ہیں تو کیوں نہ اس بات کا خیال رکھتے ہوئے قرآن کو ان میں سے کسی زبان میں نازل کیا گیا؟ یا کم از کم باقی زبانوں میں تراجم ہی اتار دیئے جاتے؟ کیا اللہ کو اس بات کا علم نہ تھا؟ اور اگر علم تھا تو اس کے باوجود تراجم نہ اتارے کیا اللہ تراجم کرنے پر اختیار نہیں رکھتا تھا؟ اگر اختیار تھا ہے اور اس کے باوجود اللہ نے تراجم نہیں اتارے تو کیا کبھی آپ نے اس بات پر غور کیا کہ آخر وجہ کیا ہے؟ آج دنیا میں جسے عربی کہا جاتا ہے اس کا عربی کیساتھ کوئی تعلق نہیں اس کی حیثیت و حقیقت بالکل ایسے ہی ہے جیسے بازار میں اصل کے مقابلے پر اسی رنگ و روپ میں نقل آجائے۔ اور یہ وجہ ہے کہ عرب گھرانوں میں پیدا ہونے والے خود کو عربی پر مہارت رکھنے والے بڑے بڑے عرب دان بھی قرآن میں استعمال ہونے والے الفاظ کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔

اب آتے ہیں روایت میں محمد علیہ السلام کے الفاظ کی حقیقت کی طرف۔ آپ ہوں یا کوئی بھی ہو اس وقت تک روایت کے اس حصے کو نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ اس میں استعمال ہونے والے الفاظ کو نہ جان لیں۔ جیسے لفظ کتب، اقراء اور مومن۔

سب سے پہلے آتے ہیں لفظ کتب کی طرف۔ اسی سے کتاب بنا ہے، اصل اور بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہر کوئی اپنا اپنا دائرہ لگا کر اسی دائرے کو کل تصور کیے ہوئے ہے۔ اللہ کیا ہے ہر کسی کے نزدیک اللہ کے بارے میں الگ الگ عقیدہ و نظریہ ہے اگر کوئی اللہ کے بارے میں کسی دائرے والوں کے عقیدے و نظریے کا انکار

کرتا ہے تو اس دائرے میں قید لوگ ان کے اس عقیدے ونظریے کے انکار کو اللہ کی ذات کا انکار قرار دیتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ انکار اللہ کا نہیں بلکہ اللہ کے بارے میں ان کے خود ساختہ عقائد ونظریات کا ہوتا ہے اور وہ لوگ اپنے عقیدے کے انکار کو اللہ کا انکار قرار دیتے ہیں گویا کہ اللہ ان کے عقیدے کا نام ہے اور ان کے نزدیک ہر ایک پر لازم ہے کہ ان کے عقیدے کو اپنائے اگر اس عقیدے کو نہیں اپناتا یا اس سے نکلے گا تو وہ عقیدے سے باہر نکلنا نہیں ،عقیدے کا انکار، عقیدے کا رد نہیں بلکہ اللہ کا انکار قرار دیا جائے گا اللہ کا کفر قرار دیا جائے گا طرح طرح کے فتوے لگائے جائیں گے ملامتیں کی جائیں گی۔

سادہ اور آسان بات تو یہ ہے کہ ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ جو ہماری عقل میں آئے وہ حق ہے وہی کُل کا کُل ہے جو ہماری عقل سے باہر ہے اس کا کوئی وجود ہی نہیں اور باقیوں پر یہ فرض ہے کہ وہ ہماری سوچوں ،فکروں کے پابند ہیں وہ بھی انہی کی طرح اسی میں قید ہو جائیں۔

اسی وجہ سے آج ہر کسی کے اذہان میں یہ بات ڈالنے کی پوری کوشش کی گئی کہ الدجّال ایک شخص ہوگا اور اس کے ماتھے پر عربوں کے رسم الخط میں کافر یا کفر لکھا ہوگا جسے ہر وہ پڑھ لے گا جو خود کو مسلمان کہلوانے والا ہے خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا نہ ہو اور اسی وجہ سے عربی کے الفاظ کو اپنی اپنی عقل کے مطابق ڈھال کر ایسے عقائد کو پروان چڑھایا گیا۔

لفظ کتب کے معنی کیا ہیں؟

اس کا سب سے جامع ترین معنی یہ ہے کہ علم کا کسی بھی شکل وصورت میں اس طرح موجود ہونا کہ اسے وہاں سے حاصل کیا جا سکے۔ مثلاً جب آپ کسی شئے کو دیکھتے ہیں تو اس میں غور وفکر کرنے سے آپ کے پاس علم آتا ہے وہ علم آپ کے پاس آنے سے پہلے جس صورت میں موجود تھا وہ حالت وہ صورت کتب کہلاتی ہے اور جہاں یا جس میں وہ علم کتب تھا یعنی اس صورت میں موجود تھا وہ شئے کتاب کہلاتی ہے۔

ایسے ہی آپ دیکھتے ہیں کہ ایک مشین آپ کے سامنے موجود ہے وہ مشین نہ صرف ایک وجود ہے ایک خلق ہے بلکہ وہ ایسا علم بھی ہے جو کتب ہے اب اگر آپ اس مشین میں غور کریں گے یعنی اس کی گہرائیوں میں جائیں گے تو جو علم اس میں کتب تھا وہ آپ کو حاصل ہو جائے گا۔

اسی طرح ایک اور مثال لے لیتے ہیں ذرا تصور کریں کہ آپ نے ایک بڑا سا گھر خریدا جو بالکل خالی ہے آپ گھر کا سارا سامان لیکر آئے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اس کے بعد کیا کرنا ہے؟ تو جواب یہ ملے گا کہ گھر میں سامان جوڑنا ہے۔ اور اگر پھر یہ سوال کیا جائے کہ آپ کو کیسے علم ہوا کہ سامان جوڑنا ہے؟ تو پھر جواب آئے گا کہ ظاہر ہے جب گھر نیا خریدا ہے تو رہنے کے لیے خریدا ہے اور اس وقت تک کیسے گھر میں رہ سکتے ہیں جب تک کہ گھر میں سامان ہی نہ ہو؟ سامان لائے ہیں تو ظاہر ہے اس وقت سامان کو ہی جوڑا جائے گا جو کہ گھر خود چیخ چیخ کر بتا رہا ہے سامنے لکھا نظر آ رہا ہے۔ یہ علم آپ سے پہلے کہاں تھا ذرا غور کریں کیا کسی دیوار پر لکھا تھا؟ جس حالت میں یہ علم آپ کے پاس آنے سے پہلے موجود تھا اسے کتب کہتے ہیں یہ ہے کتب ہونا۔

اسی طرح آپ گھر میں سامان جوڑ رہے ہوں اور اچانک گھر میں آگ لگ جائے تو کیا آپ سامان ہی جوڑیں گے یا پھر پہلے آگ بجھائیں گے؟ تو پھر جواب یہ ہوگا کہ ظاہر ہے پہلے آگ بجھائیں گے ورنہ سب کچھ جل کر راکھ ہو جائے گا۔

پھر وہی سوال کہ غور کریں آپ نے کہا پہلے آگ بجھائیں گے ورنہ سب جل کر راکھ ہو جائے گا تو یہ علم آپ کے پاس کہاں سے آیا؟ جہاں یہ علم آپ کے پاس آنے سے پہلے موجود تھا اسے کتب ہونا کہتے ہیں۔

آگ کیا ہے اس کا علم صرف آگ میں ہی کتب ہے۔ آپ اس وقت تک نہیں جان سکتے جب تک کہ آپ آگ کو ''قرا'' نہیں کر لیتے یعنی اس میں غور کر کے یہ نہیں جان لیتے کہ آگ میں کیا علم موجود ہے۔ جیسے ایک بچہ جو آگ سے نا آشنا ہوتا ہے وہ پہلی بار جب آگ کے قریب جائے گا تو اسے نہیں علم کہ آگ ہے کیا وہ بغیر کسی خوف کے آگ کو چھو لے گا لیکن اس کے بعد آئندہ وہ آگ کے قریب نہیں جائے گا کیونکہ اسے علم ہو گیا آگ جلاتی ہے جس سے جلنے کی تکلیف ہوتی ہے اور جلنا کسے کہتے ہیں جلنا کیا ہوتا ہے۔ تو ذرا غور کریں وہ علم جو پہلے اس بچے کے پاس نہیں تھا اس کے پاس آنے سے پہلے کہاں تھا؟ اسے کتب کہتے ہیں۔

موجودہ دور کی اشیاء سے ہی ایک مثال لے لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب آپ اپنے کمپیوٹر یا موبائل میں کچھ لکھ یعنی کتب کر رہے ہوتے ہیں تو کیا آپ وہ قلم اور سیاہی سے کتب رہے ہوتے ہیں؟ اور کیا وہ کاغذ کے اوراق پر کتب ہو رہا ہوتا ہے؟ اور پھر کسی ایسی کتاب کی شکل میں محفوظ ہوتا ہے جسے آپ کتاب

کہتے ہیں کاغذ کے اوراق کی؟

نہیں بلکہ وہ تو کمپیوٹر کی ہارڈ ڈسک میں کتب ہو رہا ہوتا۔ جس میں علم کتب ہو وہ کتاب کہلاتی ہے عربی میں اسے ہارڈ ڈسک نہیں بلکہ کتاب کہتے ہیں۔ اب اگر وہ کتاب جس میں علم کتب ہوا ہے وہ آپ کے سامنے لا رکھی جائے تو کیا آپ اسے پڑھ لیں گے یعنی قرا کر لیں گے کہ اس کتاب جسے آپ ہارڈ ڈسک کہتے ہیں اس میں کیا علم کتب ہے؟ نہیں نا! کیونکہ آپ میں یہ جاننے کے صلاحیت ہی نہیں ہے کہ اس میں کیا کتب ہے اس میں جو کتب ہے اسے جاننے پہچاننے کی صلاحیت کمپیوٹر میں ہے۔ یہ ہے کتب کا معنی اور کتاب کیا ہے یہ بھی آپ پر واضح ہو گیا۔

اللہ نے قرآن میں آسمانوں اور زمین کو الکتاب کہا اور اس میں موجود تمام کی تمام مخلوقات کو الکتاب کی آیات کہا جب آپ پر یہ بات واضح ہو گئی کتب کیا ہے اور کتاب کسے کہتے ہیں تو پھر آپ پر بالکل واضح ہو جائے گا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو الکتاب کیوں کہا، اللہ نے جس علم سے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے خلق کیا ہے جیسے نظام چلا رہا ہے وہ سب علم انہیں مخلوقات میں موجود ہے جسے عربی میں کتب ہونا کہا جاتا ہے اور جس میں یا جہاں کتب ہوا اسے کتاب کہتے ہیں۔

جب اور جہاں علم کتب ہوتا ہے تو اس کتب علم کو غور وفکر کر کے جس میں وہ علم کتب ہے اس کی گہرائی میں جا کر اس علم کے حصول کو عربی میں قرا کہتے ہیں۔

گھر میں سامان جوڑنے کے دوران آگ لگ گئی تو پہلے آگ بجھائیں گے حالانکہ کسی نے بھی آپ کو نہیں کہا بلکہ آپ نے خود جان لیا۔ جس طرح جان لیا اسے عربی میں اقراء کہتے ہیں یعنی آپ نے آگ کو دیکھا آپ کو علم ہے کہ آگ اگر نہ بجھائی گئی تو یہ سب جلا کر راکھ کر دے گی یہ ہے یقرا، اقراء، قرا۔

اب آتے ہیں لفظ مومن کی طرف۔ آپ نے قرآن کی متعدد آیات میں نہ صرف لفظ مومن دیکھا ہو گا بلکہ ایک اور لفظ ''امنو'' بھی دیکھا اور پڑھا۔ امنو کہتے ہیں کہ جب کوئی آپ کو کوئی بات کہے، کوئی حکم دے، کچھ کرنے کو کہے یا آپ کو کوئی ہدایت دے تو اس کی بات کو تسلیم کر رہے ہونا یعنی اس کی بات کو مان رہے ہونا اور مومن کہتے ہیں جو بات آپ سے کہی گئی اس کو مان کر اس پر عمل کرنا۔

یہیں پر آپ مومن اور مسلم میں بھی فرق جان سکتے ہیں۔ مومن تو آپ پر واضح ہو گیا کہ جو بھی حکم دیا جائے اسے دل سے تسلیم کرتے ہوئے اس پر اسی طرح عمل کرنا جیسے کرنے کا حکم دیا جا رہا ہو یا کہا جا رہا ہو اور مسلم کہتے ہیں جو حکم دیا گیا یا جو بات کہی گئی اس کے آگے سرنڈر کر دینا اس پر عمل کرنا۔

بظاہر مومن اور مسلم کا ایک ہی معنی نظر آتا ہے لیکن ایک چھوٹا سا فرق ان دونوں الفاظ میں زمین آسمان کے فاصلے پیدا کر دیتا ہے۔

آپ کو نہیں علم کہ کون سا شخص ہے جو خود دل سے بات کو تسلیم کر کے عمل کر رہا ہے یا پھر کون ہے جو کسی مجبوری کے تحت یا کسی خوف، دباؤ وغیرہ کی وجہ سے سرنڈر کیے ہوئے ہے عمل کر رہا ہے۔ جو بغیر کسی خوف، دباؤ، لالچ اور ڈر وغیرہ کے اپنی مرضی سے بات کو دل سے تسلیم کر کے عمل کرتا ہے وہ مومن کہلاتا ہے چونکہ یہ اندرونی کیفیت ہے تو انسان یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کون دل سے تسلیم کر کے عمل کر رہا ہے اور کون مجبوراً تسلیم کر کے عمل کر رہا ہے جب تک کہ کسی کے پاس راسخ علم نہ ہو۔ کسی نے دل سے تسلیم کیا یا مجبوراً یہ فیصلہ انسان کا نہیں بلکہ اس کا فیصلہ اللہ کرے گا۔ انسان ظاہر کا مکلّف ہے تو وہ ظاہر کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے نہ کہ جس کا وہ مکلّف ہی نہیں جو اس کی پہنچ سے باہر ہے اس پر وہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کے برعکس کوئی مجبوراً بات کو تسلیم کرے اسے کسی دباؤ یا مجبوری کی وجہ سے اس پر عمل کرنا پڑے یہ مسلم ہے۔

الدجّال کی عین کے درمیان کتب کفر ہر مومن پہچان لے گا۔ الدجّال کی عین کیا ہیں پیچھے کھول کھول کر واضح کیا جا چکا جو کہ تمام کے تمام دیکھنے کے آلات ہیں جنہیں کیمروں سمیت دیکھنے کے مختلف آلات کا نام دیا جاتا ہے۔ ان آلات سے جو کچھ بھی آپ کے سامنے لایا جاتا ہے آپ کو دعوت دی جاتی ہے وہ سارے کا سارے اللہ کیساتھ کفر ہے کفر کہتے ہیں انکار کرنے کو۔ مثلاً جب اللہ نے حکم دے دیا کہ ہر طرف سے کٹ کر مکمل طور پر یک رخ ہو کر فطرت پر قائم ہو جاؤ تو دیکھیں کہ جو الدجّال کے دیکھنے کے آلات کے ذریعے آپ کے سامنے لایا جاتا ہے وہ فطرت ہے یا پھر فطرت کے مقابلے پر اس کی ضد مصنوعی؟ اللہ سے کفر؟ مومن کیسے الدجّال میں کتب کفر کو پڑھ لے گا یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے اگر آپ مومن ہیں یعنی اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اللہ نے جو بھی حکم دیا جو بھی بات کہی اسے دل سے تسلیم کر کے اس پر عمل کرتے ہیں تو الدجّال میں کتب کفر یعنی اللہ کی ہدایات اللہ کے احکامات کے انکار کو پہچان سکتے ہیں اللہ سے کفر کو پہچان سکتے ہیں بالکل بھی مشکل نہیں۔

اور دوسری بات یہ کہ الدجّال کی عین کے درمیان یعنی ماتھے پر کافر کتب ہوگا، ماتھا پورے وجود میں سب سے واضح ترین مقام کو کہتے ہیں کہ جسے ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ الدجّال میں کتب کفر جس کی وجہ سے یعنی اس کو اپنا ربّ بنانے والا کافر ہوگا اللہ کے احکامات کا انکاری ہوگا وہ اتنا واضح ہوگا کہ ہر کسی کو نظر آرہا ہوگا لیکن اقرار وہی کر سکے گا اس کفر کو وہی جان سکے گا اسکا اسے ہی علم ہوگا جو مومن ہوگا۔

آج الدجّال میں کتب کفر اتنا واضح ہے کہ جیسے جسم میں سب سے واضح ترین مقام ماتھا ہوتا ہے کہ جسم کے کسی اور حصے پر کچھ لکھا ہو تو سب کو نظر نہیں آسکتا مگر ماتھے پر کچھ لکھا ہو یا کوئی نشان لگا ہو تو ہر کسی کو نظر آرہا ہوگا بالکل اسی طرح الدجّال میں کتب کفر بھی اتنا ہی واضح ہے۔

اللہ نے اپنے رزق سے حلال طیب کا حکم دیا مگر آج اللہ کے اس حکم کا انکار عملاً ہر طرف واضح نظر آرہا ہے اللہ کے مقابلے پر انہی مشینوں انہی ایجادات سے وجود میں آنے والا غیر اللہ کا رزق جو کہ نہ صرف اللہ کے علاوہ اوروں کا ہے بلکہ وہ حرام ہے خبیث ہے جو دھڑا دھڑ کھایا جا رہا ہے۔یعنی آج جو کچھ بھی آپ کو ہر طرف نظر آتا ہے وہ کھانے پینے کی اشیاء ہوں یا کسی بھی قسم کے استعمال کی اشیاء آپ کی ضروریات کا سامان کیا وہ فطرت ہے یا پھر اس کے مقابلے پر اس کی نقل؟

اللہ نے تو حکم دیا کہ فطرت پر قائم ہو جاؤ اسی کو دین الاسلام کہا تو کیا آج اسلام کے دعویداروں میں سے کوئی ہے جو یہ دعوی کر سکے کہ وہ فطرت پر قائم ہے؟ جب کوئی بھی فطرت پر قائم نہیں تو یہ دین اسلام ہرگز وہ دین الاسلام نہیں ہے جو اللہ کے ہاں قابل قبول ہے جس کے علاوہ کوئی دوسرا دین قابل قبول نہیں۔ اللہ کے ہاں دین الاسلام ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر فطرت پر قائم ہونا ہے اور آپ اس کے برعکس جسے جی چاہے اسلام کا نام دیں وہ آپ صرف اور صرف خود کو دھوکا دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر رہے۔ اس بات کو تسلیم کرنا اتنا آسان تو نہیں ہے کیونکہ خود کو غلط کہنا اور آج تک جو کرتے رہے اس سب کو غلط کہنا ظاہر ہے آسان نہیں لیکن مشکل بھی نہیں اگر اللہ کی غلامی کرنا ہو۔ اگر خود کو بڑا بنائیں گے تکبر کریں گے تو ابلیس کا ذکر بھی قرآن میں مذکور ہے جب اس پر اس کا غلط ہونا واضح کیا گیا تو بجائے یہ کہ وہ اپنی غلطی مان کر اصلاح کر کے خسارے کی بجائے فلاح کا سودا کرتا بلکہ وہ اکڑ گیا کہ اس نے جو پہلے کیا وہ کیوں غلط ہو سکتا ہے نہیں بلکہ وہ بالکل صحیح تھا اور ابلیس کا انجام کسی سے پوشیدہ نہیں اور پھر یہ قرآن میں کوئی کہانی نہیں سنائی جا رہی بلکہ یہ قرآن کے نزول سے لیکر الساعت کے قیام تک ہر استکبار کرنے والے بشر کی تاریخ ہے۔

کیا الدجّال میں کتب کفر ہر طرف کھلم کھلا واضح نہیں ہے؟ بالکل واضح ہے۔ اللہ نے فطرت پر قائم ہونے کا حکم دیا تو اللہ کے اس حکم کا کفر آپ کو ہر طرف نظر آئے گا کہ آؤ پیاس بجھانی ہے تو اللہ کے حکم کا انکار فطرت کی بجائے اس کی ضد طرح طرح کے خبیث، حرام مشروبات، کھانا ہے تو اللہ کے حکم کا کفر طرح طرح کی مصنوعی اور فطرت میں مداخلت کر کے اللہ کی مخلوقات میں مداخلت کر کے چھیڑ چھاڑ کر کے ان میں ملاوٹ کر کے خبیث حرام خوراک، سواری کے ذرائع کیا وہ اللہ کے حکم کے عین مطابق فطرتی ذرائع ہیں جن کا اللہ نے قرآن میں ذکر کیا؟ جنہیں فطرت وجود میں لائی یا پھر فطرت کی ضد مصنوعی ذرائع؟ آپ کی جتنی بھی ضروریات ہیں کوئی ایک بھی شیئ ایسی نہیں کہ جو فطرت ہو بلکہ سب کا سب مصنوعی، فطرت کی ضد، فطرت میں مداخلت کر کے تبدیل شدہ۔ اپنے کچن میں موجود ایک ایک شیئ کو دیکھیں اپنے گھر کی تمام اشیاء کو دیکھیں اپنے گھر کے در و دیوار کو دیکھیں ان پر موجود رنگ کیا وہ فطرت ہے؟ ذرا غور تو کریں؟

جب آپ پر کھول کھول کر واضح کیا جا چکا کہ یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آرہا ہے یہ اللہ ہی کا وجود نظر آرہا ہے تو پھر اگر آپ آسمانوں و زمین میں چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں تو ظاہر ہے یہ آپ اللہ سے کفر کر رہے ہوتے ہیں آپ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ یہ اللہ کا وجود ہے کیونکہ اگر آپ اسے اللہ کا وجود تسلیم کرتے تو آپ آسمانوں و زمین میں کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرتے، ایک رائی برابر بھی عمل اپنی مرضی اپنی من مانی سے نہ کرتے آپ کا ایسا کرنا ہی واضح کر رہا ہے کہ آپ اللہ سے کفر کر رہے ہیں۔

انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے نزدیک میں ایک پاگل سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہوں گا کیونکہ اس پیغام کو سننے دیکھنے والوں کی اکثریت دل میں اور اپنے ساتھ بیٹھے دوستوں، بہن بھائیوں، رشتے داروں اور ایک دوسرے سے یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ شخص پاگل ہے اور طرح طرح کی گالیوں اور حقیر ترین الفاظ والقابات سے نواز رہے ہوں گے۔ اور اس کے علاوہ ہر طرح کا ردعمل سامنے آئے گا جس کا وہ اظہار کرنے پر مجبور ہوں گے لیکن ایسے تمام کے تمام انسانوں کے لیے میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ طوفان کو دیکھ کر ریت میں سر دھنسا لینے سے طوفان ٹل نہیں جاتا۔ آپ کے اس ردعمل سے حق پر کوئی آنچ نہیں

آنے والی آج ان باتوں کا انکار کرنا ان سے منہ موڑنا بہت آسان ہے کیونکہ دنیا کی رنگینیاں جو سامنے ہیں مگر یہ رنگینیاں ایسا دجل ہے ایسا دھوکا ہے کہ جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان رنگینیوں کی آڑ میں ایسا عذاب سر پر آ چکا ہے کہ وقت کے فیصلہ سنانے کی دیر ہے اور وقت بھی اپنا فیصلہ سنانے کو ہے اور یہ بھی جان لیجئے کہ جب وقت اپنا فیصلہ سناتا ہے تو ماننا مجبوری بن جاتا ہے اس کا انکار کوئی چاہ کر بھی نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ ﷺ قال: کیف بکم اذا ابتلیتم بعبدٍ قد سخرت له أنهار الارض وثمارها، فمن اتبعه أطعمه وأکفره، ومن عصاه حرمه وعذبه، ان اللہ تعالیٰ یعصم المؤمنین یومئذ بما عصم به الملائکة من التسبیح، ان بین عینیه ''کافر'' یقرؤه کل مؤمنٍ کاتب و غیر کاتبٍ. طبرانی

رسول اللہ ﷺ نے کہا: کس طرح ہوگا تمہارے ساتھ جب تمہیں آزمائش میں ڈالا جائے گا ایک ایسے عبد یعنی اللہ کے غلام سے جس میں پھیلاؤ ہے یعنی پھیلا ہوا، تحقیق مسخر کی گئیں اس کے لیے انہار الارض ''جیسے بشر کے جسم میں خون کی شریانیں ہوتی ہیں بالکل اسی طرح زیر زمین ایسی ہی شریانیں ہیں جن میں زمین کا خون گردش کرتا ہے انہیں انہار الارض کہا جاتا ہے'' اور اس کے یعنی زمین کے ثمرات۔ پس جس نے اس کی اتباع کی یعنی اس کے پیچھے پڑا اس کو کھایا اور اس کا کفر کیا یعنی اللہ نے جس مقصد کے لیے اپنے اس عبد کو خلق کیا اور اسے جس مقام پر رکھا جس لائن پر لگا دیا تا کہ اس کے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری پوری کرنے سے زمین کا توازن برقرار رہے گا زمین فساد سے پاک رہے گی اس بات کا انکار ہوگا اس کے پیچھے پڑنا اور اس کا کھانا اس کا اپنی مرضی کیمطابق استعمال کرنا اور جو اس کے پیچھے نہ پڑا اسے نہ کھایا اور اس کا عذاب ہوگا، اس میں کچھ شک نہیں اللہ جو ان سب سے اوپر ہے اس یوم یعنی اس مدت میں اس کیساتھ اس سے مومنین کی حفاظت کرے گا جس کیساتھ ملائکہ کی حفاظت کرتا ہے تسبیح سے یعنی جیسے ہی ملائکہ کو کوئی بھی حکم دیا جاتا ہے وہ فوراً اسی وقت اسی پر ویسے ہی عمل کرتے ہیں جیسے کرنے کا حکم دیا گیا تو اس یوم جو بھی ایمان لانے کے بعد ایسے ہی اللہ کے احکامات پر عمل کریں گے جیسے ملائکہ کرتے ہیں کہ آگے سے کوئی بہانہ یا عذر نہیں بلکہ فوری تیزی کیساتھ خوشی خوشی اس پر اسی طرح عمل کرتے ہیں جیسے حکم دیا گیا جیسے کہا گیا وہ اس سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اس میں کچھ شک نہیں درمیان اس کی عین کے یعنی ماتھے پر ''کافر'' یعنی کفر اتنا واضح ہوگا جیسے انسانی جسم میں آنکھوں کا درمیانی حصہ ماتھا واضح ہوتا ہے پڑھ لیں گے اسے تمام مومن کتب کرنا جاننے والے یا کتب کرنا نہ جاننے والے۔

آج آپ غور کریں کیا آج ایسا اللہ کا کوئی عبد ہے جس میں نہ صرف پھیلاؤ ہے بلکہ وہ ایسے ہی زمین میں اس کی شریانوں میں گردش کرتا ہے جیسے آپ کے جسم میں خون اور پھر اس اللہ کے عبد یعنی غلام سے ہی زمین اپنے ثمرات نکالتی ہے؟ اور کیا آج اسی سے لوگوں کو آزمائش میں ڈالا گیا؟ کہ اسی کی وجہ سے ان پر سختیاں، سخت ترین حالات، جنگ وجدل وغیرہ سب ہو رہا ہے؟

جب آپ غور کریں گے تو حق بالکل کھلم کھلا آپ کے سامنے ہے کہ ہاں آج اللہ کا وہ عبد موجود ہے جسے خام تیل کا نام دیا جاتا ہے۔ زیر زمین خام تیل ہے جس سے زمین کی انہار یعنی زمین کی شریانیں مسخر کی گئی ہیں اور اسی سے زمین اپنے ثمرات نکالتی ہے یعنی زمین کے ثمرات اسی سے مسخر ہیں۔ پیچھے بہت تفصیل کیساتھ گزر چکا ہے کہ خام تیل سے کیا کیا بنایا جا رہا ہے اور اس کے نقصانات کیا ہیں اور یہ کیسے کفر ہے۔ روایت میں بالکل واضح ہے کہ صرف اور صرف وہی بچیں گے جو اللہ کی تسبیح کریں گے جیسے ملائکہ کرتے ہیں۔ تسبیح کہتے ہیں جیسے ہی مالک حکم دے فوراً اس پر ایسے عمل کرنا جیسے مالک نے حکم دیا ہے۔ تو جو لوگ اللہ کی غلامی کریں گے تو ان کے لیے اس دجل کو پہچاننا بالکل بھی مشکل نہیں ہوگا۔

اب ان لوگوں سے سوال ہے جو آج بھی یہ عقیدہ و نظریہ لیکر بیٹھے ہوئے ہیں کہ الدجّال ایک مخصوص شخصیت بشر انسان ہوگا تو کیا زمین کی انہار جیسے آپ کے جسم میں خون کی شریانیں ہیں جن میں خون دوڑتا ہے ایسے ہی زمین کی شریانوں میں کوئی مخصوص بشر انسان دوڑتا ہے اس کی رسائی ہے یا پھر زمین کا خون خام تیل؟ اگر تو مخصوص بشر انسان زمین کی شریانوں میں دوڑ رہا ہے تو بلا شک وشبہ الدجّال مخصوص شخصیت فرد واحد بشر انسان ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر جو زمین کی شریانوں میں دوڑ رہا ہے اسے نکالا جائے تو وہ الدجّال ہے انسان کے لیے اور وہ خام تیل ہے۔ جب تک زمین میں تھا تو زمین کا خون تھا اور جب اسے زمین سے نکال دیا گیا تو پھر وہ زمین کا نہیں بلکہ الدجّال کا خون ہے ایسے ہی الدجّال یعنی مشینوں کے انگ انگ میں دوڑتا ہے جیسے بشر کے جسم میں خون دوڑتا ہے

شریانوں میں۔

پھر وہ کیا ہے جس سے زمین ثمرات نکال رہی ہے؟ کیا وہ مخصوص شخصیت فردِ واحد بشر انسان ہے جس سے زمین اپنے ثمرات یعنی اناج، پھل، پھول، سبزیاں وغیرہ نکال رہی ہے یا پھر وہ خام تیل ہے؟ جب زمین خام تیل سے اپنے ثمرات نکال رہی ہے تو پھر الدجّال کیا ہوا؟

حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ پر واضح کر دیا گیا اس کے باوجود آپ تسلیم نہیں کرتے بلکہ الٹا کفر ہی کرتے ہیں تو حق کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے بعد کفر کریں گے جس سے کل کو آپ کے پاس کوئی بہانہ یا عذر نہیں ہوگا آپ دنیا و آخرت میں ہلاکت کا شکار ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ قال: لیصحبن الدجال أقوام یقولون: انا لنصحبه وانا لنعلم أنه الکافر ولکنا نصحبه تأکل من طعامه ورعی من الشجر، فاذا نزل غضب الله علیهم کلهم. نعیم بن حماد

رسول اللہ ﷺ نے کہا: الدجّال کے ساتھ چمٹے رہنے کے لیے اقوام یعنی دنیا کے لوگ کہیں گے ہم اس کیساتھ اس لیے ہیں اور ہم یہ جان لیں کہ یہ کافر ہے اور اس وجہ سے ہم اس کے ساتھ ہیں ہم کھاتے ہیں اس کا کھانا اور اس کے درختوں سے چرتے ہیں، پس جب اللہ کا غضب نازل ہوگا تو ان سب پر نازل ہو گا۔

آج آپ خود اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جس پر بھی الدجّال کی حقیقت آشکار ہوتی ہے جس کو بھی آگاہ کیا جاتا ہے کہ جو کچھ تم کھا رہے ہو، جو پی رہے ہو، جس معاشرے میں رہ رہے ہو، جس نظام کا ساتھ دے رہے ہو خواہ کوئی بھی کام کرتے ہو وہ الدجّال کی نصرت کا سبب بنتا ہے وغیرہ یہ سب کا سب دجل ہے یہ بات ماننا ان کی مجبوری ہوتی ہے کیونکہ حقیقت ہی یہی ہے لیکن ماننے کے باوجود وہ اس نظام، اس طرزِ زندگی کو چھوڑنے پر یہ کہتے ہوئے تیار نہیں ہوتے کہ ہم اس معاشرے میں رہتے ہوئے اس کے بارے میں مزید اچھی طرح تحقیق کرلیں جس کے لیے ہمیں مجبوراً یہی سب کھانا پڑے گا یہی نوکری کرنی پڑے گی اور پھر یہ بھی بہانہ ہوتا ہے کہ جائیں تو جائیں کہاں؟ کھائیں تو کھائیں کیا؟ اس کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں اور یوں وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوتے ہیں اور عنقریب ایک بڑے غضب کا شکار ہوں گے جو عذاب کی شکل میں نازل ہونے ہی والا ہے جو کہ بالکل سر پر آچکا ہے سر پر کھڑا ہے۔

رسول اللہ ﷺ قال: انه آدم. طبرانی

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں وہ ''الدجّال'' آدم ہوگا۔

آدم کے معنی زمین کا خون کے ہیں۔ زمین کے خون سے ہی اللہ نے بشر کو خلق کیا یعنی آپ کو خلق کیا اس وجہ سے جتنے بھی بشر ہیں انہیں قرآن میں آدم کہا گیا جیسے کہ آپ کہتے ہیں بکری تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ کسی خاص ایک بکری کا ذکر کیا جارہا ہے بلکہ بکری پوری نسل کو کہا جاتا ہے اس نسل کے پورے گروہ کو، اسی طرح شیر، بلی، گائے وغیرہ۔ قرآن میں اللہ نے طین کا بھی ذکر کیا ہے لیکن طین زمین کے عناصر کو کہا جاتا ہے جب زمین کے عناصر کو کیمیائی عوامل سے گزارا جس کا قرآن میں ذکر ہے، ''**من صلصال، من حماء مسنون**'' تو آدم وجود میں آیا یعنی زمین کا خون جسے آج خام تیل کا نام دیا جاتا ہے اور اسے بھی اللہ نے طین اور نطفہ کہا اس لیے کہ یہ کالے رنگ کا کیچڑ زمین کے عناصر کا مرکب ہے جس سے بشر کو یعنی آپ کو خلق کیا گیا یہی وجہ ہے کہ قرآن میں کئی مقامات پر آپ کو بنی آدم بھی کہا گیا۔ بنی کہتے ہیں جس سے بنایا گیا اور آدم زمین کا خون جسے آج آپ خام تیل کے نام سے جانتے ہیں۔

مزید آسانی سے سمجھنے کے لیے اگر آپ اپنی ہی ذات میں غور و فکر کریں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اللہ نے آپ کو زیرِ زمین موجود خام تیل سے خلق کیا جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزر چکا ہے۔

آدم یعنی زمین کا خون جو کہ جب تک زمین میں موجود ہے اور فطرتی مراحل طے کر رہا ہے آدم ہے زمین کا خون ہے اور جب اسے زمین سے نکالا گیا تو یہ زمین کا خون نہیں بلکہ یہ انسانوں کے لیے الدجّال ثابت ہوا کیونکہ اسی سے الدجّال وجود میں آیا اور یہی الدجّال یعنی مشینوں کے انگ انگ میں ایسے ہی دوڑ رہا ہے جیسے آپ کے جسم میں خون دوڑتا ہے۔ یوں آپ آج اپنی آنکھوں سے الدجّال کا خون دیکھ رہے ہیں جو اس سے پہلے آدم تھا جسے طین اور نطفہ بھی کہا گیا۔

رسول اللہ ﷺ قال: ان الدجال یاتی النهر فیأمر أن یسیل فیسیل ثم یأمر أن یرجع فیرجع ثم یأمر أن ییبس فییبس. البرزنجی فی کتاب الاشاعۃ لأشراط

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں کہ آئے گا الدجّال نہر کو حکم دے گا کہ بہہ پڑ پس وہ بہہ پڑے گی پھر اسے حکم دے گا کہ پلٹ پس وہ پلٹے گی یعنی حکم دے گا کہ بہنا رُک جا پس وہ بہنا رُک جائے گی پھر اسے حکم دے گا کہ خشک ہو جا پس وہ خشک ہو جائے گی۔

آج آپ یہ تمام مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ڈیم بنا کر جب چاہے نہروں کو جاری کیا جاتا ہے اور جب چاہے پانی روک کر ان کا بہنا بند کر دیا جاتا ہے اور چاہیں تو یہاں تک کہ وہ خشک ہو جائیں مگر پانی نہ چھوڑا جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے اور نہریں خشک پڑی رہتی ہیں اور کون نہیں جانتا کہ یہ سب ٹیکنالوجی سے ہی ممکن ہوا۔ جن ڈیموں کو آپ اپنے لیے مسیحا سمجھتے ہیں کہ ان سے نہری نظام چلتا ہے اور بجلی وغیرہ پیدا ہوتی ہے جو کہ آج دنیاوی زندگی کا ایک ستون کی حیثیت رکھتی ہے اور پھر انہی ڈیموں کی وجہ سے سیلابوں سے محفوظ رہتے ہیں لیکن یہ سوائے دجل یعنی دھوکے کہ کچھ نہیں، یہ بہت بڑا دجل ہے اور اکثریت اس دجل کا شکار ہے۔ کبھی آپ نے غور کیا کہ جب دنیا میں ڈیم نہیں تھے تب کتنے سیلاب آتے تھے اور آج سیلابوں کی تعداد اور ان سے ہونے والی تباہی کتنی ہے؟ آج ڈیم ہونے کے باوجود جب ڈیم نہیں تھے کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ اور کئی گنا بڑے تباہ کن سیلاب آتے ہیں تو کیا یہ ڈیم مسیحا ہیں یا محض دجل؟ آج انسان ڈیم بنا کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نہری نظام بنا لیا اور یوں بہت سی زمین کاشتکاری کے قابل ہو گئی لیکن کبھی آپ نے یہ سوچا کہ یہی پانی روک کر ہم نے زیرِ زمین نہ صرف پانی کی سطح کو کم سے کم کر دیا اور کرتے چلے جا رہے ہیں بلکہ پوری زمین بنجر کر دی کیا یہ دجل نہیں ہے؟

جن ڈیموں کو آپ اپنے لیے مسیحا سمجھتے ہیں کہ ان سے نہری نظام کے ذریعے اچھی فصل ہوتی ہے لیکن وہیں اس سے لاکھوں نہیں کروڑوں گنا زیادہ فصل کو تباہ برباد کر دیا کیونکہ انہی ڈیموں کی وجہ سے زیر زمین پانی کی سطح انتہائی کم ہو کر زمین فصل پیدا کرنے کے قابل ہی نہیں رہی اور پھر کھادوں کے ذریعے ایسی فصلیں اُگائی جاتی ہیں جو دیکھنے میں تو بہت بھلی لگتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ لاتعداد بیماریوں کا منبع ہوتی ہیں ۔ کیا یہ دجل نہیں؟ کبھی آپ نے سوچا؟ ڈیموں کے ذریعے پانی روکنے سے زمین پر اللہ کی کتنی ہی مخلوقات ہیں جو پانی نہ ملنے سے تڑپ تڑپ کر موت کا شکار ہوتی ہیں اور دھڑا دھڑ ہو رہی ہیں کیا کبھی آپ نے یہ سوچا؟

کیا کبھی آپ نے یہ سوچا کہ یہ زمین جو کہ ایک مشین کی مانند ہے اور اس کی تمام مخلوقات پرزوں کی مانند ہیں اور جب آپ اس مشین کے لاتعداد پرزوں کو ناکارہ بنا دیں گے تو اس زمین کا حال کیا ہوگا؟ کیا کبھی آپ نے سوچا؟

تو کیا پھر زلزلے نہ آئیں؟ موسموں میں تباہ کن تبدیلیاں واقع نہ ہوں؟ سیلاب نہ آئیں؟ طوفان نہ آئیں؟ خوراک اور پانی میں کمی واقع نہ ہو؟ طرح طرح کی بیماریاں نہ آگھیریں؟ کیا کبھی آپ نے سوچا؟ کہ یہ ہمارے لیے مسیحا ہیں یا پھر ہم صرف اور صرف اس کے دجل کا شکار ہو کر اسی شاخ کو رات دن کاٹنے میں مگن ہیں جس پر ہم خود بیٹھے ہوئے ہیں؟

درج ذیل تصاویر میں دیکھیں۔

رسول اللہ ﷺ قال: یخرج الدجّال من کوثی. نعیم بن حماد، ابن ابی شیبہ

الدجّال نکلے گا کوثی سے۔

تعرفون ارضاً قبلکم یقال لھا: کوثی. کثیرۃ السباخ؟ قلت: نعم ، قال : منھا یخرج الدجّال. نعیم بن حماد

اس کو جانا جاتا تھا تم سے پہلے، کہا اس کو کوثی۔ کثیرۃ السباخ؟ جواب ملا ہاں۔ کہا وہیں سے الدجّال نکلے گا۔

السباخ. کھادیں، نباتات اُگانے والے اجزاء، عناصر، کیمیکلز وغیرہ۔

یعنی زمین پر اس سے پہلے جو قومیں آباد تھیں اور اپنے ہی کرتوتوں کے سبب ہلاک ہوئیں جیسے کہ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم شعیب، قوم لوط اور آل فرعون وغیرہ وہ اُس زمین کو کوثی کہتے تھے جس میں کھادیں ڈالی جاتی تھیں اور ایسے کیمیکلز، اجزاء یا عناصر وغیرہ ڈالے جاتے تھے جن سے فصلیں اُگائی جاتی تھیں۔ کھادوں کے ڈالنے سے جو فصل اُگتی تھی وہ الدجّال تھا یعنی ایسی فصل محض دھوکا ہوتی ہے۔ کھادوں، کیمیکلز، زہریلے مادوں کے چھڑکاؤ سے اُگائی جانے والی فصلیں دیکھنے میں، نظر آنے میں تو بہت زبردست لگتی ہیں، فصل دیکھنے میں اچھی اور بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس فصل کا ظاہر تو بھلا ہوتا ہے لیکن اس کا باطن بیماریوں سے بھرا ہوتا ہے اس کا باطن صرف اور صرف فساد کا ہی سبب بنتا ہے۔ یہی تو دجل ہے کہ ایک رُخ جو سامنے والا ہے وہ تو بہت زبردست ہے لیکن جو دوسرا پوشیدہ رُخ ہے وہ عیب دار خامیوں اور نقائص سے بھرا ہے۔ ایسی فصل کا استعمال کرنے والے برکت سے محروم اور طرح طرح کی بیماریوں، خامیوں اور نقائص کا شکار ہوں گے۔

حمارالدجّال

رسول اللہ ﷺ قال: یخرج الدجال علی حمار، رجس علی رجس. ابن ابی شیبہ

جب بھی بات ہوتی ہے حمار کی یعنی عربی کا لفظ حمار سامنے آئے تو اکثریت کے اذہان میں فوراً چار ٹانگوں والے ایک جانور جسے گدھا کہا جاتا ہے کا نقشہ وضع ہو جاتا ہے وہ سامنے آجاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کا ذکر کیا جارہا ہے۔

حالانکہ حمار کا معنی گدھا نہیں ہے بلکہ گدھے کو اس وجہ سے حمار کہا جاتا تھا کیونکہ گدھے میں وہ خصوصیات وصفات اور صلاحیتیں موجود تھیں جنہیں حمار کہا جاتا ہے۔

حمار کے معنی ہیں وہ جس سے نہ صرف مشقت لی جائے بلکہ سواری وسامان کی منتقلی وغیرہ کے لیے استعمال کیا جائے اور یہ خصوصیات جب تک فطرت پر ہوں تو گدھے میں پائی جاتی ہیں اس وجہ سے گدھے کو حمار کہا جاتا تھا لیکن اگر یہی صفات کسی اور میں پائی جائیں تو حمار اسے کہا جائے گا جس میں یہ خصوصیات و صفات پائی جائیں گی۔

الدجّال کے حمار کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ایک چار ٹانگوں والا جانور ہوگا جسے گدھا کہا جاتا ہے وہ ایک غیر معمولی گدھا ہوگا جو کہ الدجّال کا ہوگا اور الدجّال اس پر سواری کرے گا زمین میں اِدھر اُدھر گھومے گا سفر کرے گا۔

سب سے پہلے الدجّال کے حمار کو سمجھ لیجئے اور اسے سمجھنے سے پہلے اللہ کے حمار کو سمجھنا ہوگا۔ اللہ کا حمار وہ ہے جسے آپ گدھا کہتے ہیں یعنی اللہ نے ربّ ہونے کے ناطے لوگوں کے لیے ان کے سواری اور مشقت کا ذریعہ جو خلق کیا وہ گدھا ہے، اللہ نے اسے اس لیے خلق کیا تا کہ انسان اللہ کو اپنا ربّ بناتے ہوئے جب بھی سواری یا مشقت کی حاجت پیش آئے تو اس مقصد کے لیے اللہ کے خلق کردہ اس ذریعے حمار یعنی گدھے کا استعمال کریں، اس پر سواری کریں، اپنے سامان کو منتقل کرنے میں آسانی ہو، تجارتی مقاصد کے لیے بھی اور مشقت کے لیے استعمال کیا جائے یہ ہے اللہ کا گدھا۔

اب آتے ہیں الدجّال کے حمار کی طرف۔ جب بھی الدجّال کے حمار کا ذکر ہوتا ہے تو فوراً اکثریت کے ذہن میں آتا ہے کہ جیسے کوئی مخصوص شخص ہوتا ہے مثلاً اس کا نام نذیر ہے تو اس نے ایک گدھا خریدا جو نذیر کا گدھا کہلائے گا حالانکہ اس کے علاوہ لاکھوں، کروڑوں گدھے دنیا میں موجود ہیں لیکن صرف وہ ایک ہی گدھا نذیر کا کہلائے گا بالکل ایسے ہی یہی عقیدہ ونظریہ الدجّال اور اس کے حمار کے بارے میں پایا جاتا ہے جو کہ انتہائی جاہلانہ اور گمراہ کن ہے۔

کبھی بھی یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ الدجّال فتنہ ہوگا اصل کے مقابلے پر نقل ربّ ہوگا یعنی الدجّال اللہ کے مقابلے پر ایسی ذات ہوگی جو وہ سب کام کرے گی جو اللہ کے کرنے والے ہیں اور وہ ذات اللہ کے مقابلے پر وہ سب کام کرے گی۔ الدجّال کے حمار کا مطلب ہے کہ جس مقصد کے لیے انسان الدجّال کے نکلنے سے پہلے اپنے اصل ربّ اللہ کا خلق کیا ہوا حمار یعنی گدھا استعمال کرتے تھے جب الدجّال نکلے گا تو الدجّال اللہ کے مقابلے پر انسانوں کے لیے اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے اللہ کے خلق کیے ہوئے اس ذریعے یعنی گدھے کے مقابلے پر حمار خلق کرے گا جو کہ ہر لحاظ سے اللہ کے حمار سے بہتر نظر آئے گا اس میں بہت کشش ہوگی اس کی موجودگی میں ہر کوئی اس کی طرف کھینچا چلا جائے گا وہ اللہ کے حمار کے مقابلے پر زیادہ بڑا، قوت والا، زیادہ مشقت کے قابل، زورآور، انتہائی تیز رفتار اور انتہائی آرام دہ حمار ہوگا اور جو لوگ اللہ کے حمار سواری ومشقت کے ذریعے گدھے کی بجائے الدجّال کے خلق کیے ہوئے حمار یعنی سواری و مشقت کے ذریعے کو استعمال کریں گے وہی ان کا الدجّال کو اپنا ربّ تسلیم کرنا ہوگا کیونکہ ربّ وہی ذات ہوتی ہے جس پر کسی بھی معاملے میں توکل کیا جائے یعنی کوئی بھی ضرورت پیش آئے تو جس کی خلق کردہ شئے کو استعمال کر کے ضرورت پوری کی جائے وہی ربّ کہلاتا ہے۔

یہاں تک آپ کے لیے نہ صرف الدجّال کا حمار کھل کر واضح ہوگیا بلکہ الدجّال کے بارے میں مزید واضح ہوگیا کہ الدجّال کسی مخصوص شخصیت کا نام نہیں ہے بلکہ الدجّال ایسی ہی کسی ذات کا نام ہے جیسے اللہ کی ذات ہے۔ جو کام اللہ کرتا ہے وہی کام جو بھی اللہ کے مقابلے پر کرے گا وہ ذات الدجّال ہوگی اور آج وہ سب کچھ اللہ کے مقابلے پر ہورہا ہے جو اس سے پہلے صرف اللہ ہی کرتا تھا اور آج یہ سب کچھ صرف اور صرف ٹیکنالوجی ان مشینوں سے ہی ممکن ہوا اس لیے یہ ٹیکنالوجی یہ مشینیں یہ صنعتی انقلاب ہی الدجّال ہے یعنی یہ ٹیکنالوجی ہی ہے کہ انسان ہر معاملے میں اللہ کی بجائے اسی پر توکل کرتا ہے اللہ کی بجائے اسے اپنا ربّ بنایا ہوا ہے۔

اب آتے ہیں روایت کی طرف۔

رسول اللہ ﷺ قال: یخرج الدجال علی حمار، رجس علی رجس. ابن ابی شیبہ

رجس. رجس کہتے ہیں اسے جو انسان کو کسی بھی معاملے میں اللہ کی بجائے اپنے اوپر توکل کرنے پر مائل کرے یا مجبور کردے۔ مثلاً آج جو گاڑیاں موجود ہیں جب یہ گاڑیاں موجود نہیں تھیں تو انسان کے لیے سواری کے ذرائع صرف گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ تھے جب بھی انسان کو سفر کی ضرورت پیش آتی تھی تو فوراً انسان کے ذہن میں یہی ذرائع آتے تھے اور انہی پر انحصار کرتا تھا لیکن آج گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹوں کی موجودگی کے باوجود جب بھی انسان کو سفر کی ضرورت پیش آتی ہے تو فوراً جس کے بارے میں ذہن میں آتا وہ گاڑیاں ہیں۔ ان گاڑیوں کی موجودگی میں انسان کے بالکل بھی ذہن میں گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ کا خیال نہیں آتا، اس کی جو وجہ بنی اسے عربی میں رجس کہتے ہیں۔

جب بھی سفر کی ضرورت پیش آئی تو فوراً گاڑی کا خیال آیا اسی پر انحصار کیا اسی پر توکل کیا باوجود اس کے کہ گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ موجود ہیں۔ آج انسان چاہ کر بھی گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ پر سفر نہیں کرتا جہاں بھی یہ گاڑیاں موجود ہیں ان میں کشش ہی ایسی ہے، کہ وہ انسان کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہیں انسان کو مجبور کر دیتی ہے یہی وہ شئے ہے جسے عربی میں رجس کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ قال: یخرج الدجال علی حمار، رجس علی رجس. ابن ابی شیبہ

رسول اللہ ﷺ نے کہا: نکلے گا الدجّال حمار پر یعنی سواری و مشقت کے ذریعے پر، رجس پر رجس ہوگا۔

الدجّال حمار پر نکلے گا یعنی الدجّال کی ابتداء حمار سے ہوگی۔ سب سے پہلے الدجّال کا حمار آئے گا یعنی اللہ کے مقابلے پر جو شئے سب سے پہلے الدجّال خلق کرے گا وہ سواری و مشقت کا ذریعہ ہوگی۔ ایسا سواری کا ذریعہ جو رجس پر رجس ہوگا یعنی اس کی موجودگی میں اللہ کے سواری کے ذرائع بے وقعت ہو جائیں گے لوگ اس کی طرف نہ چاہ کر بھی کھینچے چلے جائیں گے۔ الدجّال ہوگا رجس پر رجس۔ یعنی الدجّال کی موجودگی میں انسان اسے ربّ بنانے پر یعنی اس کی خلق کردہ اشیاء سے ضروریات پوری کرنے پر مجبور ہوں گے یا اپنے لیے صرف انہی میں فائدہ دیکھیں گے اور یوں استعمال کریں گے۔

الدجّال فتنہ ہوگا یعنی الدجّال اصل ربّ اللہ کے مقابلے پر نقل ربّ ہوگا، اصل ربّ اللہ فطرتی مخلوقات کا مجموعہ ہے اور اللہ کے مقابلے پر نقل ربّ الدجّال غیر فطرتی مخلوقات کا مجموعہ ہوگا وہ ایسی مخلوقات ہوں گی کہ بڑے سے بڑا علم والا بھی اس کے دجل کا شکار ہو جائے گا ایسا فتنہ ہوگا۔

جیسے اصل ربّ اللہ کا حمار سواری و مشقت کا ذریعہ گدھا ہے ایسے ہی نقل ربّ الدجّال کا انسانوں کی اس حاجت کو پورا کرنے کے لیے اللہ کے مقابلے پر سواری و مشقت کا ذریعہ حمار ہوگا یہ ہے الدجّال کا حمار۔

اب آتے ہیں اس طرف کہ الدجّال کا حمار کیا ہوگا؟ کیسا ہوگا؟ اس کی پہچان کیا ہے؟ سمیت سوالات کے جوابات کی طرف۔

رسول اللہ ﷺ قال: وفیہ ثلاث علامات أعور وربکم لیس بأعور، ولا یسخر لہ من الدواب الا حمار رجس علی رجس مکتوب بین عینیہ کافر یقرأہ کل مؤمن کاتب أو غیر کاتب. الحاکم، السنۃ، ابن ابی شیبہ

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اور اس میں ہوں گی تین علامات یعنی جن سے الدجّال کو پہچانا جا سکے گا وہ اُعور ہوگا یعنی جو بھی کام کرے گا جو بھی خلق کرے گا وہ ضرور کسی نہ کسی لحاظ سے عیب دار، خامیوں و نقائص والا ہوگا، جو بھی خلق ہوگی وہ عیب دار، خامیوں و نقائص سے بھرپور ہوگی اور تمہارا ربّ اعور نہیں ہے یعنی جو شئے بھی عیب دار ہو وہ تمہارے ربّ اللہ کی نہیں ہوگی کیوں کہ اللہ کے لیے ہے ہی حمد، اللہ سبحان ہے اللہ کچھ بھی عیب دار، نقائص والا، خامیوں والا خلق نہیں کرتا اللہ جو بھی خلق کرتا ہے دونوں پہلوؤں سے مکمل خلق کرتا ہے۔ اس لیے جو کچھ بھی عیب دار ہوگا جو بھی ایک ہی پہلو سے دیکھا جائے گا یا دیکھ کر خلق کیا جائے گا جس میں عیوب ہوں گے خامیاں و خرابیاں ہوں گی جس کے سائیڈ ایفیکٹس ہوں گے وہ تمہارے ربّ اللہ کا نہیں ہو گا بلکہ الدجّال ہو گا۔ اور نہیں مسخر کیے جائیں گے اس کے لیے دواب مگر حمار۔ یعنی اللہ کا جو دابہ ہے وہ تمام کا تمام جو تیر کر حرکت کرنے والی مخلوقات ہیں، زمین پر رینگنے والی مخلوقات ہیں، اپنی ٹانگوں پر چلنے والی یا اُڑنے والی مخلوقات ہیں سب کو خلق کرنے کا الگ الگ مقصد ہے جن میں سے کچھ ایسے ہیں جن کو اللہ نے انسان کی سواری و

مشقت کے لیے خلق کیا لیکن وہ تو محض چند ایک ہیں اور جوان کے علاوہ ہیں جن کی تعداد کا شمار ہی نہیں ہر کسی کو الگ الگ مقصد کے لیے خلق کیا لیکن دجّال کے لیے دواب میں سے صرف حمار یعنی سواری ومشقت کا ذریعہ مسخر کیا گیا یعنی وہ جتنا بھی دابہ خلق کرے گا الدجّال کا جتنا بھی دابہ ہوگا جتنی بھی ایسی مخلوقات ہوں گے جو تیر کر، رینگ کر، چل کر اور اڑ کر حرکت کریں گی ان سب کے سب کا ایک ہی مقصد ہوگا اور ان کا مقصد سواری کرنا یا مشقت کرنا ہوگا یعنی وہ مقصد ہوگا جس مقصد کے لیے اللہ نے گدھے کو خلق کیا۔

رجس علی رجس یعنی الدجّال کے حمار کے ہوتے ہوئے کوئی بھی انسان سواری کی ضرورت پوری کرنے کے لیے یا مشقت کے لیے اللہ کے گدھے کو استعمال نہیں کرے گا بلکہ الدجّال کے حمار کی جانب چاہتا ہوا یا نہ چاہتا ہوا کھینچا چلا جائے گا، الدجّال کے سواری ومشقت کے ذریعے کی موجودگی میں کوئی بھی چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے اللہ کے گدھے یعنی سواری ومشقت کے ذریعے کی طرف دیکھے گا بھی نہیں اور الدجّال کے سواری ومشقت کے ذرائع کی طرف کھینچا چلا جائے گا۔ کتب ہوگا اس کی عین کے درمیان کافر، پڑھ لے گا اسے ہر مومن خواہ وہ لکھنا جانتا ہو یا نہ لکھنا جانتا ہو۔ یعنی آنکھوں کے درمیان جسم کا واحد حصہ ایسا ہوتا ہے جو بالکل واضح ہوتا ہے جسے ہر کوئی دیکھ سکتا ہے بالکل اسی طرح الدجّال کا کفر اتنا واضح ہوگا اتنا کھلم کھلا ہوگا کہ ہر انسان اسے دیکھے گا لیکن اتنا کھلم کھلا واضح ہونے اور نظر آنے کے باوجود اسے پہچان صرف اور صرف وہی پائے گا جو مومن ہوگا۔ مومن کہتے ہیں خالق و مالک اللہ کی بات کو دل سے مانتے ہوئے اس پر اسی طرح عمل کرنا جیسے کہ کرنے کا حکم دیا گیا جیسے کرنے کا کہا گیا۔ مثلاً ایک شخص جو کہتا ہے کہ وہ مومن ہے وہ ہر کام وہی اور ویسا ہی کرے گا اور کرتا ہے جیسا اللہ حکم دیتا ہے رائی برابر بھی اللہ کی ہدایات کے خلاف نہیں کرتا تو اس کے بعد اس نے کھانا وہی ہے جس کا اللہ نے حکم دیا۔ اللہ نے حکم دیا حلال طیب کھانے کا اور جب ایسا شخص کھانے کے لیے دیکھے گا کہ حلال طیب کیا ہے تو اسے ہر طرف حرام خبیث ہی نظر آئے گا اور وہ دیکھے گا کہ جو اللہ نے حلال کیا تھا اسے بھی خبیث بنا کر حرام کر دیا یوں اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ جو کچھ بھی کھانے کو مصنوعی، خبیث نظر آ رہا ہے جو کہ فطرتی نہیں غیر فطرتی ہے یہ اللہ کیساتھ کفر ہے۔ اسی طرح جب سفر کرنا ہے تو اس پر اللہ نے قرآن میں واضح کر دیا کہ اللہ نے تمہاری سواری کے ذرائع گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ خلق کیے ہیں لیکن جب وہ ارد گرد دیکھے گا کہ اللہ نے تو سفر کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ خلق کیے لیکن یہاں تو معاملہ ہی اس کے بالکل برعکس ہے یہاں تو کچھ اور ہی موجود ہے تو وہ پہچان جائے گا کہ یہ دجل ہے یعنی بندے کے لیے اس کے ربّ نے تو سواری کے ذرائع گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ خلق کیے لیکن ہمیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ گاڑیاں، جہاز وغیرہ کو ان کے ربّ نے اس مقصد کے لیے خلق کیا ہے تو اس پر واضح ہو جائے کہ یہ تو دجل ہے یہ دھوکہ ہے، یہ کذب ہے جھوٹ ہے اور جو ایسے کہتا ہے وہ کذاب ہے۔ اسی طرح جب ایک مومن لباس پہنے گا تو وہ اللہ کی غلامی میں پہنے گا یعنی وہ لباس جس کا اللہ نے حکم دیا اور اللہ نے واضح کر دیا کہ اس نے اس مقصد کے لیے کپاس اُگائی، جانوروں کے جسم پر اُون خلق کیا ان سے لوگ اپنے ہاتھوں سے کپڑا بن کر لباس تیار کریں یہی مومن کا کام ہے تو جب وہ اپنے ارد گرد یہاں تک کہ ہر طرف دیکھے گا کہ جو لباس موجود ہے وہ تو اس کے برعکس کسی اور طریقے سے خلق ہوا ہے وہ تو زمین پھاڑ کر اس سے اللہ کے غیب کو نکال کر اس میں سے خلق کیا گیا ہے تو وہ پہچان جائے گا کہ یہ تو الدجّال ہے یہ اس کا ربّ نہیں ہے بلکہ اس کا ربّ اللہ ہے۔ اسی طرح جیسے جیسے غور کرتے چلے جائیں کہ دوستی کس سے، دُشمنی کس سے، روزگار کا ذریعہ کیا اور کیسا ہونا چاہیے، پاخانے پیشاب کی حاجت لاحق ہوئی تو اس کو کہاں اور کس طریقے سے کرنا ہے، اسی طرح جیسے جیسے وہ عمل کرے گا اس پر الدجّال کی پہچان واضح ہو جائے گی وہ دجّال کا کفر پڑھ لے گا خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا نہ ہو اسے ہر طرف کفر ہی کفر نظر آئے گا لیکن اس کے برعکس ساری دُنیا کے انسان جو بڑے بڑے عقل مند ہونے کے دعویدار ہیں وہ اس کے کفر کو ہر طرف دیکھنے کے باوجود پڑھ نہیں سکیں گے اور اس کے کفر میں مبتلا ہو جائیں گے یوں الدجّال کو اپنا ربّ بنائیں گے۔

ہمارا موضوع الدجّال کا حمار یعنی سواری ومشقت کا ذریعہ تھا اور محمد علیہ السلام آج سے چودہ صدیاں قبل یہ بات واضح کر دی تھی کہ الدجّال کے لیے جو دابہ مسخر کیا جائے گا وہ صرف اور صرف سواری ومشقت کا ذریعہ ہی مسخر کیا جائے گا یعنی وہ جتنا بھی دابہ الدجّال خلق کرے گا وہ سارے کا سارا دابہ سواری مال واشیاء کی منتقلی اور مشقت کے مقصد کے لیے ہی خلق کیا جائے گا وہ سارے کا سارا دابہ الدجّال ہوگا۔ اور آج آپ دیکھیں کہ وہ کون سی ایسی اشیاء ہیں جو اللہ کے خلق کردہ سواری کے ذرائع یعنی گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ کے علاوہ موجود ہیں اگر ایسی موجود ہیں اور اسی مقصد کے لیے ہیں اور وہ اللہ کی خلق کردہ نہیں تو پھر وہ

تمام کا تمام الدجّال کا حمار ہے الدجّال کا گدھا یعنی سواری، مشقت و مال کی منتقلی کا ذریعہ ہے اور جب غور کریں تو الدجّال کا کفر اتنا واضح ہے کہ اتنے انسان نظر نہیں آتے جتنے الدجّال کے حمار نظر آتے ہیں جنہیں آج گاڑی، ٹرین، ٹرام، ہوائی جہاز، بحری جہاز وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے یہ سب کا سب الدجّال کا حمار ہے۔ جیسا کہ درج ذیل تصاویر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

رسول اللـه ﷺ قـال: ألا! ان الـدجـال يـطـعـم الطعام ويشرب الشراب ويمشى فى الأسواق، والله تعالىٰ عن ذلک، ألا! ان الـدجـال طـولـه أربـعـون ذراعاً بالذراع الأول، تـحته حمار أقمر، طعل كل أذن من أذنيه ثلاثون ذراعاً، ما بين حافر حماره الى الـحـافـر الآخـر مسيرة يوم و ليلة، تطوى له الأرض منهلاً، يتناول السحاب بيمينه، ويسبق الشمس الى مغيبها، يخوض البحر الـى كـعـبـيـه، أمامه جبل دخان، وخلفه جبل أخضر، ينادى بصوت له يسمع به ما بين الخافقين. الى أوليأئى ! الى أوليأئى ! الى أحبائى! الى أحبائى! فأنا الذى خلق فسوى، والذى قدر فهدى، وأنا ربكم الأعلى. کنزالعمال

رسـول الـلـه ﷺ قـال: ألا! ان الـدجـال يـطـعـم الـطـعـام ويـشـرب الـشـراب ويـمـشـى فـى الأسـواق، والـلـه تعالىٰ عن ذلک،
رسول اللہ ﷺ نے کہا: جان لو! اس میں کچھ شک نہیں الدجّال کھانا کھائے گا اور مشروب پیئے گا اور چلے گا اپنی ٹانگوں پر اور اللہ اوپر ہے ان سب سے یعنی اللہ کی ذات ان حاجات سے بالاتر ہے۔
آج جتنی بھی ٹیکنالوجی ہے وہ تمام کی تمام طعام کھاتی ہے جسے آپ بجلی اور تیل وغیرہ کا نام دیتے ہیں خواہ وہ موسموں اور بادلوں میں چھیڑ چھاڑ کرنے والا آلہ ہارپ ہو یا مختلف مصنوعات بنانے والی یعنی الدجّال جنت کی سہولیات و نعمتیں خلق کرنے والی جتنی بھی مشینیں وہ طعام کھا کر یا مشروب پی کر ہی چلتی ہیں۔ جیسے انسان اور ہر جانور کے طعام اور مشروب میں فرق ہے سب ایک دوسرے سے مختلف کھاتے ہیں درخت کاربن اور آکسیجن کھاتے ہیں اسی طرح الدجّال یعنی ٹیکنالوجی جنہیں آپ مشینوں کا نام دیتے ہیں اس کا طعام بجلی ہے اور مشروب زمین کا خون ہے یعنی زمین سے نکالا جانے والا خام تیل جس سے درجنوں اقسام کے تیل اخذ کیے جاتے ہیں۔ ٹیکنالوجی ان حاجات کی محتاج ہے لیکن اللہ ایسی تمام حاجات سے اوپر ہے۔

ألا! ان الدجال طوله أربعون ذراعاً بالذراع الأول، تحته حمار أقمر، طول كل أذن من أذنيه ثلاثون ذراعاً، ما بين حافر حماره الى الـحـافـر الآخر مسيرة يوم و ليلة، تطوى له الأرض منهلاً، يتناول السحاب بيمينه، ويسبق الشمس الى مغيبها، أمامه جبل دخان، وخلفه جبل أخضر، ينادى بصوت له يسمع به ما بين الخافقين.
خافق. کسی ہوا میں پروں سے اُڑنے والی شئے کا اُڑنا یا نیچے اُترنا۔ دونوں میں سے ایک مقام۔
خافقین. کسی بھی ایسی شئے جو پروں سے ہوا میں اُڑتی ہے اس کا زمین سے اوپر اُڑنا اور نیچے اُترنا۔ یعنی اس کا اڑنا اور نیچے اُترنا۔
(Take off and landing)
جان لو اس میں کچھ شک نہیں الدجّال ہوگا اس کی لمبائی چالیس گز ہوگی پہلے گز سے، اس کے نیچے ہوگی بوجھ اٹھا کر چلنے والی چاند جیسی سواری جیسے چاند زمین کے گرد گھومتا ہے اسی طرح الدجّال کا حمار یعنی بوجھ اٹھا کر چلنے والی سواری بھی زمین کے گرد فضا میں سفر کرے گی، لمبے ہوں گے اس کے سب کان اس کے کانوں سے تیس گز، اس کے گدھے کے ایک کھر سے دوسرے کھر کے درمیان جو فاصلہ ہوگا وہ دن اور رات کا فاصلہ ہوگا۔ زمین اس کے لیے سکیڑ یعنی لپیٹ دی جائے گی یعنی سالوں کا سفر دنوں، گھنٹوں اور منٹوں میں طے کرے گا انتہائی تیز رفتاری سے، جو اسے دسترس حاصل ہو چکی ہوگی اس سے بادلوں کو جا چھوئے گا بادلوں کو پہنچے گا ان سے اوپر نکل جائے گا اور سورج پر سبقت لے جائے گا اس کے چھپنے کی طرف، اس کے آگے دخان یعنی گیسوں بادلوں وھویں کا پہاڑ ہوگا یعنی آگے غیر معمولی مقدار میں گیسیں بادلوں وھویں کی صورت میں ہوں گی اور پیچھے سبز پہاڑ ہوگا۔ چیخے گا، بلائے گا اپنی طرف متوجہ کرے گا آواز کیساتھ اس کی آواز کو سن لیں گے جو بھی اس کے پروں کیساتھ زمین سے اڑنے کے مقام سے لیکر واپس زمین پر نیچے اُترنے کے مقام کے درمیان آئیں گے یعنی ٹیک آف سے لینڈنگ تک کے درمیان آنے والے سب لوگ اس کی آواز کو سنیں گے۔
یہ واحد ہوائی جہاز و ہیلی کاپٹرز وغیرہ ہی ایسی اشیاء ہیں جن میں یہ تمام خصوصیات وصلاحیتیں پائی جاتی ہیں ذرا تصور کریں کہ جب ان چیزوں کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا اگر اس وقت کسی نے ان اشیاء کے بارے میں بتانا ہوتا تو کیسے الفاظ میں بتایا جاتا؟ آج کی ان اڑنے والی مشینوں کے بارے میں کون سے الفاظ کا

استعمال کیا جاتا؟ یقیناً ان الفاظ سے بہتر اور کوئی الفاظ نہیں ہو سکتے اس لیے ان الفاظ کا اگر کوئی مصداق ہے تو یہی موجودہ ہوائی جہاز و ہیلی کا پٹرز وغیرہ ہیں اور اگر یہ نہیں تو پھر ایسا کچھ بھی نہیں آئے گا یہاں تک کہ الساعت آ جائے گی۔ یہ جہاز ہی ہیں جن کے کانوں کی لمبائی اتنی ہی ہوتی ہے۔
اس روایت کے علاوہ مختلف روایات میں کانوں کی لمبائی بھی مختلف آئی ہے کہیں پر ستر گز ہے تو کہیں پر چالیس ہے یا کہیں ان سے بھی کم یا زیادہ کا ذکر ہوا ہے۔
جیسے انسان کے کان کو دیکھا جائے تو ان کی باہر کو نکلی ہوئی لمبائی چند سینٹی میٹر ہوتی ہے بالکل اسی طرح الدجّال کے حمار یعنی الدجّال سواری و مشقت کے ذریعے کے کان جنہیں پر بھی کہتے ہیں جہاں سے وہ شروع ہوتے ہیں اور ان کے آخری سرے تک اتنی ہی لمبائی بنتی ہے۔
یہ ہوائی جہاز ہی ہیں جو زمین گرد اسی طرح گھومتے ہوئے سفر کرتے ہیں جیسے چاند زمین کے گرد گھومتا ہے۔
یہ ہوائی جہاز ہی ہے کہ جب سفر کرتا ہے تو اتنی تیز رفتاری سے سفر کرتا ہے کہ گویا اس کے لیے زمین سکڑ گئی ہے اور اس کے علاوہ بھی جتنے بھی الدجّال کے سواری و مشقت کے ذرائع ہیں ان سب کے لیے زمین سکڑ جاتی ہے یعنی ان کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ بہت کم وقت میں زیادہ فاصلہ طے کر لیتے ہیں۔
یہ ہوائی جہاز ہی ہے کہ اس کے ایک خافق یعنی جہاں سے وہ اوپر اُڑتا ہے وہاں سے لیکر دوسرے خافق تک یعنی جہاں وہ واپس نیچے زمین پر اترتا ہے تو دن رات کا فاصلہ ہوتا ہے۔ جیسے کوئی جہاز جاپان سے اڑ کر امریکہ جاتا ہے تو اس کے ایک خافق سے دوسرے خافق کے درمیان دن اور رات کا فاصلہ ہوتا ہے اسی طرح درجنوں روٹس ایسے ہیں کہ جب الدجّال حمار یعنی سواری و مشقت کا ذریعہ قدم اٹھاتا ہے تو واپس زمین پر قدم تب رکھتا ہے کہ درمیان میں دن رات گزر جاتا ہے۔
یہ جہاز ہی ہے جو اپنی قوت کیساتھ جو کہ اسے بادلوں پر دسترس حاصل ہے سے نہ صرف بادلوں کو چھوتا ہے بادلوں تک پہنچتا ہے بلکہ ان سے اوپر نکل جاتا ہے۔
یہ جہاز ہی ہے جو جب اُڑتا ہے تو اس کے سامنے دخان یعنی گیسوں جو کہ بادل اور دھویں ہوتے ہیں ان کا پہاڑ ہوتا ہے یعنی ان کی غیر معمولی مقدار ہوتی ہے جنہوں نے اس میں سفر کیا ہے وہ اس کا بخوبی ادراک کر سکتے ہیں اوپر فضا میں بادل بالکل پہاڑوں کی مانند نظر آتے ہیں جیسے کہ روئی کے پہاڑ ہوں جو کہ گیسیں ہوتی ہیں اور اس کے پیچھے سبز پہاڑ ہوتا ہے یعنی زمین کے جو سر سبز پہاڑ ہوتے ہیں۔ آگے بادلوں کے پہاڑ اور آج موجودہ دور میں تو بہت بڑی مقدار میں فیکٹریوں اور گاڑیوں وغیرہ سے خارج ہونے والی دخان یعنی گیسوں، دھویں سے آسمان بھر چکا ہے یوں سامنے نہ صرف بادلوں کا پہاڑ جو بالکل دھویں کی طرح نظر آتا ہے وہ ہوتا ہے بلکہ سامنے انسان کے مفسد اعمال سے خارج ہونے والی دخان یعنی گیسوں، دھویں کا پہاڑ ہوتا ہے، غیر معمولی مقدار میں دھواں ہوتا ہے اور پیچھے زمین کے سبز پہاڑ۔
یہ جہاز ہی ہے جو مسلسل چیختا ہے آواز نکالتا ہے، آواز کیساتھ بلاتا ہے اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کے اُڑنے کے مقام سے لیکر واپس نیچے اُترنے تک کے درمیان سب لوگ اس کی گرجدار آواز کو سن لیتے ہیں۔ اس روایت میں بالکل واضح ہے محمد علیہ السلام نے آج سے چودہ صدیاں قبل آج موجودہ دور کے بارے میں آگاہ کیا تھا یہ جو آج اڑنے والی مشینیں ہیں جہازوں اور ہیلی کاپٹروں وغیرہ کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔
مزید آسانی سے روایت کو سمجھنے کے لیے تصاویر سے راہنمائی لیں۔

سامنے دھویں کا پہاڑ۔

پیچھے سبز پہاڑ۔

اپنی قوت کیساتھ بادلوں کو چھوئے گا

بادلوں سے اوپر نکل جائے گا۔

چاند کی طرح زمین کے گرد سفر کرے گا۔

پروں کیساتھ زمین سے اڑنا۔

واپس زمین پر اترے گا۔

ایک گھر سے دوسرے گھر کے درمیان دن رات کا فاصلہ۔
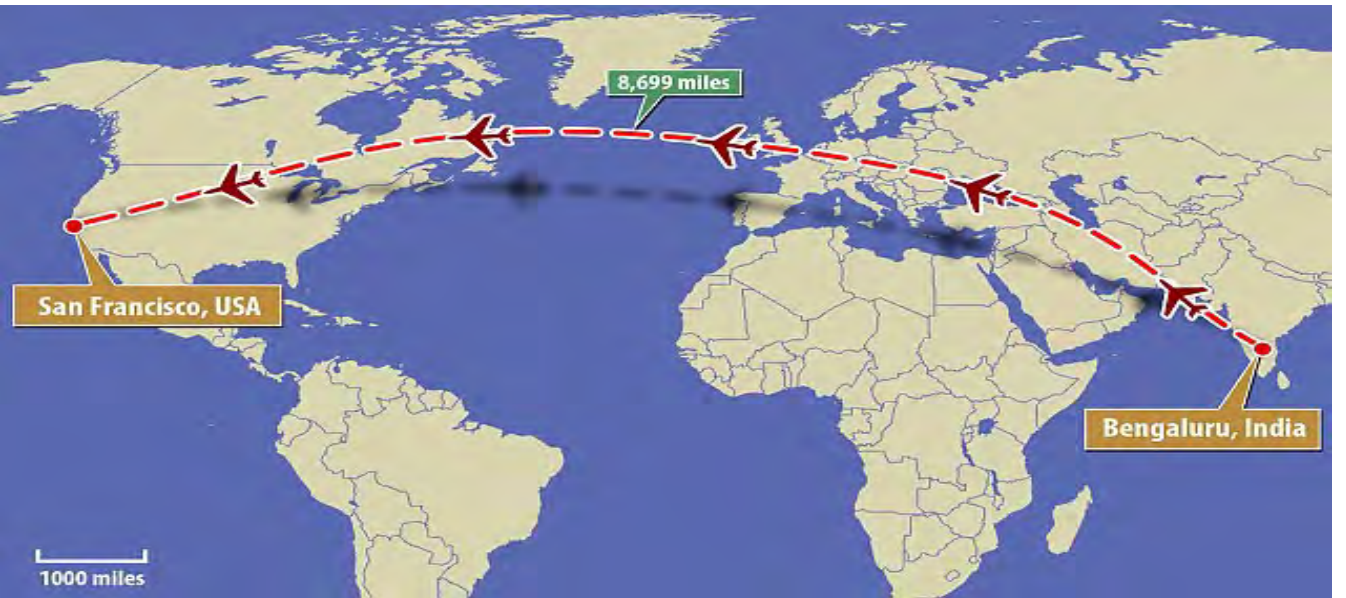
يخوض البحر الى كعبيه.

سمندر میں تیرے گا تو سمندر اس کے ٹخنوں تک ہوگا۔

ينادى بصوت له يسمع به ما بين الخافقين، الى أوليأئى! الى أوليأئى! الى احبائى ! الى احبائى! فأنا الذى خلق فسوى، والذى قدر فهدى، وأنا ربكم الأعلى.

پکارے گا آواز کے ساتھ اس کی آواز سنیں گے جو اس کے اڑنے سے لیکر واپس نیچے زمین پر اترنے کے درمیان ہوں گے۔ کہے گا اے میرے مشن میں میرے مقصد میں میرے معاونین اے میرے مشن میں میرے مقصد میں میرے معاونین میری طرف کھینچے چلے آؤ میری طرف کھینچے چلے آؤ۔ پس میں ہی ہوں وہ جس نے تمہیں خلق کیا پس تمہاری جو ضروریات تھیں وہ سب خلق کیا اور میں ہی وہی ہوں جس نے قدر میں کر دی راہنمائی یعنی تم دنیا میں کس مقصد کے لیے لائے گئے ہو میں ہی ہوں جس نے تم پر وہ مقصد واضح کیا اور میں تمہارا ربّ ہوں سب سے اوپر والا۔

ٹیکنالوجی، جدید موجودہ ایجادات جو کہ الدجّال اکبر ہے اس میں سے یہی جہاز جب اڑتا ہے تو اڑنے سے لیکر واپس زمین پر اترنے کے درمیان ہر سٹاپ پر آواز لگاتا ہے اعلانات کیے جاتے ہیں فلاں وقت روانگی ہے، گیٹ کھل گیا، جہاز میں سوار ہو جایئے وغیرہ اور اس کے اڑنے سے لیکر نیچے اترنے تک نہ صرف اس کے اندر موجود سب لوگ اس کی آواز سنتے ہیں بلکہ جب یہ سفر کر رہا ہوتا ہے تو اتنی اونچی گرجدار آواز پیدا کرتا ہے کہ اس کے اڑنے سے لیکر واپس زمین پر اترنے کے درمیان آنے والے سب ہی اس کی گرجدار آواز کو سنتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہی ٹیکنالوجی ہے جو آج سب کچھ خلق کر رہی ہے حتیٰ کہ بشر جس نطفے سے وجود میں آ کر پروان چڑھ رہے ہیں وہ سب کا سب رزق اسی ٹیکنالوجی کا پیدا کردہ ہے اور جب انسانوں نے اسے اپنا ربّ بنایا ہوا ہے تو پھر دنیا میں لوگوں کی اکثریت کو یہ علم ہی نہیں کہ انہیں کس مقصد کے لیے خلق کیا گیا بلکہ ہر ایک کے سامنے یہی مقصد ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دنیا کمائے یہی ٹیکنالوجی یعنی جدید ایجادات حاصل کرے مختلف آسائشوں سہولتوں کے نام پر۔ یوں آج سے چودہ صدیاں قبل آج کے بارے میں محمد علیہ السلام نے ایک ایک لفظ سچ کہا جو آج آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے اور نہ صرف میں نے محمد علیہ السلام کے ہی کہے ہوئے الفاظ سے ان کی ایک ایک بات کی تصدیق کر دی بلکہ جو حق میں آج کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں میری ایک ایک بات کی تصدیق محمد علیہ السلام کے آج سے چودہ صدیاں قبل کہے ہوئے الفاظ سے ہوتی ہے۔

بين أذنى حمار الدجال اربعون ذراعاً، وخطوة حماره مسيرة ثلاثة أيام، يخوض البحر على حماره كما يخوض احدكم الساقية على فرسه. نعيم بن حماد

الدجّال کے حمار یعنی الدجّال سواری و مشقت کے ذریعے کے کانوں کے درمیان چالیس گز ہوں گے اور اس کے حمار کا روٹ ہوگا تین یوم کا فاصلہ، سمندر میں داخل ہوگا اپنی سامان اٹھا کر سفر کرنے والی سواری پر بالکل ایسے ہی جیسے تم میں سے کوئی داخل ہوتا ہے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر کھیتوں کو سیراب کرنے والی کھال، نہر میں۔

اس روایت کی وضاحت بھی پچھلی روایت میں گزر چکی اور اس میں مزید ایک بات واضح کی گئی کہ الدجّال حمار جب سمندر میں داخل ہوگا تو سمندر کا پانی اسے ایسے ہی ہوگا جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر کھیتوں کو سیراب کرنے والی کنال، کھال یا نہر میں داخل ہوتا ہے تو پانی گھوڑے کے گھٹنوں سے بھی نیچے ہوتا ہے۔ یہ مناظر آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں الدجّال حمار یعنی سواری و مشقت کا ذریعہ جس پر الدجّال یعنی انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ ترقی و خوشحالی کے نام پر طرح طرح کی مخلوقات لادی ہوئی ہوتی ہیں جو کہ بڑے بڑے بحری جہاز ہیں وہ جب مال کیساتھ سمندروں میں تیرتے ہیں تو ایسے ہی جیسے کہ کوئی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر کھیتوں کو سیراب کرنے والی نالی میں داخل ہوا ہو جیسا کہ تصاویر میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔

الدجّال مکہ اور مدینہ میں داخل نہ ہونا

الدجّال کو ہر پہلو سے اس طرح کھول کھول کر سامنے لایا جا چکا، اس قدر کھول کھول کر واضح کیا جا چکا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے غلط ثابت نہیں کر سکتی اس کے باوجود اگر انکار کیا جاتا ہے تو وہ ہر ایک کا ذاتی فیصلہ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہوگی سوائے اپنی خواہش کی اتباع کے۔ یہاں تک کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو الدجّال کے بارے میں پیچھے کھول کھول کر واضح کیے جانے والے حقائق کو نظر انداز کر سکے یا انہیں غلط ثابت کر سکے البتہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے اذہان میں ایک سوال ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ہم بچپن سے پڑھتے اور سنتے آرہے ہیں محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ الدجّال مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہوگا اور اگر یہی ٹیکنالوجی، مشینیں، ایجادات وغیرہ ہی الدجّال ہے تو پھر یہ آج نہ صرف مکہ میں بھی موجود ہیں بلکہ مدینہ میں بھی تو یہ کیسے ہو سکتا؟

یعنی الدجّال نہ تو مکہ میں داخل ہوگا اور نہ ہی مدینہ اور جسے آپ الدجّال کہہ رہے ہیں یہ نہ صرف مکہ میں بھی موجود ہے بلکہ مدینہ میں بھی موجود ہے اس کی وضاحت کریں اگر اس کی اطمینان بخش وضاحت نہیں ہوتی تو اس بنیاد پر انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ یہ طرح طرح کی مخلوقات ٹیکنالوجی الدجّال نہیں اور اگر یہ واقعتاً الدجّال ہے جو کہ ہے تو پھر الدجّال کے مکہ و مدینہ میں داخل نہ ہونے کی حقیقت کیا ہے اسے بھی ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کیا جائے؟

وہ لوگ جن کا عقیدہ و نظریہ یہ تھا کہ الدجّال کا ذکر قرآن میں کہیں بھی نہیں اس لیے الدجّال کا کوئی وجود نہیں اور اس بنیاد پر وہ لوگ الدجّال کا سرے سے انکار کر دیتے اور ان کے علاوہ اکثریت اس عقیدے و نظریے یعنی الدجّال کے بارے میں پائے جانے والے عقیدے و نظریے کا فائدہ یوں حاصل کرتی رہی کہ روایات کی من پسند تشریحات کر کے اپنی مرضی کے مطابق الدجّال کا حلیہ بنا کر اکثریت کو اسے ماننے پر مجبور کیا ہوا تھا کوئی بھی ان کی من چاہی تشریحات و تاویلات کے خلاف چاہ کر بھی سوچ نہیں سکتا تھا اگر کوئی ایسا کرنے کی جرأت کرتا تو اس پر فتووں کی بوچھاڑ کر دی جاتی۔ لیکن اب ان دونوں طبقوں کی حقیقت بالکل کھل چکی ہے ان کی اصلیت آپ پر بالکل واضح ہو چکی کیونکہ ہم نے نہ صرف یہ بات ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کر دی کھول کھول کر سامنے لے آئے کہ قرآن تو سارے کا سارا صرف الدجّال سے ہی متنبہ کر رہا ہے یوں قرآن سے الدجّال کو بالکل کھول کر رکھ دیا بلکہ اس کے علاوہ روایات سے بھی الدجّال کو ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کر دیا۔ جس سے نہ صرف قرآن کی غیر معمولی حقانیت کا کھل کر اظہار ہوتا ہے بلکہ محمد علیہ السلام کی ایسے تصدیق ہوتی ہے کہ ان کی ذات پر اعتراضات اٹھانے والے منہ چھپانے کے قابل بھی نہ رہیں کہ محمد علیہ السلام نے آج سے چودہ صدیاں قبل کس طرح آج کے حالات و واقعات کو کھول کھول بیان کر دیا تھا جیسے کہ کوئی اپنی آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہا ہو اس سے بڑھ کر محمد کی حقانیت کا کوئی اور ثبوت ہو سکتا ہے؟ موجودہ ایجادات یہ غیر معمولی امور جن کے بارے میں آج سے چند صدیاں قبل تصور کرنا بھی محال تھا ان ایجادات و امور کے بارے میں جس طرح کھول کھول کر آج سے چودہ صدیاں قبل بیان کر دیا تھا یہ انتہائی غیر معمولی بات ہے ایسا کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ آج اگر محمد علیہ السلام کے بڑے سے بڑے دشمن کے سامنے بھی اس دعوے کو رکھا جائے کہ دیکھو محمد علیہ السلام نے آج جو کچھ ہو رہا ہے اس کے بارے میں آج سے چودہ صدیاں قبل جب کہ ان ایجادات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اس وقت ایسے کھول کھول کر بیان کر دیا جیسے کہ آنکھوں دیکھا حال ہو تو ایسے شخص کے پاس سوائے محمد علیہ السلام کی تصدیق کے اور کوئی چارہ نہیں رہے گا اور دنیا کا کوئی بھی شخص محمد علیہ السلام کی ذات پر یا قرآن پر انگلی تک نہیں اٹھا سکے گا۔

آج ایک بڑی تعداد میں ایسا طبقہ موجود ہے جو خود کو دین کا ٹھیکیدار سمجھتا اور کہلواتا ہے وہ لوگ قرآن اور محمد کے الفاظ کی روشنی میں اتنا سب کچھ واضح ہونے کے باوجود بھی ماننے کو تیار نہیں اور صرف اس لیے کہ ان کی دکانداریاں کہیں بند نہ ہو جائیں اور جن اونچی اونچی مسندوں پر بیٹھ کر انسانیت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں، دین کی خدمت کے نام پر عیاشیوں میں مصروف ہیں جو اپنے ہاتھ سے ایک لقمہ بھی کما کر کھانا پسند نہیں کرتے صرف اس لیے لوگوں کو حق سے روک رہے ہیں کہ کہیں ان کی دکانداری بند نہ ہو جائے اور الٹا لوگ اس بارے میں سوالات نہ کرنا شروع ہو جائیں جن کے جوابات اس طبقے کے پاس نہیں ہیں۔ ان کے پاس دلیل ایک بھی نہیں سوائے جھوٹ اور دجل کی بنیاد پر محض ضد، حسد، بغض اور دشمنی میں طرح طرح کی سازشوں سے کام لینے کے۔ الفاظ کے ہیر

پھیر سے اور طرح طرح سے لوگوں کو حق سے روکنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں لیکن ہم اس طبقے کو یہ بتا دیتے ہیں کہ ہم حق کو بالکل کھول کھول کر رکھیں گے خواہ کچھ بھی ہو جائے ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔

الدجّال پر قرآن اور محمد کے الفاظ کی روشنی میں کھل کر بات ہو چکی مزید بھی بات کریں گے لیکن اب بات کریں گے اس موضوع پر جس کو بنیاد بناتے ہوئے لوگوں کو ورغلایا جاتا ہے کہ اگر الدجّال یہی ہے تو پھر ایسا کیوں کہ یہ سب تو مکہ و مدینہ میں موجود ہے اور الدجّال تو مکہ و مدینہ میں داخل نہیں ہوگا اور لوگ ان کی چرب زبانی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ہاں واقعتاً الدجّال تو مکہ و مدینہ میں داخل نہیں ہونا تھا لیکن جسے الدجّال ثابت کیا جا چکا یہ سب تو وہاں موجود ہے آخر ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

جیسا کہ پیچھے کھول کھول کر واضح کیا جا چکا کہ عربی دنیا کی واحد ایسی زبان ہے جس کا ترجمہ دنیا کی کسی بھی زبان میں ممکن نہیں ہے۔ ترجمہ کہتے ہیں کسی بھی لفظ کا دوسری زبان میں متبادل لفظ۔ دنیا میں کوئی ایک بھی ایسی زبان نہیں ہے جو مکمل عربی کے متبادل کے طور پر اپنا وجود رکھتی ہو اس لیے قرآن یا پہلے ادوار کی اصل خالص عربی کا ترجمہ کسی بھی صورت ممکن نہیں ہے اگر ایسا کیا جائے تو اس سے سوائے گمراہی و جہالت کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا اور دنیا و آخرت میں سوائے خسارے اور پچھتاوے کے کچھ نہیں ملے گا۔ ہاں البتہ عربی کے معنی ضرور بیان کیے جا سکتے ہیں اور یہ بات یاد رکھیئے کہ معنی ترجمے کو نہیں کہا جاتا بلکہ معنی کسی لفظ کو بیان کرنے یعنی کھولنے کے لیے استعمال کیے جانے والے الفاظ کے مجموعے کو کہا جاتا ہے خواہ وہ کسی ایک جملے، ایک لائن یا پیہروں پر محیط ہو جسے اردو میں مفہوم کہا جاتا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اللہ نے قرآن کو عربی میں اتارا۔ عربی فطرت کی زبان ہے نہ کہ محض الفاظ پر مشتمل ان چند الفاظ، سطور یا محاوروں کا نام ہے جن کے بنیاد پر انسان ایک دوسرے سے مخاطب ہوں اور زندگی گزارنے کے لیے ایک دوسرے سے کلام کر سکیں۔

یہ بات ہم نے اس لیے کی کیونکہ جس موضوع پر ہم بات کرنے جا رہے ہیں اس پر بات کرنے سے پہلے اس بات کا ذہن میں ہونا بہت ضروری ہے۔ الدجّال کے بارے میں محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ وہ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ محمد علیہ السلام کے ان الفاظ کو عربی پر عبور نہ ہونے یا عربی کی حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے ایسے استعمال کیا جانے لگا کہ دنیا میں انسانوں کی اکثریت گمراہی کا سودا کر بیٹھی۔ دنیا میں ایک کہاوت ہے کہ جھوٹ اتنا بولو کہ تمہیں خود کو بھی شک ہونے لگے کہ جو تم بول رہے ہو کہیں تم سچ ہی تو نہیں بول رہے۔

اس محاورے کی حقیقت یہ ہے کہ جب آپ نے ایک غلط بات کو لوگوں کے اذہان میں راسخ کرنا ہو تو اس کا سچ ہونا یا اس کے لیے دلائل کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس بات کا زیادہ سے زیادہ عام کیا جانا ضروری ہے جب بات اکثریت کی زبان پر آ جائے گی تو لوگ خود بخود اسے سچ تسلیم کر لیں گے دلیل کی طرف ان کی توجہ جائے گی ہی نہیں کیونکہ اکثریت کے مان لینے یا کہنے کی وجہ سے کوئی بھی دلیل کی ضرورت کو محسوس نہیں کرے گا اور اکثریت کا کہنا ہی بذات خود اکثریت کے نزدیک دلیل بن جائے گا۔

جب کبھی اس کے مقابلے میں سچ سامنے آ بھی جائے تو لوگ سچ کو ہر طرح کی دلیل ہونے کے باوجود بھی تسلیم کرنے کی بجائے آگے سے یہی جواب دیں گے کہ یہ بات تو ہم نے پہلے کبھی سنی ہی نہیں اور اکثریت اس کے برعکس وہی کہتی ہے جو پہلے سے ہم اس بارے میں رائے یا نظریہ رکھتے ہیں یوں سچ کی خود بخود موت ہو جائے گی اور سچ بیان کرنے والے کو الٹا دنیا نہ صرف حقارت کا نشانہ بنائے گی بلکہ ہر ممکن حد تک تہمتوں و ملامت کا نشانہ بنائے گی ہر کسی کا یہی جواب ہو گا کہ پہلے کیا ہر کوئی غلط تھا، ہمارے آباؤ اجداد، ہمارے علماء، ہمارے بڑے کیا سب کے سب ہی غلط تھے جو آج تک اس کے برعکس بات کرتے رہے کیا وہ سب کے سب غلط اور اکیلے تم صحیح ٹھہرے؟

یعنی وہی بات کہ سچ کے لیے خواہ کتنے ہی دلائل کیوں نہ دیئے جائیں سامنے سے اسی جواب کا سامنا کرنا پڑے گا کہ پہلے آج تک کیا سب غلط تھے اور اکیلے تم سچے؟

بالکل یہی دین الاسلام کے ساتھ بھی کیا گیا اور جو ہمارا موضوع ہے وہ بھی اسی کا شکار بنا دیا گیا۔ محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ الدجّال مدینہ میں داخل نہیں ہوگا تو خود کو علماء کہلوانے والے طبقے نے عربی کے لفظ مدینہ کو ایک بستی سے ایسے منسوب کیا کہ پوری دنیا کے انسان ہی اس بات کو بھول گئے کہ مدینہ کہتے کسے ہیں اور

ہر کسی کے سامنے مدینہ سے مراد وہی بستی ہے جسے آج لوگ مدینہ کہتے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔

مدینہ کیا ہے یا مدینہ کسے کہتے ہیں؟

سب سے پہلے اس کو بالکل مختصراً اور جامع ترین الفاظ میں کھول کر آپ پر واضح کرتے ہیں اس کے بعد اس کو مزید ہر لحاظ سے تفصیل کیساتھ واضح کریں گے۔

''مدینہ'' ایک جملہ ہے جو کہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے ''م، دین، ہ''

''م'' موجودگی کا اظہار کرتا ہے اور آگے آجاتا ہے ''دین'' یوں جملہ بن جاتا ہے ''مدین'' جس کے معنی بنتے ہیں دین موجود ہے اور آگے آجاتا ہے ''ہ'' جو کہ اس خطے، علاقے، بستی، گاؤں، شہر یا ملک وغیرہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں دین موجود ہے۔

یوں آپ نے جان لیا کہ ''مدینہ'' کہتے ہیں اس خطے، علاقے، بستی، گاؤں، شہر یا ملک کو جہاں دین موجود ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دین تو دنیا میں بہت سے موجود ہیں ان میں سے کون سے دین کی بات ہو رہی ہے یعنی ان میں سے کون سا دین حق ہے تو اس کا جواب بھی اللہ نے دے دیا کہ اللہ کے ہاں جو دین قابل قبول ہے وہ دین الاسلام ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ. آل عمران ۱۹

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ. آل عمران ۸۵

مدینہ کہتے ہیں اس خطے، علاقے، بستی، گاؤں، شہر یا ملک کو جہاں دین الاسلام موجود ہو اور دین کی موجودگی کس صورت میں ہوتی ہے اس کا بھی جواب اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر دے دیا جیسا کہ ان میں سے ایک مقام درج ذیل ہے

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. الروم ۳۰

دین حق جو کہ الاسلام ہے اس کو اللہ نے دین القیم کہا یعنی دین کی موجودگی کا مطلب ہے دین کا قائم ہونا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دین الاسلام ہے کیا یعنی کیا دین الاسلام وہی دین اسلام ہے جسے آج دنیا میں لوگوں کی اکثریت دین اسلام کہتی اور سمجھتی ہے؟ تو اس کا جواب بھی اللہ نے قرآن میں دے دیا

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. الروم ۳۰

اس آیت میں اللہ نے فطرت پر قائم ہونے کو دین قرار دیا یعنی دین الاسلام ہے فطرت پر قائم ہونا یوں مدینہ کے معنی بنیں گے وہ مقام، خطے، علاقہ، بستی، گاؤں، شہر یا ملک وغیرہ جہاں سب کا سب فطرت پر قائم ہے جو فطرت پر ہے۔

یہ ہیں لفظ مدینہ کے بالکل مختصر اور جامع ترین معنی جس سے آپ پر یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مدینہ کسی ایک مخصوص بستی یا شہر کا نام یعنی لقب نہیں ہے بلکہ مدینہ اسم ہے اور اسم کہتے ہیں خصوصیات وصفات کو۔

کوئی بھی خطہ ہو، علاقہ یا بستی ہو اگر تو وہ فطرت پر ہے تو وہ مدینہ ہے خواہ اس کا کوئی بھی لقب ہو یعنی لوگ اسے کسی بھی نام سے جانتے اور پکارتے ہوں اگر وہ فطرت پر نہیں تو وہ مدینہ نہیں بلکہ مدینہ کی ضد ہے کیونکہ اللہ نے ہر شئے سے اس کا جوڑا خلق کیا جیسا کہ آپ درج ذیل آیت میں دیکھ سکتے ہیں

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ . الذاریات ۴۹

اور ہر شئے سے خلق کیا ہم نے اس کا جوڑا

مدینہ کا بھی اس سے جوڑا خلق کیا گیا جس کا قرآن میں درجنوں مقامات پر ذکر کیا گیا ''قریہ''

اگر کوئی خطہ، بستی یا علاقہ فطرت پر ہے تو وہ مدینہ ہے اور اگر وہ فطرت پر نہیں یا فطرت میں چھیڑ چھاڑ کی جا رہی ہے، فطرت میں مداخلت کی جا رہی ہے، فطرت سے بغاوت کی جا رہی ہے وہاں فطرت کی بجائے اس کی ضد غیر فطرتی یعنی مصنوعی ہے تو وہ مدینہ نہیں بلکہ مدینہ کی ضد اس کا جوڑ اقریہ ہے۔ یہ ہیں مدینہ کے بالکل مختصر، آسان اور جامع ترین معنی اب آتے ہیں تفصیل کیساتھ وضاحت کی طرف۔

مدینہ کیا ہے یا مدینہ کسے کہتے ہیں؟

''مدینہ'' ایک جملہ ہے جو مجموعی طور پر تین الفاظ کا مجموعہ ہے جن میں سے دو الفاظ ایک ایک حرف پر مشتمل ہیں اور ایک لفظ تین حروف پر مشتمل ہے ''م دین ۃ یا ہ'' ان تینوں کو جب ملایا جائے تو جملہ ''مدینہ'' وجود میں آئے گا۔ عربی کے اصول کے مطابق اس لفظ کے آخر میں آنے والا حرف ۃ ہ کی آواز دے گا بشرطیکہ آگے کسی دوسرے لفظ سے جڑ نہ رہا ہو۔ یعنی اگر ''ۃ'' کسی ایسے لفظ کے آخر میں استعمال کیا جائے جس کے آگے کوئی دوسرا لفظ نہ ہو تو ''ۃ'' ساکت ہو جائے گی یوں پیچھے محض ''ہ'' ہی رہ جائے گی اور اسی کی آواز دے گی جیسے کہ صرف اسی جملہ ''المدینة'' کو ہی لے لیں جب لکھا جائے گا تو ''المدینة'' یا ''مدینة'' لکھا جائے گا لیکن آگے کسی دوسرے لفظ کے ساتھ نہ جڑنے کی وجہ سے ۃ ساکت ہو کر مدینہ پڑھا جائے گا۔ اور اگر آگے کسی دوسرے لفظ کے ساتھ جڑ رہا ہو تو پھر ''ۃ'' ساکت نہیں بلکہ ''ۃ'' ہی پڑھا جائے گا جیسے مثال کے طور پر ''المدینة المکرمة''. اس کی وجہ یہ ہے کہ گول والی ''ہ'' شئے کی طرف اشارے کے لیے استعمال ہوتی ہے اور ''ۃ'' براہ راست اس کا اظہار کرتی ہے جس کا ذکر کیا جا رہا ہو جس کے لیے اس شئے کا موجود ہونا لازم ہے۔

اب آتے ہیں جملہ ''المدینة'' کے معنی کی طرف۔ جیسا کہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ مدینہ جملہ ہے جو کہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے ''م دین ۃ یا ہ'' سے مل کر بنا ہے تو اس میں اصل لفظ دین ہے۔

یوں سب سے پہلے یہ لازم ہے کہ اس لفظ کو سمجھیں یعنی دین کو سمجھ لیا جائے ورنہ مدینہ کو نہیں سمجھ پائیں گے۔

دین کیا ہے جب بھی کسی سے سوال کیا جائے تو فوراً یہی جواب ملے گا کہ اسلام ہے اور اسلام کیا ہے اس کے لیے پوری دنیا میں انسانوں کے نزدیک ایک خاص نظریہ ہے کہ باقی مذاہب کی طرح ایک دائرہ ہے جس میں ایک کلمے کے نام پر فقرے کے اقرار سے داخل ہونے کا رستہ ہے اور باہر نکلنے کا کوئی رستہ نہیں یعنی آج پوری دنیا جسے اسلام کا نام دیتی اور پکارتی ہے۔ ہم اس پر تو فی الحال بات نہیں کریں گے بلکہ ہم لوگوں کے عقائد و نظریات کو ایک طرف رکھتے ہوئے اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ دین کیا ہے تو اللہ قرآن میں بالکل صراحت کیساتھ اس بات کا جواب دیتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں آپ دیکھ رہے ہیں۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. الروم ۳۰

فَاَ پس کیا کرنا ہے؟ یعنی انسان کو نہیں علم کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا اور وہ حق کا طلب گار ہے مگر اسے سمجھ نہیں آ رہی کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے تو اللہ اسی کا آگے جواب دے رہا ہے قِمْ قائم ہونا ہے قائم کرنا ہے وَجْهَكَ تیرا جو رخ ہے یعنی تجھے جو کچھ بھی دیا گیا مال، اولاد، ذہانت، ہاتھ، پاؤں، ٹانگیں، آنکھیں، کان، دماغ سمیت جتنے بھی اعضاء ہیں، کچھ کرنے کی صلاحیت، کوئی عہدہ، مرتبہ، یا جو کچھ بھی دیا گیا ان سب کے استعمال کی سمت، رخ، ڈائریکشن طے کرنی ہے لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ہر طرف سے کٹ کر بالکل یکسو ہو کر دین کے لیے۔ یعنی تجھے جو کچھ بھی دیا گیا ہے خواہ وہ مال ہو، اولاد ہو، ذہانت ہو، جسم کا کوئی بھی عضو ہو، کچھ کرنے کی صلاحیتیں ہو، کوئی عہدہ، رتبہ، مرتبہ ہو یا کچھ بھی دیا گیا ہو کسی پر بھی اختیار دیا گیا ہو تو سب کے سب کو ہر طرف سے کٹ کر بالکل یکسو ہو کر دین کے لیے ہی استعمال کرنا ہے دین ہی مقصد ہونا چاہیے کچھ بھی کرنا ہے تو دین کے لیے، کچھ بھی کھانا ہے تو دین کے لیے، کچھ بھی سوچنا ہے تو دین کے لیے، جو کچھ بھی دیا گیا کسی کا بھی استعمال کرنا ہے تو دین کے لیے اور ایک رائی برابر بھی اپنا رخ اِدھر اُدھر نہیں کرنا یعنی رائی برابر بھی کسی کا بھی استعمال اس مقصد یعنی دین سے ہٹ کر یا اس کے علاوہ نہیں کرنا خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

پس کیا کرنا ہے قائم ہونا ہے سو پس قائم ہو جا یعنی دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے چاہے کچھ بھی ہو جائے تُو ڈٹ جا، اپنے رخ کو ہر طرف سے ہٹا کر، ہر طرف سے

کٹ کر بالکل ایسے جیسے کہ دنیا میں اور کچھ ہے ہی نہیں سوائے دین کے اس طرح ہر طرف سے کٹ کر یک رخ ہو کر ڈٹ جا قائم ہو جا دین کے لیے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دین ہے کیا؟ یعنی کیا ہے مقصد، ٹارگٹ، مشن جس کو پورا کرنے کے لیے دنیا میں لایا گیا اور جو کچھ بھی دیا گیا صرف اور صرف اسی مقصد کے لیے ہی استعمال کرنا ہے آخر وہ دین یعنی دنیا میں آنے اور سب کچھ دیئے جانے کا مقصد ہے کیا؟ تو آگے اسی کا اللہ نے جواب دے دیا۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ فطرت تھی اللہ کی یعنی دین یہ نہیں آج جو کچھ بھی تم دین کے نام پر کر رہے ہو بلکہ دین کو تو تم نے تھا کیا ہوا ہے اس لیے دین فطرت تھی جس پر قائم ہونا ہے ہر طرف سے کٹ کر بالکل یک سو ہو کر۔ کچھ بھی کرنا ہے تو اسی کے لیے، جو کچھ بھی دیا گیا تو اس کا استعمال صرف اور صرف اسی کے لیے کرنا ہے، دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے اپنا رخ اپنی توجہ اس سے نہیں ہٹانی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اے اللہ فطرت کیا ہے؟ جسے تُو تھا کہہ رہا ہے کہ دین فطرت تھی؟ تو آگے اللہ نے اس سوال کا بھی جواب دے دیا الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا دین وہ فطرت تھی جس پر لوگوں کو فاطر کیا گیا تھا یعنی جب لوگوں کو دنیا میں لایا گیا جب ان میں کسی بھی قسم کی کوئی خرابی نہیں تھی کوئی نقص کوئی بیماری نہیں تھی کوئی عیب نہیں تھا یہ ہر لحاظ سے بالکل پرفیکٹ یعنی کامل تھے جو کہ آج نہیں ہیں آج طرح طرح کی بیماریوں نے انہیں گھیر رکھا ہے عمر کی کوئی مخصوص حد نہیں ہے، بیماریوں، تکالیف، زلزلوں، طوفانوں، آندھیوں، سیلابوں اور طرح طرح کی تباہیوں نے انہیں گھیر رکھا ہے، آپس کی لڑائیاں، جنگ وجدل، حسد، بغض، دشمنی جب یہ سب نہیں تھا تو تب جو کچھ بھی جیسا بھی تھا وہ تھی فطرت، جب لوگوں کو دنیا میں لایا گیا تب آسمانوں وزمین میں جو کچھ بھی جیسا بھی تھا وہ تھی فطرت۔ پیچھے سے پیچھے جاؤ جب لوگوں کو دنیا میں لایا گیا تب سب کچھ کیسا تھا؟ تب بارشیں کیسے اور کب کب برستی تھیں؟ تب موسم کیسے تھے؟ تب درجہ حرارت کیسا تھا؟ تب زمین کیسے اگاتی تھی؟ تب بیج کیسے تھے؟ تب جانداروں کی نسلیں آگے کیسے بڑھتی تھیں؟ تب فضا کیسی تھی؟ تب لوگوں کو ان کی ضروریات کیسے حاصل ہو رہی تھیں؟ تب لوگوں کی ضروریات جو کچھ بھی ان کے کھانے، پینے، پہننے، سواری کے ذرائع سمیت جتنی بھی ضروریات ہیں سب کی سب کیسے وجود میں آتی تھیں؟ کیسے سب خلق ہوتا تھا؟ تب خلق کیسی تھی؟ تو جو کچھ بھی تب تھا اور جیسا تھا وہ تھی فطرت جس پر قائم ہونے سے جس سے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے یہاں تک کے ذرے ذرے میں سلم آ جائے گا اگر کہیں کوئی نقص، خامی، خرابی، فساد انسانوں نے کر بھی دیا تو فطرت ہی واحد ایسا رستہ ہے جس پر چلنے سے جس پر قائم ہونے سے خرابیاں دور ہو جائیں گے نقائص دور ہو جائیں گے اور اصلاح ہو جائے گی۔

اور اگر فطرت پر قائم ہونے کی بجائے یعنی لوگوں کی جو بھی ضروریات ہیں ان کے حصول کے لیے فطرت پر انحصار کرنے کی بجائے فطرت میں تبدیلی کی جائے گی، جیسا فطرت مہیا کرتی ہے اس میں کوئی بدلاؤ کیا جائے گا کسی بھی سطح پر اس میں تبدیلی کی جائے گی، کسی بھی خلق کو اس کے مقام سے ہٹایا جائے گا تو پھر ایسا ممکن ہی نہیں کہ وہ سلامت رہے بلکہ پھر اس میں سلم نہیں رہے گا اس میں خرابیاں ہو کر وہ شئے تباہ و برباد ہو جائے گی، فطرت میں تبدیلیاں کرنے سے فساد ہو گا جس سے طرح طرح کی تباہیاں آئیں گی کسی شئے میں بھی سلم نہیں رہے گا آسمانوں زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے جن پر انسان کو اختیار دیا گیا سب کے سب میں فساد ہو کر ہلاکتیں و تباہیاں آئیں گی کسی میں بھی سلم یعنی سلامتی پرفیکشن نہیں رہے گی یہی اللہ نے آیت میں آگے واضح کر دیا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ نہیں تبدیلی اللہ کی خلق کے لیے یعنی اللہ نے جو بھی جیسا بھی خلق کیا اور خلق کرتا ہے اس میں رائی برابر بھی تبدیلی ممکن نہیں، اگر تبدیلی ممکن ہوتی تو اللہ اسے ویسا ہی خلق کرتا لیکن اللہ نے جو کچھ بھی خلق کیا اور جیسا بھی خلق کیا اس میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی اگر اس کے باوجود کوئی تبدیلی کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ کی خلق کو بدلتا ہے تو اللہ کی خلق بدلے گی تو نہیں مگر اس میں فساد ہو کر تباہ ہو جائے گی، اس لیے خواہ کچھ ہی کیونکہ ہو جائے تم نے اپنی ضروریات کے لیے فطرت پر ہی انحصار کرنا ہے اللہ کو علم ہے کہ جیسے وہ خلق کر رہا ہے اس سے تیز رفتار اور زیادہ بھی خلق کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے باوجود اگر اللہ تیز رفتاری سے اور زیادہ نہیں اگا رہا تو ضرور اس کی کوئی نہ کوئی وجوہات ہیں اللہ العزیز الحکیم ہے اللہ نے میزان یعنی توازن قائم کیا ہے اگر اللہ کی خلق میں کسی بھی سطح پر رائی برابر بھی تبدیلی کی جائے گی تو توازن بگڑ جائے گا اس لیے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے تمہیں ہر لحاظ سے فطرت پر ہی انحصار کرنا ہے فطرت جو کھانے کو مہیا کرے اسے ہی کھانا ہے، جو پینے کو مہیا کرے اسے پینا ہے، جو سواری کے ذرائع فراہم کرے انہی پر انحصار کرنا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ فطرت میں تبدیلیاں کرنا شروع کر دو اگر ایسا کرو گے تو اللہ کی خلق کے لیے تبدیلی ہے ہی نہیں اللہ کی خلق بدلے گی تو نہیں البتہ اس میں خرابیاں ہو کر تباہ ہو جائے گی اور نقصان تمہارا اپنا ہی ہو گا تم خود ہی ہر لحاظ سے ہلاکت کا شکار ہو گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آج کوئی ہے جسے یہ علم ہو کہ دین تو فطرت پر قائم ہونا تھا دین الاسلام تو فطرت پر قائم ہونا تھا ہر طرف سے کٹ کر؟ تو جواب بالکل واضح ہے کہ کسی کو بھی علم نہیں اور اسی کا اللہ نے آگے اسی آیت میں ذکر بھی کر دیا ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ وہ تھا جو دین ہے جسے قائم کیا جانا ہے جس پر قائم ہونا ہے تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا اس کے لیے قائم ہونے کے لیے دیا گیا تھا نہ کہ فطرت میں چھیڑ چھاڑ کرنے کے لیے دیا گیا، اللہ کی خلق میں تبدیلیاں کرنے کے لیے دیا گیا جو کہ آج تم کر رہے ہو آج جسے تم دین سمجھ رہے ہو اور دین کا نام دے کر اللہ کی خلق میں تبدیلیاں کر رہے ہو یہ دین ہے ہی نہیں ہم نے یعنی اللہ نے کبھی بھی اسے دین نہیں کہا یہ تمہاری اپنی خواہشات ہیں تمہارا اپنا افتراء ہے اللہ اور اس کے رسولوں پر وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ اور لیکن زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کا علم ہی نہیں ہے کہ دین الاسلام فطرت پر قائم ہونا ہے اللہ کی خلق جیسے تھی ویسے ہی رہنے دینی ہے اللہ کی خلق میں تبدیلیاں نہیں کرنی، اکثریت کو علم ہی نہیں کہ دین فطرت تھی کیوں کہ غور وفکر ہی نہیں کر رہے۔

اگر کوئی غور وفکر کرے تو وہ جان جائے گا کہ دین کیا ہے اور جب غور وفکر کیا ہی نہیں جائے گا اللہ نے جو سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں دیں جو دل دیئے انہیں اس مقصد کے لیے استعمال ہی نہیں کیا جائے گا جس مقصد کے لیے یہ سب دیا گیا تو ظاہر ہے کیسے علم ہو پائے گا کہ دین کیا ہے بلکہ پھر تو نظر آنے میں بشر ہوں گے لیکن حقیقت میں اللہ کے قانون میں ایسے تمام کے تمام بندر و خنزیر ہیں جو تمام مخلوقات کے لیے شر ہیں یعنی نقصان پہنچانے والے جن سے نفع کی رائی برابر بھی امید نہیں کی جا سکتی۔

آپ پر بالکل کھول کر واضح کر دیا گیا کہ دین فطرت ہے اور فطرت کہتے ہیں کہ اللہ نے جیسے اور جن قوانین کے تحت تمام کی تمام مخلوقات کو خلق کر کے جس جس مقام پر رکھ دیا جس جس لائن پر لگا دیا سب کی سب مخلوقات اسی پر قائم رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری پوری کریں۔ جس سے تمام مخلوقات کی نہ صرف تمام کی تمام ضروریات بھی پوری ہوں گی بلکہ سب کی سلامتی اور بقاء بھی اسی سے مشروط ہو گی بالکل اسی طرح انسان نے بھی خود کو انہی حدود کے اندر رکھنا ہے جن کا تعین اللہ نے کر دیا، اسی لائن پر قائم ہونا ہے اسی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے جس کے لیے اسے وجود میں لایا گیا ہر لحاظ سے خود کو اسی کا محتاج بنانا ہے۔ خود سے اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کرنا اپنی تمام تر ضروریات اسی نظام سے حاصل کرنا ہیں جو اللہ نے وضع کر دیا یعنی تمام کی تمام مخلوقات اپنی اپنی لائن پر قائم رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری پوری کریں گی تو انسان سمیت تمام مخلوقات کی تمام تر ضروریات وجود میں آئیں گے۔ جیسے انسان کی تمام ضروریات سفر کے ذریعے کے لیے اللہ نے اسی نظام سے گدھے، گھوڑے، خچر اور اونٹ وغیرہ خلق کیے، کھانے کے لیے فصلیں، پھل، سبزیاں وغیرہ۔ جب تک کوئی خود کو فطرت پر قائم نہیں کر لیتا وہ دنیا و آخرت میں خسارے و ہلاکت کا شکار ہو گا خواہ وہ دنیا میں کسی بھی لفظ سے پکارا یا جانا جاتا ہو۔ مسلمان، ہندو، یہودی، عیسائی یا کچھ بھی۔ یہ تمام کے تمام دائرے انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں اللہ کے نہیں اور انسانوں کے لگائے ہوئے دائروں کی بنیاد پر اللہ اپنے فیصلے نہیں کرے گا۔ اللہ نے بالکل کھول کر واضح کر دیا کہ دین الاسلام کیا ہے یعنی تم انسانوں سمیت تمام کی تمام مخلوقات کی سلامتی اسی میں ہے کہ اللہ نے جیسا اور جس مقصد کے لیے تمہیں خلق کیا بالکل ویسے ہی رہو اسی مقصد کو پورا کرو یعنی ہر طرف سے کٹ کر مکمل طور پر فطرت پر قائم ہو جاؤ یہی اصل دین ہے فطرت پر قائم ہونے سے ہی سلامتی ہے جسے الاسلام کہا گیا۔ اگر کوئی فطرت پر قائم ہے خواہ دنیا میں اسے لوگ ہندو، عیسائی، یہودی یا کسی بھی لفظ سے جانتے یا پکارتے ہوں وہ اللہ کے قانون میں مومن ہے اور جو فطرت پر قائم ہونے کی بجائے فطرت کے مقابلے پر مصنوعی اشیاء پر توکل کریں، انہی مشینوں پر توکل کریں گے وہ اپنے نام کیساتھ خواہ کتنا ہی بڑا مسلم یا مومن کیوں نہ لکھوا لیں وہ اللہ کے قانون میں بدترین مشرک ہیں۔ ہندو، یہودی، عیسائی، بدھ، سکھ اور مسلم وغیرہ لفظ کی بنیاد پر قطعاً کوئی فیصلہ نہیں ہو گا۔

اب جبکہ یہ بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ دین فطرت ہے جس کا آج کسی کو علم ہی نہیں اور جب کسی کو دین کا ہی علم نہیں تو وہ یہ کیسے جان سکتا ہے یا فیصلہ کر سکتا ہے کہ مدینہ کیا ہے اور کیا نہیں؟ جسے دین کا ہی علم نہیں وہ ہرگز نہ ہی یہ جان سکتا ہے کہ مدینہ کیا ہے اور نہ ہی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کونسا خطہ مدینہ ہے یا نہیں۔ اگر اکثریت کسی بستی کو کسی قریہ کو مدینہ کہتی ہے یا پوری دنیا میں کوئی شہر جو کہ قریہ ہے وہ مدینہ لقب سے مشہور ہو چکا ہو تو اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اللہ کے قانون میں بھی مدینہ ہے وہ واقعتاً مدینہ ہی ہے، نہیں وہ مدینہ نہیں بلکہ وہ قریہ ہے۔ بے شک پوری دنیا اسے مدینہ کہتی پکارتی اور مدینہ لقب سے جانتی ہے یہ اس کے مدینہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

دین الاسلام کی موجودگی کسی مقام، جگہ، خطے یا علاقے وغیرہ کا فطرت پر ہونا ہے یا وہاں کے باشندوں کا فطرت پر قائم ہونا ہے تو لفظ ''دین'' کے شروع میں ''م'' آجانے سے جملہ بن جاتا ہے ''مدین''۔ ''م'' اپنے آپ میں مکمل لفظ ہے جس کے معنی ہیں شئے کا موجود ہونا جس کا ذکر کیا جارہا ہے اس کا موجود ہونا یعنی ''م'' مذکور کی موجودگی کا اظہار کرتا ہے مثلاً جو یا وہ وغیرہ لفظ ''دین'' کے شروع میں ''م'' کا استعمال ''دین'' کی موجودگی کو ظاہر کرتا ہے اور دین کی موجودگی دین کا قائم ہونا ہے یوں ''مدین'' کے معنی بنتے ہیں دین موجود ہے اور دین کی موجودگی دین کا قائم ہونا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہاں دین موجود ہے؟ کس خطے، گاؤں، بستی، شہر، علاقے یا ملک وغیرہ کی بات ہو رہی ہے کہ کہاں دین موجود ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے ''مدینہ'' میں مدین کے آگے گول والی ''ۃ'' کا استعمال کیا گیا اور ''ۃ'' شئے کا مذکور کی طرف اشارہ کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے یعنی جملہ ''مدینہ'' میں ''ۃ'' اس مقام کی طرف اشارہ کرتی ہے جہاں دین قائم ہو۔

''مدینہ'' کے معنی ہیں کہ وہ مقام، وہ خطہ، علاقہ، بستی، شہر، گاؤں یا ملک وغیرہ جہاں دین قائم ہے اور دین فطرت ہے یوں مدینہ کہ معنی بنتے ہیں وہ خطہ یا علاقہ وغیرہ جو فطرت پر ہے جہاں سب کا سب فطرت پر ہے کچھ بھی غیر فطرتی نہیں اور نہ ہی وہاں فطرت میں کوئی چھیڑ چھاڑ کی جا رہی ہے۔ یہ ہیں مدینہ کے معنی اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا گیا جو کہ قرآن میں اس کی ضد کے طور پر اللہ نے استعمال کیا ہے وہ ہے ''قریۃ یا قریہ''.

''قریہ'' کا مادہ ''قر'' ہے جس کے معنی ایک شئے پر کسی دوسرے شئے کے ٹکرانے سے وضع ہونے والے ردعمل کو۔ عربی میں دروازے پر دستک دینے کو بھی ''قر'' کہتے ہیں اور اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ دروازے پر ہاتھ یا کسی شئے کو ٹکرایا جاتا ہے جس سے آواز کی صورت میں ردعمل کا اظہار ہوتا ہے جسے قر کہتے ہیں۔ اسی لفظ سے ''قریہ'' بنا ہے، اسی سے ''اقرا''، اسی سے ''قرات'' اور اسی سے قرآن بھی بنا ہے۔

''قر'' یعنی قرا۔ آپ کے سامنے کتاب پڑھی ہوتی ہے یا کچھ لکھا ہوتا ہے یا پھر علم کسی بھی صورت میں موجود ہو تو جہاں یا جس میں علم موجود ہو اس پر آپ کی

نظر ٹکراتی ہے اور ردعمل کی صورت علم آپ کے پاس آتا ہے یا حلق سے آواز پیدا ہوتی ہے اسے ''قر یعنی قرا'' کہتے ہیں۔

''قریہ'' کہتے ہیں کسی ایسے گاؤں، شہر، بستی، علاقے یا خطے کو جو اللہ کے کلام یعنی اللہ کے احکامات کے سامنے اپنی آواز بلند کریں یعنی اگر اللہ کسی کام کے کرنے کا حکم دے رہا ہے تو وہ اس کے ردعمل میں نہ صرف انکار کر دیں بلکہ اللہ کے مقابلے پر اپنی آواز بلند کریں اپنے اعمال کا اظہار کریں کہ نہیں ہم تو وہ کریں گے جو ہم چاہتے ہیں۔ جملہ ''قریہ'' میں ''ۃ'' اس طرف اشارہ کرتا ہے جہاں کے رہنے والے اللہ کے مقابلے پر اپنی آواز بلند کرتے ہیں اللہ کے مقابلے پر اپنے مفسد اعمال کا اظہار کرتے ہیں۔

اللہ کے مقابلے پر اپنی آواز بلند کرنے والے گاؤں، شہر، بستی، علاقے یا خطے کو قریہ کہتے ہیں یا اس سے بھی آسان ترین معنی یہ ہیں کہ جہاں اللہ کا دین قائم نہ ہو یعنی وہ علاقہ، وہ خطہ جہاں فطرت کی بجائے اس کی ضد ہو، فطرت کی بجائے مصنوعی اشیاء پر انحصار کیا جائے، مصنوعی اشیاء سے ہی اپنی ضروریات کو پورا کیا جائے، زندگی گزارنے کے لیے انہی پر توکل کیا جائے، فطرت میں چھیڑ چھاڑ کی جائے، فطرت میں تبدیلیاں کی جائیں اس مقام، خطے، علاقے، گاؤں، بستی، شہر یا ملک کو ''قریہ'' کہتے ہیں۔

روایات میں الدجّال کے مدینہ میں نہ داخل ہونے سے مراد سعودی عرب کے شہر یثرب کو لیا جاتا ہے کہ الدجّال سعودی عرب کے شہر ''بلد'' یثرب میں داخل نہیں ہو پائے گا کیونکہ وہ مدینہ ہے یہ بالکل غلط تصور ہے اس کا حقیقت سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک ایسا جھوٹ ہے جسے اتنا عام کیا گیا کہ اس جھوٹ کے بولنے والے خود بھی اس کا شکار ہو گئے وہ بھول گئے کہ مدینہ کے معنی ہیں کیا اور وہ خود بھی اسے ہی مدینہ سمجھ بیٹھے اور انہی کی اس غیر ذمہ داری نے ان کے اس جرم نے اکثریت کو گمراہ کر دیا اکثریت کے نزدیک مدینہ سعودی عرب کا شہر یثرب ہے۔

جسے آج مدینہ کہا اور سمجھا جاتا ہے اس کا نام یعنی لقب یثرب ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ مدینہ ہے یا قریہ تو اس کا جواب بھی بالکل واضح ہے کہ اگر تو وہاں دین الاسلام قائم ہے جو کہ فطرت ہے تو وہ مدینہ کہلائے گا اور اگر وہاں دین الاسلام جو کہ فطرت ہے قائم نہیں ہے تو وہ مدینہ نہیں بلکہ مدینہ کی ضد، اسی سے اس کا جوڑا ''قریہ'' ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سعودی عرب کا شہر یثرب مدینہ نہیں تو پھر اسے مدینہ کب اور کیوں کہا گیا؟ اور کیوں مدینہ لقب سے ہی عام ہو گیا؟

سب سے پہلے آئیں اس طرف کہ یثرب کو مدینہ کب کہا گیا؟

محمد علیہ السلام کی مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کے بعد یثرب کو مدینہ کہا گیا۔

یثرب کو مدینہ کیوں کہا گیا؟

محمد علیہ السلام کی مکہ سے یثرب ہجرت سے پہلے یثرب میں دین الاسلام جو کہ فطرت ہے قائم نہیں تھا اس لیے اس وقت یثرب قریہ تھی لیکن جب محمد علیہ السلام نے یثرب کی طرف ہجرت کی تو وہاں دین قائم کر دیا تو وہ قریہ سے مدینہ بن گیا جس وجہ سے یثرب کو مدینہ کہا گیا لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس کا نام یعنی لقب تبدیل کر دیا گیا بلکہ نام اس کا وہی تھا جو پہلے تھا یعنی ''یثرب'' اور تب تک رہے گا جب تک کہ اس کا نام یعنی لقب تبدیل نہ کر دیا جائے۔ یہ بات جان لیں جو کہ انتہائی اہم ہے ''مدینہ یا قریہ'' یہ نام نہیں ہیں یعنی یہ کسی کو مخاطب کرنے کے لیے القاب نہیں ہیں بلکہ یہ اسماء ہیں جنہیں ایک مثال سے آپ پر واضح کرتے ہیں۔

مثلاً آپ کا ایک بیٹا ہو جس کا نام یعنی لقب عمران ہے۔ اب اگر تو وہ اللہ کی غلامی کرے گا تو وہ مومن یا مسلم کہلائے گا اور اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی غلامی کرے گا تو وہ مومن یا مسلم نہیں بلکہ مشرک و کافر کہلائے گا۔ یعنی ایک شخص جس کا نام عمران ہے لوگ اسے عمران لقب سے جانتے پہچانتے اور پکارتے ہیں اگر تو وہ اللہ کے دین پر قائم ہے تو وہ مومن یا مسلم ہوگا اور اگر وہ اللہ کے دین پر قائم نہیں تو وہ مشرک و کافر ہوگا۔ اب مومن و مسلم یا مشرک و کافر کسی کی کنیت، لقب یعنی نام نہیں ہیں نہ ہو سکتے ہیں بلکہ یہ کردار ہے یعنی صفات ہیں، خصوصیات و صلاحیتیں ہیں جو کسی میں پائی جاتی ہیں جنہیں عربی میں اسم اور اس کی جمع اسماء کہتے ہیں۔

بالکل اسی طرح زمین میں مجموعی سطح پر جہاں دین حق الاسلام یعنی فطرت قائم ہوگا اس خطے کا نام یعنی لقب جو بھی ہو وہ مدینہ ہوگا اور اگر وہاں دین حق اسلام جو کہ فطرت ہے قائم نہیں ہے تو وہ قریہ ہوگی نہ کہ مدینہ خواہ اس خطے کا کوئی بھی نام یعنی لقب ہو۔ اور نام یعنی لقب اس کا جو ہوگا وہی رہے گا یہاں تک کہ تبدیل نہ کر دیا جائے لیکن قریہ یا مدینہ اس کا نام نہیں ہوگا بلکہ اس کا اسم ہوگا یعنی یہ صرف اور صرف صفت ہوگی جب تک اس میں پائی جائے گی۔ اس کے علاوہ کسی بھی بستی کو مدینہ اس وقت کہا جا سکتا ہے جس کے رہنے والے مومن ہوں اور وہاں اللہ کے دین کا قیام چاہتے ہوں مگر اس میں ایسے حکمران طاقت کے بل پر مسلط ہو جائیں جو اللہ کے ساتھ کفر کرنے والے ہوں۔

مدینہ کیا ہے بالکل کھول کھول کر واضح کر دیا گیا، اب حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود اگر کوئی بضد رہے کہ نہیں مدینہ صرف اور صرف یثرب ہی ہے جو سعودی عرب میں ہے تو پھر لاتعداد سوالات پیدا ہوتے ہیں جو کہ ایسے انسان پر لازم ہے کہ وہ ایسے تمام تر سوالات کے جواب دے کر مطمئن کر دے اور اگر وہ مطمئن نہیں کر سکتا تو بلاشک وشبہ وہ باطل پر ہے جو محض اپنی خواہشات کی اتباع کر رہا ہے جس کا حق کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق واسطہ نہیں۔

مثلاً قرآن میں مجموعی طور پر ۱۴ مقامات پر اس جملہ ''مدینہ'' کا استعمال ہوا۔

۱: الاعراف ۱۲۳، ۲: التوبہ ۱۰۱، ۳: التوبہ ۱۲۰، ۴: یوسف ۳۰، 5: الحجر ۶۷، ۶: الکھف ۱۹، ۷: الکھف ۸۲، ۸: النمل ۴۸، 9: القصص ۱۵، ۱۰: القصص ۱۸، ۱۱: القصص ۲۰، ۱۲: الاحزاب ۶۰، ۱۳: یٰس ۲۰، ۱۴: المنافقون ۸.

ویسے تو ہم ان چودہ کے چودہ مقامات پر بات کر سکتے ہیں لیکن اس سے ایک تو موضوع وسیع ہو جائے گا اور دوسری بات یہ کہ سب مقامات پر بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس لیے ہم صرف ان چند مقامات پر بات کریں گے جو نہ صرف ہمارے موضوع کا احاطہ کریں بلکہ حق بالکل کھل کر واضح ہو جائے کسی کے لیے کوئی عذر یا بہانہ نہ رہے کوئی سوال سوال نہ رہے۔

قَالَ فِرۡعَوۡنُ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَكُمۡ اِنَّ هٰذَا لَمَكۡرٌ مَّكَرۡتُمُوۡهُ فِى الۡمَدِيۡنَةِ لِتُخۡرِجُوۡا مِنۡهَاۤ اَهۡلَهَا فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ .

الاعراف ۱۲۳

کہا فرعون نے تم ایمان لے آئے اس کے ساتھ اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دیتا، اس میں کچھ شک نہیں یہ تو موسیٰ کیساتھ تم سب کی منصوبہ بندی ہے جو منصوبہ بندی کر رہے ہو تم مدینہ میں اس کے جو اہل ہیں یعنی آل فرعون انہیں نکالنے کے لیے، پس جلد ہی تم اپنے اس کیے کا جان لو گے۔
اس آیت میں اللہ نے مدینہ کا بالکل واضح ذکر کیا ہے۔ مدینہ کا استعمال فرعون نے اپنی زبان سے نہیں کیا تھا یہ تو اللہ نے قرآن میں استعمال کیا ہے اور اس کے استعمال کا مقصد یہ ہے کہ جب فرعون نے یہ کہا تھا تب اللہ کے قانون میں مصر قریہ نہیں بلکہ مدینہ بن چکا تھا۔ مصری قوم تو پہلے ہی ایمان لا چکی تھی لیکن فرعون کے سامنے کسی نے اس کا اقرار نہیں کیا تھا اور جب موسیٰ اور اس کا عصاء جو کہ ان لوگوں پر مشتمل جماعت تھی جو بڑے بڑے سائنسدان ومختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے تھے موسیٰ کی دعوت کو تسلیم کر کے موسیٰ کا ساتھ دے رہے تھے اور جب موسیٰ اور اس کا عصاء یعنی اس کی جماعت کا فرعون کی جماعت یعنی حکومتی سائنسدانوں کی ٹیم کے ساتھ مذاکرہ ہوتا رہا تو فرعون کی حکومتی سائنسدانوں کی ٹیم موسیٰ اور اس کی جماعت کے سامنے باطل ثابت ہوگئی جس پر ان لوگوں نے بھی اقرار کر لیا کہ موسیٰ اور اس کی جماعت بالکل سچے ہیں ہم اصلاح نہیں بلکہ زمین میں فساد کر رہے ہیں المیز ان میں خسارہ کر رہے ہیں، یہ ٹیکنالوجی، یہ ایجادات، فصلوں میں ان کے بیجوں میں چھیڑ چھاڑ، بادلوں میں چھیڑ چھاڑ یہ سب کا سب فساد ہے ہمیں یہ سب نہیں کرنا چاہیے اور حکومت کو بھی اسے ترک کر دینا چاہیے تو فرعون کو بہت ناگوار گزرا۔

فرعون اور اس کے حواریوں نے کہا کہ یہ سب آل فرعون کے خلاف پہلے سے کی گئی منصوبہ بندی ہے تا کہ آل فرعون جو کہ مصر کے اہل ہیں انہیں یہاں سے نکال دیا جائے اور موسیٰ کیساتھ مل کر مصر پر قبضہ کر لیا جائے اقتدار سنبھال لیا جائے۔ حکومتی کمیٹی میں شامل جن سائنسدانوں نے موسیٰ کی باتوں کو حق قرار دیا ہے یہ ریاست کے ساتھ بغاوت ہے جس کی سزا دی جائے گی ان سب کے خلاف ریاست سے بغاوت اور غداری کا مقدمہ درج کیا جائے گا۔
فرعون نے جب یہ کہا تھا تب فرعون نے مدینہ کے الفاظ کا استعمال نہیں کیا تھا کیونکہ مدینہ تو عربی کا جملہ ہے اور فرعون یا مصر کی زبان عربی نہیں تھی یہ لفظ تو بعد میں اللہ نے العزیز الحکیم ہونے کے ناطے استعمال کیا کہ جب فرعون نے یہ کہا تھا تب اللہ کے نزدیک مصر مدینہ بن چکا تھا جس وجہ سے آل فرعون جو کہ مشرک وکافر تھے مفسدون فی الارض تھے اس کا حصہ نہیں رہے تھے اور آل فرعون پر اللہ کا عذاب یعنی جو کچھ فساد انہوں نے کیا تھا اس کی وجہ سے عذاب آنے ہی والا تھا لیکن انہیں اس کا ادراک نہیں تھا۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ مدینہ میں کوئی منافق وکافر نہیں رہ سکتا اس لیے آل فرعون کو بھی مدینہ سے نکال کر غرق کر دیا گیا۔
بہر حال آیت میں لفظ مدینہ کا استعمال ہوا ہے جو کہ سب جانتے ہیں کہ اس مدینہ سے مراد مصر ہے جہاں اس سے پہلے آل فرعون کی حکومت تھی نہ کہ حجاز کا شہر جس کا نام یثرب ہے جسے آج اکثریت مدینہ قرار دینے پر بضد ہے حالانکہ یثرب آج قریہ میں سے ایک قریہ ہے۔ اب وہ لوگ جو یثرب کو ہی مدینہ سمجھتے ہیں ان سے سوال ہے کہ کیا اس وقت مصر کا نام مدینہ تھا؟ یا پھر مدینہ تو عربی کے الفاظ ہیں مصر کا نام مدینہ نہیں تھا بلکہ اللہ نے اس کے لیے اس وقت مدینہ کا لفظ استعمال کیا جب اللہ کے قانون میں وہ مدینہ بن گیا۔ اور یثرب کو مدینہ قرار دینے والوں سے یہ بھی سوال ہے کہ اگر مدینہ سعودی عرب کے شہر یثرب کا نام ہے یہی مدینہ ہے تو کیا یہاں آل فرعون کی حکومت قائم تھی؟ بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ مدینہ لقب یا کنیت نہیں یعنی نام نہیں جس سے کسی خطے، علاقے، شہر یا بستی وغیرہ کو جانا پہچانا یا پکارا جاتا ہے بلکہ مدینہ اسم ہے اسم کہتے ہیں خصوصیات وصفات کو، جہاں یہ اسم یعنی دین موجود ہو یہ خصوصیات وصفات موجود ہوں یعنی جو خطہ فطرت پر ہو اسے مدینہ کہا جائے گا وہ مدینہ ہے نہ کہ سعودی عرب کا شہر یثرب مدینہ ہے۔
حق اس قدر کھل کر واضح ہو جانے کے باوجود بھی اگر کوئی نہیں مانتا تو پھر ایسوں سے سوال ہے کہ اگر تو مدینہ سے مراد یثرب ہی ہے تو پھر یہ کون سا مدینہ تھا جس کا درج ذیل آیت میں ذکر ہے؟

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ یوسف ۳۰

یہ سورت یوسف کی آیت ہے اور اس آیت میں بھی اللہ نے مدینہ کے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ عربی کے الفاظ مدینہ کا استعمال کر کے اللہ نے یہ واضح کر دیا کہ اس وقت مصر میں اللہ کا دین قائم تھا یعنی جب یوسف کو مصر میں اقتدار حاصل ہونے والا تھا تب مصر مدینہ تھا ایسا خطہ تھا جہاں دین قائم تھا وہاں کہ باشندے مومن تھے۔ اہل مصر ایمان والوں کا خطہ تھا نہ کہ مشرکین وکفار کا اور اس وقت مصر کے حاکم مومن تھے۔
ان حقائق سے ان لوگوں کے یوسف علیہ السلام پر لگائے جانے والے الزامات کی بھی قرآن نے تردید کر دی جو یہ کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے ایک کافر

حکومت میں خود کہہ کر وزارت حاصل کی جو کہ نہ صرف اللہ کے رسول یوسف علیہ السلام پر بہتان عظیم ہے بلکہ اللہ پر بھی بہتان عظیم کہ ایک طرف قرآن میں اللہ یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی کی کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' اور دوسری طرف اللہ کا رسول خود ہی ایک ایسی حکومت میں وزارت حاصل کرتا ہے جو حکومت اللہ کے بجائے شیطان کی غلام ہے مشرک و کافر حکومت ہے؟

نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جب یوسف کو مصر میں اقتدار حاصل ہوا تب مصر قریہ نہیں بلکہ مدینہ تھا تب مصر کے حکمران مومن تھے اور کئی صدیوں بعد آہستہ آہستہ آل فرعون مفسد بن گئے۔

بہرحال جب آپ نے عربی کے الفاظ مدینہ کو سمجھ لیا تو آپ پر دین کے لاتعداد معاملات کھل کر واضح ہو جائیں گے بہت سے سوالات کے خود بخود جوابات مل جائیں گے۔ اب حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی کوئی اس پر بضد رہے کہ نہیں سعودی عرب کا شہر یثرب ہی مدینہ ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یوسف علیہ السلام کیساتھ یہ واقعہ اسی مدینہ میں پیش آیا تھا جو سعودی عرب کا شہر ہے جس کا نام یثرب ہے؟ کیا یوسف کو سعودی عرب کے شہر یثرب میں اقتدار حاصل ہوا تھا؟ کیا یوسف سعودی عرب کے شہر یثرب میں پہنچا تھا؟

پھر اسی طرح درج ذیل آیت میں بھی دیکھ لیں۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا. الکهف ۱۹

اس آیت میں اصحاب الکہف کے بارے میں بیان کیا گیا ہے اور اس آیت میں بھی اللہ نے عربی کے الفاظ مدینہ کا استعمال کیا ہے۔ اصحاب الکہف نے نہیں کہا کہ کاغذ کی کرنسی کیساتھ ایک کو مدینہ میں بھیجو بلکہ یہ تو اللہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے کہا یعنی یہ تو قرآن میں اللہ کے الفاظ ہیں، اصحاب الکہف کی نہ تو عربوں کی زبان عربی تھی اور نہ ہی انہوں نے عربی کے الفاظ مدینہ کا استعمال کیا بلکہ انہوں نے تو اپنی زبان میں بات کی اور اپنے علم کی بنیاد پر کی انہیں تو علم ہی نہیں تھا کہ جس قریہ سے وہ بھاگے وہ مدینہ بن چکا۔ ان کے الفاظ کیا تھے آیت کے آخری حصے اور اگلی آیت سے بالکل کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ اصحاب الکہف نے کہا تھا کہ قریہ کی طرف بھیجو کیونکہ وہ قریہ سے ہی تو فرار ہوئے تھے اور اگر قریہ نہ سمجھ رہے ہوتے تو یہ الفاظ استعمال نہ کرتے کہ پاکیزہ کھانا دیکھے اور نہ ہی محتاط رہنے کا کوئی جواز تھا۔

مدینہ کے الفاظ کا اللہ نے استعمال کیا۔ اصحاب الکہف کو تو اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ وہ کتنی مدت ٹھہرے ان کا تو یہی گمان تھا کہ حسب سابق جیسے رات کو سوتے ہیں اسی طرح دن کو سو گئے جو زیادہ سے زیادہ ایک یا ایک دن سے بھی کم وقت تھا اور ظاہر ہے ایک دن یا ایک دن کے کچھ حصے میں باہر حالات تو بدلنے والے نہیں تھے انہوں نے قریہ سے ہجرت کی تھی تو وہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مدینہ کی طرف بھیجو بلکہ یہ تو اللہ ان کی تاریخ اس قرآن میں بتا رہا ہے آیات سے کہ وہ جتنا عرصہ ٹھہرے اس دوران قریہ مدینہ میں بدل چکی تھی یعنی وہاں اللہ کا دین قائم ہو چکا تھا۔

بہرحال اس کی تفاصیل تو اپنے موضوع کے تحت ہی آئیں گی لیکن جو بات ہمارے موضوع سے تعلق رکھتی ہے وہ یہ کہ اس آیت میں بھی اللہ نے عربی کے الفاظ مدینہ کا استعمال کیا۔ اگر مدینہ سے مراد سعودی عرب کا شہر یثرب ہی ہے تو کیا اصحاب الکہف کا واقعہ بھی موجودہ سعودی عرب کی قریہ یثرب جس کو مدینہ کہنے پر بضد ہیں میں پیش آیا تھا؟

کیونکہ اگر مدینہ سے مراد سعودی عرب کا شہر یثرب ہی ہے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ اصحاب الکہف کا واقعہ بھی وہیں پیش آیا؟

لیکن جب کہ الحمدللہ شروع میں ہی تفصیل سے واضح کیا جا چکا کہ مدینہ کے معنی کیا ہے اس لیے حق بالکل کھل کر واضح ہو چکا ہے اور اگر کوئی علم کی بجائے قیاس سے کام لے گا تو پورے کا پورا دین ہی بدل جائے گا وہ جہالت کی پستیوں میں چلا جائے گا اور اسے اس کا شعور تک نہیں ہوگا۔

پھر مزید درج ذیل آیت میں دیکھیں۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا . الکهف ۸۲

یہ سورت الکہف میں موسیٰ علیہ السلام اور اللہ کے ایک غلام کا واقعہ ہے جس میں وہ ایک قریہ میں دیوار کو دوبارہ تعمیر کرتے ہیں کیونکہ وہ گرنے والی ہوتی ہے۔ اللہ

کے غلام نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی تاویل انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو بعد میں بتائی۔سورت الکھف میں یہ واقعہ بھی انتہائی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اس میں اللہ کے بہت سے راز پوشیدہ ہیں جو ابھی ہمارا موضوع نہیں ہے۔

اس آیت میں بھی اللہ نے عربی کے الفاظ مدینہ کا استعمال کیا ہے اگر مدینہ سے مراد سابقہ حجاز موجودہ سعودی عرب کی بستی یثرب کو لیا جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ واقعہ بھی وہیں پیش آیا تھا جسے آج مدینہ کہا جاتا ہے اور لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کر دیا گیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ سعودی عرب کا شہر یثرب آج قریہ میں سے ایک قریہ ہے بلکہ ام القریہ ہے یعنی ایسی بستی جہاں اللہ کا دین نہیں بلکہ شیطان کا دین قائم ہے جہاں الدجّال دھندناتا پھر رہا ہے جسے آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں پورے کا پورا شہر ہی مصنوعی ہے فطرت کا تو وہاں نام ونشان بھی نہیں ہے اب جہاں فطرت نہیں یعنی دین ہی نہیں تو وہ مدینہ کیسے ہو گیا؟ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی اللہ کا شریک بہت بڑا مشرک اپنا لقب یعنی نام مومن رکھ لے اور لوگ اسے نہ صرف مومن کہہ کر پکاریں اسے مخاطب کریں بلکہ اسے حقیقت میں مومن مان لیں۔ مدینہ کیا ہے حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ پر واضح کر دیا گیا جسے دنیا کی کوئی طاقت غلط ثابت نہیں کر سکتی۔

اب آپ خود دیکھئے کہ محمد علیہ السلام نے خود اسے آج سے چودہ صدیاں قبل نہ صرف اس کے نام یثرب سے پکارا بلکہ اس وقت اسے یعنی یثرب کو قریہ قرار دیا اور پھر جب قریہ نہ رہی وہاں دین قائم ہو گیا تو اسے مدینہ قرار دیا۔ یعنی یثرب کو کب اور کیوں مدینہ کہا گیا اسے محمد علیہ السلام کے الفاظ سے ہی جان لیجئے۔

قال رسول الله ﷺ امرت بقرية تاكل القرى يقولون يثرب وهى المدينة تنفيى الناس كما ينفيى الكير خبث الحديد. مسلم

کہا رسول اللہ ﷺ نے: مجھے امر ہوا ہے یعنی مجھے جو کرنے کا کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ میں قریہ سے قریہ کو ہجرت کروں یعنی ایک قریہ جس میں موجود ہوں جسے مکہ کہا جاتا ہے سے دوسری ایسی قریہ کی طرف ہجرت کروں جو کہ کھا جائے گی تمام قریہ کو، کہا جاتا ہے اسے یثرب اور حالانکہ وہ مدینہ ہے، مدینہ لوگوں کی ایسے چھانٹی کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کا خبث اس سے دور کر دیتی ہے یعنی جیسے آگ کی بھٹی لوہے کو ایسے تپاتی ہے کہ اس کا سارا زنگ اس سے نکال کر دور کر کے لوہے کو خالص کر دیتی ہے۔

یہ محمد علیہ السلام کے مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت سے پہلے کے الفاظ ہیں جب اللہ کی طرف سے محمد علیہ السلام کو مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کا کہا گیا۔ تو غور کریں ہجرت سے پہلے یثرب کو محمد علیہ السلام نے قریہ کہا اور ایسی قریہ جو تمام قریہ کو کھا جائے گی یعنی آس پاس کی جتنی قریہ ہیں ان کو یا تو مٹا دے گی یا پھر مدینہ میں بدل دے گی۔ پھر محمد علیہ السلام نے کہا حالانکہ وہ مدینہ ہے یعنی کہ محمد علیہ السلام کی ہجرت سے پہلے وہ قریہ تھی ایسی بستی جہاں اللہ کا دین قائم نہیں تھا جہاں فطرت میں چھیڑ چھاڑ کی جا رہی تھی اس وقت کے تقاضے کے مطابق اور جب اللہ نے محمد علیہ السلام کو ہجرت کا حکم دے دیا تو وہ اب قریہ نہیں رہے گی بلکہ وہاں اللہ کا دین قائم ہو جائے گا جس سے وہ قریہ سے مدینہ بن جائے گا پھر تمام قریہ کو کھا جائے گی یعنی جب یثرب میں اللہ کا دین قائم ہو گا تو وہ قریہ سے مدینہ بن جائے گا پھر وہی مدینہ آس پاس کی تمام قریہ میں یا تو اللہ کا دین قائم کرے گا یا پھر صفحہ ہستی سے مٹا دے گا یہ تھا اس قریہ کا تمام قریہ کو کھانا۔ اور تاریخ اٹھا کر دیکھیں کیا ایسا ہوا یا نہیں؟ جب کہ ایسا ہوا تو پھر آپ پر یہ بات بھی بالکل کھل کر واضح ہو چکی کہ محمد علیہ السلام نے خود نہ صرف اسے اس کے لقب جو کہ اس کا نام ہے اس سے پکارا بلکہ اسے قریہ قرار دیا اور ہجرت کی دیر ہے کہ اس کا مقدر مدینہ ہو چکا اور تب تک وہ شہر مدینہ رہے گا جب تک وہاں دین قائم ہو گا یعنی وہ فطرت پر رہے گا جب دین قائم رہے گا ہی نہیں وہ فطرت کی بجائے مصنوعی بن جائے گا تو مدینہ نہیں بلکہ دوبارہ قریہ میں بدل جائے گی جو کہ آج وہ مدینہ نہیں بلکہ قریہ ہے۔

اب اس قدر حق کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود اگر آپ مدینہ سے مراد یثرب کو لیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر محمد علیہ السلام کی ہجرت سے پہلے وہ مدینہ کیوں نہیں تھا؟ یا پھر محمد علیہ السلام نے اسے ہجرت سے پہلے قریہ کیوں کہا؟ مدینہ کیوں نہیں کہا؟ اس کا مدینہ بننا ہجرت سے مشروط کیوں کر دیا؟ حق ہر لحاظ سے آپ کے سامنے ہے۔

پھر درج ذیل روایات دیکھیں جو چونکا دینے والی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ قال: یاتی علی الناس زمان یدعو الرجل ابن عمه وقریبه هلم الی الرخاء هلم الرخاء والمدینة خیر لهم لو کانوا یعلمون والذی نفسی بیده لا یخرج منهم احد رغبة الا اخلف الله فیها خیرًا منه الا ان المدینة کالکیر تخرج الخبیث لا تقوم الساعة حتی تنفی المدینة شرارها کما ینفی الکیر خبث الحدید. مسلم

رسول اللہ ﷺ نے کہا: آئے گا لوگوں پر ایسا زمانہ دعوت دے گا آدمی اپنے سسر کے بیٹے، اپنے چچا، تایا کے بیٹے کو کہ آ ؤ خوشحالی، مال و دولت، سہولتوں، آسانیوں والے خطے کی طرف آ ؤ خوشحالی، مال و دولت کی فراوانی، سہولتوں، آسانیوں، عیاشیوں کے خطے کی طرف اور مدینہ یعنی جہاں اللہ کا دین قائم ہوگا خیر ہو گا وہ خطہ ان کے لیے اگر وہ غور وفکر کرنے والے ہوتے تو انہیں اس بات کا علم ہوتا اور اس ذات کی قسم جس کے ید یعنی ہاتھ میں میری جان ہے نہیں نکلتا ان سے کوئی ایک بھی بھوک، افلاس، سختیوں وغیرہ کی وجہ سے مگر اللہ اس کی جگہ کسی اور کو بھیج دیتا ہے مدینہ میں جو خیر ہوتا ہے۔ جان لو مدینہ یعنی جہاں اللہ کا دین قائم ہوتا ہے وہ ایسے ہے جیسے لوہے کی بھٹی جو نکال دیتی ہے خباثت یعنی اسے تپا کر اس کا سارا زنگ دور کر دیتی ہے۔ نہیں قائم ہوگی الساعت یہاں تک کہ نکال دے گا مدینہ یعنی جہاں اللہ کا دین قائم ہے وہاں کی سختیاں نکال دیں گی وہاں کے شر والوں کو جیسے خباثت نکالنے والی بھٹی نکال دیتی ہے لوہے کی خباثت یعنی جیسے بھٹی لوہے کو پگھلا کر خالص بنا دیتی ہے اس میں سے جتنا بھی گند ہوتا ہے وہ نکال دیتی ہے بالکل اسی طرح مدینہ یعنی جہاں اللہ کا دین قائم ہو وہاں ایسی سختیاں، آزمائشیں، بھوک، افلاس وغیرہ آتی ہے کہ وہاں صرف اور صرف مومن ہی ٹھہر سکتا ہے جس کے دل میں رائی برابر بھی نفاق وشر ہو وہ وہاں نہیں ٹھہر سکتا مدینہ کی سختیاں اسے نکال باہر کرتی ہیں اس طرح مدینہ اپنے گند کو نکال دیتا ہے۔

اب آپ سے سوال ہے کہ ذرا غور کریں جسے آپ مدینہ قرار دینے پر بضد ہیں کیا وہ ایسے ہے جیسے لوہے کی بھٹی ہو جو لوہے کو خوب تپا کر اسے پگھلا کر اس میں سے اس کا سارا گند نکال دیتی ہے؟ کیا سعودی عرب کا شہر یثرب ایسی خصوصیات کا حامل ہے؟ وہاں بھوک افلاس، سختیاں وغیرہ ہیں؟ اگر تو سعودی عرب کا شہر یثرب لوہے کی بھٹی کی مانند ہے تو بلاشک وشبہ یہی مدینہ ہے اور اگر نہیں تو پھر یہ مدینہ کیسے ہو گیا؟

اب آپ غور کریں کہ جہاں دین قائم ہو یعنی وہ خطہ وہ علاقہ جو مکمل فطرت پر ہو تو وہاں کیا سہولتیں، آسائشیں، آسانیاں ہوں گی؟ یا پھر سختیاں؟ اور پھر جس کے دل میں رائی برابر بھی نفاق ہوگا یعنی دنیاوی لالچ ہوگا دنیاوی مال ومتاع، آسائشوں، سہولتوں اور آسانیوں کا طلب گار ہوگا تو کیا وہ وہاں ٹھہر سکے گا؟ نہیں بالکل نہیں یہ ہے مدینہ کا لوہے کی بھٹی کی مانند ہونا۔

یہ روایت بالکل کھول کھول کر واضح کر رہی ہے کہ مدینہ کیا ہوتا ہے اور ذرا غور کریں جب اللہ نے مصر کو مدینہ کہا تو کیا وہاں سے سارے کا سارا گند نکال دیا گیا یا نہیں؟ آل فرعون جو کہ مدینہ کا گند تھا سارے کا سارا وہاں سے نکال دیا گیا کہ نہیں؟ یہ ہے مدینہ کی خصوصیات یعنی وہ خطہ، وہ مقام، علاقہ یا بستی جہاں دین قائم ہو یعنی جو فطرت پر ہو تو وہ اپنے اندر سے سارا گند نکال دیتا ہے وہاں صرف مومن ہی رہ سکتے ہیں جو خالص اللہ کے غلام ہوں۔

قال رسول الله ﷺ! تفتح الشام فیخرج من المدینة قوم باهلیهم یبسون والمدینة خیر لهم لو کانو یعلمون ثم تفتح الیمن فیخرج من المدینة قوم باهلیهم یبسون والمدینة خیر لهم لو کانو یعلمون ثم تفتح العراق فیخرج من المدینة قوم باهلیهم یبسون والمدینة خیر لهم لو کانو یعلمون. مسلم

رسول اللہ ﷺ نے کہا: شام فتح ہوگا پس نکل جائے گی مدینہ سے بری قوم یعنی برے لوگ اپنے اہل وعیال کیساتھ سواریوں کو چلاتے ہوئے پھر یمن فتح ہوگا پس نکل جائے گی مدینہ سے بری قوم یعنی برے لوگ اپنے اہل وعیال کیساتھ سواریوں کو چلاتے ہوئے پھر عراق فتح ہوگا پس نکل جائے گی مدینہ سے بری قوم یعنی برے لوگ اپنے اہل وعیال کیساتھ سواریوں کو چلاتے ہوئے اور مدینہ خیر تھا ان کے لیے اگر وہ غور وفکر کرتے تو وہ علم رکھ رہے ہوتے۔

اس روایت کو جب پڑھیں تو کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں جن میں سب سے پہلا سوال تو یہ کہ فتح شام ہو رہا ہے اور لوگ مدینہ سے نکل رہے ہیں؟ پھر فتح یمن ہو رہا ہے اور لوگ مدینہ سے نکل رہے ہیں؟ پھر فتح عراق ہو رہا ہے اور لوگ مدینہ سے نکل رہے ہیں؟ یعنی اگر مدینہ سے مراد سابقہ حجاز جو کہ موجودہ سعودی عرب ہے اس کا شہر یثرب لیا جائے تو پھر یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ فتح شام ہو رہا ہے اور لوگ سعودی عرب کے شہر یثرب سے نکل رہے ہیں پھر فتح یمن ہو رہا

ہے اور لوگ سعودی عرب کے شہر یثرب سے نکل رہے ہیں پھر فتح عراق ہو رہا ہے اور لوگ سعودی عرب کے شہر یثرب سے نکل رہے ہیں؟ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ آپ کہیں کہ بھوک مجھے لگی اور کھانا میرے ہمسائے نے کھایا۔ زلزلہ یا سیلاب مشرق میں آیا اور متاثر لوگ مغرب کے ہوئے، بیج اپنی زمین میں بویا اور پودا تیسرے محلے کے کسی گھر میں نکلا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ محمد علیہ السلام نے نہ صرف اس روایت سے مدینہ کی کھول کھول کر وضاحت کردی بلکہ مستقبل کی عظیم نبا بھی دے دیں تھیں۔ ذرا غور کریں کہ ایسا کیسے ممکن ہے کہ شام فتح ہو اور لوگ مدینہ سے نکل جائیں؟

محمد علیہ السلام کی بعثت کے وقت شام، یمن اور عراق یہ سب خطے مشرکین کے قبضے میں تھے ان خطوں میں دین قائم نہیں تھا یہ سب کے سب قریہ تھے اور فتح ہونا تھا انہیں مومنین کے ہاتھوں تو جیسے ہجرت سے پہلے یثرب قریہ میں سے ایک قریہ تھی اور ہجرت کے بعد مدینہ بن گیا بالکل ایسے ہی شام فتح سے پہلے قریہ تھا جیسے ہی مومنوں کے ہاتھوں فتح ہوگا تو مدینہ بن جائے گا اور جب فتح کے بعد مدینہ بنے گا تو کیا برے لوگ جو اپنی خواہشات کی اتباع کرنے والے ہیں وہ وہاں رہ پائیں گے؟ اللہ کی غلامی کریں گے؟ نہیں بالکل نہیں بلکہ وہ کہیں گے کہ اس سے بہتر ہے وہاں جا کر آباد ہو جائیں جہاں ہم اپنی خواہشات کی اتباع کرسکیں یوں وہ مدینہ سے اپنے اہل وعیال کیساتھ نکل جائیں گے اور یہ ماضی میں ہو چکا۔

ایسے ہی یمن فتح سے پہلے قریہ تھی اور جب مومنوں کے ہاتھوں فتح ہونا تھا تو اسے قریہ سے مدینہ میں بدل جانا تھا اب جب مدینہ بن جائے گا تو کیا وہاں مشرک رہ سکتے ہیں جو خواہشات کی اتباع کرنے والے ہوں؟ ظاہر ہے مدینہ کی سختیاں وہ کیسے برداشت کریں گے یوں وہ اپنے اہل وعیال کیساتھ وہاں سے نکل جائیں گے ایسے ہی عراق فتح سے پہلے قریہ اور مومنوں کے ہاتھوں فتح کے بعد مدینہ تو مدینہ اپنے اندر سے سارا گند نکال دیتا ہے یوں برے لوگ مدینہ سے اپنے اہل وعیال کیساتھ نکل جائیں گے اور یہ سب ماضی میں ہو چکا۔

جب آپ نے جان لیا کہ مدینہ کے معنی کیا ہیں مدینہ کہتے کسے ہیں تو آپ کے لیے ہدایت کا رستہ کھل جائے گا مدینہ سے متعلق ہر بات خود بخود کھل کھل کر واضح ہوتی جائے گی اور اگر علم کی بجائے ظن سے کام لیں گے اکثریت کو معیار بنائیں گے اکثریت کے پیچھے چلیں گے، غور وفکر کی بجائے اندھوں کی طرح اپنے ملاؤں کے پیچھے چلیں گے تو پھر نتیجہ پہلے سے طے شدہ ہے اور پھر ایسی روایات یا مدینہ سے متعلق کسی بھی بات کو آپ چاہ کر بھی نہیں سمجھ پائیں گے آپ کے سامنے سوائے گمراہیوں کے کچھ نہیں ہوگا۔

اب یہ سب نہ صرف ماضی میں بھی ہو چکا بلکہ آج آپ اپنی آنکھوں سے بھی ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں لوگ فطرتی جگھوں یعنی مدینہ سے جوق در جوق قریہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں اپنی خواہشات کی اتباع میں۔ دنیا کمانے کے لالچ میں، آسائشوں، سہولتوں کے لالچ میں الدجّال کو ربّ بنانے کی خاطر فطرتی مقامات کو نہ صرف قریہ میں بدل رہے ہیں مدینہ کو قریہ میں بدل رہے ہیں بلکہ بڑی بڑی قریہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔

مدینہ تو حقیقتاً لوہار کی بھٹی کی مانند ہے جب پوری دنیا الدجّال کو اپنا ربّ بنا چکی ہے اس وقت اگر کسی خطہ میں اللہ کا دین قائم ہوتا ہے یا دین قائم ہے یعنی فطرت ہے تو وہاں کے رہنے والوں کا انجام بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کہ دشمن کسی بستی کا محاصرہ کرلیں اور بستی میں سخت قحط کا سا حال ہو جائے اور اُوپر سے آگ و بارود کی بارش کی جا رہی ہو۔ ایسے وقت میں تو صرف وہی مدینہ میں رہ سکتے ہیں جن میں ایمان ہوگا کیونکہ وہی صرف اور صرف اللہ پر توکل کرنے والے ہوں گے اور جن کے اندر نفاق کی رائی بھی ہوگی مدینے کی یہ سختیاں اسے نکال باہر کریں گی۔

الدجّال مدینے کا محاصرہ کیے ہوئے ہوگا اور مدینے پر آگ برسا رہا ہوگا یعنی اسلحے و بارود سے رات دن حملے کیے جا رہے ہوں گے مدینے کا ہر لحاظ سے محاصرہ کیا جائے گا کہ کوئی بھی ان سے لین دین نہ کرے تو ایسی حالت میں بھلا کون ہوگا جو مدینے میں رہ سکتا ہے؟ صرف اور صرف وہی جو حقیقتاً اللہ کو ربّ بنائے گا نہ کہ الدجّال کو۔

اب آپ سے سوال ہے کہ جب مدینہ اس مقام، خطے، علاقے یا بستی کو کہتے ہیں جہاں دین قائم ہو یعنی جہاں فطرت ہو تو وہاں الدجال کیسے داخل ہو سکتا ہے؟ الدجّال جو کہ یہ ٹیکنالوجی ہے فطرت کی ضد ہے جہاں الدجّال داخل ہو جائے وہ مدینہ ہی کہاں رہے گا؟ اور جو مدینہ ہوگا وہاں الدجّال نہیں ہوگا یعنی مدینہ تو ہوگا ہی وہی جہاں الدجّال نہیں ہوگا۔

یوں آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو چکا کہ ہاں مدینہ میں الدجّال داخل ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ الدجّال تو فطرت کی ضد ہے اور مدینہ تو وہ مقام ہے جہاں دین قائم ہو اور دین تو فطرت ہے۔ جیسے آگ اور پانی ایک دوسرے کی ضد ہیں، اندھیرا اور روشنی ایک دوسرے کی ضد ہیں جہاں اندھیرا ہے وہاں روشنی نہیں اور جہاں روشنی ہے وہاں اندھیرا نہیں ہو سکتا بالکل ایسے ہی الدجّال تو ہے ہی دین کی ضد جہاں دین ہے وہاں الدجّال نہیں اور جہاں الدجّال ہے وہاں دین نہیں۔ الحمدللہ ہم نے تفصیل کے ساتھ بالکل کھول کھول کر حق آپ پر واضح کر دیا کہ مدینہ کیا ہے اور مدینہ میں الدجّال داخل نہیں ہو سکے گا۔ مدینہ سے مراد سعودی عرب کی بستی یثرب نہیں ہے بلکہ ہر وہ بستی یا خطہ ہے جہاں اللہ کا دین قائم ہو اور پھر ظاہر ہے جہاں اللہ کا دین قائم ہو گا یعنی اللہ کا نظام قائم ہو گا تو وہاں ہر شئے اللہ کے حکم سے خلق ہو گی، پروان چڑھے گی، وہاں کوئی بیماری نہیں ہو گی، کوئی فساد نہیں ہو گا، کوئی خرابی نہیں ہو گی، یہ سب خامیاں وخرابیاں وہیں ہوں گی جہاں الدجّال ہو گا۔

پھر اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مدینہ سے مراد یثرب ہی ہے جہاں الدجّال داخل نہیں ہو سکے گا تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسند احمد میں اور مستدرک الحاکم میں روایت موجود ہے جس میں ہے کہ محمد علیہ السلام نے کہا کہ الدجّال احد پہاڑ پر چڑھے گا اور کہے گا اپنے ساتھیوں سے کہ یہ سفید محل دیکھ رہے ہو؟ احمد کی مسجد ہے یعنی مسجد نبوی۔ اور اس کے بعد الدجّال مدینہ کی طرف آئے گا لیکن مدینہ کے ابواب پر ملائکہ کا پہرا پائے گا اس وقت مدینہ کے سات ابواب ہوں گے اور تین بار مدینہ کو ترجف کرے گا یعنی مدینہ پر آگ و بارود برسائے گا جس سے ہر منافق مدینہ سے نکل کر اس کی طرف بھاگ جائے گا اور مدینہ اپنے اندر سے سارے کا سارا خبث نکال دے گا اس کو محمد علیہ السلام نے یوم الخلاص کہا۔

وہ کون سا مدینہ ہے جو تین بار ترجف ہو گا یعنی الدجّال آگ و بارود کی بارش برسائے گا جس سے وہاں سے تمام کے تمام منافقین وہاں سے نکل جائیں گے اور یہ کب ہو گا تو اس کا جواب بھی بالکل واضح ہے یہ آج موجودہ دور کی تاریخ ہے آج جو شام، یمن اور عراق پر آگ و بارود کی بارش برسائی جا رہی ہے، افغانستان پر، پاکستان کے قبائلی علاقوں پر آگ و بارود کی بارش برسائی جا رہی ہے تو وہاں سے ایک بڑی تعداد لوگوں کی نکل رہی ہے اپنے اہل وعیال کیساتھ اور مغربی معاشروں میں جا کر آباد ہو رہے ہیں یا اور ممالک میں کہ وہاں تمام تر آسائشیں وسہولیات موجود ہیں حالانکہ اگر یہ لوگ وہیں رہیں تو ان کے لیے اسی میں خیر ہے کیونکہ آج القارعہ یعنی عالمی ایٹمی جنگ بالکل سر پر موجود ہے جو کہ عذاب عظیم ہے اس سے دنیا کی اسی فیصد آبادی ماری جائے گی اس کے علاوہ تمام کے تمام جدید معاشرے، شہروں کے شہر ممالک کے ممالک صفحۂ ہستی سے مٹنے والے ہیں انہی میں وہ سب کے سب بھی مارے جائیں گے جو الدجّال کی طرف سے آگ و بارود برسانے کی وجہ سے وہاں سے نکل رہے ہیں اس کے علاوہ اگر اس پہلو سے بھی دیکھا جائے کہ اگر آپ ان معاشروں میں جا کر آباد ہوتے ہیں تو آخر اس سے آپ کو کیا حاصل ہو گا؟ آپ بھی تو صرف اور صرف فساد فی الارض ہی کریں گے اس سے بہتر تو یہی ہے کہ موت کو قبول کر لیا جائے تا کہ دنیا میں مجرم بننے سے بچ جائیں یوں دنیا وآخرت میں عذاب عظیم سے بچ جائیں۔

محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ جب الدجّال احد پہاڑ پر چڑھ جائے گا تب مدینہ کے سات ابواب ہوں گے جہاں سے الدجّال مدینہ میں داخلے کی کوشش کرے گا۔ باب عربی میں کسے کہتے ہیں اس کا ذکر بھی کتاب میں ہو چکا ہے کہ باب کسی مادی دروازے کو نہیں کہتے بلکہ باب کہتے ہیں داخل ہونے اور نکلنے کے مقام کو۔ جیسے اگر کسی کے ذہن میں کوئی بات ڈالنی ہو اور وہ انسان اس بات کو تسلیم نہ کر رہا ہو یعنی اسے اپنے دماغ میں داخل نہ ہونے دے رہا ہو تو اس کی کسی کمزوری کو سامنے رکھ کر اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ بات اس انسان کے دماغ میں داخل کر دی جائے تو وہ کمزوری باب کہلائے گی۔ الدجّال یعنی ٹیکنالوجی کے مدینہ یعنی جہاں دین الاسلام قائم ہے وہاں داخلے کے لیے مدینہ کے سات ایسے ویک پوائنٹس ہوں گے یعنی سات ایسی کمزوریاں ہوں گی جن کے ذریعے الدجّال داخل ہونے کی کوشش کرے گا یہ جدیدیت یہ ٹیکنالوجی وہاں داخلے کی کوشش کرے گی لیکن اللہ ان سات کمزوریوں سے اہل مدینہ کی حفاظت کرے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مدینہ یہی ہے جس کا نام یثرب ہے تو پھر الدجّال احد پہاڑ پر کیسے چڑھ گیا؟ حالانکہ احد پہاڑ تو یثرب کے اندر موجود ہے۔ سعودی عرب کا شہر جس کا نام یثرب ہے اور مدینہ کے نام سے مشہور ہے اس کا رقبہ دو سو ستائیس اعشاریہ چار مربع میل ہے اور احد پہاڑ یثرب کے عین وسط کے بالکل ساتھ موجود ہے جو کہ یثرب کا وسط ہی ہے۔ احد پہاڑ مسجد نبوی سے صرف تین اعشاریہ باون کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے اس کے برعکس مسجد قبا جو کہ

یثرب میں ہی موجود ہے وہ احد پہاڑ سے بھی آگے مسجد نبوی سے گیارہ اعشاریہ چار کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے یعنی اُحد پہاڑ تو یثرب کے درمیان واقع ہے۔ اگر مدینہ سے مراد یہی مدینہ یعنی یثرب ہے تو پھر الدجّال مدینہ کے کئی کلومیٹر اندر اُحد پہاڑ پر کیسے چڑھ آیا؟ جو کہ آج الدجّال اُحد پہاڑ پر چڑھ چکا ہے یہ انتہائی غیر معمولی سوال ہے جس کا جواب کوئی بھی ایسا انسان نہیں دے سکتا جو یثرب کو مدینہ کہنے پر بضد ہے۔
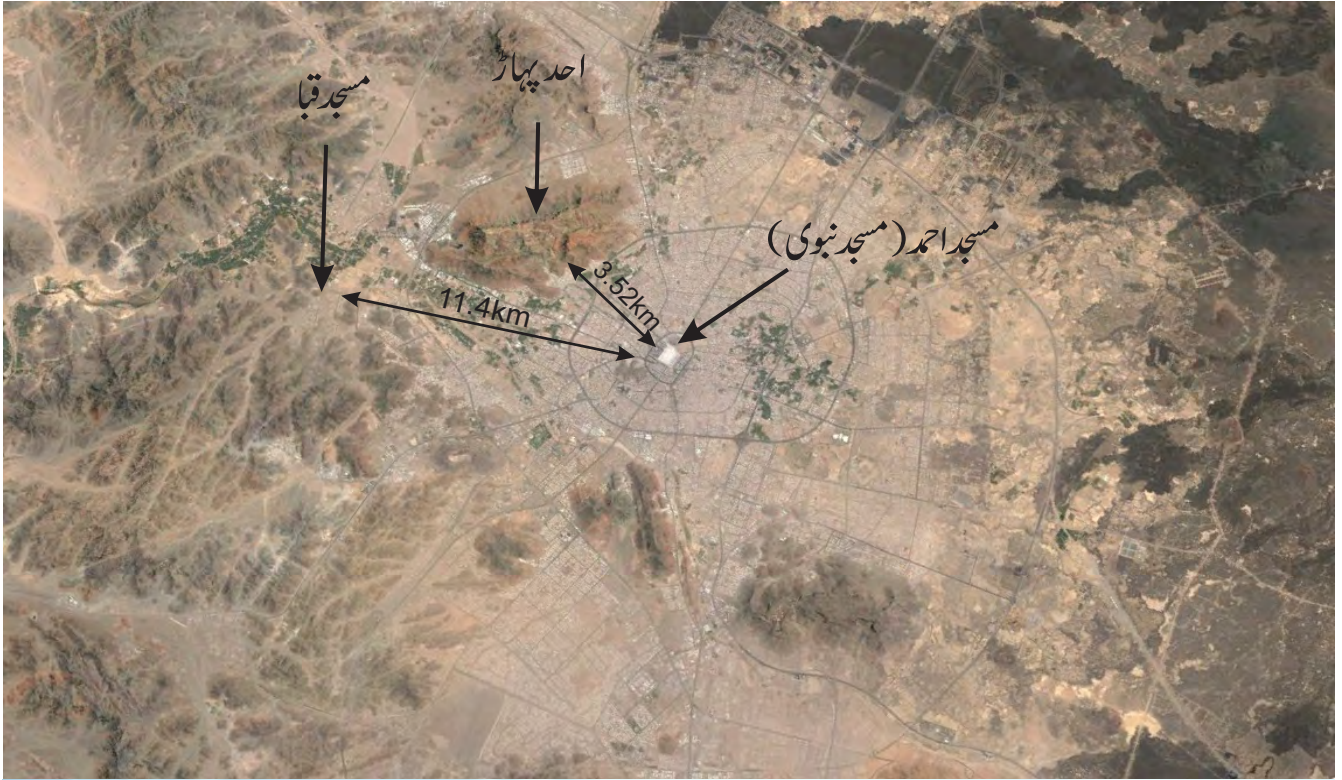
محمد علیہ السلام نے موجودہ دور کے حوالے سے کہا تھا کہ اس وقت الحجاز یعنی سعودی عرب کے شہروں مکہ و یثرب جسے مدینہ کہا جاتا ہے سے نکل جانا اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ محمد علیہ السلام کے حکم کے مطابق آج موجودہ وقت کوئی مومن ایسا نہیں ہوسکتا جو الحجاز میں رہے، جو رہیں گے وہ سب الدجّال کی اتباع کر رہے ہوں گے الدجّال کو ربّ بنائے ہوئے ہوں گے جو کہ مومن نہیں بلکہ مشرک ہیں بے شک وہ خود کو مومن و مسلم کہلوائیں یا کچھ بھی کہلوا لیں، جتنا جی چاہے ظاہری وضع قطع اپنا لیں وہ مومن نہیں بدترین مشرک ہیں جو عنقریب اس عذاب عظیم سے جو بالکل سر پر آچکا ہے ہلاک کر دیئے جانے والے ہیں۔ الدجّال ٹیکنالوجی ہے یعنی موجودہ دور کی تمام کی تمام ایجادات الدجّال ہے الدجّال آج احد پہاڑ پر موجود ہے جو آج آپ اپنی آنکھوں سے احد پہاڑ پر بڑے بڑے ٹاورز یعنی مواصلاتی نظام کے نصب کیے گئے کھمبے دیکھ رہے ہیں جب یہ ٹاورز یہ مواصلاتی نظام کے کھمبے احد پہاڑ پر نصب کیے گئے یعنی الدجّال احد پہاڑ پر آیا تو حیران کن طور پر اس وقت محمد کی مسجد کو سفید محل کی شکل میں ڈھال دیا گیا۔ جب تک الدجّال یعنی یہ ٹیکنالوجی احد پہاڑ پر نہیں آئی تھی مسجد نبوی سفید محل کی طرح نظر نہیں آتی تھی اور الدجّال کے اصحاب جو کہ ٹیکنالوجی کو اپنا ربّ بنائے ہوئے ہیں آج جب احد پہاڑ پر چڑھتے ہیں تو بالکل سامنے مسجد نبوی کو سفید محل کی طرح دیکھتے ہیں۔ اے میرے بھائی اللہ کے رسول محمد آپ نے سچ کہا تھا اور میں نے آپ کی آپ ہی کے کہے ہوئے الفاظ سے ایک ایک بات کی تصدیق کر دی اور آج جو حق میں کھول کھول کر ان پر واضح کر رہا ہوں آج سے چودہ صدیاں قبل ہی آپ نے میری ایک ایک بات کی تصدیق کر دی تھی۔

آپ تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں الدجّال احد پہاڑ پر کھڑا ہے اور اس کے اصحاب مسجد نبوی کو سفید محل کی طرح دیکھتے ہیں۔
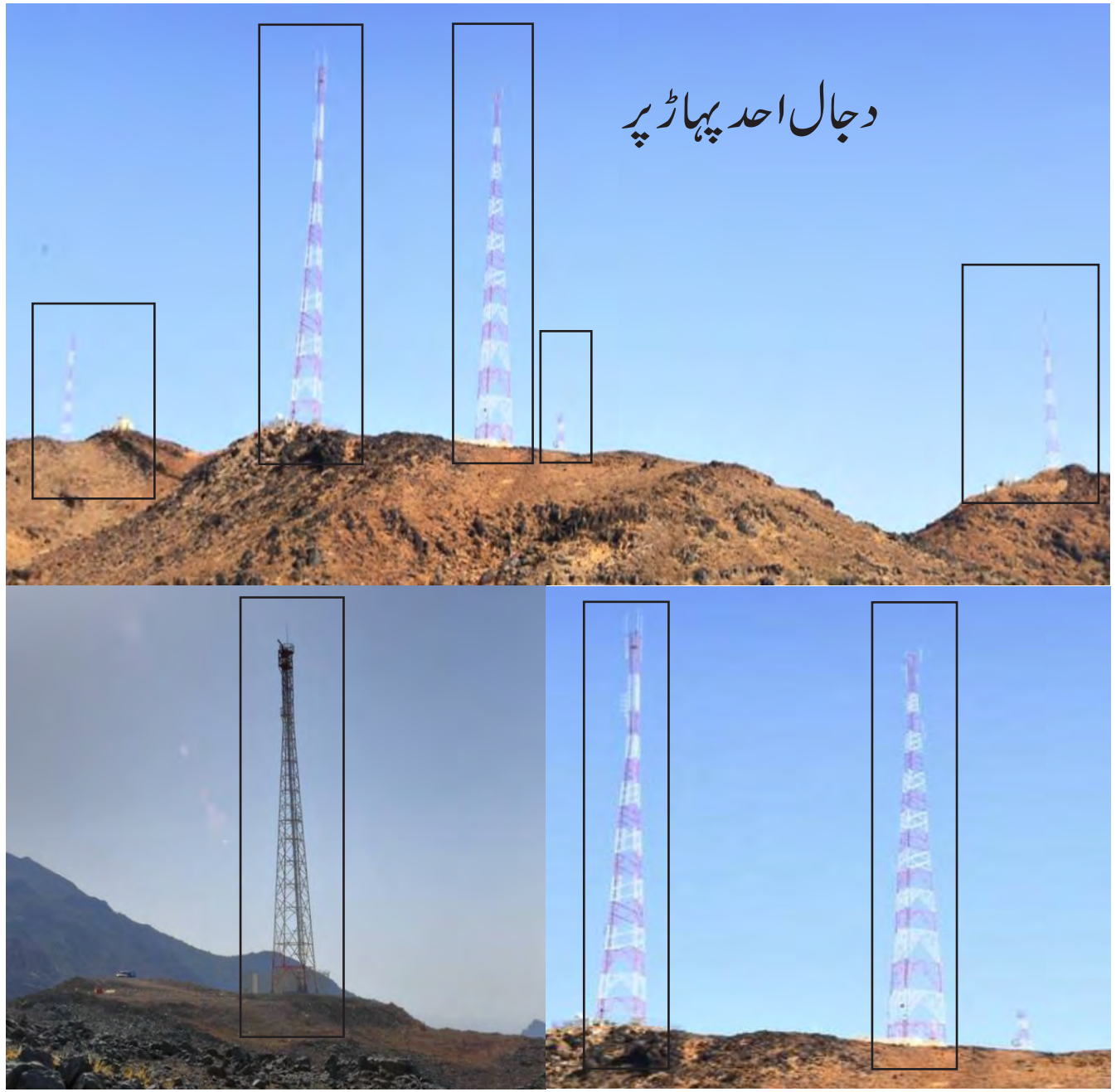
آج مسجد نبوی احد پہاڑ سے بالکل سفید محل کی طرح نظر آ رہی ہے۔ سیٹیلائیٹ کے ذریعے لی گئی تصاویر آپ کے سامنے ہیں جن میں آپ یہ مناظر دیکھ سکتے ہیں اور آپ خود بھی آج احد پہاڑ پر چڑھ کر اپنی آنکھوں سے یہ مناظر دیکھ سکتے ہیں۔ آج جو اصحاب الدجّال احد پہاڑ پر چڑھتے ہیں وہ خود اپنی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھتے ہیں۔

یثرب میں آج ہر طرف ٹیکنالوجی یعنی الدجّال دھندناتا نظر آتا ہے آج یثرب مدینہ نہیں بلکہ عظیم قریہ میں سے ایک قریہ ہے۔

دجّال کا مکہ میں داخل نہ ہو پانا

الدجّال مکہ میں داخل نہیں ہو سکے گا اسے جاننے کے لیے آپ کو سب سے پہلے مکہ کو جاننا ہو گا کہ مکہ کیا ہے؟ کیونکہ جب تک آپ کو مکہ کا علم ہی نہیں ہو گا اور آپ علم کی بجائے اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہوئے یا ظن کی اتباع کرتے ہوئے جسے اکثریت مکہ قرار دیتی ہے یا سمجھتی ہے اسے ہی مکہ قرار دیں گے یا سمجھیں گے تو پھر لاتعداد ایسے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن میں سے کسی سوال کا بھی جواب نہیں دے سکیں گے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اس لیے سب سے پہلے آپ کے لیے یہ جاننا لازم ہے کہ مکہ کیا ہے؟ جب یہ جان لیا جائے گا کہ مکہ کیا ہے تو پھر خود بخود ہی سمجھ آ جائے گا کہ الدجّال مکہ میں داخل نہیں ہو گا اس کی حقیقت کیا ہے۔

اور اگر آپ کو نہیں علم کہ مکہ کیا ہے اور آپ بھی اکثریت کی اتباع کرتے ہوئے، اکثریت کو معیار سمجھتے ہوئے، اکثریت کی مانتے ہوئے، یا جو آپ سنتے آ رہے ہیں بغیر تحقیق کے اسے مان لیتے ہیں کہ مکہ اس بستی کا نام ہے جسے آج تقریباً سب ہی مکہ کے نام سے جانتے، پہچانتے اور پکارتے ہیں اور اس بستی مکہ میں الدجّال داخل نہیں ہو گا تو پھر بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن میں سے چند ایک آپ کے سامنے رکھتے ہیں اور غور کیجئے گا کہ کیا ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب دینا ممکن ہے اگر اکثریت کی اتباع میں اس بستی کو مکہ مان لیا جائے تو؟

اگر مکہ سے مراد وہ بستی ہے جو کعبہ کے ارد گرد قائم ہے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ عمر ابن خطاب اور بہت سے اصحاب محمد الدجّال کو سمجھ نہ پائے اور پھر وہ جھوٹے بھی تھے جو ابن صیاد کے دجّال ہونے کی قسمیں کھاتے تھے؟ کیونکہ محمد علیہ السلام نے تو واضح کہا تھا کہ الدجّال مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو گا مگر ابن صیاد نہ صرف یثرب جو کہ اس وقت مدینہ تھا میں پیدا ہوا وہیں پلا بڑھا اور اپنی موت تک وہیں رہا بلکہ وہ مکہ بھی آتا جاتا تھا اس سب کا علم ہونے کے باوجود عمر بن خطاب اور بعض اصحاب محمد اسے دجّال کہتے اور اس کے دجّال ہونے پر قسمیں کھاتے آخر ایسا کیوں؟

جب انہیں علم تھا کہ الدجّال مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا تو پھر علم ہونے کے باوجود انہوں نے ابن صیاد جو کہ نہ صرف یثرب اس وقت کے مدینہ میں پیدا ہوا پلا بڑھا بلکہ اپنی موت تک وہیں رہا اور مکہ بھی آتا جاتا تھا اس کے باوجود اس کو دجّال کیوں سمجھا اور کہا؟

اگر مکہ سے مراد وہ بستی ہے جو کعبہ کے ارد گرد قائم ہے تو پھر محمد علیہ السلام نے خواب میں الدجّال کو کعبے کا طواف کرتے ہوئے کیوں دیکھا؟

اگر مکہ سے مراد وہ بستی ہے جو کعبہ کے ارد گرد قائم ہے تو پھر اوپر اٹھائے گئے سوالات سمیت کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں جو لاجواب ہیں ان کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں مل سکتا اور یہ سوالات اُٹھانے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ آپ تھوڑا سا غور کریں کہ آپ نے جو نظریات اس حوالے سے قائم کیے ہوئے ہیں کیا ان کی بنیاد بھی ہے یا محض قیاس ہی ان کی بنیاد ہے جو کہ بالکل کھوکھلی اور باطل بنیاد ہے۔

اسی طرح ایک اور سوال ہے کہ مکہ کے نام پر کعبے کے اطراف قائم بستی کا نام مکہ کب اور کیوں رکھا گیا؟

کیونکہ آپ کو دنیا میں جتنی بھی بستیوں کے نام ملیں گے وہ کسی نہ کسی شئے یا شخصیت وغیرہ سے منسوب ہوں گے جیسے اسرائیل ہی کی مثال لے لیں۔ موجودہ بستی جو اسرائیل کے نام سے موجود ہے اس کا نام اسرائیل یعقوب علیہ السلام کے اسم سے منسوب ہے۔ اسرائیل عبرانی زبان کے دو الفاظ کا مجموعہ ہے ''اسرا اور ایل'' اسرا کے عبرانی میں معنی قیدی غلام کے ہیں یہی لفظ عربی میں بھی عبرانی سے منتقل ہوا اور ایل کے عبرانی میں معنی ربّ کے ہیں یوں اسرائیل کے معنی ربّ کے غلام کے ہیں جو کہ یعقوب علیہ السلام کا اسم تھا اور انہی کے اسم پر موجودہ اسرائیل وجود میں آیا۔

بالکل ایسے ہی کعبے کے اطراف میں قائم بستی کا نام مکہ کے نام سے منسوب ہے اور مکہ اس بستی کے قیام سے پہلے ہی وجود رکھتا تھا۔ یہ بستی جو مکہ کے نام سے منسوب ہے اس کا نام ابراہیم علیہ السلام نے رکھا۔

اب اصل سوال یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس بستی کا نام یعنی لقب مکہ ہی کیوں رکھا؟ تو اس کے لیے آپ کو سب سے پہلے مکہ یا بکہ کو جاننا ہو گا کہ اس کے معنی کیا ہیں جب آپ پر مکہ یا بکہ کے معنی واضح ہو جائیں گے تو آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ مکہ کیا ہے اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس بستی کا نام یعنی لقب مکہ کیوں رکھا۔

مکہ جملہ ہے جوکہ تین الفاظ ''م، ک، ہ'' کا مجموعہ ہے۔
''م'' موجودگی کا اظہار کرتا ہے یعنی موجود ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا موجود ہے؟ کون موجود ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب موجود ہے ''ک'' جس کے معنی ہیں تُو یوں ''م اور ک'' کے مجموعے سے جملہ وجود میں آئے گا ''مک'' جس کے معنی بنتے ہیں تُو موجود ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہاں موجود ہے؟ تو آگے اسی سوال کا جواب دیا گیا گول والی ''ہ'' جوکہ کسی کی طرف اشارے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔
یوں تین الفاظ کے مجموعے سے جملہ ''مکہ'' وجود میں آتا ہے جس کے معنی بنتے ہیں کسی مقام کی طرف اشارہ کر کے کہا جا رہا ہے کہ وہاں تُو موجود ہے۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تُو کون؟ تو اس کا جواب اس وقت تک نہیں ملے گا جب تک کہ آپ اپنی ہی ذات میں یا پھر آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان سب میں غور وفکر نہیں کرتے اور جب آپ آسمانوں اور زمین یعنی زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہہ در تہہ تہوں پر مشتمل حصار جوکہ سات آسمان ہیں ان میں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ان سب میں غور وفکر کریں گے تو آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان کی مثال بالکل آپ کے جسم کی سی ہے۔
جیسے آپ کا جسم بہت سے اعضاء کا مجموعہ ہے ہر عضو کا نہ صرف کوئی نہ کوئی مقصد ہے بلکہ ہر ایک کو کسی نہ کسی مقصد کے لیے وجود میں لایا گیا اور وجود میں لا کر اسے اس کے مقام پر قائم کر دیا گیا جس سے پورے وجود میں بہترین میزان یعنی توازن قائم ہے اور پورے جسم کو ایک مقام سے کنٹرول کیا جا رہا ہے یعنی جسم کے تمام اعضاء نے کب کب، کیا، کیسے، کیوں اور کتنا کرنا ہے اس کے لیے تمام ہدایات جسم کے ایک مقام سے دی جا رہی ہیں جوکہ جسم کے سات درجوں میں سے سب سے اوپر والا ساتواں درجہ ہے جس میں دماغ موجود ہے جوکہ آپ کا نفس ہے جو بھی نفس یعنی دماغ سے جڑا ہوا ہے دماغ کا غلام ہے وہ بھی نفس بن جاتا ہے وہ آپ ہیں۔
یعنی آپ اپنے وجود میں غور کریں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آپ اصل میں اس وجود میں موجود دماغ ہیں جو اس دماغ سے جڑ جاتا ہے وہ آپ کا وجود بن جاتا ہے ایسے ہی زمین کی تمام کی تمام مخلوقات کی مثال ہے ہر مخلوق میں اس کا دماغ ایسا مقام ہے جہاں سے پورے وجود کو کنٹرول کیا جاتا ہے پورے وجود کو ہدایات دی جاتی ہیں اور اس بشر سمیت زمین کی تمام مخلوقات کی اس زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں میں مثال ایسے ہی ہے جیسے آپ کے جسم میں اعضاء ہوں۔
جیسے آپ کے جسم میں اعضاء ہیں بالکل ایسے ہی آپ اس زمین کے اعضاء میں سے ایک عضو ہیں جیسے آپ کے وجود میں تمام اعضاء کو دماغ سے کنٹرول کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح یہ زمین جوکہ ایک وجود ہے اس وجود میں موجود تمام مخلوقات جوکہ اس کے اعضاء ہیں انہیں بھی ایک مخصوص مقام سے کنٹرول کیا جاتا ہے جو کہ زمین کا دماغ ہے جسے مکہ کہا جاتا ہے یعنی یہ جو بھی نظر آ رہا ہے جس کا وجود ہے وہ۔
یعنی جب آپ آسمانوں اور زمین میں غور کرتے ہیں تو آپ پر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ ایک وجود ہے تو اسی وجود کو ہی پوچھا جاتا ہے کہ تُو کہاں ہے تو یہ وجود اپنے نفس یعنی اپنے دماغ تک لے جاتا ہے کہ یہاں ہوں میں اور وہ مقام زمین میں ایک مخصوص جگہ سامنے آتی ہے جوکہ زمین کا دماغ ہے جسے عربی میں مکہ کہا جاتا ہے۔ ''مکہ'' یعنی وہ مقام جہاں تُو یعنی جس کا وجود ہے وہ موجود ہے بالکل ایسے ہی جیسے آپ کے وجود میں آپ بطور نفس یعنی دماغ جہاں موجود ہیں۔
اگر آپ اپنی ہی ذات میں غور کریں گے تو آپ کی اس مادی بشری وجود تک کی حقیقت آپ کا نفس آپ کا دماغ سامنے آئے گا جو کچھ بھی دماغ کیساتھ مکمل طور پر جڑ جاتا ہے وہ بھی اسی کا وجود بن جاتا ہے اس کا اپنا الگ وجود ختم ہوجاتا ہے اس لیے جو کچھ بھی جتنے بھی اعضاء آپ کیساتھ یعنی آپ کا جو نفس ہے دماغ اس کیساتھ جڑے ہیں وہ آپ ہیں آپ کا وجود ہے اگر کوئی بھی عضو دماغ سے کٹ جائے تو وہ آپ نہیں بلکہ الگ وجود بن جاتا ہے۔
اب اگر آپ کے اس پانچ چھ فٹ کے وجود سے سوال کیا جائے پوچھا جائے کہ تُو کہاں ہے تو غور کریں کیا جواب آئے گا؟ آپ پاؤں کے ناخن سے شروع کریں تو آپ دماغ کی صورت میں سامنے آئیں گے جو ایک مخصوص مقام پر پڑا ہے۔
مثلاً اگر آپ کا دماغ نکال کر اسے کسی بیل کے وجود سے جوڑ دیا جائے تو وہ بیل ہی آپ ہیں، اگر آپ کا دماغ نکال کر جوکہ آپ ہیں کسی مشین کے ساتھ ایسے ہی جوڑ دیا جائے جیسے اس بشری وجود میں رکھ کر اس کیساتھ جوڑا ہوا ہے تو وہ مشین آپ ہیں۔
بالکل ایسے ہی یہ جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے جس کا وجود ہے جب تک کہ اس کیساتھ جڑا ہے وہ کہاں ہے تو اس زمین کی حد تک وہ اس زمین کے ایک خاص مقام میں

سامنے آئے گا جسے عربی میں مکہ کہا جاتا ہے جہاں سے وہ ذات زمین کے تمام عالمین کو ہدایات دے رہی ہے جیسے آپ کے وجود میں آپ دماغ ہیں اور دماغ پورے وجود میں تمام اعضاء کو ہدایات دیتا ہے کہ کس کس نے کب کب، کیا کیا، کتنا اور کیوں کرنا ہے۔

مکہ کیا ہے اب آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو چکی ہے ''مکہ'' کے معنی ہیں کہ یہ جو وجود نظر آ رہا ہے جس کا وجود ہے وہ اس زمین کی حد تک کہاں ہیں جیسے وہ اس بشر کی حد تک اس کے دل میں ہے۔ بشری وجود میں دل وہ مقام ہے جہاں سے وہ ذات اپنے وجود میں اس عضو بشر کو کنٹرول کرتی ہے ہدایات دیتی ہے، بشری وجود میں مکہ دل ہے اور اگر دل مکہ نہیں رہتا تو نفس یعنی دماغ مکہ بن جائے گا اور اگر نفس یعنی دماغ مکہ بن جائے تو ایسے ہی ہے جیسے آپ کے وجود سے کوئی عضو کٹ کر الگ سے وجود ہونے کا دعویدار بن جائے یعنی جو نفس یعنی دماغ کو مکہ بنائے گا تو وہ شریک بن جائے گا۔

زمین کا وہ مقام جہاں سے زمین کی تمام مخلوقات کو ہدایات دی جا رہی ہیں کنٹرول کیا جا رہا ہے جو مخلوق جب تک اس مقام کی تابع رہے گی تو اسی کا وجود بن جائے گی اسی کا وجود ہو گا کوئی دوسرا نہیں وہ مقام زمین میں جہاں واقع ہے اسے مکہ کہا جاتا ہے اور پوری زمین میں وہ مقام یعنی مکہ اس بستی میں موجود ہے جو اس کے اردگرد آباد ہے یہی وجہ ہے کہ اس بستی کا لقب مکہ رکھا گیا جس کے معنی ہیں کہ یہ وہ بستی ہے جہاں مکہ ہے یعنی پوری زمین میں یہی وہ بستی ہے جس میں مکہ ہے زمین کا دماغ موجود ہے جہاں سے زمین کی تمام مخلوقات کو ہدایات دی جا رہی ہیں ایسے ہی جیسے جسم میں دماغ جسم کے تمام اعضاء کو ہدایات دیتا ہے۔ یہ وہ وجہ تھی جس وجہ سے ابراہیم علیہ السلام نے اس بستی کا نام یعنی لقب مکہ رکھا کہ مکہ زمین کے اِس مقام میں ہے زمین کا دماغ یہاں ہے، وہ مقام جو زمین کا وسط ہے جو تمام کی تمام مخلوقات کا محور ہے وہ یہاں اس بستی میں موجود ہے۔ جیسے آپ کے جسم میں تمام کے تمام اعضاء دماغ کو اپنا محور بنائے ہوئے ہیں جو دماغ کہے گا وہی کریں گے ہر عضو کا رائی برابر عمل بھی دماغ کی مرضی کے خلاف نہیں جو بھی کرنا ہے دماغ کو ہی محور بنایا ہوا ہے اور کسی مقام کو اپنا محور بنا کر خود کو اس کے گرد گھما دینا عربی میں طواف کہلاتا ہے جیسے دماغ جسم کا وسط ہے تمام کے تمام اعضاء دماغ کو اپنا محور بنائے ہوئے ہیں بالکل ایسے ہی زمین کی تمام مخلوقات زمین کے اس مقام کو اپنا محور بنائے ہوئے ہیں جو بھی کرتی ہیں اسی مقام سے آنے والے ہدایات پر ہی عمل کرتی ہیں زمین کی تمام مخلوقات زمین کے اس مقام کو اپنا محور بنائے ہوئے خود کو اس کے گرد گھما رہی ہیں یعنی طواف کر رہی ہیں۔

یہ ہے ''مکہ'' نہ کہ مکہ اس بستی کو کہتے ہیں جو اس مکہ کے اطراف میں آباد ہے اور آج پوری دنیا جسے مکہ سمجھتی، کہتی اور پکارتی ہے۔

زمین کے اس مقام سے زمین کی تمام مخلوقات جو کہ زمین کے اعضاء ہیں انہیں ایسے ہی ہدایات دی جا رہی ہیں ایسے ہی اس زمین پورے وجود کو کنٹرول کیا جا رہا ہے جیسے آپ کے پورے وجود کو دماغ کنٹرول کر رہا ہے، دماغ کہتا ہے یہ میرا ہاتھ ہے، یہ میرا پاؤں ہے۔ کوئی ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے پوچھے کہ یہ کون ہے تو دماغ زبان کے ذریعے بولتا ہے کہ یہ میرا ہے میرے لیے ہے یہ میں ہوں بالکل ایسے جو ذات ہے ایک ہی وجود ہے جسے اللہ کہا جاتا ہے وہ ذات اس زمین کی حد تک اس زمین کے اس مقام میں موجود ہے یہی وجہ ہے کہ اس مقام کو انسانوں کے لیے نمایاں کرنے کے لیے انسانوں پر واضح کرنے کے لیے اس پر ایک عمارت تعمیر کی گئی جسے بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں کہ اس گھر میں اللہ موجود ہے ایسے ہی جیسے آپ کے وجود میں جو آپ کا سر ہے وہ آپ کا بیت ہے آپ اس گھر میں موجود ہیں یعنی آپ جو کہ ایک نفس ہے جسے دماغ کہا جاتا ہے آپ سر میں موجود ہیں یوں سر آپ کا بیت یعنی گھر ہے آپ اس گھر سے اپنے پورے وجود کو ہدایات دے رہے ہیں۔

مکہ میں الدجّال کا داخل نہ ہونا کیا ہے اسے بھی اب آپ بہت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں جیسے آپ کے وجود میں دماغ وہ مقام ہے جہاں سے پورے وجود کو کنٹرول کیا جاتا ہے اگر کوئی دماغ میں داخل ہو جائے یعنی دماغ میں مداخلت کرنے کی صلاحیت حاصل کر لے تو پورا جسم براہ راست اس کے کنٹرول میں آ جائے گا اور اگر کوئی دماغ میں داخل نہ ہو سکے یعنی دماغ میں مداخلت نہ کر سکے اور وہ وجود کو اپنی مرضی کیمطابق استعمال کرنا چاہے تو اس کے لیے اسے جسم کے ہر عضو میں الگ الگ سے داخل ہونا پڑے گا یعنی مداخلت کرنا پڑے گی بالکل ایسے ہی مکہ جو کہ زمین کا کنٹرول پوائنٹ ہے یعنی زمین کا دماغ ہے وہ حرم ہے یعنی اس میں مداخلت کی اجازت ہی نہیں دی گئی کوئی بھی اس میں مداخلت نہیں کر سکتا کیونکہ اگر کوئی مکہ میں یعنی زمین کے کنٹرول پوائنٹ میں مداخلت کرنے کی صلاحیت حاصل کر لے تو وہ مکمل زمین پر براہ راست اختیار پا سکتا ہے اور وہ زمین کی تمام کی تمام مخلوقات کو ایسے ہی اپنے احکامات کے مطابق استعمال کر سکتا ہے جیسے کہ ہاتھ میں ریموٹ کنٹرول ہو اور سامنے پڑی شئے کو بذریعہ ریموٹ کنٹرول براہ راست کنٹرول کیا جاتا ہے جیسے جی چاہے استعمال کر سکتا ہے اس لیے مکہ

میں یعنی یہ جو وجود ہے اللہ جہاں سے زمین کی تمام مخلوقات کو کنٹرول کرتا ہے ہدایات دیتا ہے اس میں مداخلت کی اجازت ہی نہیں دی گئی کوئی کچھ ہی کیوں نہ کر لے اس میں مداخلت نہیں کی جاسکتی یہ ہے مکہ میں الدجّال کا داخل نہ ہونا۔

اسے مزید آسانی سے سمجھ لیجیے۔

جب آپ اپنی ہی ذات میں، آسمانوں اور زمین میں غور کریں گے تو آپ کو کوئی دوسرا وجود نظر ہی نہیں آئے گا آپ اور اور کرتے جائیں کہیں بھی ربط نہیں ٹوٹے گا یہاں تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو ایک ہی وجود سامنے آئے گا کوئی دوسرا وجود نہیں ہے۔

یعنی مثال کے طور پر آپ اپنے ہی وجود میں کسی بھی ایک عضو کے پیچھے پڑیں تو وہ آگے دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہوگا یوں آپ اس کے پیچھے پڑنے سے آگے چلے جائیں گے اسی طرح اور آگے اسی طرح اور آگے یعنی اور اور ہوتا چلا جائے گا، مثلاً ناخن سے شروع کریں ناخن کے پیچھے پڑیں تو آگے پور آجائے گی اس سے آگے اور دوسری پور اور آگے انگلی اور ہتھیلی اور پورا ہاتھ اور بازو، اسی طرح اور اور ہوتا چلا جائے گا جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہ چلا جائے جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو جو وجود آپ کے سامنے آئے گا وہ آپ ہوں گے بالکل اسی طرح آسمانوں اور زمین کی مثال ہے کل کے کل وجود کی مثال۔

آپ کہیں سے بھی شروع کریں اپنے آپ سے شروع کریں، کسی درخت سے شروع کریں، پہاڑوں سے یا کہیں سے بھی شروع کریں خواہ چھوٹے سے چھوٹے ذرے سے شروع کریں تو جیسے آپ کے جسم میں اعضاء ایک دوسرے سے مشروط ہیں جیسے مشین میں پرزوں کا ایک دوسرے سے ربط ہوتا ہے اور اور ہوتا چلا جائے گا جب تک کہ اور ختم نہیں ہو جاتا جب اور ختم ہو جائے گا تو ایک وجود سامنے آئے گا بالکل ایسے ہی آپ کہیں سے بھی غور وفکر کی ابتداء کریں آپ نہ صرف آگے بڑھتے جائیں گے بلکہ اور اور ہوتے ہوتے ایک وقت آئے گا کہ اور ختم ہو کر پیچھے ماضی میں چلا جائے گا اور جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے گا تو ایک ہی وجود سامنے آئے گا اور کچھ ہوگا ہی نہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک ہی وجود موجود ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ جیسے آپ کے جسم کے تمام اعضاء کو ایک مقام سے کنٹرول کیا جاتا ہے جسے آپ دماغ کہتے ہیں اور پھر کیسے کنٹرول کیا جاتا ہے یہ بھی جاننا ہوگا۔

دماغ پورے جسم کو نور کی لہروں جنہیں ملائکہ کہا جاتا ہے اور آپ سگنلز کا نام دیتے ہیں ان کے ذریعے کنٹرول کرتا ہے جسم کے ہر عضو میں ایسے آلات نصب ہیں جو دماغ سے لہروں کی صورت میں آنے والے پیغامات کو، ہدایات کو نہ صرف موصول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ موصول کر کے انہیں سمجھنے اور آگے پہنچانے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں یہ آلات جسم کی ایک ایک خلیے میں نصب ہیں جنہیں عربی میں اذان کہا جاتا ہے اور انگلش میں انٹیناز کہا جاتا ہے بالکل ایسے ہی کُل کا کُل جو کہ ایک ہی وجود ہے اس کی مثال ہے۔

یعنی آپ اپنی ہی ذات میں غور کریں تو آپ کو اپنے وجود میں سات درجے ملیں گے سب سے نیچے پاؤں اس کے بعد نیچے سے اوپر دوسرا درجہ اگلے جوڑ تک یعنی گھٹنے تک جو کہ پنڈلی ہے پھر تیسرا درجہ گھٹنے سے آگے اگلے جوڑ تک پھر چوتھا درجہ پیٹ پھر پانچواں درجہ سینہ پھر چھٹا درجہ گردن اور آخر میں ساتواں درجہ سر ہے بالکل ایسے ہی کُل کا کُل جو کچھ بھی ہے وہ نہ صرف ایک ہی وجود ہے ایک ہی ذات ہے اللہ بلکہ سات درجے ہیں ان میں اوپر ساتواں درجہ اس وجود کا نفس یعنی دماغ ہے جو کہ اپنے پورے وجود کو بالکل ایسے ہی کنٹرول کرتا ہے جیسے بشری وجود میں دماغ پورے بشری وجود کو کنٹرول کرتا ہے۔

یہی وہ حق ہے جسے بگاڑ کر گمراہی کا سودا کیا گیا کہ اللہ ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ کو کہا جائے کہ آپ اس وجود میں سب سے اوپر سر میں ہیں جو کہ حق نہیں ہوگا اس کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ آپ جو کہ نفس یعنی دماغ ہیں وہ الگ ہے اور باقی پورا وجود الگ ہے جو کہ حق نہیں باطل ہے حق تو یہ ہے کہ جو کچھ بھی دماغ یعنی نفس کیساتھ جڑ گیا اس کا الگ سے کوئی وجود نہیں وہ بھی نفس ہی بن گیا یوں جب جو کچھ بھی ہے سب کا سب نفس کیساتھ جڑ گیا اس کا غلام بن گیا تو اس کا کوئی الگ سے وجود نہیں بلکہ وہ بھی نفس ہی بن گیا وہی وجود ہے کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔

جیسے آپ کے جسم کے ہر خلیے میں ایسے آلات نصب ہیں جو دماغ سے نور کی لہروں کی صورت میں آنے والے پیغامات ہدایات کو نہ صرف موصول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ سمجھ کر اپنے ماتحت کو اس پر عمل کرنے کے لیے اس تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں بالکل ایسے ہی زمین کی تمام مخلوقات میں ایسے آلات نصب ہیں جو زمین کے دماغ یعنی مکہ سے آنے والی ہدایات کو نہ صرف موصول کرنے بلکہ سمجھنے اور اپنے ماتحت کو اس پر عمل کرنے کے لیے اس تک ہدایات پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے آپ کے جسم میں بہت سے اعضاء ہیں ایسے ہی آپ اس زمین کا ایک عضو ہیں اور آپ کے جسم میں وہ مقام جو

زمین کے دماغ سے آنے والی ہدایات کوموصول کرنے ،انہیں سمجھنے اوران پرعمل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ دل ہے۔

سب سے چھوٹا نفس یعنی ایک مکمل وجود جس میں جان ہوتی ہے وہ ایک خلیہ ہے ایسے ہی لاتعداد نفوس یعنی خلیات کے مجموعے سے ایک دوسرا نفس وجود میں آتا ہے جیسے کہ آپ ہیں آپ اپنے وجود میں غور کریں تو آپ کا جسم لاتعداد نفوس یعنی خلیات کا مجموعہ ہے ایسے ہی آپ کو جتنی بھی جاندار مخلوقات نظر آرہی ہیں لاتعداد خلیات کا مجموعہ ہے پھر ایسے ہی یہ جتنی بھی مخلوقات ہیں یہ ایک دوسرے نفس کا حصہ ہیں یعنی ان کے مجموعے سے ایک دوسرا نفس وجود میں آتا ہے جو کہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک خلیہ ہو اور وہ یہ زمین ہے، زمین نہ صرف اپنے آپ میں ایک مکمل وجود ہے جیسے آپ ہیں بلکہ جیسے آپ زمین کے وجود میں ایک خلق ہیں ایک خلیہ ہیں بالکل ایسے ہی زمین ایک دوسرے نفس میں ایک خلق ایک نفس یعنی خلیے کی طرح ہے ایسی ہی لاتعداد زمینوں کے مجموعے سے ایک اگلا نفس یعنی وجود بنتا ہے جو آگے ایک وجود میں ہے ایسے ہی آگے بڑھتے جائیں تو بالآخر ایک ہی وجود سامنے آئے گا جو کچھ بھی ہے اسی ایک وجود میں ہے۔

جیسے ایک نفس یعنی ایک وجود میں نظام ہے اس کا ایک محور ہے یعنی اس کا ایک دماغ ہے جہاں سے پورے نفس کو کنٹرول کیا جاتا ہے ایسے ہی یہ نظام نیچے ایک خلیے سے لیکر اوپر آخر تک ہے اور جہاں جہاں سے کنٹرول کیا جارہا ہے وہ اس اس سطح پر مکہ ہے جسے مسجد بھی کہا جاتا ہے مسجد کے معنی ہیں وہ مقام جس مقام کے آگے اس سے نیچے کی تمام مخلوقات نے خود کو جھکانا ہے جہاں سے آنے والی ہدایات پرعمل کرنا ہے۔

جیسے آپ کے جسم کے تمام کے تمام اعضاء جسم میں جس مقام کے آگے خود کو مکمل جھکائے ہوئے ہیں اس کو اپنا محور بنا کر اس کا طواف کر رہے ہیں یعنی جسم کے تمام اعضاء جس مقام سے آنے والی ہدایات واحکامات پر ہی عمل کرتے ہیں اس کے علاوہ کسی کی نہیں مانتے وہ دماغ ہے جو کہ اس جسم میں مسجد ہے ایسے ہی زمین کا وہ مقام جہاں سے زمین کی تمام مخلوقات کو ہدایات دی جارہی ہیں وہ مقام جس کے آگے زمین کی تمام مخلوقات نے خود کو جھکایا ہوا ہے وہ مسجد ہے اسی طرح جیسے جیسے آپ آگے بڑھتے جائیں گے تو جیسے زمین کی تمام مخلوقات کو زمین کے ایک خاص مقام سے کنٹرول کیا جارہا ہے جو کہ مسجد ہے یعنی جس مقام کے آگے زمین کی تمام مخلوقات نے خود کو مکمل طور پر جھکایا ہوا ہے ایسے ہی آگے ایک مقام ہے جس مقام کے آگے زمین سمیت بہت سے ستاروں وسیاروں نے خود کو جھکایا ہوا ہے یعنی انہیں وہاں سے کنٹرول کیا جارہا ہے اسی طرح آگے بڑھتے جائیں تو یہ شجر یعنی سلسلہ سامنے آئے گا یہاں تک کہ مسجد الاقصیٰ سامنے آجائے گی یعنی جو بھی موجود ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم ہو کر ماضی میں نہیں چلا جاتا ، جب اور ختم ہو کر ماضی میں چلا جائے تو ایک ہی وجود سامنے آئے گا اور اس پورے وجود کو ایک ہی مقام سے کنٹرول کیا جارہا ہے پورے وجود نے خود کو اس ایک ہی مقام کے آگے جھکایا ہوا ہے کُل کا کُل وجود اسی ایک مقام کو اپنا محور بنا کر خود کو اس کے گرد گھمائے ہوئے ہے جیسے آپ کے وجود میں دماغ ہے اور وہ مقام مسجد الاقصیٰ ہے یعنی دور سے دور جتنے آپ دور جاسکتے ہیں جس سے آگے نہیں جایا جاسکتا وہاں جو ایسا مقام ہے جس مقام کے آگے کُل کے کُل نے یعنی پورے وجود نے خود کو جھکایا ہوا ہے اسے اپنا محور بنا کر خود کو اس کے گرد گھمایا ہوا ہے یعنی پورا وجود وہی کرتا ہے جو وہاں سے حکم کیا جاتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے آپ کے وجود میں وہ مقام دماغ ہے دماغ پورے وجود کو کنٹرول کرتا ہے دماغ وجود میں وہ مقام ہے جس کے آگے پورے وجود نے خود کو جھکایا ہوا ہے۔

اسے مزید ایک آسان سی مثال سے سمجھ لیجئے

مثلاً یہ سمجھیں کہ آپ جو کہ ایک بشر ہیں صرف اور صرف آپ کا ہی وجود ہے آپ کے علاوہ کچھ بھی نہیں تو آپ اپنے وجود میں غور کریں اس میں چھوٹے سے چھوٹا نفس یعنی ایک مکمل جاندار وجود ایک خلیہ نظر آئے گا خلیے میں ایک مقام ایسا ہے جہاں سے خلیے کے پورے نظام کو کنٹرول کیا جاتا ہے یعنی پورے خلیے کو کنٹرول کیا جاتا ہے جسے عربی میں مسجد کہا جائے گا یوں سمجھیں کہ اللہ کے وجود میں وہ ایک خلیہ یہ زمین ہے جس پر آپ آباد ہیں اور اس زمین کا وہ مقام جہاں سے اس خلیے یعنی زمین کی تمام مخلوقات کو کنٹرول کیا جارہا ہے جس مقام کے آگے اس خلیے یعنی زمین کی تمام مخلوقات نے خود کو جھکایا ہوا ہے وہ مسجد ہے مسجد الحرام۔ اور مسجد الحرام اسے اس لیے کہا گیا کیونکہ انسان کو اختیار دیا گیا کہ وہ زمین میں کہیں بھی مداخلت کرسکتا ہے لیکن اس خلیے یعنی زمین کے اس مقام میں مداخلت کی اسے اجازت نہیں دی گئی خواہ یہ کچھ بھی کرلے اس وجہ سے اسے مسجد الحرام کہا گیا۔

اب بڑھیں آگے لاتعداد خلیوں کے مجموعے سے ایک عضو جو کہ اپنے آپ میں ایک نفس ہوتا ہے وہ وجود میں آتا ہے تو جیسے ایک خلیے میں ایسا مقام ہے جہاں سے پورے خلیے کو کنٹرول کیا جاتا ہے ایسے ہی ہر عضو میں ایک ایک مقام ایسا ہے جو کہ ہر عضو میں ایک ایک مسجد ہے اسی طرح مختلف اعضاء کے مجموعے سے

ایک حصہ وجود میں آتا ہے جسے ایک مقام سے کنٹرول کیا جاتا ہے جو کہ اس کی مسجد ہے ایسے ہی آگے بڑھتے بڑھتے ان سب سے اوپر ایک مسجد ہے وہ مقام جس مقام کے آگے پورے وجود نے خود کو جھکایا ہوا ہے جو کہ دماغ ہے جیسا کہ کہا تھا کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ صرف اور صرف آپ ہی کا وجود ہے اور کچھ ہے ہی نہیں تو آپ کے وجود میں اندر سے اندر، نیچے سے نیچے جو نفس ہے وہ ایک خلیہ ہے اور اس خلیہ کا محور کنٹرول پوائنٹ مکہ ہے جہاں سے آپ اپنے اس خلیے کو کنٹرول کر رہے ہیں خلیے کے نظام کو چلا رہے ہیں اور خلیے میں تمام مخلوقات نے خود کو اس مقام کے آگے جھکایا ہوا ہے وہیں سے آنے والی ہدایات پر عمل کر رہے ہیں جس وجہ سے وہ مقام مسجد کہلائے گا اور اوپر سے اوپر جہاں سے آپ اپنے پورے مکمل وجود کو کنٹرول کر رہے ہیں جسے دماغ کہتے ہیں یہ نہ صرف مکہ ہے بلکہ چونکہ یہ وہ مقام ہے جس مقام کے آگے پورے وجود نے خود کے جھکایا ہوا ہے یہیں سے آنے والی ہدایات پر عمل کر رہے ہیں عمل کرنے کے پابند ہیں تو یہ مسجد ہے اس سے آگے کوئی مسجد نہیں اس لیے یہ مسجد الاقصیٰ کہلائے گی یعنی اس وجود میں خلیے پر اگر ایک مخلوق ہے تو اس کے نزدیک جس وجود میں وہ موجود ہے اس وجود میں جو سب سے دور مسجد ہے جس سے آگے کوئی مسجد نہیں جو کہ دماغ ہے مسجد الاقصیٰ ہے مسجد الاقصیٰ کہلائے گی۔

بالکل عین اسی طرح یہ زمین اللہ میں ایک خلیے کی مانند ہے اس زمین پر اس بشر کے نزدیک وہ مقام جہاں سے اللہ اپنے اس خلیے یعنی زمین کا نظام چلا رہا ہے وہ مسجد الحرام ہے جسے مکہ بھی کہا جائے گا مکہ یعنی وہ مقام جہاں اللہ موجود ہے اور اللہ میں آگے بڑھتے جائیں تو جیسے آپ کے وجود میں مساجد کا ڈھانچہ نظر آیا ایسے ہی اللہ میں مساجد کا ڈھانچہ سامنے آئے گا یہاں تک کہ ایسی مسجد سامنے آئے گی جس سے آگے کوئی مسجد نہیں یعنی دور سے دور والی مسجد جس سے آگے کوئی مسجد نہیں وہ مسجد جہاں سے آنے والی ہدایات پر پورے کا پورا کُل وجود عمل کر رہا ہے جیسے آپ کے وجود میں دماغ ہے اللہ میں اللہ کے دماغ کو مسجد الاقصیٰ کہا جائے گا وہ مسجد الاقصیٰ ہے اور کیونکہ اس مقام سے پورے وجود کو کنٹرول کیا جا رہا ہے تو اسے مکہ بھی کہا جائے گا یعنی پورے وجود میں وہ مقام جہاں اللہ موجود ہے جو کہتا ہے کہ جو کچھ بھی ہے میرا ہے میرے لیے ہے ایسے ہی جیسے آپ کہتے ہیں کہ پورے جسم میں جو کچھ بھی ہے میرا ہے میرے لیے ہے اور ایسا آپ کا نفس یعنی دماغ کہہ رہا ہوتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آپ الگ ہیں اور باقی پورا جسم الگ نہیں بلکہ پورا جسم آپ ہی ہو لیکن آپ کے وجود کا جو محور ہے جو وسط ہے جو اصل ہے وہ نفس ہے یعنی دماغ ہے باقی جو کچھ بھی ہے وہ دماغ کا ہے اسی کے لیے ہے جب تک اسی کا ہے اور اسی کے لیے ہے تو وہی ہے یعنی آپ ہی ہو دوسرا وجود نہیں بالکل ایسے ہی اللہ کی ذات ہے۔

اللہ میں یہ خلیہ یعنی زمین اس میں جو مسجد ہے اس میں داخلے کی کسی کو اجازت ہے ہی نہیں اس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا اور آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ الدجّال ٹیکنالوجی ہے موجودہ جدید ایجادات ہیں فطرت کے مقابلے پر فطرت کی ضد تمام کی تمام اشیاء ہیں جو انسانوں کو مس کر رہی ہیں یعنی انسان ان کا استعمال کر رہے ہیں اور یہ مخلوقات یہ اشیاء ان پر اثر انداز ہو رہی ہیں جس وجہ سے انسان طرح طرح کی تباہیوں اور ہلاکتوں کا شکار ہیں اس کے باوجود اس کے دجل کا شکار ہیں۔ اس ٹیکنالوجی سے زمین اور اس کے گرد گیسوں کی سات تہوں میں تو مداخلت کی جا سکتی ہے لیکن مکہ میں یعنی جو زمین کا کنٹرول پوائنٹ ہے جو زمین کا دماغ ہے اس میں مداخلت کی اجازت دی ہی نہیں گئی انسان جو جی چاہے کر لے وہ جیسی جی چاہے ٹیکنالوجی حاصل کر لے، مشینیں بنا لے کوئی بھی ایجاد کوئی ٹیکنالوجی زمین کے دماغ مکہ میں مداخلت نہیں کر سکتی یہ ہے الدجّال کا مکہ میں داخل نہ ہونا۔

اب تک آپ کو یہ بھی واضح ہو چکا ہوگا کہ جسے آپ آج تک مسجد الحرام سمجھتے آئے وہ مسجد الحرام نہیں ہے بلکہ مسجد الحرام جو کہ مکہ ہے اور مکہ زیر زمین وہ مقام ہے جہاں ایک کمرہ نما عمارت وضع کی گئی جسے کعبہ یا بیت اللہ کہا جاتا ہے۔

مکہ پوری زمین کا وہ مقام ہے جہاں سے اللہ زمین پر تمام عالمین کو ہدایات دے رہا ہے یعنی مکہ زمین کا کنٹرول پوائنٹ ہے اور اسی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے وحی کیمطابق اس بستی کا نام مکہ رکھا جس کا مطلب ہے کہ پوری زمین میں یہ وہ بستی ہے جہاں مکہ ہے۔

مکہ زمین کا کنٹرول پوائنٹ ہے اسے ایک اور مثال سے سمجھ لیجئے۔

جیسے ایک ٹیلی وژن ہوتا ہے اسے آن آف کرنے، اس کے چینلز تبدیل کرنے، آواز کم یا زیادہ کرنے اور اس میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی کرنے کے لیے ریموٹ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ریموٹ آپ کے ہاتھ میں ہوتا ہے آپ ٹی وی کے مالک کہلائے۔ اب آپ نے ٹی وی کو حکم دینا ہے کہ وہ ایک نمبر چینل کی نشریات دکھائے تو آپ ریموٹ سے بٹن دبائیں گے یعنی کہ آپ نے ٹی وی کو حکم دیا۔ آپ کا ٹی وی کو دیا گیا حکم ریموٹ سے نور کی لہروں کی صورت میں نکلتا

ہے اور ٹی وی تک سفر کرتا ہے۔ اب پورے ٹی وی میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ اس حکم کو موصول کر کے اسے سمجھ سکے اور پھر اس پر عمل کرے بلکہ ٹی وی میں ایک ہی مقام ایسا ہے جو ریموٹ سے نکلنے والے کسی بھی حکم کو نہ صرف موصول کرتا ہے بلکہ اس کو سمجھ کر آگے متعلقہ محکمے کو آگاہ کرتا ہے کہ مالک نے تمہارے لیے فلاں حکم بھیجا ہے اور پھر ٹی وی کا متعلقہ حصہ یا محکمہ اس پر عمل کرتا ہے۔ ٹی وی کا وہ مقام سینسر کہلاتا ہے۔

پورے ٹی وی میں سینسر وہ واحد مقام ہے جو مالک کی طرف سے آنے والے ہر حکم کو موصول کر کے اسے سمجھنے کے بعد متعلقہ حصے کو بھیجتا ہے کہ اگر آپ نے آواز کم یا زیادہ کرنی ہے تو سینسر حکم کو موصول کر کے اسے ٹی وی میں آواز کے محکمے کو بھیجے گا۔ بالکل اسی طرح وہ ہر حکم کو موصول کر کے آگے متعلقہ محکمے کو مالک کی طرف سے آیا ہوا حکم بھیجتا ہے اور پھر ٹی وی میں ہر محکمہ اس حکم پر عمل کرتا ہے جس سے ٹی وی آپ کی ہدایات کے مطابق چلتا ہے۔

بالکل اسی طرح اللہ نے زمین میں بھی ایک ایسا مقام رکھا ہے جہاں سے زمین کے تمام عالمین کو ہدایات دی جاتی ہیں کہ کس کس مخلوق کا کیا کیا کام ہے کس کس نے کیا کیا کرنا ہے یعنی پوری زمین کا نظام اللہ اس مقام سے چلا رہا ہے۔ خلا سے نور کی لہریں زمین کی طرف آتی ہیں جو سیدھی زمین کے اس مقام میں داخل ہوتی ہیں جہاں ایک کمرہ سا بنا ہوا ہے جسے کعبہ کہا جاتا ہے وہاں سے وہ لہریں پوری زمین میں جاتی ہیں ان لہروں میں اللہ کے تمام احکامات ہوتے ہیں زمین کے تمام عالمین کے لیے۔ پھر پوری زمین سے لہریں واپس اسی مقام میں جاتی ہیں اور وہاں سے خلا کی طرف بلند ہو جاتی ہیں یعنی وہ زمین کے اس مقام پر اترتی تو اللہ کے تمام احکامات کیساتھ ہیں اور واپس زمین میں تمام کی تمام مخلوقات کی خبریں لیکر جاتی ہیں ان کی آڈیوز، ویڈیو سمیت مکمل معلومات کیساتھ ان نور کی لہروں کو عربی میں ملائکہ کہا۔ زمین پر وہ مقام مخلوقات کے لیے مکہ ہے۔ مکہ کے معنی ہیں جو ذات موجود ہے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ تُو وہاں اس مقام میں موجود ہے جہاں سے زمین کی تمام مخلوقات کو ہدایات دی جاتی ہیں یا جہاں سے زمین کا نظام چلایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے مکہ یعنی زمین کے اس مقام کے اردگرد قائم ہونے والی بستی کا نام مکہ رکھا گیا کہ زمین کا مکہ اس بستی میں ہے یعنی زمین کا وہ مقام جہاں سے زمین کا نظام چلایا جا رہا ہے وہ اس بستی میں ہے۔

اسی کا ذکر اللہ نے قرآن میں بھی کیا ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ آل عمران ۹۶

اِنَّ اس میں کچھ شک نہیں اَوَّلَ پہلا تھا بَيْتٍ جتنے بھی بیت ہیں یعنی گھر ہیں وُّضِعَ وضع کیا گیا تھا لِلنَّاسِ لوگوں کے لیے لَلَّذِىْ جو ذات ہے یا جس کو حاصل ہے یا جو کچھ بھی اپنا وجود رکھتا ہے اسی ذات کا وجود ہے اس ذات کو ''بِبَـــكَّةَ'' یہ جملہ ہے جو کہ چار الفاظ پر مشتمل ہے ''ب ب ک ۃ'' ''ب'' کے معنی ہیں ''سے'' اور ''ک'' کے معنی ہیں ''تُو'' اور ''ۃ'' کے اس کا براہ راست ذکر کے لیے ہے جس کی بات کی جا رہی ہے۔ یوں بِبَكَّةَ کے معنی بنتے ہیں تجھ سے جو بیت وضع کیا گیا اس بیت سے یعنی جو بیت وضع کیا گیا وہ کہاں سے وضع کیا گیا؟ وہ تجھ سے اور یہ تجھے کہا جا رہا ہے اس وجود کو جیسے کہ پیچھے مکہ کے معنی جب بیان کیے گئے تو وضاحت کیساتھ بیان کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود یہاں پھر مختصراً واضح کر دیتے ہیں۔

مثلاً آپ اپنی ہی ذات میں غور کریں تو اس بشری وجود کی حد تک آپ کی حقیقت کیا ہے؟ یعنی اگر اس پانچ چھ فٹ کے بشری وجود کو ہی اصل اور مکمل حقیقت مان لیا جائے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ سے آپ کے جسم کے کسی بھی عضو کے بارے میں سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے تو آپ کہیں گے کہ میرا ہے یعنی آنکھیں نہیں دیکھتی بلکہ آنکھیں آپ کی ہیں آپ ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو یہ بات واضح ہوگئی کہ اس بشری وجود کی حد تک آپ وہ ہو آپ کی حقیقت وہ ہے جو دیکھتا ہے اور دیکھ رہا ہے آنکھوں سے، اسی طرح کان نہیں سنتے بلکہ کانوں سے سنا جاتا ہے، ہاتھ نہیں پکڑتے یا کچھ کرتے بلکہ ہاتھوں سے کیا جاتا ہے، زبان نہیں بولتی بلکہ زبان سے بولا جاتا ہے اسی طرح تمام کے تمام اعضاء کو لے لیں تو یہی بات سامنے آئے گی کہ جس میں تمام اعضاء بنیادی طور پر آلات ہیں جن سے کام لیا جا رہا ہے اور جو کام لے رہا ہے یعنی جو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، کانوں سے سن رہا ہے، ہاتھوں سے پکڑ رہا ہے یا کچھ کر رہا ہے، پاؤں سے چل رہا ہے، زبان سے بول رہا ہے وغیرہ یہ دماغ ہے جو سب اعضاء کو بطور آلات استعمال کرتا ہے جس سے یہ بات بالکل کھل کر واضح ہوگئی کہ بشری وجود تک آپ کی حقیقت دماغ ہے۔

اب ذرا غور کریں اگر میں آپ کے وجود میں غور کرتا ہوں جس سے مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے تو میں آپ کے بارے میں کیا کہوں گا؟ میں آپ کے سر کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے کہوں گا کہ تُو وہاں ہے۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوگا کہ آپ صرف اور صرف وہ ہیں جو کہ سر میں موجود ہے یعنی دماغ بلکہ جو کچھ بھی دماغ کے ساتھ منسلک ہے تو اس کا اپنا وجود نہیں رہتا بلکہ دماغ کیساتھ جڑنے سے جو کچھ بھی دماغ سے جڑ جائے ایک ہی وجود بن جاتا ہے کوئی دوسرا وجود تب بنتا یا ہوتا ہے جب دماغ سے الگ ہوگا۔

بالکل ایسے ہی یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آرہا ہے جب آپ اس میں غور وفکر کریں تو آپ پر واضح ہو جائے گا آپ کے جو بات سامنے آئے گی وہ یہ کہ جیسے آپ اپنے وجود میں جو محور ہے جو مَیں مَیں میرا میرا کر رہا ہے وہ دماغ ہے ایسے ہی زمین کا بھی دماغ ہے تو وہ مقام جو زمین کا دماغ ہے اسے کہا جا رہا ہے ''ک'' یعنی تُو۔ اور اس مقام کے لیے ''ۃ'' کا استعمال کیا گیا اور اس مقام سے اگر کچھ کیا گیا تو اس کے لیے ''ب'' یعنی سے کا استعمال کیا گیا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ

اس میں کچھ شک نہیں جتنے بھی بیت ہیں سب سے پہلا بیت تھا جو وضع کیا گیا لوگوں کے لیے اسی ذات کو وضع کیا گیا جو ذات اپنا وجود رکھتی ہے یعنی اللہ اور اسی سے وضع کیا گیا۔

آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں اور ہر کوئی اپنے خالق و مالک کی عبادۃ کا دعویدار ہے وہ خالق و مالک کہ جو کچھ بھی ہے جس کا ہے اور پھر زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے اسے اپنی اپنی زبان میں کوئی نہ کوئی اسم یا لقب دیا گیا یا اس کے لیے کوئی نہ کوئی الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے مثلاً اللہ، ایشور، گاڈ، ایل، ایلی، پرماتما، دی اوس، واہے گرو وغیرہ الفاظ بے شک مختلف ہوں لیکن ہر ایک کا اس سے مراد وہی ذات ہے جو خالق و مالک ہے پھر تمام کے تمام مذاہب کے پیروکاروں نے زمین میں بہت سے بیت یعنی گھر تعمیر کیے ہوئے ہیں جن کے بارے میں ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ یہ اسی ذات کا گھر ہے یہاں وہ ذات ملتی ہے وغیرہ وغیرہ جیسے کہ مسلمان قوم نے ایسے جو گھر بنا رکھے ہیں انہیں وہ مساجد کا نام دیتے ہیں، ہندو مندر کا نام دیتے ہیں، سکھ گرودوارہ کا نام دیتے ہیں عیسائی چرچ کا نام دیتے ہیں ایسے ہی باقی جتنے بھی گھر ہیں۔ اللہ ایسے تمام کے تمام گھروں کی نفی کر رہا ہے کہ ایسے جتنے بھی گھر وضع کیے گئے کہ نہ تو اس ذات کے ہیں اور نہ ہی اس نے انہیں وضع کیا نہ ان گھروں میں وہ ذات تمہیں ملنے والی ہے اور جو گھر اس نے وضع کیا اور جہاں سے کیا وہ بھی واضح کر دیا اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ اس میں کچھ شک نہیں جتنے بھی بیت یعنی گھر ہیں سب سے پہلا گھر جو وضع کیا لوگوں کے لیے وضع کیا جو ذات ہے اسی نے وضع کیا جہاں وہ ذات ہے یعنی دماغ کی صورت میں وہاں سے وضع کیا یوں اس ذات کے صرف اور صرف دو بیت ہیں ایک وہ جو بیت ہے اور تھا اور دوسرا وہ جو لوگوں کے لیے واضح کرنے کے لیے اسی بیت کو وضع کیا گیا یعنی اس بیت پر عمارت بنائی گئی جسے کعبہ کہا جاتا ہے یوں اصل میں تو ایک ہی بیت ہے اور دوسرا جو کہ پہلے بیت کو واضح کرنے کے لیے وضع کیا گیا ایک کمرہ نما عمارت بنائی گئی وہ ہے جس کی اپنی کوئی اہمیت وحیثیت نہیں وہ محض ایک نشان ہے جو کسی مقام کو واضح کرنے کے لیے اس کی پہچان کے لیے لگایا جاتا ہے۔ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ اسی مقام سے یعنی جیسے بشر کے وجود میں اس کا دماغ ہے جو پورے وجود کو کنٹرول کرتا ہے پورے وجود کا نظام چلاتا ہے یعنی تمام اعضاء کو ہدایات دیتا ہے جو کہ آپ ہی ہوتے ہیں ایسے ہی یہ جو وجود ہے ایک ہی وجود ہے اللہ تو اس زمین کی حد تک اس کا دماغ وہ مقام ہے جہاں سے برکات ہیں اور ہدایات دی جا رہی ہیں عالمین کو یعنی زمین کی تمام مخلوقات کو اسی مقام سے ہدایات دی جا رہی ہیں جو وہ کر رہی ہیں۔ پیچھے واضح کیا جا چکا کہ مکہ زمین کا وہ مقام ہے جہاں سے زمین کی تمام مخلوقات کو ہدایات دی جا رہی ہیں کنٹرول کیا جا رہا ہے صرف اور صرف یہی مقام ہے کہ جہاں سے آنے والی ہدایات پر عمل کرنے سے ہر لحاظ سے فائدے ہی فائدے ہیں کسی قسم کی کوئی خرابی، کمی، کجی، نقص یا خرابی نہیں ورنہ اگر اس مقام کے علاوہ کہیں اور سے ہدایات لیں کسی اور مقام سے ملنے والی ہدایات پر عمل کیا کسی اور سے ملنے والی ہدایات پر عمل کیا تو پھر برکات نہیں بلکہ نقصانات ہی نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا پھر خرابیاں ہوں گی، تباہیاں و ہلاکتیں آئیں گی کچھ بھی سلامت نہیں رہے گا سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا زمین جو جنت بنا کر دی تھی یہ جہنم میں بدل جائے گی۔

یہ آیت بہت ہی زیادہ وسعتوں کی حامل ہے اس میں اللہ نے غیر معمولی راز رکھ دیئے ہیں۔ اس آیت میں اللہ نے کہا کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ سب سے پہلا گھر وضع کیا گیا لوگوں کے لیے بکۃ سے، بکۃ سے برکات اور راہنمائی ہے تمام عالمین کے لیے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسانوں کے لیے جو سب سے پہلا گھر وضع کیا گیا اس گھر کو اللہ نے قرآن کی سورت المائدہ کی آیت ۹۵ اور ۹۷ میں کعبہ کہا ہے۔

لیکن ساتھ قرآن کی آیت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام عالمین کے لیے برکات اور راہنمائی ہے یعنی کہ اگر برکات اور راہنمائی اس بیت میں ہے جو انسانوں کے لیے وضع کیا گیا جو کہ کعبہ ہے محض ایک عمارت ہے تو پھر اس بیت کے وضع کیے جانے سے پہلے تمام عالمین کو برکات اور راہنمائی کہاں سے دی جاتی تھیں؟

اس کا جواب اللہ نے اسی آیت میں دے دیا کہ جہاں سے برکات اور ہدایات دی جاتی ہیں وہ بیت اللہ کعبہ نہیں بلکہ ''بکہ'' مکہ ہے۔

مکہ زمین پر وہ مقام ہے جہاں سے زمین کے تمام عالمین کو برکات اور ہدایات دی جاتیں ہیں۔ بیت اللہ وضع کیا انسانوں کے لیے مکہ سے یعنی کہ انسانوں کے علاوہ زمین کے تمام عالمین کو مکہ کا علم ہے جہاں سے ان کو برکات اور ہدایات دی جاتی ہیں صرف انسان کو علم نہیں تھا۔ انسان پر مکہ کو واضح کرنے کے لیے اس مقام پر ایک گھر تعمیر کر دیا تا کہ انسان پر اس کے ذریعے مکہ واضح ہو جائے۔

کعبہ کے معنی سمت اور اس مقام کی نشاندہی کے ہیں جس مقام سے اللہ زمین کی تمام مخلوقات کو ہدایات دے رہا ہے۔

مُبٰرَکًا. برکات موجود ہیں۔ ''برکہ'' جس کے معنی ہیں ہر قسم کے نقص، خامی وعیب وغیرہ سے پاک انتہائی فائدہ مند شئے۔

ھُدًی. ہدایات، راہنمائی۔ مثلاً اگر آپ نے کوئی کام کرنا ہے تو اس کے لیے جو بھی ہدایات درکار ہوں یعنی کب، کہاں، کیوں کس لیے، کتنا اور کیسے کرنا ہے۔ زمین کے اس مقام سے اللہ زمین کے تمام عالمین کو ہدایات دیتا ہے کہ کسے کس مقصد کے لیے خلق کیا ہے اور اس نے کیا کیا کرنا ہے۔ لمحہ بہ لمحہ اسی مقام سے ہدایات دی جا رہی ہیں اور اسی مقام سے حاصل ہونے والی ہدایات سے جو بھی عمل ہوتا ہے اس میں مخلوقات کے لیے ہر لحاظ سے فائدے ہی فائدے ہیں اگر کوئی بھی مخلوق اس مقام کے علاوہ کسی اور مقام سے ہدایات لے گی یا کسی اور مقام سے ملنے والی ہدایات پر عمل کرے گی تو پھر برکات نہیں ہوں گی یعنی پھر نہ صرف اپنا نقصان ہوگا بلکہ باقی تمام مخلوقات کا بھی نقصان ہوگا، اس مقام کے علاوہ کسی اور مقام سے ملنے والی ہدایات پر عمل کر کے کچھ بھی حاصل کیا جائے گا تو اس میں نقصان ہی نقصان ہوگا اس میں صرف ہلاکت ہی ہوگی۔

زمین کے اس مقام کو اللہ نے قرآن میں ''مکہ'' یا ''بکہ'' کہا ہے اور اسی وجہ سے اس مقام کے اردگرد آباد ہونے والی بستی کا نام مکہ رکھا گیا۔ اگر آپ یہ کہیں یا ایسا نظریہ رکھیں کے صرف وہ بستی ہی مکہ ہے تو پھر نہ صرف اللہ کے کلام کا کفر ہوگا بلکہ نہ ختم ہونے والے سوالات کا دروازہ کھل جائے گا۔ مثلاً اللہ کہہ رہا ہے کہ مکہ سے تمام عالمین کو برکات اور ہدایات دی جاتی ہیں اگر مکہ سے مراد کعبے کے گرد قائم بستی کو لے لیا جائے تو پھر اس بستی کے قیام سے پہلے تمام عالمین کو برکات اور ہدایات کہاں سے دی جا رہی تھیں؟ کیونکہ یہ بستی تو ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ذریعے وجود میں آئی اور جب اس کا وجود نہیں تھا تب کیا اللہ کی برکات اور ہدایات کا سلسلہ تھما ہوا تھا؟

پھر اگر مزید غور کیا جائے تو اس بستی کا وجود تو انسان کے وجود سے مشروط ہے جب انسان ہی زمین پر نہیں تھے تو اس بستی کا تو کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ جب اس بستی کا وجود تو دور کی بات تصور تک بھی نہیں تھا تو تب اللہ کہاں سے برکات اور ہدایات دے رہا تھا زمین کے تمام عالمین کو؟

بہر حال یہ تو چند ایک سوالات ہیں جو غلط نظریات قائم کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اگر ہم مزید بات کریں تو ہزاروں سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

مکہ اللہ کے کلام کے مطابق جب زمین کی ابتداء کی گئی تب سے وجود میں لایا گیا مکہ زمین کا وہ مقام ہے جہاں سے زمین کا نظام چلایا جا رہا ہے جہاں سے بادلوں، ہواؤں، سمندروں، چرند، پرند، جانوروں، پھلوں، فصلوں درختوں سمیت زمین کی تمام کی تمام مخلوقات کو ہدایات دی جا رہی ہیں انہیں احکامات دیئے جا رہے ہیں۔ مکہ کو انسانوں پر واضح کرنے کے لیے اللہ نے وہاں ایک گھر تعمیر کیا تا کہ انسانوں پر مکہ واضح ہو جائے۔

اس مکہ میں الدجّال داخل نہیں ہو سکتا یعنی کہ وہ زمین کے اس کنٹرول پوائنٹ پر اختیار حاصل نہیں کر سکتا اگر وہ زمین کے اس کنٹرول پوائنٹ پر اختیار حاصل کر لے تو پھر اللہ زمین کے معاملات میں بے اختیار ہو جائے جو کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور دوسری بات یہ کہ اگر وہ زمین کے اس کنٹرول پوائنٹ پر اختیار حاصل کر لے تو پھر وہ براہ راست زمین کے تمام عالمین کو اپنا غلام بنا لے گا اس کے لیے اسے کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، زمین پر وہ جو جی چاہے کرے گا لیکن ایسا نہیں ہوگا۔ وہ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتا یعنی وہ زمین کا کنٹرول حاصل نہیں کر سکتا اسے زمین میں ربّ ہونے کے لیے الگ سے کوئی کنٹرول بنانا پڑے گا جس کو ٹی وی والی مثال کے آگے تسلسل سے سمجھ لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر کوئی آپ سے آپ کے ٹی وی کا ریموٹ حاصل کر لے تو آپ کا ٹی وی پر کنٹرول ختم ہو جائے گا اور وہ ٹی وی پر مکمل کنٹرول حاصل کر لے گا پھر وہ

ٹی وی کو ہر حکم اسی طرح دے سکے گا جیسے آپ دے رہے تھے اسے اس کے لیے کسی مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر اسے ریموٹ حاصل نہ ہو تو پھر اسے اگر آواز کم کرنی ہے تو اسے ٹی وی میں آواز والے حصے میں چھیڑ چھاڑ کرنا پڑے گی اور اس کے لیے کوئی ذریعہ بنانا پڑے گا جس سے وہ ٹی وی کی آواز پر متاثر ہونے کی صلاحیت حاصل کر لے لیکن جب ٹی وی کا اصل کنٹرول آپ کے پاس ہے تو پھر وہ کوئی ایسا ذریعہ بنانے کے باوجود بے بس ہو گا۔ اسی طرح اسے ٹی وی میں کچھ بھی کرنا ہو گا تو اسے ٹی وی کے ہر حصے میں الگ الگ چھیڑ چھاڑ کرنا پڑے گی جب اسی طرح چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو ممکنہ طور پر ٹی وی میں خرابیاں پیدا ہوں گی اور وہ تباہ ہو جائے گا کیونکہ وہ ٹی وی کا خالق نہیں کہ اسے ٹی وی کے بارے میں مکمل علم ہو اس لیے وہ ٹی وی میں چھیڑ چھاڑ کر کے خراب کر دے گا اسے تباہ کر دے گا، بے کار کر دے گا۔

یہ ہے الدجّال کا مکہ میں داخل نہ ہو پانا۔ الدجّال ٹیکنالوجی ہے اور انسان ایسی ٹیکنالوجی حاصل نہیں کر سکے گا جو ٹیکنالوجی زمین کے کنٹرول پوائنٹ یعنی مکہ پر دسترس پا سکے۔ آج سائنسدانوں کی کوشش یہی ہے کہ وہ زمین کے کنٹرول پوائنٹ پر دسترس پانے کے لیے ٹیکنالوجی ایجاد کریں اور پوری زمین کے نظام کو اپنے قبضے میں لے لیں۔

آج دنیا کے شیاطین جو سائنسدان کے نام سے جانے جاتے ہیں وہ زمین کے اس کنٹرول پوائنٹ کا علم حاصل کر چکے ہیں وہ جان چکے ہیں کہ جیسے پورے وجود کو دماغ کنٹرول کرتا ہے ایسے ہی پوری زمین کو زمین کے ایک خاص مقام سے کنٹرول کیا جاتا ہے اور اگر اس مقام پر کنٹرول حاصل کر لیا جائے تو جو آج تک کیے جانے والے فساد کی وجہ سے زمین عنقریب ناقابل رہائش ہونے والی ہے اس سے بچا جا سکتا ہے زمین میں من چاہی تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں اور اسی وجہ سے ان کی اس وقت اولین ترجیح یہ ہے کہ کعبے کو کھود کر زمین کے اس مقام کا جائزہ لیا جائے۔ اس مقام پر تحقیقات کر کے زمین کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے جس سے زمین کی تمام مخلوقات براہ راست ان کی غلامی میں آجائیں گی۔ سب کی زندگی اور موت کا اختیار انہیں حاصل ہو جائے گا اور اس مقصد کے لیے سعودی حکومت میں ایسے لوگوں کو لایا جا رہا ہے جو اس منصوبے میں رکاوٹ کی بجائے معاونت کریں، سعودی حکومت کی معاونت سے مختلف بہانوں سے اور مختلف طریقوں سے اس مقام میں زیرزمین کھدائی تو کر لی جائے گی لیکن ایسا کبھی نہیں ہو گا کہ یہ لوگ زمین کا کنٹرول حاصل کر سکیں الدجّال یعنی ٹیکنالوجی اس میں مداخلت کر سکے ایسا ممکن ہی نہیں اس لیے یہ ان شیاطین کی خواہش ہی رہے گی۔ لیکن یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ شیاطین مکہ یعنی زمین کے کنٹرول پوائنٹ والے مقام پر اختیار حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ یہ ضرور کوشش کریں گے جس کے لیے انہیں اگر کعبے کو بھی گرانا پڑا تو گرائیں گے جو کہ انہیں ضرورت پیش نہیں آئے گی یہ کعبے کو بغیر گرائے ہی مسجد الحرام کی توسیع کے نام پر ہی اپنا کام کریں گے، مکہ یعنی زمین کے جس مقام کو واضح کرنے کے لیے ایک کمرہ نما عمارت موجود ہے اس کے اطراف سے کھدائی کرتے ہوئے اس کے نیچے جا کر اس کا معائنہ کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

آج شیطان اپنے اولیاء کو اسی کی وحی کر رہا ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو وہ کعبے کے مقام کو کھود کر اس کا جائزہ لیں تحقیقات کریں اور زمین کا کنٹرول حاصل کر لیں۔ اصل مکہ یعنی زمین کا وہ مقام جس کو انسانوں کے لیے وضع کرنے کے لیے اس پر بیت اللہ کی تعمیر کی گئی اس کے گرد قائم مکہ کے نام پر بستی اگر تو مدینہ ہو یعنی وہاں اللہ کا دین قائم ہو تو الدجّال داخل نہیں ہو سکتا اور اگر وہاں اللہ کا دین قائم نہ ہو تو وہاں الدجّال نہ صرف داخل ہو گا بلکہ دھندناتا پھرے گا جیسا کہ آج آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے مگر الدجّال یعنی ٹیکنالوجی زمین کے کنٹرول پوائنٹ یعنی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتی یعنی مداخلت نہیں کر سکتی ایسا ممکن ہی نہیں کہ ٹیکنالوجی کے ذریعے اس مقام پر دسترس پا کر زمین کا کنٹرول سنبھال لیا جائے کہ جس سے وہ زمین کے تمام عالمین پر براہ راست مداخلت کر سکے۔

الدجّال کا کعبے کا طواف

بخاری و مسلم میں روایت موجود ہے جس میں ہے کہ محمد علیہ السلام نے خواب میں الدجّال کو کعبے کا طواف کرتے دیکھا۔

آج الدجّال عمارتوں سمیت اس ٹیکنالوجی کی صورت میں کعبے کا طواف کر رہا ہے اور مسجد الحرام کے اندر کعبے کے گرد جو بمنزلہ طواف کے لیے پلیٹ فارم بنایا ہوا ہے وہ بھی الدجّال طواف کر رہا ہے اور جو لوگ ٹیکنالوجی یعنی موبائل، کمپیوٹر کیساتھ طواف کرتے ہیں تو ان کے ساتھ الدجّال بھی طواف کر رہا ہوتا ہے اس کے علاوہ آپ تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں کہ الدجّال بڑی بڑی مشینوں کی صورت میں کعبے کے گرد طواف کی صورت میں موجود ہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ محمد علیہ السلام نے مدینہ کو حرم قرار دیا جس سے مراد حجاز کی بستی یثرب کو لیا جاتا ہے جو کہ بالکل غلط ہے جیسا کہ صراحت کیساتھ واضح کیا جا چکا کہ مدینہ اس خطے کو کہتے ہیں جہاں اللہ کا دین قائم ہو یعنی وہ خطہ جو فطرت پر ہو اور جہاں بھی اللہ کا دین قائم ہو وہ حرم ہے یعنی اس میں کسی بھی قسم کی مداخلت ممنوع ہے فطرت میں کسی بھی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی ورنہ فطرت یعنی دین کو بدلنے والے کا عبرت ناک سزا دی جائے گی۔ اس کی حدود میں شکار نہیں کیا جائے گا، لڑائی وغیرہ نہیں کی جائے گی، جانوروں کو بھگایا نہیں جائے گا وغیرہ سمیت فطرت میں تبدیلی نہیں کی جائے گی، ہر صورت فطرت کو ہی قائم رکھا اور رہنے دیا جائے گا۔

مدینہ میں مسیح الدجّال اور طاعون کا داخل نہ ہونے کی وجہ

رسول اللہ ﷺ نے کہا: نہیں داخل ہوں گے مدینہ میں مسیح اور طاعون۔ بخاری وموطا

پیچھے آپ تفصیل کیساتھ جان چکے ہیں آپ پر ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ مدینہ کیا ہے، مدینہ اس خطے، علاقے، بستی یا شہر وغیرہ کو کہتے ہیں جو فطرت پر ہو جہاں فطرت میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی یا چھیڑ چھاڑ نہ کی جا رہی ہو بلکہ ہر لحاظ سے فطرت پر قائم ہو اور اسی سے اس کی ضد قریہ ہے جس کے معنی ہیں جہاں دین قائم نہیں یعنی جہاں فطرت نہیں بلکہ فطرت کی ضد ہے مصنوعی، جہاں فطرت میں مداخلت کی جا رہی ہو وغیرہ۔

اور طاعون ہر اس بیماری کو کہا جاتا ہے جو فطرت کے علاوہ ہو یعنی بخار کے علاوہ، بخار کے علاوہ ہر بیماری عربی میں طاعون کہلاتی ہے۔ روایت میں محمد علیہ السلام کے الفاظ کی ترتیب غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے جیسے کہ مسیح کے الفاظ کا استعمال پہلے کیا گیا اور طاعون کا لفظ بعد میں آیا ہے۔ اس ترتیب میں کیا اہم پیغام ہے اس کی آپ کو آگے سمجھ آئے گی۔ پہلے آپ کو مسیح یعنی الدجّال اور طاعون کو سمجھنا ہوگا۔

جیسا کہ آپ پر واضح کیا جا چکا کہ طاعون ہر وہ بیماری کہلاتی ہے جو انسان کے جسم میں قائم توازن میں خسارے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے یعنی اللہ نے انسان کے جسم کے تمام اعضاء کو احسن خلق کر کے جس مقصد کے لیے انہیں خلق کیا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے انہیں ان کے مقام پر لگا دیا جس سے ایک توازن وضع ہوا۔ یہ توازن تب تک قائم رہے گا جب تک تمام اعضاء اپنے اپنے مقام پر رہیں گے اور اپنی اپنی ذمہ داری کو بالکل ٹھیک سے ادا کرتے رہیں گے اور تمام کے تمام اعضاء تب تک اپنے اپنے مقام پر رہ کر اپنی اپنی ذمہ داری ادا کرتے رہیں گے جب تک کہ ان کی ضروریات انہیں بالکل اسی طرح اور ویسی ہی ملتی رہیں جو اللہ نے ان کے لیے خلق کر دیں اور جس طریقے سے خلق کیں۔ اگر سب کچھ اسی طرح فطرت پر رہے گا تو آپ کے جسم میں قائم میزان میں کوئی خسارہ نہیں ہو گا یعنی اس توازن میں کوئی بگاڑ نہیں ہوگا جسے آپ بیماری کا نام دیتے ہیں سوائے یہ کہ جسم میں قوت کی زیادتی سے اس کا درجہ حرارت کبھی کبھار بڑھ نہ جائے جسے بخار کہتے ہیں اور بخار بشر کے لیے بہت ہی مفید ہوتا ہے اس سے آپ کے جسم میں ایسے جراثیم جو نقصان دہ ہوتے ہیں ان کا خاتمہ ہو کر جسم کی صفائی ہو جاتی ہے اور ایک لمبے عرصے تک جسم خرابیوں ونقصانات سے محفوظ ہو جاتا ہے یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے محمد علیہ السلام نے بخار کو رحمہ کہا یعنی بخار بشر کو محفوظ کر دیتا ہے۔ رحمہ کہتے ہیں حفاظت کرنا یا محفوظ کر دینا۔ بخار جسم کو ان جراثیموں کی وجہ سے لاحق ہونے والی بیماریوں سے محفوظ کر دیتا ہے جراثیموں کو قتل کر کے۔

اب جب ایک خطہ جس میں اللہ کا دین قائم ہوگا وہ جگہ ہر لحاظ سے فطرت پر ہوگی اس میں سب کچھ طیب ہوگا تو پھر ظاہر ہے جب سب کچھ فطرت پر ہوگا تو پھر بخار کے علاوہ کسی بھی بیماری کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا اور اس کے برعکس ایسا خطہ جہاں اللہ کا دین قائم نہ ہو جسے عربی میں قریہ کہتے ہیں اللہ کی نافرمان یا اللہ سے بغاوت کرنے والوں کی رہائش گاہیں اس خطے میں سب کچھ یا زیادہ تر خبیث ہوگا جس سے جسم میں تمام اعضاء کو مہیا ہونے والی ضروریات کا معیار ناقص ہوگا تو وہ اعضاء اپنے اپنے مقام سے ہٹ جائیں گے جسے عربی میں فساد کہتے ہیں جس کے نتیجے میں جسم میں قائم میزان میں بگاڑ ہوگا اس بگاڑ کی وجہ سے ظاہر ہونے والی تباہی کو آپ بیماریوں کا نام دیتے ہیں۔ بخار کے علاوہ تمام کی تمام بیماریاں عربی میں طاعون کہلاتی ہیں۔

اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ مسیح الدجّال کیا ہے یعنی الدجّال کا انسانوں پر اثر انداز ہونا کیا ہے اور مسیح الدجّال اسی خطے میں داخل ہوگا جہاں اللہ کا دین قائم نہ ہو وان کو گمراہ کر کے اللہ کی مخلوقات میں چھیڑ چھاڑ پر آمادہ کرے گا جس سے کوئی بھی شئے خالص نہیں رہے گی یعنی فطرت پر اور طیب نہیں رہے گی اور ایسے رزق کو اختیار کرنے والوں کے اجسام میں اللہ کا قائم کردہ توازن بگڑ جائے گا جس کا نقصان طرح طرح کی لاتعداد بیماریوں کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

جس خطے میں مسیح الدجّال داخل نہیں ہوگا وہاں بخار کے علاوہ اور کوئی بیماری بھی داخل نہیں ہو سکتی اور الدجّال صرف اور صرف اسی خطے میں داخل نہیں ہو سکتا جہاں اللہ کا دین قائم ہو جسے عربی میں مدینہ کہتے ہیں اور اس کے برعکس الدجّال ہر اس بستی، ہر اس خطے میں داخل ہوگا جس میں اللہ کا دین قائم نہ ہو جسے عربی میں قریہ کہتے ہیں اور جس قریہ میں اللہ کا دین قائم کر دیا جائے تو وہ مدینہ بن جائے گی یوں الدجّال کا وہاں سے خاتمہ ہو جائے گا۔

دنیا میں اس وقت اکثریت مدینہ سے مراد سعودی عرب کی قریہ جسے مدینۃ المنورۃ کے نام سے جانا جاتا ہے اسے سمجھتے ہیں جو کہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کا نام یثرب ہے جو کہ آج ایک عظیم قریہ میں سے ایک قریہ ہے۔

الدجّال کی اتباع کرنے والے یہود کی حقیقت

محمد علیہ السلام نے کہا کہ الدجّال کی اتباع کرنے والوں یعنی اسے اپنا ربّ تسلیم کرنے والوں میں اکثریت یہود کی ہوگی اور پھر وہ لوگ جو خود کو مسلمان کہلواتے ہیں وہ بالکل بے فکر ہو جاتے ہیں اس لیے کہ ہم تو مسلم ہیں ہم تو مسلمان ہیں اس لیے ہمیں فکر کی کوئی ضرورت نہیں الدجّال کی اتباع تو یہود کریں گے اور یہود تو وہ ہیں جو یہودی یا جیوز کہلاتے ہیں اور پھر قرآن میں یہود و نصاریٰ کے بارے میں جتنی بھی آیات ہیں ان سے مراد بھی یہودیوں اور عیسائیوں کو ہی لیا جاتا ہے کہ یہ تو یہودیوں اور عیسائیوں کی بات ہو رہی ہے لیکن کسی نے آج تک کبھی غور و فکر نہ کیا کہ قرآن میں اللہ نے حقیقت میں یہودیوں اور عیسائیوں کو یہود و نصاریٰ کہا یا پھر یہ محض ہمارا ظن ہے اور حقیقت اس کے بالکل برعکس کچھ اور ہے۔

یہود جملہ ہے جو کہ دو الفاظ کا مرکب ہے ان میں پہلا لفظ ''یٰ'' اور دوسرا لفظ ''ھودٗ'' ہے۔ ھود میں اصل لفظ ''ھد'' ہے جس کے معنی راہ راست یا راہنمائی کے ہیں ہدایت کے ہیں اور ھود کے معنی بنتے ہیں ہدایت دیا ہوا یا ہدایت دیئے ہوئے، شروع میں ''یٰ'' کے استعمال سے جملہ بن جاتا ہے ''یہودٗ'' اور شروع میں ''یٰ'' کے استعمال سے اس میں خودی آجاتی ہے یوں یہود کے معنی بنتے ہیں وہ جو یہ کہہ رہا ہے یا کہہ رہے ہیں کہ ہم تو ہدایت دیئے ہوئے ہیں یعنی یہود کے معنی ہیں وہ لوگ جو پہلے سے ہی طے کر کے بیٹھے ہوئے ہیں پہلے سے ہی طے کیے ہوئے ہیں کہ ہم تو ہیں ہی ہدایت یافتہ ہم ہدایت دیئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے بار بار غور و فکر کرنے کا حکم دیا لیکن ایسے لوگ غور و فکر نہیں کرتے حق کو پہچاننے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ وہ نسل در نسل یہ طے کیے ہوئے ہیں کہ ہم تو ہیں ہی ہدایت یافتہ، اگر کسی سے کہیں بھی بات کرتے ہیں مباحثہ کرتے ہیں تو یہ نہیں کہ اس طرح بات کریں کہ ہو سکتا ہے ہم غلط ہوں اور غلطی واضح ہونے پر اصلاح کر لی جائے بلکہ اس طرح بات کرتے ہیں اس طرح بحث کرتے ہیں کہ پہلے سے ہی انہوں نے طے کیا ہوتا ہے کہ ہم تو ہیں ہی ہدایت یافتہ سامنے والا ہی گمراہ ہے ہم نے اس کی کوئی بات نہیں سننی یا ماننی بلکہ ہم چونکہ ہیں ہی ہدایت یافتہ تو اس پر اپنی بات کو اپنے عقائد و نظریات کو مسلط کرنا ہے۔

اور نصاریٰ کے معنی ہیں جو نصرت یعنی یہود کی مدد کر رہے ہیں اندھوں کی طرح ان کے پیچھے چلتے ہیں ان کی تعداد و قوت بڑھاتے ہیں۔

یہود وہ ہیں جو خود ہی یہ طے کیے ہوئے ہیں کہ ہم تو ہیں ہی ہدایت یافتہ جو نسل در نسل منتقل ہوا وہ بالکل حق ہے اور ہم اپنے آباؤ اجداد کو نہیں چھوڑیں گے جو کہ لوگوں کے کسی بھی سطح پر راہنمائی کے دعویدار ہیں جیسے کہ مذہبی علماء کے نام پر طبقہ، سیاستدان، اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگ یا جو بھی کسی بھی سطح پر انسانوں کی راہنمائی کے دعویدار ہیں اور یہ طے کیے ہوئے ہیں کہ ہم تو جو بھی کر رہے ہیں بالکل ٹھیک کر رہے ہیں ہم تو ہیں ہی ہدایت یافتہ اور وہ لوگ جو بغیر علم کے اندھوں کی طرح ان کے پیچھے چل رہے ہیں ان کو چندے دیتے ہیں ان کو فنڈز دیتے ہیں کسی بھی سطح پر ان کی نصرت کا باعث بنتے ہیں ان کی نصرت کرتے ہیں وہ ہیں نصاریٰ۔

قرآن میں جہاں بھی یہود و نصاریٰ کا ذکر آیا تو وہ یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر نہیں کیا جا رہا بلکہ ان دو طبقوں کا ذکر کیا گیا جن کی وضاحت کر دی گئی، قرآن میں انہی دونوں طبقوں کا ایک پہلو سے ذکر کرتے ہوئے انہیں الجن والانس کہا تو دوسرے مقام پر دوسرے پہلو سے ذکر کرتے ہوئے انہیں یہود و نصاریٰ پھر تیسرے مقام پر انہی کا ایک اور پہلو سے ذکر کرتے ہوئے یاجوج اور ماجوج کہا۔

تاریخ انسان کے ہر دور کے انہی دو طبقوں کو یہود و نصاریٰ، الجن والانس اور یاجوج و ماجوج وغیرہ کہا گیا اور آج موجودہ دور میں اسی طبقے کے دونوں گروہوں کو یہود و نصاریٰ کہا گیا نہ کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو۔

یہود جو خود سے ہی طے کیے ہوئے ہیں کہ وہ ہیں ہی ہدایت یافتہ اور انسانوں کی راہنمائی کے دعویدار بنے ہوئے ہیں انہیں قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ انسانوں کے راہنما بن بیٹھیں کیوں کہ یہ حق اللہ کا ہے اس کے باوجود جب یہ اللہ کے مقابلے پر انسانوں کے راہنما بن بیٹھیں گے تو لامحالہ یہ اللہ کے غضب کو بھڑکائیں گے اور اللہ کے نزدیک مغضوب ہوں گے اور وہ جو بغیر علم کے اندھوں کی طرح ان کے پیچھے چلیں گے تو وہ ضالین ہوں گے یوں قرآن میں انہی کو مغضوب اور ضالین کہا گیا۔

آج یہود کون ہیں اور نصاریٰ کون ہے یہ حقیقت آپ کے بالکل سامنے ہے آج دنیا میں جتنا بھی انسانیت کا راہنما طبقہ ہے وہ یہود اور وہ جو بغیر علم کے اپنے

راہنما کے نام پر راہزنوں کے پیچھے چل کر ان کی نصرت کر رہے ہیں نصاریٰ ہیں۔
اور آج یہی ہیں جو الدجّال کو اپنا ربّ تسلیم کیے ہوئے ہیں اس کے باوجود سمجھ رہے ہیں کہ یہ تو مومن ہیں، مسلمان ہیں، یہ تو اللہ کے چہیتے ہیں۔
قرآن کی پہلی ہی سورۃ الفاتحہ میں مغضوب اور ضالین کے الفاظ آئیں ہیں اور سب اس پر متفق ہیں کہ مغضوب سے مراد یہودی اور ضالین سے مراد عیسائی ہیں اگر اس بات کو مان لیا جائے جو کہ پہلے ہی واضح کیا جا چکا کہ اپنے دور میں وہی یہود و نصاریٰ تھے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں یہود و نصاریٰ کیوں کہا گیا؟ اور اگر جس بنیاد پر انہیں یہود و نصاریٰ کہا گیا آج وہی خود کو مسلمان کہلوانے والے کریں گے تو کیا یہ یہود و نصاریٰ نہیں کہلوائیں گے یہ مغضوب اور ضالین نہیں ہوں گے؟
اگر امت بنی اسرائیل کے بعد والی امت جو کہ خود کو مسلمان کہلواتے ہیں انہوں نے بھی وہی کچھ کیا جو بنی اسرائیل نے کیا تو ظاہر ہے موجودہ دور کے یہود و نصاریٰ، مغضوب اور ضالین یہ مسلمان نامی طبقہ ہوگا نہ کہ ماضی میں گزر جانے والے۔
بنی اسرائیل کو اللہ نے اس اُمت کے طور پر منتخب کیا جسے دنیا کے انسانوں کے لیے نکالا تھا لیکن جب انہوں نے اپنی ذمہ داری ترک کر دی اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گروہوں میں تقسیم ہو گئے تو اللہ کے غضب کا شکار ہوئے دنیا میں ذلیل و رسوا ہوئے اس کے باوجود وہ آج تک خود کو وہی اُمت سمجھ رہے ہیں جسے اللہ نے دنیا کے انسانوں کے لیے نکالا یعنی انہوں نے ہی دنیا میں نظام قائم کرنا ہے صرف انہیں ہی دنیا پر حکومت کا حق حاصل ہے وہ طے کریں گے کہ دنیا کے انسانوں کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ اس لیے وہ کبھی بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھے اور دنیا میں اپنا نظام اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے کوشش کرتے رہے اور قیام الساعت تک کرتے رہیں گے۔ اور بنی اسرائیل میں سے وہ جنہوں نے اپنی آنکھوں، کانوں اور دلوں کا اس مقصد کے لیے استعمال کرنا ترک کر دیا جس مقصد کے لیے اللہ نے یہ صلاحیتیں دیں تو وہ رستے سے ہٹ گئے، بغیر علم کے اندھوں کی طرح اپنے ملاؤں، اپنے لیڈروں کے پیچھے چلتے رہے جس سے انہیں سوائے گمراہی کے کچھ حاصل نہ ہوا یعنی غور و فکر کرنا چھوڑ دیا تو یہود نے انہیں رستے سے ہٹا کر اپنی نصرت کے لیے استعمال کیا یوں وہ نصاریٰ کہلائے۔ نصرت کرنے والے یعنی مدد کرنے والے۔ گمراہ ہونے والے یہود کے مشن میں ان کی نصرت کرنے والوں کو اللہ نے نصاریٰ قرار دیا۔
آج وہ تمام کے تمام لوگ جو اس ذمہ داری کو ترک کر چکے ہیں جو اللہ نے عائد کی تھی اور یہود کی روش اختیار کی وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوئے یعنی دنیا میں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں وہ سب کے سب یہود اور جو گمراہ ہو کر ان کی نصرت کر رہے ہیں وہ نصاریٰ ہیں۔ آج کے یہود کی بالکل آسان پہچان یہ ہے کہ جو لوگ بنی اسرائیل میں سے جن پر اللہ نے غضب کیا ان کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں اور اس کے باوجود وہ خود کو اُمت محمد قرار دیتے ہیں وہ یہود اور جو گمراہی کا شکار ہیں یوں وہ ان کی نصرت کر رہے ہیں یا نصرت کا سبب بن رہے ہیں وہ سب کے سب نصاریٰ ہیں۔
انہی کے بارے میں محمد علیہ السلام نے آج سے چودہ صدیاں قبل کہا تھا کہ الدجّال کی غلامی اختیار کرنے والوں میں یعنی وہ لوگ جو الدجّال کو اپنا ربّ تسلیم کر لیں گے ان میں اکثریت یہود و نصاریٰ یعنی انہی لوگوں کی ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ قال: لیفرن الناس من الدجال فی الجبال. مسند احمد، مسلم، ترمذی
رسول اللہ ﷺ نے کہا: لوگوں کے لیے ہے کہ وہ بھاگ جائیں الدجّال سے پہاڑوں میں۔
اس روایت میں بھی محمد علیہ السلام کے الدجّال کے بارے میں استعمال کیے جانے والے الفاظ انتہائی غیر معمولی ہیں کہا کہ لوگوں کے لیے ہے یعنی وہ جو الدجّال سے بچنا چاہتے ہوں تو ان کے لیے ہے کہ وہ پہاڑوں میں چلے جائیں۔ اب سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ شہری آبادیوں سے گنجان آباد علاقوں سے نکل کر پہاڑوں میں جانے کو کہا؟ اگر الدجّال ایک مخصوص شخص بشر انسان ہوتا تو کیا وہ پہاڑوں میں نہیں جا سکتا؟ اور کیا وہ بیک وقت تمام کے تمام گنجان آباد علاقوں میں موجود ہو سکتا ہے؟
آخر وہ کیا ہے جو نہ صرف گنجان آباد علاقوں میں موجود ہے جسے انسان اپنے لیے مسیحا یعنی فائدہ مند سمجھ رہے ہیں جو انہیں مس کر کے یعنی لوگ اسے استعمال کر رہے ہیں تو وہ ان پر ایسے اثر انداز ہو رہا ہے کہ انہیں طرح طرح سے نقصانات و ہلاکتوں سے دوچار کر رہا ہے اس کے باوجود لوگ اس کی حقیقت پہچاننے کی

بجائے اپنے لیے فائدہ مند سمجھتے ہیں؟ بلکہ اس سے بچنے کا ایک ہی حل ہے کہ پہاڑوں میں ہی اس سے پناہ مل سکتی ہے؟ آخر وہ کیا شئے ہے جو پہاڑوں میں نہیں اور گنجان آباد علاقوں میں ہے؟ تو بالکل کھل کر واضح ہو جاتا ہے کہ یہی دنیا کا فتنہ، فتنۃ الدجّال، انسان کے اپنی ہی ہاتھوں سے خلق کردہ طرح طرح کی مخلوقات جنہیں انسان اپنے لیے آسانیاں، سہولتیں، آسائشیں قرار دیتا ہے، صنعتی انقلاب، مشینیں، ایجادات یعنی ٹیکنالوجی۔

اسی کی دہائی سے لیکر آج تک آپ یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جن کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوتا ہے وہ پہاڑوں میں بھاگ گئے اور وجہ صرف اور صرف یہی موجودہ ٹیکنالوجی اور اس سے دنیا میں جو فساد ہو چکا ہے۔

رسول اللہ ﷺ قال: من سمع بالدجال فلینأ عنه، فواللہ ان الرجل لیأتیه وهو یحسب أنه مؤمن فیتبعه مما یبعث به من الشبهات. ابو داؤد، مسند احمد، حاکم

رسول اللہ ﷺ نے کہا: جو سنے الدجّال کے بارے میں پس وہ اس سے دور بھاگ جائے، پس اللہ کی قسم اس میں کچھ شک نہیں کہ شخص اس کے پاس آئے گا اور وہ سمجھ رہا ہوگا کہ وہ مومن ہے پس اس کی اتباع کرے گا اس سے جو بعث کیا گیا اس کیساتھ الشبہات سے یعنی الدجّال کا الشبہات سے بعث کیا جانا یہ ہے کہ آپ پر کھول کھول کر واضح کر دیا کہ آسمانوں وزمین میں بہت سی مخلوقات آپ کو نظر آ رہی ہیں ان میں کچھ تو ایسی ہیں جن کا مقصد تخلیق کیا ہے وہ آپ پر بالکل واضح ہے اور ان کے علاوہ دوسری وہ جن کا مقصد تخلیق آپ پر واضح نہیں کیا گیا جن کے بارے میں اللہ یعنی فطرت نے واضح علم نہیں دیا علم چھپا دیا وہ تمام کی تمام الشبہات میں سے ہیں اور واضح کیا تھا کہ ان کے پیچھے نہیں پڑنا کیوں کہ یہ متشابہات مخلوقات کا ایک مخصوص سلسلہ ہے اسے نظر انداز کرنا ورنہ اگر اس کے پیچھے پڑے تو ان کے دھوکے کا شکار ہو کر آہستہ آہستہ فتنۃ الدجّال خلق کر بیٹھو گے جس کی آگے چل کر ہر پہلو سے وضاحت کر دی گئی یہاں ایک اور پہلو سے آسان ترین الفاظ میں اسے واضح کرتے ہیں کہ محمد علیہ السلام نے کہا کہ الشبہات وہ اشیاء ہوں گی جو بالکل کھلم کھلا سامنے ہوں گی لیکن ان کے بارے میں اصل اور مکمل علم اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہوگا، ہر کوئی ان مخلوقات کو، انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ طرح طرح کی اشیاء کو ایجادات کو اپنے لیے فائدہ مند ہی سمجھے گا ان کے پیچھے پڑے گا جو کچھ بھی اسے دیا گیا مال، اولاد، ذہانت، کچھ کرنے کی صلاحیت یا جو کچھ بھی انہی کے پیچھے استعمال کرے گا اور الٹا یہ سمجھ رہا ہوگا کہ وہ تو مومن ہے۔

اس روایت میں محمد علیہ السلام نے الشبہات سے بچنے کی تلقین کی اور الشبہات کو الدجّال قرار دیا کہ الدجّال الشبہات ہوں گی جن کی لوگ اتباع کریں گے یعنی جن کے پیچھے پڑیں گے جن کے پیچھے اپنے مال، اولاد، ذہانت، صلاحیتوں یا جو کچھ بھی دیا گیا سب کا استعمال کریں گے۔ شبہات انہیں کہتے ہیں جو نہ ہی واضح حلال ہوں یعنی کہ جن کے بارے میں بالکل واضح علم نہ دیا گیا ہو کہ ان کے استعمال کی اجازت دی گئی اور نہ ہی واضح حرام ہوں یعنی وہ جن کے بارے میں بالکل واضح علم نہیں دیا گیا کہ ان کے استعمال کی اجازت نہیں یعنی درمیان کی اشیاء جن کے بارے میں علم نہ دیا گیا ہوا، وہ سب کا سب جو کھلم کھلا سامنے تو ہو آپ اسے دیکھ رہے ہوں لیکن ان کے بارے میں مکمل راسخ علم نہیں دیا گیا۔

اور الدجّال بعث کیا جائے گا الشبہات سے یعنی ایسی اشیاء جو ہر طرف بالکل کھلم کھلا موجود ہوں گی لیکن ان کے بارے میں مکمل اور راسخ علم کسی کے پاس نہیں ہو گا وہ تمام کی تمام اشیاء الدجّال ہوگا یعنی وہ تمام کی تمام اشیاء کی حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوگی جو وہ دکھائی دے رہی ہوں گی ان کی اصل حقیقت کا علم لوگوں کے پاس نہیں ہوگا اور وہ ان کا ایک ہی ظاہر پہلو دیکھتے ہوئے ان کا شکار ہو جائیں گے انہیں اپنے لیے فائدہ مند، سہولتیں اور آسائشیں سمجھیں گے یوں انسان ان اشیاء کے دجل کا شکار ہو کر اللہ کا کفر کرے گا اور الدجّال کو ربّ بنالے گا۔

محمد علیہ السلام نے کہا کہ ایسے جتنے بھی لوگ ہوں گے ہر ایک یہی سمجھ رہا ہوگا کہ وہ تو بڑا پکا سچا مومن ہے حالانکہ حقیقت یہ ہوگی کہ وہ الدجّال کی اتباع کر رہا ہوگا، الدجّال کو ربّ بنا چکا ہوگا وہ مومن نہیں ہوگا۔ مومن کہتے ہیں اللہ جو حکم دے رہا ہو اسے دل سے تسلیم کرتے ہوئے خوشی خوشی اسی طرح اس پر عمل کرنا جیسا کرنے کا حکم دیا گیا جو ایسا کرتا ہے وہ مومن ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ مومن نہیں خواہ وہ زبان سے لاکھ دعوے کرتا پھرے۔ انسان ایسے ہوں گے کہ وہ خود ہی یہ طے کیے ہوئے ہوں گے کہ وہ تو مومن ہیں اپنے گریبان میں جھانکیں گے تو سمجھیں گے کہ وہ تو وہی سب کر رہے ہیں جس کا اللہ نے حکم دیا اللہ نے نمازوں کا

حکم دیا ہم تو نمازیں پڑھ رہے ہیں، زکاۃ دے رہے ہیں، روزے رکھ رہے ہیں، حج کر رہے ہیں اس لیے ہم تو مومن ہیں یعنی وہی سب کر رہے ہیں جس کا اللہ نے حکم دیا لیکن ایسا نہیں ہوگا وہ الدجّال کی اتباع یعنی الدجّال کے پیچھے پڑے ہوں گے، کسی کو علم ہی نہیں ہوگا کہ اللہ کیا ہے اور اللہ کا حکم کیا ہے بس جسے اکثریت دین کہے گی اسی کو دین سمجھ رہے ہوں گے جس کا دین کیساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہوگا اور جو دین ہوگا اس کا کسی کو علم ہی نہیں ہوگا یوں اللہ کی بجائے رات دن الدجّال کی اتباع کر رہے ہوں گے یعنی جو کچھ بھی دیا گیا مال، اولاد، ذہانت، کچھ کرنے کی صلاحیتیں، کوئی عہدہ و رتبہ سب کے سب کا الدجّال کے پیچھے ہی استعمال کر رہے ہوں گے اور الٹا یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم تو مومن ہیں۔ جیسے مثال کے طور پر اللہ نے مرغی حلال کی تھی لیکن ساتھ اللہ نے یہ شرط بھی عائد کر دی کہ حلال وہ ہے جو طیب ہو، اگر طیب ہے تو حلال ہے یعنی استعمال کی اجازت ہے اگر طیب نہیں تو اس کے استعمال کی اجازت نہیں یعنی وہ حلال نہیں بلکہ حرام ہے۔

حلال کے معنی ہیں وہ جس کے استعمال کی اجازت دی گئی اور حرام کے معنی ہیں وہ جس کے استعمال کی اجازت نہیں دی گئی، اللہ نے حلال کیا طیبات کو اور طیب کے معنی ہیں وہ جو نہ صرف سو فیصد قدرتی ہو اس میں کسی بھی قسم کی کوئی چھیڑ چھاڑ، مداخلت وغیرہ نہ کی گئی ہو اور اس کے استعمال سے جسم، نفس، خاندان، معاشرے وغیرہ پر کسی بھی قسم کے کوئی منفی اثرات مرتب نہ ہوں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہو۔ جس میں بھی ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں وہ شئے حلال ہے یعنی اس کے استعمال کی اجازت دی گئی اور جس میں یہ خصوصیات نہیں پائی جاتیں یا اس کے برعکس پائی جاتی ہیں تو وہ حلال نہیں بلکہ حرام ہے یعنی اس کے استعمال کی اجازت نہیں دی اس کے استعمال سے روک دیا گیا۔

اور آج کیا کیا جا رہا ہے؟ اکثریت آج حرام مرغی کھا رہی ہے اور مومن ہونے کا دعویٰ کرتی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مرغی جو اللہ نے حلال کی طیب کی شرط پر وہ آج طیب ہے ہی نہیں اور نہ ہی وہ اللہ کی خلق کردہ ہے بلکہ وہ تو ٹیکنالوجی سے خلق کردہ اور اسی سے پروان چڑھائی گئی، وہ خبائث سے وجود میں آتی ہے، جب طیب ہے ہی نہیں تو حلال کیسے ہوگئی؟ اور جسے آج خود کو مومن کہلوانے والے بہت شوق سے کھا رہے ہیں اور الٹا خود کو مومن بھی سمجھ رہے ہیں کہ ہم تو وہ کر رہے ہیں جو اللہ نے ہمیں حکم دیا تو کیا اللہ نے یہ حکم دیا؟ کہ خبیث کھاؤ؟ اللہ کے ساتھ اس کے کاموں میں مداخلت کرو؟ اپنی حدود سے تجاوز کرو؟ ایسے لوگ خود کو مومن تو سمجھتے ہیں لیکن اتباع الدجّال کی کر رہے ہیں بالکل یہی مثال کسی بھی معاملے میں لے لیں تو حق کھل کر واضح ہو جائے گا کہ جو کچھ بھی کیا جا رہا ہے جو کچھ بھی استعمال کیا جا رہا ہے آیا وہ فطرت ہے؟ آیا اس کا خالق اللہ ہے یا کوئی اور؟ یا پھر اس کی تخلیق میں اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کیا گیا جیسے کہ آج سب کچھ میں کیا جا رہا ہے؟ اللہ کی ہر خلق میں مداخلت کی جا رہی ہے۔

آج آپ اپنے گریبان میں جھانکیں کہ آپ کس کی اتباع کر رہے ہیں؟ یعنی آپ کو جو کچھ بھی دیا گیا کس کے پیچھے ان سب کا استعمال کر رہے ہیں؟ کس کے حصول کے لیے، آیا فطرت کے پیچھے فطرت کے حصول کے لیے؟ یا پھر غیر فطرتی، فطرت کی ضد مصنوعی جو کہ الدجّال ہے اس کے لیے؟ اپنے کھانے کو دیکھیں؟ اپنے پینے کے مشروبات کو دیکھیں؟ جو آپ کپڑے اور جوتے پہن رہے ہیں انہیں دیکھیں؟ جو آپ کے سواری کے ذرائع ہیں انہیں دیکھیں؟ یہاں تک کہ اپنے استعمال کی ایک ایک شئے کو دیکھیں، ہر اس شئے کو دیکھیں جسے آپ نے جو کچھ بھی آپ کو دیا گیا اس کے استعمال سے حاصل کی؟ تو آپ پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ آپ کس کی اتباع کر رہے ہیں آپ کس کو اپنا ربّ بنائے ہوئے ہیں اللہ کو یا الدجّال کو، آپ کس کی اتباع کر رہے ہیں اللہ کی یا الدجّال کی۔

الدجّال کے امام

مدینہ کے موضوع پر ہم نے بات کرتے ہوئے ایک ضرب المثل بیان کی تھی کہ جھوٹ اتنا بولو کہ تمہیں خود کو بھی شک ہونے لگے کہ جو تم بول رہے ہو کہیں وہ سچ ہی تو نہیں اور ساتھ ہی ہم نے اس ضرب المثل کی وضاحت بھی کی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ نے کسی غلط بے بنیاد اور جھوٹی بات کو لوگوں کے اذہان میں راسخ کرنا ہو تو اس کو زیادہ سے زیادہ عام کرنا ضروری ہے جب وہ بات اکثریت کی زبان پر آ جائے گی تو اس کے کئی فائدے حاصل ہوں گے پہلا تو یہ کہ اکثریت کی زبان پر اس بات کا ہونا بذات خود لوگوں کے لیے دلیل بن جائے گی وہ آنکھیں بند کر کے اس بات کو تسلیم کر لیں گے وہ کسی بھی دلیل کی ضرورت

محسوس نہیں کریں گے کیونکہ جب بھی ان کے سامنے وہ بات آئے گی تو ان کے ذہن میں یہی آئے گا کہ اکثریت ایسا کہہ رہی ہے تو ظاہر ہے یہ بات غلط تو نہیں ہوسکتی اس لیے لوگ اسے آنکھیں بند کر کے تسلیم کرلیں گے اور دوسرا یہ کہ اگر کسی پر حقیقت منکشف ہو بھی جائے تو وہ حقیقت یعنی سچ کو سامنے لانے کی اس لیے جرأت نہیں کرے گا کیونکہ اکثریت کیساتھ دشمنی مول لینے کی اس میں ہمت نہیں ہوگی نہ ہی اکثریت کا مقابلہ کرنے کی اور اگر کوئی سر پھرا اس پھیلائے ہوئے جھوٹ کے برعکس سچ کو سامنے لے بھی آئے اور خواہ اس کے لیے وہ کتنے ہی دلائل کیوں نہ دے کوئی بھی نہیں مانے گا، اکثریت یہ کہہ کر اس سچ کو تسلیم کرنے سے انکار کردے گی کہ آج تک کیا باقی سب غلط تھے، ہمارے بڑے، ہمارے آباؤاجداد کیا سب غلط تھے اور آج ایک اکیلے تم سچے ہو؟ کیا ایک تم ہی ہو جس کی عقل میں یہ بات آگئی اور باقی سب کیا بےوقوف تھے اور ہیں؟ ہم کیسے اکثریت، اپنے علماء اور اپنے آباؤاجداد کے کہے ہوئے کے برعکس تمہاری بات کو مان لیں؟ نہیں ایسا بالکل نہیں ہوسکتا۔ یوں نہ صرف سچ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا جائے گا بلکہ سچ کو سامنے لانے والے کو حقارت کی نظر سے دیکھا جائے گا اسے ہر طرح کے شدید ترین ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا یہاں تک کہ ایک بڑی تعداد لوگوں کی اس کی جان کی دشمن تک بن جائے گی۔
حقیقت کو سامنے لانے والی ایسی کوئی بھی شخصیت ایسے کسی ردعمل کی پرواہ نہیں کرتی کیونکہ سچ سامنے لانے سے پہلے ہی نتائج کا علم ہوتا ہے کہ کون کون سے اور کیسے کیسے ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اب ظاہر ہے پہلے سے ہی یہ سب علم ہونے کے باوجود اگر وہ حق کو سامنے لانے کی جرأت کرتا ہے تو کیا وہ کسی ڈر یا خوف کا شکار ہوگا؟ کیا وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ کرے گا؟ کیا کسی بھی قسم کی کوئی قیمت اس کی لگائی جاسکتی ہے؟ نہیں ایسا ممکن ہی نہیں بلکہ جب سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ حق کو سامنے لاتا ہے تو اس کی زندگی کا مقصد اور مشن ہی یہی ہوتا ہے، وہ مضبوط اعصاب اور مضبوط ارادوں کا مالک ہوتا ہے وقتی طور پر تو اسے شدید ترین ردعمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن یہ اس کی شکست کی علامت نہیں ہوتی بلکہ یہی تو اس کی اپنے مقصد میں کامیابی کی علامت ہوتی ہے۔
وقتی طور پر حالات سے ایسا ہی لگتا ہے کہ وہ مغلوب ہوگیا لیکن اللہ کے قانون میں فیصلہ کام کے مکمل ہونے پر نتیجے کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت حق کو شکست نہیں دے سکتی خواہ کچھ بھی ہوجائے یہ اللہ کا قانون ہے۔ اندھیرا چاہے کتنا ہی زور کیوں نہ لگا لے بالآخر جب وہ اپنی پوری قوت کا استعمال کر لینے کے بعد بےبس ہوجاتا ہے تو نہ صرف اسے سورج کے سامنے سے پسپا ہونا پڑتا ہے بلکہ سورج کی روشنی اسے ایسے پھاڑ کر نکلتی ہے کہ اندھیرے کا نام و نشان تک مٹ جاتا ہے اور ہر طرف روشنی ہی روشنی ہوجاتی ہے۔
قانون فطرت یعنی اللہ کا قانون یہ ہے کہ پہلے مخالف کو پورا موقع دیا جاتا ہے جب وہ اپنی پوری قوت لگا لے اس کے بعد اس کو اپنی قوت دکھائی جاتی ہے جس کا سامنا وہ نہیں کرسکتا۔ جہاں اس کی قوت کی آخری حد ہوتی ہے وہاں سے حق کی قوت کی ابتداء ہوتی ہے بالکل ایسے ہی جیسے فطرت میں یوم کی ابتداء مغرب یعنی سورج کے غروب ہونے سے اندھیرے سے ہوتی ہے جب اندھیرا اپنی انتہاء پر پہنچتا ہے کہ اس سے زیادہ اب وہ نہیں چھا سکتا، جتنا چھا سکتا تھا چھا لیا پھر بالآخر اسے سورج کے مقابلے پر پسپا ہونا پڑتا ہے یہاں تک کہ اس کا نام ونشان ہی مٹ جاتا ہے۔
یہ سب باتیں ہم نے اس لیے کیں تاکہ آپ کے لیے حق کو سمجھنے میں آسانی ہوجائے۔ باطل قوتوں نے یہی سب کچھ حق کیساتھ کیا اور آج تک کرتے آئے یہاں تک کہ باطل اپنی انتہاء کو پہنچ گیا جس سے حق ناپید ہوگیا اور اکثریت نے باطل کو ہی حق سمجھتے ہوئے اس کی اتباع کرنا شروع کردی جس کی وجہ سے آج ہر کوئی ضلالٍ مبینٍ میں ہے کسی کو علم ہی نہیں کہ حق کیا ہے اس کے باوجود ہر کسی کا دعوٰی ہے کہ وہ حق پر ہے اور آج جب اللہ کی طرف سے نور آیا تو باطل بلبلا اٹھا۔
ایک بہت ہی مشہور و معروف روایت ہے جس کا ترجمہ آج تک جو کیا گیا وہ یہ ہے کہ ''الدجّال سے پہلے'' دھوکے کے سال ہوں گے جس میں سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا، امین کو خائن اور خائن کو امین سمجھا جائے گا اسی طرح مزید آگے بھی کچھ باتوں کا ذکر ہے۔
روایت کی آڑ لیتے ہوئے محمد علیہ السلام سے منسوب کر کے آج تک ایک جھوٹ کو ایسے عام کیا گیا کہ وہ زبان زدعام ہوگیا وہ یہ کہ ''الدجّال سے پہلے'' دھوکے کے سال ہوں گے اور پھر باقائدہ جب وضاحتیں کی جاتی ہیں تو موجودہ سالوں کو یہ لوگ وہی دھوکے کے سال قرار دیتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ الدجّال کا خروج بالکل قریب آچکا ہے کیونکہ یہ وہی دھوکے کے سال چل رہے ہیں ان دھوکے کے سالوں کے بعد الدجّال ظاہر ہوگا۔ اگر ان کو کہا جائے کہ الدجّال تو موجود ہے تو ماننے کو تیار ہی نہیں ہوں گے اور دلیل یہی پیش کریں گے کہ دیکھو ''الدجّال سے پہلے'' دھوکے کے سال ہوں گے ابھی تو دھوکے کے

سال چل رہے ہیں ان کے بعد الدجّال نے آنا ہے تو الدجّال ابھی کیسے موجود ہوسکتا ہے اس لیے الدجّال کی موجودگی ممکن ہی نہیں الدجّال تو ان موجودہ دھوکے کے سالوں کے بعد آئے گا۔

حقیقت کیا ہے؟ اب جیسے ہی حقیقت آپ کے سامنے آئے گی تو آپ چونک جائیں گے اور باطل قوتوں کا لبادہ بھی چاک ہوجائے گا۔

جن روایات کی بنیاد پر آج تک یہ کہا جاتا رہا کہ الدجّال دھوکے کے سالوں کے بعد ظاہر ہوگا اور اس بات کو بہت عام کردیا گیا وہ روایات درج ذیل ہیں جنہیں نہ صرف آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں بلکہ پڑھ بھی رہے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ : ان امام الدجال سنين خداعة، يكذب فيها الصادق، ويصدق فيها الكاذب، ويخون فيها الامين، ويؤتمن فيها الخائن، ويتكلم فيها الروبيضة. قيل: وما الروبيضة؟ قال: الفويسق يتكلم فى امر العامة. مسند احمد

کہا رسول اللہ ﷺ نے: اس میں کچھ شک نہیں امام ہوں گے الدجّال کے وہ سال جن میں دھوکہ ہی دھوکہ ہوگا یعنی اس میں کچھ شک نہیں بلا شک وشبہ جب دھوکے کے سال آجائیں تو اس وقت الدجّال موجود ہوگا جو ان دھوکے کے سالوں کی آڑ لیے ہوئے ہوگا دھوکے کے سال الدجّال کے امام ہوں گے، ان دھوکے کے سالوں میں جو الدجّال کے امام ہوں گے الدجّال جن کی آڑ لیے ہوئے ہوگا ان میں جھوٹا سچا ہوگا اور سچا جھوٹا ہوگا، خیانت کرنے والے امین اور امانت کا حق ادا کرنے والے خائن، بولیں گے ان میں روبیضہ۔ پوچھا گیا اور کیا ہیں روبیضہ؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا بات کو بدلنے والے، بات کو اس کے مقام سے ہٹانے والے، بات کو سیاق وسباق سے ہٹانے والے، بات میں جھوٹ کی ملاوٹ کرنے والے، سچ کو بدلنے والے، بولیں گے ان معاملات میں دخل اندازی کریں گے ان کاموں میں ان معاملات میں بات کریں گے ان امور پر جن کا تعلق عوام الناس سمیت دنیا کی تمام مخلوقات سے ہے یعنی وہ کام جو اگر صحیح انجام پائیں گے تو اس سے فائدہ عوامۃ الناس سمیت تمام مخلوقات کو ہوگا ورنہ ان کے صحیح انجام نہ دینے یا ان میں لاپرواہی یا کوتاہی کرنے سے عوامۃ الناس سمیت زمین کی تمام مخلوقات کو نقصانات کا، خرابیوں وتباہیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قال رسول الله ﷺ : تكون أمام الدجال سنون خداعة، يكثر فيها المطر ويقل النبت، ويكذب فيها الصادق و يصدق فيها الكاذب، ويؤتمن الخائن ويخون فيها الأمين، وينطق فيها الروبيضة، قيل: يا رسول الله ﷺ وما الروبيضة؟ قال: من لا يوبه له. طبرانی

يوبه. پرواہ، ذمہ داری کا احساس، ذمہ دار ہونا، سنجیدگی وغیرہ۔

کہا رسول اللہ ﷺ نے: دھوکے کے سال موجود ہوں تو وہ دھوکے کے سال الدجّال کے امام ہوں گے یعنی دھوکے کے سالوں میں الدجّال موجود ہوگا اس کے نظر نہ آنے اس کے پہچانے نہ جانے کی وجہ یہ ہوگی کہ دھوکے کے سالوں نے اسے چھپا رکھا ہوگا اس پر مسیحا کا پردہ چڑھا رکھا ہوگا الدجّال ان دھوکے کے سالوں کی آڑ لیے ہوئے لوگوں کا ربّ بنا ہوا ہوگا، ان دھوکے کے سالوں میں جن میں الدجّال موجود ہوگا میں بارش کثرت سے ہوگی لیکن پیداوار کم سے کم ہوں گی، جھوٹا ان میں سچا ہوگا اور سچا ان میں جھوٹا، امانت کا حق ادا کرنے والا خائن اور امانت میں خیانت کرنے والا امین ہوگا، اور بولیں گے اس میں روبیضہ، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ اور یہ روبیضہ کون ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا روبیضہ وہ ہوگا جس کو ذمہ داری کا احساس نہیں ہوگا غیر سنجیدہ، بے پرواہ، غیر ذمہ دار جو بغیر سوچے سمجھے بات کرے گا کہ اس کی وجہ سے خواہ کتنی ہی تباہی کیوں نہ آجائے، کسی کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہوجائے، قوموں کی قوموں میں اس کی بات سے اختلافات اور دشمنیاں کیوں نہ ہوجائیں، جنگ وجدل کیوں نہ ہوجائے، تباہیاں وبربادیاں ہی کیوں نہ آجائیں اس کی بات سے اسے کوئی فکر کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔

النبى ﷺ قال: سياتى على الناس سنوات خداعات يصدق فيها الكاذب، ويكذب فيها الصادق، ويؤتمن الخائن ويخون فيها الأمين، وينطق فيها الروبيضة، قيل: يا رسول الله ﷺ وما الروبيضة؟ قال:الرجل التافه ينطق فى امر العامة. الأمالى الخميسية للشجرى

التافه. بے وقعت، لالچی، کمینہ، بے بنیاد، احمق، کمتر، فضول، بے کار، مضحکہ خیز، پیچ، ذلیل، برا، سستا وغیرہ۔

مخصوص نبی یعنی اللہ کے رسول نبی ﷺ نے کہا: آئیں گے لوگوں پر دھوکے کے سال، جھوٹا ان میں سچا ہوگا اور سچا ان میں جھوٹا، امانت کا حق ادا کرنے والا خائن اور امانت میں خیانت کرنے والا امین ہوگا، اور بولیں گے اس میں رویبضة، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ اور یہ رویبضہ کون ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا بے وقعت، لالچی، کمینہ، بے بنیاد، احمق، کمتر، فضول، بے کار، مضحکہ خیز، پیچ، ذلیل، برا، سستا اور شہرت کا بھوکا وغیرہ شخص ہوگا جو بولے گا دخل اندازی کرے گا عوام الناس کے معاملات میں۔

آپ نے خود روایات کو دیکھا اور پڑھ لیا ان میں بالکل واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ ''امام ہوں گے'' الدجال کے وہ سال جن میں دھوکہ ہی دھوکہ ہوگا۔ لیکن آج تک اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا رہا کہ ''الدجّال سے پہلے'' دھوکے کے سال ہوں گے اور پھر اس جھوٹ کو اتنا پھیلا دیا گیا کہ کوئی بھی حق سمجھنے کے قابل ہی نہ رہا اس کا احساس آپ کو ابھی تھوڑی ہی دیر میں آگے چل کر ہوگا۔

''پہلے'' کے لیے عربی میں لفظ ''قبل'' کا استعمال ہوتا ہے نہ کہ ''امام'' جیسا کہ آپ قرآن میں متعدد آیات میں پہلے کے لیے لفظ ''قبل'' کا استعمال دیکھ سکتے ہیں۔

اور آپ کسی بھی خطہ عرب کے رہنے والے سے پوچھ لیں کہ پہلے کے لیے کونسا لفظ استعمال ہوتا ہے تو آپ پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ پہلے کے لیے عربی میں لفظ ''قبل'' کا استعمال ہوتا ہے نہ کہ ''امام''۔

اب آتے ہیں لفظ ''امام'' کی طرف۔ امام کیا ہوتا ہے امام کسے کہتے ہیں؟ اس سے پہلے کہ ہم لفظ امام کی وضاحت کریں آپ بذات خود محمد علیہ السلام کے اپنے الفاظ سے ہی اسے جان لیں کہ محمد علیہ السلام نے امام کسے کہا؟ جیسا کہ محمد علیہ السلام کے اپنے الفاظ پر مشتمل روایت درج ذیل ہے۔

النبی ﷺ قال: انما الامام جنة، يقاتل من ورائه و يتقى به. مسلم

النبی ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں جو امام ہوتا ہے وہ جنہ ہوتا ہے یعنی امام ڈھال ہے لڑا جاتا ہے اس کے پیچھے سے اس کی آڑ لیکر نہ صرف دشمن کے وار سے محفوظ رہنے کے لیے اس کی آڑ لیکر دشمن کے وار سے بچا جاتا ہے بلکہ اس کی آڑ لیکر دشمن پر وار کیا جاتا ہے لڑا جاتا ہے۔

جنة. اس کا مادہ جن ہے جس کے معنی کسی شئے میں یا کسی شئے کی آڑ میں چھپے ہوئے، پوشیدہ یا نظر نہ آنے کے ہیں۔ جنہ کہا جاتا ہے ایسی شئے کو جس کی وجہ سے یا جس کی آڑ لیکر دوسروں کی نظروں سے چھپ کر محفوظ ہو جانا، اوجھل ہو جانا، نظر نہ آنا ایسی شئے کو عربی میں جنہ کہا جاتا ہے۔ دوران جنگ دشمن کے وار اور اس کی نظر سے بچنے کے لیے خود کو اس کے وار سے محفوظ کرنے اور آڑ لیکر دشمن پر وار کرنے کے لیے جو شئے استعمال کی جاتی ہے اسے اسی وجہ سے جنہ کہا جاتا ہے جسے آپ درج ذیل تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں۔

امام آگے موجود ہوتا ہے جو اس کی اقتدا میں ہوتے ہیں امام ان کے لیے ڈھال ہوتا ہے امام انہیں لیڈ کر رہا ہوتا ہے امامت کر رہا ہوتا ہے۔ محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ وہ سال جن میں دھوکہ ہی دھوکہ ہوگا وہ سال الدجّال کے امام ہوں گے یعنی الدجّال موجود ہوگا لیکن الدجّال ان سالوں کی آڑ لیے ہوئے ہوگا الدجّال موجود ہوگا لیکن ان دھوکے کے سالوں کی وجہ سے کوئی بھی الدجّال کو پہچان نہیں پائے گا، الدجّال موجود ہوگا لیکن ان دھوکے کے سالوں کی وجہ سے الدجّال لوگوں کی نظروں سے چھپا رہے گا ان کی نظروں سے پوشیدہ رہے گا ان کی نظروں سے اوجھل رہے گا، ان دھوکے کے سالوں کی آڑ میں وہ اپنا وار کرے گا لوگ اسے اپنا ربّ بنالیں گے لیکن انہیں اس بات کا علم تک نہیں ہوگا کہ وہ الدجّال کو ربّ بنا چکے ہوئے ہیں حالانکہ وہ زبان سے اللہ کے ربّ ہونے کے دعویدار ہوں گے۔

اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں روایت پر بات کریں آپ خود فیصلہ کریں کہ آج تک آپ کیساتھ کیا کھلواڑ کیا جاتا رہا اور آپ نے جن لوگوں پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا انہوں نے آپ کیساتھ کیا کیا؟ انسانیت کی راہنمائی کے لبادے میں ان روایات کی آڑ لیکر محمد علیہ السلام سے آج تک ایسا جھوٹ منسوب کیا جاتا رہا ہے اور آج بھی کیا جارہا ہے کہ جس کی وجہ سے آج نہ صرف ہر کوئی الدجّال سے بے خبر و بے فکر ہے بلکہ اسے اپنا ربّ بنا چکا ہے اور اسے اس بات کا شعور تک نہیں۔ محمد علیہ السلام پر اتنا عظیم افتراء کیا گیا جس سے اکثریت دھوکے کا شکار ہوگئی۔ تو اب آپ سے سوال ہے کہ اس میں قصور کس کا؟ کیا قصور صرف اس ملّاں طبقے کا ہے یا پھر اس سے بڑھ کر تو آپ کا اپنا قصور ہے؟ اللہ نے قرآن میں بار بار، بار بار حکم دیا اور نہ صرف حکم دیا بلکہ اس پر شدت کیساتھ زور دیا کہ آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے یہ سب کا سب اللہ کی آیات ہیں ان میں غور وفکر کرو تا کہ تم پر حق واضح ہوجائے تم حق کو پہچان سکو، تمہیں کان دیئے جن سے تم سنتے ہو تمہیں آنکھیں دیں جن سے تم دیکھتے ہو تو تمہیں صرف سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں نہیں دیں بلکہ جو سنتے اور دیکھتے ہو اسے سمجھنے اور پھر سمجھ کر اس کیمطابق عمل کرنے کی بھی صلاحیتیں دی ہیں اس لیے جو کچھ بھی سن اور دیکھ رہے ہو اسے سمجھو اور سمجھ کر ہی اس پر عمل کرو لیکن آپ ہیں کہ آپ کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی اور اللہ کے حکم کے برعکس اللہ کا شریک بنتے ہوئے ملّاں طبقہ آپ کو آنکھیں بند کر کے اپنے پیچھے چلنے کو کہتا ہے ان کے تراجم وتفاسیر پر ایمان لانے کو کہتا ہے تو آپ اللہ کے مقابلے پر اندھوں کی طرح ان کے پیچھے چل رہے ہیں آپ خود غور کریں آپ کس کا نقصان کر رہے ہیں؟ آپ اللہ کے غلام ہیں یا پھر آپ اللہ کی بجائے اپنے ملّاؤں کو اپنا الہ بنائے ہوئے ہیں من دون اللہ؟ حقیقت آپ پر کھول کھول کر واضح کی جا چکی ہے۔ اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر بالکل واضح کہا ہے کہ ہم نے تمہیں کان دیئے جن سے تم سنتے ہو ہم نے تمہیں آنکھیں دیں جن سے دیکھتے ہو تو نہ صرف کان اور آنکھیں دیئے بلکہ ان سے جو سنتے اور دیکھتے ہو اسے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیتیں بھی دیں اور پھر یہی نہیں بلکہ تمہارے دلوں کو افندہ کیا یعنی جو کانوں سے نہیں سنا جاسکتا جو آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا اور دماغ سے سمجھا نہیں جاسکتا اسے نہ صرف سننے دیکھنے بلکہ سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھ دی تمہارے دلوں میں اس لیے ان سب کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرو جس مقصد کے لیے تمہیں یہ سب دیا اس کے باوجود اگر غور وفکر نہیں کرتے تو جو غور وفکر نہیں کرتے وہ اندھے ہیں، وہ چوپائے ہیں وہ الاموات ہیں وہ قبروں میں ہیں جو غور وفکر نہیں کرتے اپنی ماضی کی غلطیوں سے سیکھ کر آئندہ ان کی اصلاح کرنے کی بجائے ان پر ڈٹے رہتے ہیں اس کے باوجود کہ ان پر کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ وہ آج تک پیچھے جو کچھ بھی کرتے آئے وہ ضلالٍ مبین میں تھے تو وہ خنزیر ہیں جو عقل کی بجائے نقل سے کام لیتے ہیں وہ بندر ہیں لیکن اللہ کے مقابلے پر یہ ملّاں طبقہ آپ کو کہتا ہے کہ نہیں خود سے غور وفکر کرو گے تو گمراہ ہوجاؤ گے قرآن کے قریب بھی مت جاؤ بلکہ ہمارے آباؤاجداد کے تراجم وتفاسیر پر ہی انحصار کرو اپنی عقل کا استعمال کرنے کی بجائے اندھوں کی طرح ہمارے پیچھے چلو عقل نہیں بلکہ نقل سے کام لو یعنی جو کچھ تمہیں لکھ کر دیا جاتا ہے تراجم وتفاسیر کے نام پر یا جو کچھ تمہیں ملّاں طبقہ ہی بتاتا ہے صرف اسی کو مانو اور ویسا ہی کرو۔ تو اب آپ خود غور کریں کہ آپ نے کس کو الہ بنایا ہوا ہے؟ تھوڑا سا ہی غور کرلیں آخر یہ دھوکہ آپ کس کو دے رہے ہیں؟ زبان سے اللہ اللہ اور عمل اللہ کے برعکس اس کے شریکوں کی مرضی کا، یہ آپ کس کا نقصان کر رہے ہیں غور تو کریں؟

حقیقت آپ کے سامنے ہے آپ خود غور کریں کیا دھوکے کے سال ''الدجّال سے پہلے'' آئیں گے اور الدجّال دھوکے کے سالوں کے بعد آئے گا آنا تھا یا پھر دھوکے کے سال امام ہوں گے الدجّال کے؟ جب دھوکے کے سال موجود ہوں گے دھوکے کے سال چل رہے ہوں گے تب الدجّال موجود ہوگا ان دھوکے کے سالوں کی وجہ سے ہی وہ پہچان میں نہیں آئے گا وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہے گا دھوکے کے سال اسے لیڈ کر رہے ہوں گے وہ دھوکے کے

سال اسے الدجّال کی بجائے مسیحا بنا کر پیش کریں گے کہ یہ سب الدجّال نہیں بلکہ یہ سب تو تمہارے لیے مسیحا ہے تمہارے فائدے کی اشیاء ہیں تمہارے لیے آسائشیں، سہولتیں اور آسانیاں ہیں، یہ تو ترقی ہے، انسانیت کی خدمت ہے یعنی الدجّال کو فتنہ کی بجائے اصل دین بنا کر پیش کریں گے۔ جیسے ہی ہم آگے بڑھیں گے تو اس بات کی بھی کھل کر وضاحت ہو جائے گی کہ کس طرح وہ دھوکے کے سال الدجّال کی امامت کریں گے یعنی کس طرح الدجّال ان دھوکے کے سالوں کی آڑ لیے ہوئے ہوگا لیکن اس وقت فیصلہ آپ کے اپنے اختیار میں ہے حقیقت آپ کے سامنے ہے آج تک جو کھلواڑ کیا جاتا رہا ہم نے ان کھلواڑ کرنے والے طبقے کی حقیقت آپ کے سامنے رکھ دی اور جیسے جیسے آگے بڑھیں گے تو مزید کھل کھل کر واضح ہوتی چلی جائے گی۔ آج سے چودہ صدیاں قبل کہے گئے روایات میں محمد علیہ السلام کے الفاظ کے عین مطابق آج یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور آج آپ اپنی آنکھوں سے سب کچھ ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔

یؤتمن الخائن ویخون فیھا الأمین. ذرا غور کریں کہ انسان کے پاس اللہ کی کون سی امانت ہے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ یہ زمین، زمین پر حکمرانی کا حق انہیں حاصل ہے جو اس کے اہل ہوں جو اس امانت میں خیانت نہ کریں لیکن دھوکے کے سالوں میں انہیں امین سمجھا جائے گا جو خائن ہوں گے یعنی زمین میں حکمرانی کا اہل نہ صرف انہیں سمجھا جائے گا جو خائن ہوں گے بلکہ انہیں یہ حق دیا جائے گا، ایسے لوگوں کو اقتدار میں لایا جائے گا حکومتیں دی جائیں گی جو خائن ہوں گے اللہ کی امانت اس زمین میں خیانت کریں گے، زمین میں اللہ کے غیب کو نکالیں گے، فطرت میں چھیڑ چھاڑ کریں گے، عوام کا مال کھائیں گے، انہیں اپنی رعایا کی کوئی فکر نہیں ہوگی وہ اس امانت کا حق ادا کرنے کی بجائے اس میں خیانت کریں گے اور آج یہ سب پوری زمین پر ہوتا آپ دیکھ رہے ہیں آج پوری دنیا کے حکمران خائن ہیں جو ہر لحاظ سے اللہ کی اس امانت زمین میں خیانت کر کے اسے نقصان پہنچا رہے ہیں فساد زدہ کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ہی آج نہ صرف زلزلے، سیلاب، طوفان، تباہیاں، طرح طرح کی بیماریوں کا سیلاب آچکا ہے ہر طرح کی ہلاکتوں نے انسانوں کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے بلکہ بھوک، افلاس، غربت، حقوق کی پامالی، قتل وغارت، لڑائیاں وجنگ وجدل عام ہو چکا ہے اور ظاہر ہے جب راہنما کو راہنما سمجھنے اور بنانے کی بجائے اسے کذاب کہا جائے گا اس کیساتھ دشمنی کی جائے گی اور جو راہنما کے لبادے میں راہزن ہوا سے راہنما بنالیا جائے گا تو یہ سب ہونا پہلے سے ہی قدر میں کیا جا چکا جو کہ ہو کر رہے گا اور آج ہو رہا ہے اور آج آپ دیکھ سکتے ہیں پوری دنیا میں خائن حکمران مسلط ہیں

یصدق فیھا الکاذب، ویکذب فیھا الصادق آج سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا بنا کر پیش کیا جاتا اور سمجھا جاتا ہے۔ جو کذاب ہیں جھوٹے مکار ہیں انہیں سچا تسلیم کیا جاتا ہے اور جو صادق ہیں ہر لحاظ سے ہر بات سچ کہتے ہیں جن کی تعداد انتہائی قلیل ہے انہیں کذاب کہا اور سمجھا جاتا ہے یہاں تک کہ جو کذاب ہیں ان کے جھوٹ پر جھوٹ کھل کھل کر سامنے آجانے کے باوجود بھی انہیں سچا ہی سمجھا اور جانا جاتا ہے اور جو سچے ہیں جن کی تعداد انتہائی قلیل ہے ان کا چاہ کر بھی کوئی جھوٹ نہیں ملتا تو ان کے خلاف پروپیگنڈے کیے جاتے ہیں ان پر بہتانات والزامات لگا کر انہیں جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور لوگ خوشی خوشی انہیں کذاب سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ان پر واضح ہوتا ہے کہ یہ کذاب کیونکر ہو سکتا ہے اس کے باوجود اپنی خواہشات کی اتباع میں، حسد، بغض، ضد اور دشمنی کی بنیاد پر، عقائد ونظریات کے اختلاف کی بنیاد پر انہیں جھوٹا کہا اور مشہور کیا جاتا ہے۔

یکثر فیھا المطر ویقل النبت بارشیں پوری دنیا میں کثرت سے ہوتی ہیں جن کی وجہ سے آئے روز سیلاب وطوفان آتے ہیں لیکن ان بارشوں کا فائدے کی بجائے الٹا نقصان ہوتا ہے بارشیں تو کثرت سے ہو رہی ہیں لیکن ان بارشوں سے پیداوار نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے بارشوں کا نظام ہی درہم برہم ہو چکا ہے۔ آج دنیا میں لوگوں کی کثیر تعداد غذائی قلت کا شکار ہیں جو بھوک سے دم توڑ رہی ہے۔

ویتکلم فیھا الرویبضة. قیل: وما الرویبضة؟ قال : الفویسق یتکلم فی امر العامة. وینطق فیھا الرویبضة، قیل: یا رسول اللہ ﷺ وما الرویبضة؟ قال: الرجل التافہ ینطق فی امر العامة.

رویبضہ آج عوام الناس کے معاملات میں بول رہے ہیں اور بتاتے ہیں مشورے دیتے ہیں کہ کون سا کام کیسے کرنا چاہیے اور حکومتیں ان لوگوں کی مشاورت ان کی ترکیبوں پر عمل کر رہی ہیں جن کے نتائج آج پوری دنیا کے حالات کی صورت میں آپ کے سامنے ہیں آج ان لوگوں کو جنہیں محمد علیہ السلام نے رویبضہ کہا آپ کسی بھی ٹی وی چینل یا میڈیا پر دیکھ سکتے ہیں پوری دنیا کے میڈیا میں ایسے لوگوں کی بھرمار ہے جو سچ میں جھوٹ کی ملاوٹ کر کے لوگوں کے سامنے پیش

کرتے ہیں انتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں کہ جتنی جی چاہے تباہی آئے انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں اور ایسے تمام کے تمام لوگ لالچی، کمینے، شہرت کے بھوکے، بے وقعت، جاہل، فضول، فاسق و فاجر انسان ہیں۔

جیسا کہ پیچھے پہلے ہی واضح ہو چکا کہ جن کو امین سمجھ کر انہیں امانت سونپی جا رہی ہیں یعنی جنہیں زمین میں اقتدار دیا جا رہا ہے جنہیں حکمران بنایا جا رہا ہے وہ امین ہیں ہی نہیں وہ اس ذمہ داری کے اہل ہیں ہی نہیں اور جب وہ اس کی اہلیت ہی نہیں رکھتے تو ظاہر ہے وہ ایسے لوگوں کی ہی باتیں سنیں گے اور ان پر عمل کریں گے جو کہ روبیضہ ہیں جو کمینے، لالچی، گھٹیا ترین، بے وقعت، دو ٹکے کے لوگ، بات کو اس کے مقام سے بدلنے والے، انتہائی غیر سنجیدہ، بے پروہ ہیں جو امر العامہ میں بولتے ہیں اپنی رائے کے نام پر بتاتے ہیں کہ کب کیا اور کیسے کرنا چاہیے حکومت کو فلاں کام ایسے کرنا چاہیے اور حکومتوں میں بیٹھے لوگ ان کی سن اور مان رہے ہیں تو ظاہر ہے پھر دنیا جہنم کیوں نہ بنے؟ آج جو دنیا کے حالات ہیں ہر طرف اور ہر شئے میں فساد، زلزلے، طوفان، بیماریاں، طرح طرح کی ہلاکتیں، قتل و غارت، تفرقہ، عدم برداشت، لڑائیاں، جنگ و جدل، مقابلہ بازی سمیت جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ کیوں نہ ہو؟ یہ سب تو ہونا قدر میں کیا جا چکا جب خائن کو امین سمجھ کر امانت اس کے حوالے کی جائے گی اور روبیضہ کی باتوں کو سن کر ان پر عمل کیا جائے گا۔

آج آپ ان روبیضہ کو ہر اس مقام و مرتبے پر دیکھ سکتے جہاں سے اپنی آواز دوسروں تک پہنچائی جا سکتی ہے اور لوگ اس آواز کو سنتے ہیں بالخصوص مساجد کے نام پر پوجا خانوں میں منبروں پر بیٹھے ملّاں، پوری دنیا کے ٹی وی چینلوں کی سکرینوں پر نظر آنے والے میڈیا اینکرز پرسنز، میزبان، مہمان، مختلف شعبوں سے منسوب تجزیہ نگار و تجزیہ کار کے نام پر آپ دیکھ سکتے ہیں آج میڈیا ان سے بھرا پڑا ہے۔

ایسے دھوکے سے بھرپور سالوں کو محمد علیہ السلام نے الدجّال کے امام قرار دیا۔ ایسی تمام روایات میں امام الدجّال کے معنی الدجال سے پہلے دھوکے کے سال مراد لیے جاتے ہیں جو کہ بہت بڑا دھوکا اور فراڈ ہے۔ پہلے کے لیے عربی میں لفظ قبل استعمال ہوتا ہے نہ کہ امام۔ امام عربی میں اسے کہتے ہیں جو آگے ہوتا ہے جو قیادت کرتا ہے لیڈ کرتا ہے جو ڈھال ہوتا ہے ان کے لیے جن کا امام ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر ٹرین کی ہی مثال لے لیجیے ٹرین کا انجن باقی ڈبوں کا امام کہلائے گا کیونکہ وہ ان سب سے آگے آگے چلتا ہے اگر کوئی سامنے ہو تو سامنے سے اسے صرف انجن ہی نظر آئے گا باقی ڈبے اس کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں جو کہ انجن کی آڑ لیے ہوتے ہیں جس وجہ سے وہ نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں اور یہی وہ وجہ ہے جس وجہ سے محمد علیہ السلام نے امام کو ڈھال قرار دیا۔ ڈھال ایسی شئے کو کہتے ہیں جس کی آڑ لے لی جائے، جس کی آڑ لیکر دشمن سے یا سامنے والے سے محفوظ ہو جایا کرے اس کی نظروں سے اوجھل ہو جایا جائے، اس کی آڑ لیکر دشمن سے لڑا جائے اپنا وار کیا جائے جیسے پہلے ادوار میں لوہے کا ایک تھال ہوتا تھا جو دوران جنگ استعمال کیا جاتا تھا دشمن کا وار روکنے کے لیے اور اس کی آڑ میں دشمن سے لڑا جاتا تھا اسے جنہ یعنی ڈھال کہا جاتا ہے جیسے کہ درج ذیل روایت میں محمد علیہ السلام کے الفاظ موجود ہیں۔

النبی ﷺ قال: انما الامام جنة، يقاتل من ورائه و يتقى به. مسلم

النبی ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں جو امام ہے وہ جنہ ہے یعنی امام ڈھال ہے لڑا جاتا ہے اس کے پیچھے سے اور دشمن سے بچا جاتا ہے اس کیساتھ اس کی آڑ لیکر۔

ایسے دھوکے سے بھرپور سال الدجّال کے امام ہوں گے یعنی ایسے سال الدجّال کو لیڈ کر رہے ہوں گے الدجّال ایسے سالوں کی آڑ لیے ہوئے ہوگا اور اسی ڈھال یعنی دھوکے سے بھرپور سالوں کی وجہ سے کوئی بھی الدجّال کو سمجھنے اور پہچاننے سے قاصر رہے گا اور یہی وجہ ہے کہ آج جب کہ الدجّال موجود ہے تو کوئی بھی الدجّال کو نہیں دیکھ پا رہا اسے سمجھ نہیں پا رہا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ روبیضہ جن کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے جیسے کہ ملّاں، میڈیا اینکرز، صحافی، سیاستدان، تاجر وغیرہ یہ سب الدجّال کی امامت کر رہے ہیں الدجّال ان کی آڑ لیے ہوئے ہے یہی وہ لوگ ہیں جو الدجّال کو مسیحا بنا کر پیش کرتے ہیں۔

محمد علیہ السلام نے امام الدجّال کے الفاظ کا استعمال کر کے بالکل کھول کر واضح کر دیا کہ جب ایسے دھوکے کے سال موجود ہوں گے جو کہ آج ہر کوئی تسلیم کر رہا ہے کہ آج وہی دھوکے کے سال چل رہے ہیں جن کا آج سے چودہ صدیاں قبل محمد علیہ السلام نے ذکر کیا تھا اور جب آج یہ وہی سال چل رہے ہیں تو ان سالوں میں الدجّال نے بھی موجود ہونا تھا نہ کہ الدجّال ایسے سالوں کے بعد آئے گا۔

آج یہ وہی دھوکے سے بھرپور سال ہیں جو الدجّال کے امام ہیں اور الدجّال یعنی ٹیکنالوجی، یہ جدیدیت، ترقی کے نام پر اصل میں فسادِ عظیم، انسانیت کی خدمت کے نام پر دشمنی انہی سالوں کی آڑ میں پوری دنیا کے انسانوں کا ربّ بنی ہوئی ہے۔ یہ میڈیا ٹیکنالوجی کو مسیحا بنا کر پیش کرتا ہے اس کا صرف ایک ہی رُخ دکھاتا ہے جو دیکھنے میں بہت مزین ہے لیکن اس کا دوسرا رُخ کوئی بھی نہیں دکھاتا سب چھپا دیتے ہیں جس کی وجہ سے آج انسانوں کی اکثریت الدجّال کو پہچاننے سے قاصر ہے اور الدجّال یعنی ٹیکنالوجی کو ان مشینوں کو، مصنوعی اشیاء کو اپنا ربّ بنائے ہوئے ہے۔

اور پھر آخر میں اللہ کا رسول احمد عیسیٰ جس کا اللہ نے اس امت اس قوم کے آخرین میں بھیجنے کا وعدہ کیا ہوا ہے ابن مریم جو کہ سلف کر دیا گیا اسے نہ صرف سلف کر دیا گیا بلکہ مثل کر دیا الآخرین کے لیے تو ابن مریم کی مثل اللہ کا رسول احمد عیسیٰ آئے گا جو نہ صرف الدجّال کا قتل کر دے گا باب لد سے یعنی خالص اللہ کے علم سے وہ فتنہ جس پر دجل کا پردہ چڑھا ہوا ہوگا جس وجہ سے ہر کوئی اس فتنہ کے دجل کا شکار ہو کر اسے ربّ بنا چکا ہوگا اس پر پڑے دجل کو چاک کر دے گا بلکہ اللہ کی آیات کھول کھول کر واضح کر دے گا، اس سے پہلے جس جس میں بھی اختلاف میں پڑے ہوئے تھے ہر اس بات، معاملے یا موضوع کو کھول کھول کر رکھ دے گا جو کہ آج آپ میں موجود ہے اللہ کا رسول عیسیٰ آ چکا جس نے نہ صرف الدجّال کا قتل کر دیا باب لد سے بلکہ وہ سب کا سب کھول کھول کر رکھ دیا جس میں بھی اس سے پہلے اختلاف میں پڑے ہوئے تھے۔

آج ایک طرف اللہ کا رسول احمد عیسیٰ ہے تو دوسری تمام تمام کے تمام رویبضہ ہیں۔

آج ایک طرف اللہ کا رسول احمد عیسیٰ ہے جس نے ٹیکنالوجی پر پڑے دجل کو ایسے علمی دلائل کے ساتھ چاک کر دیا کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے غلط ثابت نہیں کر سکتی اور نہ ہی کوئی کسی قسم کا شک وشبہ رہ گیا جو بھی اللہ کے رسول احمد عیسیٰ کیساتھ دشمنی کرے گا اور چاہے گا کہ وہ اللہ کے رسول کو غلط ثابت کر دے وہ اللہ کو عاجز کر دے تو وہ الٹا خود عیسیٰ کی البیّنات کے سامنے بے بس ہو جائے گا اور تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوگا یوں ٹیکنالوجی پر پڑا دجل کا پردہ چاک ہو کر الدجّال کا قتل ہو گیا لوگوں پر ٹیکنالوجی کی حقیقت کھل کر واضح ہو گئی کہ یہ جنہیں تم اپنے لیے مسیحا سمجھتے ہو جنہیں تم ترقی وخوشحالی کا نام دیتے ہو جنہیں تم آسائشوں، سہولتوں اور آسانیوں کا نام دیتے ہو، جسے تم انسانیت کی خدمت کا نام دیتے ہو جسے تم اصلاح کہتے ہو یہ حقیقت نہیں ہے حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے جو تم نہ دیکھ سکے اور اس کے دجل کا شکار ہو کر اسے اپنا ربّ بنا لیا خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنا ربّ خلق کر لیا حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ الدجّال ہے یہ فسادِ عظیم ہے وہی فسادِ عظیم جو تم سے پہلے جو زمین پر آباد تھے وہ قومیں بھی کر چکیں وہ بھی اسی طرح اس فتنہ کا شکار ہوئیں اور بالآخر اسی فتنہ کی وجہ سے ان پر الساعت آئی وہ عظیم ہلاکت کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ گئے نشانِ عبرت بن گئے اور اگر تم باز نہیں آتے اور اپنے ان آباؤاجداد کی سنت پر ہی چلتے ہوا سے ترک نہیں کرتے تو تمہارا انجام بھی بالکل وہی ہونے والا ہے جو تمہارے سر پر آ چکا ہے۔

اور دوسری طرف اللہ کے رسول احمد عیسیٰ کے مقابلے پر اللہ کے دشمن وہ لوگ ہیں جو دنیا میں علماء کے نام پر مشہور ہیں لیکن درحقیقت وہ آسمانوں کے نیچے بدترین مخلوق ہیں، تمام کے تمام رویبضہ ہیں جن میں سے کچھ تو براہ راست اللہ کے رسول کے دشمن بنے ہوئے ہیں دشمنی کر رہے ہیں اور کچھ دشمنی کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں اور یہ سب کے سب الدجّال کی امامت کا فریضہ احسن طریقے سے انجام دے رہے ہیں۔ علماء نامی یہ طبقہ الدجّال کے لیے ڈھال بنا ہوا ہے اگر کوئی غور وفکر کرے بھی تو اس پر فتوے لگانا شروع ہو جاتے ہیں اس لیے کہ کسی پر الدجّال کی حقیقت نہ کھل جائے اس لیے یہ لوگ الدجّال کی سب سے بڑی اور مضبوط ڈھال ہیں۔ انہوں نے الدجّال پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ کوئی الدجّال کو پہچان ہی نہ پائے۔ آج دنیا میں جتنے بھی ایسے لوگ ہیں جو شیخ، عالم، فاضل، علامہ، مفتی، حضرت، مفسر وغیرہ کے نام سے مشہور ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو دین کی سمجھ رکھتا ہو جسے یہ علم ہو کہ دین ہے کیا۔ انہیں بالکل علم نہیں ہے کہ دنیا میں انسان کو ایک محدود مدت تک کے لیے بھیجا جانے کا مقصد کیا ہے اور وہ مقصد پورا کیسے ہوگا اس کے باوجود یہ لوگ عملاً نبوت کے دعویدار ہیں نبی بنے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے دعوؤں کے باوجود کسی کو ''لا الہ الا اللہ'' تک کا علم نہیں یہ صرف زبان کے الفاظ بنا دیئے۔ کسی کو الصلاۃ کا ہی علم نہیں، کسی کو زکاۃ، صوم اور حج کا بھی علم نہیں یہ سب پوجا پرستش بنا دیا حالانکہ اللہ سبحان ہے۔ پوجا پرستش بے مقصد ہوتی ہے اللہ کوئی بھی ایسا حکم نہیں دیتا جو بے مقصد ہو اور اللہ پوجا، پرستش سے پاک ہے۔ یہ علماء نامی طبقہ ہر اس شخص سے دشمنی کرے گا جو ان کے ربّ الدجّال کا پردہ چاک کرے گا جو ان کے ربّ الدجّال سے دشمنی کرے گا۔

الدجّال ایک مخصوص بشرانسان؟

آج تک اکثریت کا نہ صرف یہ کہنا ہے بلکہ یہ عقیدہ ہے کہ الدجّال ایک شخص ہوگا اس کے باوجود کہ الدجّال کو ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کر دیا گیا کہ اب کسی کے پاس کسی بھی قسم کا کوئی بہانہ یا عذر نہیں کہ وہ اپنے باطل و بے بنیاد عقائد ونظریات پر قائم رہے مزید اس پر بھی بات کرتے ہیں کہ اس عقیدے ونظریے کی حقیقت کیا ہے اور یہ کہاں سے وجود میں آیا۔

سب سے پہلے آپ کو قرب قیام الساعت نمودار ہونے والے فتنہ الدجّال میں اور اس الدجّال سے پہلے آنے والے، تین، تیس، چالیس، ستر، چھہتر، ان سے زائد یا کم دجّالوں میں فرق کرنا پڑے گا۔ ان میں وہ الدجّال جسے قرب قیام الساعت وجود میں آنا تھا جو کہ اشراط الساعت میں سے ایک بڑی شرط ہے یعنی جس کی وجہ سے الساعت آئے گی جس الدجّال سے تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو ڈرایا اور متنبہ کیا اس کے علاوہ باقی جتنے بھی دجّال جن کا ذکر روایات میں آیا ہے وہ سب بلاشبہ بشر انسان ہیں اور تھے لیکن قرب قیام الساعت اشراط الساعت میں سے ایک بڑی شرط فتنہ الدجّال کے بارے میں کسی ایک بھی روایت میں یہ نہیں کہ محمد علیہ السلام نے کہا ہو کہ وہ ایک مخصوص شخص انسان ہوگا بلکہ الٹا اس کے بالکل برعکس محمد علیہ السلام نے بہت ہی صراحت کے ساتھ یہ بیان کر دیا کہ وہ انسان نہیں ہوگا کسی بھی صورت انسان نہیں ہوگا اس کے باوجود الدجّال کے بارے میں جو عقائد ونظریات خلق کیے گئے ان میں نہ صرف اس کو ایک مخصوص شخص انسان بنا کر پیش کیا گیا بلکہ الدجّال کے حوالے سے ایک تو ان تمام روایات کو ہر ممکن حد تک چھپایا گیا جن سے ایسے باطل، بے بنیاد و بے ہودہ عقائد ونظریات پر سوالات اٹھتے ہیں اور دوسرا یہ کہ جن روایات کو لیکر اسے مخصوص شخص انسان ثابت کرنے کی انتہائی ناکام کوشش کی گئی ان روایات کے تراجم وتفاسیر توڑ مروڑ کر کیے گئے، الفاظ کو اپنی مرضی کے مطالب پہنائے گئے جن کا حقیقت کیساتھ رائی برابر بھی کوئی تعلق نہیں، روایات میں پوری پوری لائنوں کو حذف کر دیا گیا اس کے علاوہ جیسے ان روایات کو پیش کیا گیا اس پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانے والے بھی اسی طرح گمراہی کا شکار ہو گئے جیسے کہ ایسے بے ہودہ و باطل عقائد ونظریات کے خالق تھے۔

جیسا کہ ہم نے کہا کہ الدجّال کے بارے میں اکثر روایات کو چھپایا گیا اور انہیں چھپانے کی وجہ بھی یہی تھی کہ کوئی ان روایات کو لے کر ان سے یہ سوال نہ کر بیٹھے کہ ان روایات میں محمد علیہ السلام کے الدجّال کے بارے میں جو الفاظ ملتے ہیں وہ قطعاً کسی شخص انسان کے لیے استعمال نہیں ہو سکتے جس کا جواب دینا ایسے لوگوں کے لیے ناممکن تھا اس لیے ایسے لوگوں نے انتہائی کمال مہارت سے بہت ہی آسانی سے اپنے باطل و بے بنیاد عقائد ونظریات کو اکثریت کے ذہنوں میں اُتار دیا۔ جس کی جو بنیادی وجوہات بنیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

پہلی تو یہ کہ کسی کو علم ہی نہیں کہ عربی ہے کیا اور جن الفاظ کا محمد علیہ السلام نے استعمال کیا ان الفاظ کے تراجم وتفاسیر کا اصل متن کیساتھ کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ عربی دنیا کی واحد ایسی زبان جس کا ترجمہ کرنا سرے سے ہے ہی ناممکن اس کا خود ساختہ ترجمہ کیا گیا اور وہ بھی اسطرح کہ توڑ مروڑ کر، ایک ہی لفظ کو ایسے ایسے معنی زبردستی پہنائے گئے جن کا ان الفاظ سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا جس سے لوگوں کو یہ تاثر دیا گیا کہ عربی کو سمجھنا ان کے بس کی بات نہیں حالانکہ اگر حقیقت یہی تھی تو کیا اللہ کو یہ بھی علم نہیں تھا کہ دنیا میں لوگوں کی بہت قلیل تعداد ہوگی جو عربوں کی زبان عربی جاننے والی ہوگی اس کے برعکس کثیر تعداد لوگوں کی عربی سے ناواقف ہوگی تو اللہ قرآن کو صرف عربی کی بجائے تمام زبانوں میں اس کے تراجم بھی نازل کر دیتا کیا یہ اللہ کے لیے ناممکن یا مشکل تھا؟ اگر نہیں تو پھر اس کے باوجود اللہ نے قرآن کو عربی میں ہی نازل کیوں کیا؟

عربی دنیا کی واحد ایسی زبان ہے جو فطرت کی زبان ہے عربی کو عرب کہلانے والا بھی نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ کی آیات جو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ کی آیات ہیں میں غور وفکر نہ کرے۔ جب بندہ اللہ کی آیات میں یعنی اس کائنات کی مخلوقات میں غور وفکر کرے گا تو اس پر حق کھل کر ایسے واضح ہو جائے گا کہ بڑے سے بڑا عربی دان بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال یوں لے لیجیے کہ قرآن میں اللہ نے ماں کے پیٹ میں بچے کی تخلیق کے جن مراحل کا ذکر کیا پوری دنیا میں ان میں سے ایک مرحلے کا ترجمہ خون کا لوتھڑا کر دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے یہ ترجمہ انہی لوگوں نے کیا جو عربی جاننے کے دعویدار تھے لیکن آج میڈیکل سائنس نے یہ ثابت کر دیا کہ ماں کے پیٹ میں ایسا کوئی مرحلہ سرے سے آتا ہی نہیں کیونکہ انہوں نے نو ماہ تک کیمروں سے ایک ایک لمحے

کی رکارڈنگ کی اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب بڑے سے بڑا عربی دان بھی اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتا جس نے مشاہدہ کر لیا وہ عربوں کی زبان عربی جاننے والے سے بہتر جانتا ہے کہ ان الفاظ کے معنی کیا ہیں چاہے اس کی زبان کوئی بھی ہو۔

اس کے علاوہ لاکھوں مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن بات یہی ہے کہ عربی کو سمجھنے کے لیے، قرآن کو سمجھنے کے لیے غور و فکر کرنا لازم ہے اس کے بغیر قرآن کی عربی کو سمجھنا جو کہ خالص عربی ہے ناممکن ہے۔ آج جو عربی مختلف خطوں میں بولی جاتی ہے اس کی مثال یوں ہے کہ انگلش میں لفظ ٹیکنالوجی ہے تو اس کو تیکنالوجی کہہ کر عربی کا لفظ قرار دیا گیا جس کا عربی سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

پھر دوسری بنیادی وجہ یہ بنی کہ ایسے لوگوں نے اپنے باطل عقائد و نظریات کے خلاف کسی بھی قسم کی مزاحمت کا راستہ روکنے کے لیے دین کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ایک ایسا خود ساختہ اصول مرتب کیا جو علی الاعلان اللہ کی کتاب قرآن سے نہ صرف متصادم ہے بلکہ اللہ نے ایسا کرنے والوں کو اللہ نے جو کچھ عطا کیا اس کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرنے کی بجائے اس کا کفر کرنے والے ناشکرے، اندھے، بہرے، گونگے، چوپائے، خنزیر، بندر، ایسے گمراہ جن سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہے ہی نہیں، الاموات اور قبروں میں قرار دیا۔ ان دین کے ٹھیکیداروں جو کہ حقیقت میں مجرمین ہیں اللہ کے دشمن ہیں ان کا اصول وقانون یہ ہے جو آج بھی دھوم دھام سے موجود ہے کہ دین کو سمجھنے کے لیے عقل نہیں بلکہ نقل سے کام لیا جائے گا ورنہ اگر نقل کی بجائے یعنی جو کچھ آباؤ اجداد سے لکھا ہوا ملا اسے آنکھیں بند کر کے بغیر چوں چراں کے پکڑنے کی بجائے غور و فکر کیا، اپنی عقل کا استعمال کیا تو نہ صرف ایسا کرنے والا گمراہ ہوگا بلکہ کافر، مرتد، زندیق، ان کے دائرہ اسلام سے خارج اور پتہ نہیں کیا کیا ہو جائے گا۔

اس عقیدے ونظریے کو قرآن کی روشنی میں ہی دیکھ لیں کہ اللہ نے ایسا کرنے والوں کے بارے میں کیا کہا۔

قرآن میں درجنوں آیات ایسی ہیں جن میں اللہ نے غور و فکر کرنے کے لیے بہت سختی سے حکم دیا۔

اَوَلَمۡ یَتَفَكَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَابَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمۡ لَكٰفِرُوۡنَ . الروم ۸

اَوَلَمۡ یَتَفَكَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ کیا اور نہیں خود ہی تفکر کر رہے ان کی اپنی ہی ذات میں یعنی کیا انہیں سننے دیکھنے اور پھر جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیت نہیں دی؟ جب نہ صرف انہیں سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں دیں بلکہ جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیتیں دی تو پھر یہ کیوں نہیں اپنی ہی ذات میں تفکر کر رہے اپنی ہی ذات میں غور و فکر کر رہے؟ اگر یہ اپنی ہی ذات میں غور و فکر کریں تو ان پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَابَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى نہیں خلق کیا اللہ نے السماوات اور ارض اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے مگر بالحق اور ان کی اجل بھی خلق کیں اجل مسمیٰ بھی۔ یعنی ان کو جو سننے دیکھنے اور جو سنتے دیکھتے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیتیں دیں تو اسی مقصد کے لیے دیں کہ یہ اپنی ہی ذات میں غور و فکر کریں آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان سب میں غور و فکر کریں جب یہ غور و فکر کریں گے تو ان پر یہ بات بالکل کھل کر واضح ہو جائے گی کہ ان کو کیسے خلق کیا گیا تو جو کچھ بھی انہیں اپنی ذات میں نظر آئے گا بالکل اسی طرح آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے ان کی مثال ہے۔

تمہارا جسم لاتعداد مخلوقات کا مجموعہ ہے ہر خلق کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے جسے پورا کرنے کے لیے ہر ایک کو اس کے مقام پر قائم کر دیا جس سے ان سب کے درمیان ربط قائم ہے سب کے سب ایک دوسرے سے مربوط و مشروط ہیں ایسے ہی جیسے کہ مشین میں تمام پرزے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط و مشروط ہوتے ہیں جس سے ایک بہترین میزان قائم ہے یہ میزان تب تک قائم رہے گا جب تک کہ تمام کی تمام مخلوقات اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے اپنی اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے پورا کریں گی اور ایسا تب تک ممکن ہے جب تک تمام کی تمام مخلوقات کو ان کی ضروریات بروقت ملیں گی ان کی جو مقدار اور معیار ہے اس میں بھی کوئی فرق نہیں آئے گا ورنہ اگر فرق آیا تو اجل آئے گی یعنی ردعمل آئے گا میزان میں خسارہ ہو کر جسم کی اجل آئے گی یعنی خرابی ہو گی جسے بیماری کا نام دیا جاتا ہے اور اگر اسے دور نہیں کیا جائے گا تو بالآخر اجل مسمیٰ آ جائے گی یعنی موت ہو جائے گی بالکل یہی مثال آسمانوں زمین اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے سب کی ہے، آسمان اور زمین تمہاری طرح ایک ہی وجود ہے اور تمہارے سمیت جو کچھ بھی ان میں ہے وہ ایسے ہی ہیں جیسے تمہارے جسم میں اعضاء ہیں۔

آسمانوں اورزمین میں جو کچھ بھی ہے سب کے سب کو کسی نہ کسی مقصد کے لیے خلق کیا جس جس مقصد کے لیے خلق کیا سب کے سب کو ان کے مقامات پر قائم کر دیا سب کی اپنی اپنی الگ الگ ضروریات ہیں ان کا معیار الگ ہے مقدار الگ الگ ہے تو جب تک سب کا سب اپنے اپنے مقام پر رہے گا ان میں رائی برابر بھی چھیڑ چھاڑ یا مداخلت نہیں کی جائے گی تب تک ان میں قائم توازن برقرار رہے گا ورنہ اجل آئے گی یعنی خرابیاں ہو کر تباہیاں آئیں گی ۔ پھر تم اپنی ہی ذات میں غور وفکر کرو کہ تم کیسے وجود میں آئے تمہیں کس نے اور کیسے خلق کیا تمہارا ربّ کون ہے؟ جب غور وفکر کرو گے تو تم پر بالکل کھل کر واضح ہو جائے گا کہ یہ جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے اسی سے تم وجود میں آئے اور تمہارا ربّ یہی ذات ہے، جیسے وجود میں آئے ایسے ہی واپس اسی میں ڈل جاؤ گے یعنی واپس مل جاؤ گے اس لیے اس وجود کیساتھ جو تمہارا ربّ ہے دشمنی نہیں کرنی اس کیساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کرنی لیکن تم کیا کر رہے ہو؟ تمہاری اکثریت کیا کر رہی ہے؟ وَاِنَّ كَثِيْـرًا مِّنَ النَّـاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِـمْ لَكٰفِرُوْنَ اور اس میں کچھ شک نہیں لوگوں سے زیادہ سے زیادہ کفر کر رہے ہیں جو ان کا ربّ ہے اس میں واپس جا ملنے سے یعنی جب غور وفکر کرو گے تو تم پر سب کچھ کھل کر واضح ہو جائے گا اکثریت اس کے بالکل خلاف کر رہی ہے جو کسی بھی صورت نہیں کرنا چاہیے آسمانوں، زمین اور جو کچھ بھی ان میں ہے ان میں چھیڑ چھاڑ کر رہی ہے، پنگے لے رہی ہے حالانکہ یہ اللہ کی ذات ہے اللہ کا وجود ہے اللہ کیساتھ دشمنی کی جا رہی ہے جو ان کا ربّ ہے اسی کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں ان کو جو سننے دیکھنے اور جو سنتے اور دیکھتے ہیں اسے سمجھنے کی صلاحیتیں دیں اور جہاں دماغ کی رسائی نہیں یعنی جہاں کانوں کی پہنچ نہیں جہاں آنکھوں کی پہنچ نہیں وہاں سننے دیکھنے اور جو سنا دیکھا اسے سمجھنے کی صلاحیتیں دل میں رکھ دیں ان کے دل ایسے بنائے اور یہ ان صلاحیتوں کا اس مقصد کے لیے استعمال ہی نہیں کر رہے بلکہ اس کے علاوہ خود ساختہ مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. آل عمران ۱۹۱

ایسے جو انہیں سننے دیکھنے اور جو سنا دیکھا جاتا ہے اسے سمجھنے کی صلاحیتیں دی گئیں ان کا اس مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں جس مقصد کے لیے یہ صلاحیتیں دی گئی یعنی آسمانوں اورزمین کی خلق میں غور وفکر کرنے کے لیے تو آسمانوں اورزمین کی خلق میں غور وفکر کر رہے ہیں جس سے ان پر حق واضح ہوتا چلا جاتا ہے حق واضح ہونے پر جو بھلا دیا گیا تھا یاد آنے پر جیسے لیٹی ہوئی حالت میں بندہ ہوتا ہے یعنی کچھ بھی نہیں کر رہا ہوتا کہ دنیا میں مشغول تھے دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اس کا کچھ بھی علم نہیں تھا تو اس حالت سے اگلی حالت میں چلے جاتے ہیں جیسے کہ جھکی ہوئی حالت یعنی کچھ حق واضح ہونے پر ایسی حالت میں چلے جاتے ہیں جیسے کہ بندہ لیٹی ہوئی حالت سے نکلنے کے لیے اٹھ کر کھڑا ہونے سے پہلے بیٹھتا ہے یوں یہاں تک کہ حالت قیام میں چلے جاتے ہیں یعنی آسمانوں اورزمین کی خلق میں غور وفکر کرنے سے جب مکمل حق واضح ہو جاتا ہے تو جس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا گیا اس کے لیے ڈٹ جاتے ہیں کیونکہ آسمانوں اورزمین کی خلق میں غور وفکر کرنے سے انہیں وہ یاد آ گیا جو بھلا دیا گیا تھا ایسے بھول چکے تھے جیسے گویا کہ اس کا وجود ہی نہیں اور جو بھلا دیا گیا تھا وہ اللہ تھا۔

رَبَّنَـا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً آسمانوں اورزمین کی خلق میں غور وفکر کیا تو کھل کر واضح ہو گیا یہ تو ہمارا ربّ ہے یہی وجود ہے جس نے ہمیں وجود دیا اور ہماری جتنی بھی ضروریات ہیں انہیں یہی وجود خلق کر کے فراہم کر رہا ہے ہمارا ربّ ہے ہمارے ربّ تُو نے نہیں یہ خلق کیا باطل یعنی ایک تو کچھ بھی بغیر کسی مقصد کے نہیں اور دوسرا جس کو جس مقصد کے لیے خلق کیا اور اگر وہ اس مقصد کو پورا نہیں کرتا تو خرابیاں ہو جائیں گی فساد ہو جائے گا پھر تباہیاں آئیں گی، ان میں کہیں بھی چھیڑ چھاڑ کی جائے گی تو خرابیاں ہو کر تباہیاں آئیں گی یہ زمین جو کہ جنت تھی سر سبز باغ خلق کی گئی تھی یہ آگ بن جائے گی انسانوں کے ان اعمال سے جو یہ کر رہے ہیں اور جو ہم بھی اس سے پہلے کر رہے تھے اپنے ربّ سے دشمنی کر رہے تھے سُبْحٰنَكَ فَقِنَـا عَذَابَ النَّارِ تُو سبحان ہے یعنی کہ تو بغیر کسی مقصد کے خلق کرنے سے پاک ہے تُو ایسا نہیں کرتا اور تُو ہر قسم کی خامی، خرابی، نقص اور نفی وغیرہ سے پاک ہے جو عیوب غور وفکر کرنے میں نظر آئے تُو اس سے پاک ہے ان کی ذمہ داری تجھ پر نہیں اوروں پر ہے جنہوں نے تیری ہدایات کے خلاف عمل کیا اور کر رہے ہیں ان میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں جیسے اس سے پہلے ہم بھی کر رہے تھے جن اعمال کے سبب یہ زمین النار میں بدل جائے گی پس بچا ہمیں ہمارے اپنے ہی ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال کے ردعمل کی صورت میں یہ زمین جو النار یعنی جہنم بن جائے گی اس سزا سے۔

اسی طرح غور وفکر کرنے کے لیے اللہ نے کہا کہ اللہ نے کان آنکھیں اور دل دیئے ہیں جیسا کہ درج ذیل آیات میں ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ . النحل ۷۸

وَاللّٰهُ اور اللہ ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کیا ہے تو آگے اسی سوال کا جواب دیا گیا اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ کون ہے کیا ہے جس نے تمہیں نکالا تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے تو غور کرو جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا کون ہے؟ جو وجود سامنے آئے گا یہی تو اللہ ہے لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا جب تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تو کسی قسم کا کچھ بھی علم نہیں تھا تمہیں لیکن اب اس وقت دیکھو کیا تم ویسے کے ویسے ہو یا آج تم بہت کچھ سیکھ چکے ہو تو ذرا غور کرو کس نے تمہیں سکھایا؟ کیا یہی وجود نہیں جو موجود ہے اسی سے تم نے نہیں سیکھا جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں نظر آ رہا ہے؟ جب اسی وجود سے ہی سیکھا اسی وجود نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تو ظاہر ہے یہی تو اللہ ہے وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ اور کر دیا تم کو سننے والا اور دیکھنے والا اور جو سنتے اور دیکھتے ہو اسے سمجھنے کی صلاحیت رکھنے والا، تو اب ذرا غور کرو جب یہی وجود ہے جو کچھ بھی تمہیں نظر آ رہا ہے یہ اللہ ہی کی ذات نظر آ رہی ہے فطرت ہی ہے جس نے تمہیں وجود دیا اور تمہیں سننے دیکھنے اور جو سنتے اور دیکھتے ہو اسے سمجھنے کی صلاحیتیں دیں تو کس لیے دیں؟ کیا فطرت کیساتھ ہی دشمنی کرنے کے لیے یا پھر اس مقصد کے لیے یہ صلاحیتیں دیں کہ ان کے ذریعے سے غور وفکر کر کے جانو اور جان کر اس کے مطابق عمل کرو لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تمہارے لیے سننا دیکھنا اور جو تم سنتے اور دیکھتے ہو اس لیے کیا تم پر ہے کہ تم ان صلاحیتوں کا اسی مقصد کے لیے استعمال کرو جس مقصد کے لیے یہ تمہارے لیے کیا گیا۔

یعنی جو سنتے اور دیکھتے ہو اسے سمجھنے کی صلاحیت دی تو اسی لیے کہ جو سنتے اور دیکھتے ہو اسے سمجھو اور نہ صرف سمجھو بلکہ جو سمجھتے ہو اس کے مطابق عمل کرنے کی بھی صلاحیتیں دیں لہٰذا اسی کے مطابق عمل کرو نہ کہ اندھوں کی طرح اپنے آباؤ اجداد اور اپنے ملاؤں اپنے بڑوں کے پیچھے چل کر مفسد اعمال کرو اللہ کیساتھ دشمنی کرو اللہ کے شریک بن بیٹھو۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ. المومنون ۷۸

وَهُوَ اور ھُوَ یعنی جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جاؤ یہاں تک کہ اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ نہیں بن جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ بن جائے تو جو وجود سامنے آئے الَّذِيْٓ یہی وہ ذات ہے اَنْشَاَ لَكُمُ کیا کیا اس ذات نے تم کو؟ السَّمْعَ تم کو کر دیا کہ تم سنتے ہو یعنی تمہارے لیے سننا کر دیا تمہیں سننے کی صلاحیت دی وَ الْاَبْصَارَ اور تم کو دیکھنے والا کر دیا یعنی تمہیں دیکھنے کی صلاحیت دی وَ الْاَفْـِٕدَةَ اور جو سنا اور دیکھا نہ صرف سنا اور دیکھا بلکہ اسے سمجھنے کی صلاحیت بھی دی جو سنتے اور دیکھتے ہو اسے سمجھنے والا بھی کر دیا تم کو قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ انتہائی تھوڑے ہیں جو ان صلاحیتوں کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں جس مقصد کے لیے انہیں یہ صلاحیتیں دیں یعنی ان کو یہ صلاحیتیں اس لیے دیں کہ جو سن اور دیکھ رہے ہو تو صرف یہی نہیں کہ سن اور دیکھ کر سنا ان سنا اور دیکھا ان دیکھا کر دو بلکہ جو سنا اور دیکھا اسے سمجھو کہ کیا سنا اور دیکھا پھر اس کے مطابق عمل کرو لیکن انتہائی تھوڑے ہیں جو ایسا کر رہے ہیں جو ان صلاحیتوں کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ انہیں یہ جو صلاحیتیں دیں ان کا استعمال ہی نہیں کر رہے بلکہ اندھوں کی طرح بغیر سوچے سمجھے دوسروں کے پیچھے چل رہے ہیں بندر بنے ہوئے ہیں اور ایسے میں جو اعمال کر رہے ہیں آسمانوں اور زمین میں فساد کر رہے ہیں اپنے ربّ سے ہی دشمنی کر رہے ہیں۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ. السجدہ ۹

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ پھر اس کو جو اس وقت موجود ہے مکمل کیا اور نفخ کیا اس میں اپنی روح سے وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ اور کر دیا تم کو سننے والا کہ تم سنتے ہو یعنی تمہارے لیے سننا کر دیا تمہیں سننے کی صلاحیت دی وَ الْاَبْصَارَ اور کر دیا تم کو دیکھنے والا یعنی تمہیں دیکھنے کی صلاحیت دی وَ الْاَفْـِٕدَةَ اور جو سنا اور دیکھا نہ صرف سنا اور دیکھا بلکہ اسے سمجھنے والا بھی کر دیا تم کو قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ انتہائی تھوڑے ہیں جو ان صلاحیتوں کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں جس مقصد کے لیے انہیں یہ صلاحیتیں دیں یعنی ان کو یہ صلاحیتیں اس لیے دیں کہ جو سن اور دیکھ رہے ہو تو صرف یہی نہیں کہ سن اور دیکھ کر سنا ان سنا اور دیکھا ان دیکھا کر دو بلکہ جو سنا اور دیکھا اسے سمجھو کہ کیا سنا اور دیکھا پھر اس کے مطابق عمل کرو لیکن انتہائی تھوڑے ہیں جو ایسا کر رہے ہیں جو ان صلاحیتوں کا اسی

مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ انہیں یہ جو صلاحیتیں دیں ان کا استعمال ہی نہیں کر رہے بلکہ اندھوں کی طرح بغیر سوچے سمجھے دوسروں کے پیچھے چل رہے ہیں بندر بنے ہوئے ہیں اور ایسے میں جو اعمال کر رہے ہیں آسمانوں اور زمین میں فساد کر رہے ہیں اپنے ربّ سے ہی دشمنی کر رہے ہیں۔

قُلْ هُوَ الَّذِىْٓ اَنْشَاَ كُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ . الملک ٢٣

تمہیں یہ کہنا پڑے گا هُوَ یعنی جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جاؤ یہاں تک کہ اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ نہیں بن جاتا جب اور ختم ہو کر ماضی کا صیغہ بن جائے تو جو وجود سامنے آئے الَّذِىْٓ یہی وہ ذات ہے جس نے تمہاری ذہانت بڑھائی سیکھنے، سمجھنے کی صلاحیت رکھی، سیکھنے سمجھنے، ذہانت کے آلات نصب کیے اور کر دیا تم کو سننے والا اور دیکھنے والا اور جو سنتے اور دیکھتے ہو اس کو سمجھنے والا کر دیا۔ انتہائی تھوڑے ہیں جو ان صلاحیتوں کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں جس مقصد کے لیے انہیں یہ صلاحیتیں دیں یعنی ان کو یہ صلاحیتیں اس لیے دیں کہ جو سن اور دیکھ رہے ہو تو صرف یہی نہیں کہ سن اور دیکھ کر سنا ان سنا اور دیکھا ان دیکھا کر دو بلکہ جو سنا اور دیکھا اسے سمجھو کہ کیا سنا اور دیکھا پھر اس کیمطابق عمل کرو لیکن انتہائی تھوڑے ہیں جو ایسا کر رہے ہیں جو ان صلاحیتوں کا اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ انہیں یہ جو صلاحیتیں دیں ان کا استعمال ہی نہیں کر رہے بلکہ اندھوں کی طرح بغیر سوچے سمجھے دوسروں کے پیچھے چل رہے ہیں بندر بنے ہوئے ہیں اور ایسے میں جو اعمال کر رہے ہیں آسمانوں اور زمین میں فساد کر رہے ہیں اپنے ربّ سے ہی دشمنی کر رہے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ذرا غور کریں کہ آپ کو کس نے وجود دیا اور آپ کی جتنی بھی ضروریات ہیں وہ کون آپ کو خلق کر کے فراہم کر رہا ہے کیا اس وجود کے علاوہ کوئی اور ہے یہ جو کچھ بھی آپ کو نظر آ رہا؟ جب آپ غور کریں گے تو ہر لحاظ سے جو کچھ بھی موجود ہے اور اور کرتے جائیں جب تک کہ اور ختم نہیں ہو جاتا یہی ذات سامنے آئے گی جنہیں آپ مخلوقات کا نام دیتے ہیں اسی نے آپ کو وجود دیا اور اسی نے آپ کو یہ تمام صلاحیتیں دیں یہی ذات اللہ نے جس مقصد کے لیے آپ کو یہ صلاحیتیں دیں وہ آپ پر واضح کر دیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ بہت کم ایسے ہیں جو شکر رہے ہیں یعنی ان صلاحیتوں کا استعمال اسی مقصد کے لیے کر رہے ہیں جس مقصد کے لیے دی گئیں۔ چاہیے تو یہ کہ جو بھی سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھیں اور اس کے مطابق عمل کریں لیکن ان کا معاملہ یہ ہے کہ محض سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں جو سنتے ہیں بغیر سمجھے اس پر عمل کرتے ہیں اسی طرح جو یہ دیکھتے ہیں دوسروں کو کرتا ہوا دیکھتے ہیں اپنے بڑوں کو اپنے ملّاؤں کو کرتا ہوا دیکھتے ہیں اپنے لیڈروں کو کرتا ہوا دیکھتے ہیں اسے بغیر سمجھے اسی طرح یہ بھی کرتے ہیں حالانکہ تمہیں صرف سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں نہیں دیں بلکہ جو سنتے اور دیکھتے ہو اسے سمجھنے کی بھی صلاحیت دی ہے تو پھر اس صلاحیت کا استعمال کیوں نہیں کرتے؟

جہاں جہاں سے بھی سن رہے ہو کہ ہم حق پر ہیں، ہم جو کہہ رہے ہیں یہی حق ہے تو کیا تم سن کر اس کو سمجھ بھی رہے ہو دماغ کا استعمال کر رہے ہو یا پھر بغیر دماغ کا استعمال کیے ہی جو اچھا لگتا ہے اس کے پیچھے چل رہے ہو یعنی خواہشات کی اتباع کر رہے ہو؟

ایسے ہی لوگ جو کچھ بھی کر رہے ہیں جو کچھ بھی ہوتا ہوا دیکھ رہے ہو کیا اسے سمجھ بھی رہے ہو؟ دیکھ کر دماغ کا بھی استعمال کر رہے ہو؟ یا پھر دماغ کا استعمال کرنے کی بجائے کہ جو ہو رہا ہے وہ ٹھیک ہے یا نہیں بلکہ خواہشات کی اتباع کر رہے ہو جو اچھا لگتا ہے یا اکثریت جو کر رہی ہے تم بھی بغیر سمجھے وہی کر رہے ہو؟ جہاں جہاں سے بھی اور جو جو سن رہے ہو اسے سمجھو اور سمجھنے کے بعد اگر حق ہو سچ ہو تو عمل کرو، دیکھو کون ہے جو حق بیان کر رہا ہے؟ کون ہے جو تمہیں حق کی طرف دعوت دے رہا ہے؟ ایسے ہی جو کچھ بھی ہوتا ہوا دیکھ رہے ہو جو کچھ بھی تمہارے بڑے، تمہارے رشتے دار، دوست، خاندان والے، گلی محلے والے اور دنیا کے لوگ کر رہے ہیں ایسا نہ کرو کہ اسے بغیر سمجھے تم بھی ویسا ہی کرنا شروع ہو جاؤ بلکہ جو کچھ بھی ہوتا ہوا دیکھ رہے ہو کسی کو بھی کرتے ہوئے دیکھ رہے ہو کوئی کہتا ہے کہ جو میں کر رہا ہوں وہی حق ہے تو دماغ کا استعمال کرو اسے سمجھو اگر تو وہ حق ہو تو عمل کرو ورنہ جو حق نہیں بغیر سمجھے اس پر عمل نہ کرو۔ دیکھو جتنے بھی بشر ہیں کیا کیا کر رہے ہیں جو جو بھی کر رہے ہیں اسے سمجھو دماغ کا استعمال کرو تو جو حق ثابت ہو جائے تم بھی اسی طرح کرو حق پر چلنے والوں کا ساتھ دو ان کے ساتھی بن جاؤ۔ اور جو ایسا نہیں کرتے یعنی وہ لوگ جو سن کر بغیر دماغ کا استعمال کیے بغیر سمجھے اس پر عمل کرتے ہیں دیکھ کر بغیر دماغ کا استعمال کیے بغیر سمجھے اسی طرح کرتے ہیں کسی کے پیچھے چلتے ہیں تو ایسوں کے لیے اللہ نے قرآن میں کیا کہا یہ بھی آپ کے بالکل سامنے ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا

اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ. الاعراف ۱۷۹

انسان کہتا ہے کہ اللہ نے انسانوں کی اکثریت کو جہنم کے لیے بنایا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ نے پہلے ہی اکثریت کو جہنم کے لیے بنایا تو پھر جسے بنایا ہی جہنم کے لیے ہے وہ کیسے جنت میں جا سکتا ہے؟ کل کو جب اس سے حساب لیا جائے گا تو کیا اسکے پاس یہ عذر یہ بہانہ نہیں ہوگا کہ اے اللہ تُو نے مجھے بنایا ہی جہنمی تھا اس میں میرا کیا قصور تھا میں کیا کر سکتا تھا اس لیے آج حساب کس بات کا؟ اس آیت میں اس بات کی بالکل نفی کی گئی ہے کہ اللہ نے انسانوں کی اکثریت کو جہنم کے لیے نہیں بنایا بلکہ اللہ الٹا انسان کو کہہ رہا ہے وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اور تحقیق کہ یعنی تم اپنے گھوڑے دوڑالو تم اپنی تحقیق کرلو جو بات ہم کہہ رہے ہیں یہی حق ہے اور بالآخر یہی تمہارے سامنے آئے گا کہ جب تم غور وفکر کرو گے تم تحقیق کرو گے تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ اللہ نے نہیں بلکہ ہم نے ذرات کی کثرت کو جہنم کے لیے کر دیا جس سے الجن والانس یعنی انسان خلق ہو رہے ہیں مطلب یہ کہ اللہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اللہ نے تو زمین کو جنت بنایا تھا زمین کا ایک ذرا بھی جہنم کے لیے نہیں بنایا تھا یہ تم لوگ خود ہی ہو جو اپنے ہاتھوں سے کیے جانے والے مفسد اعمال سے زمین میں فساد کر کے ان ذرات کی کثرت کو جہنم کے لیے بنا رہے ہو جس سے انسان خلق ہو رہے ہیں اب ظاہر ہے جب جہنمی مواد سے اپنا وجود بنایا جائے گا تو انجام بھی تو جہنم ہی ہو گا نا اور اسی کے بارے میں آگے کہا گیا جو آج تک اللہ پر بہتان باندھا جاتا رہا کہ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا اس وقت جو دنیا میں موجود ہیں ان کو دل دیئے گئے اور دل میں وہ سننے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھی جو آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا کانوں سے سنا نہیں جا سکتا اور دماغ سے سمجھا نہیں جا سکتا اس کے باوجود یہ سمجھ ہی نہیں رہے اس کیساتھ یعنی جو دل انہیں دیئے اس کیساتھ یہ سمجھ ہی نہیں رہے اس کا اس مقصد کے لیے استعمال ہی نہیں کر رہے جس مقصد کے لیے انہیں دل دیا وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا اور ان کو آنکھیں دیں یہ لوگ ان آنکھوں کے ساتھ بھی نہیں دیکھ رہے یعنی خود ان کی آنکھوں کے سامنے انسان زمین کے ذرات کو جہنمی ذرات میں بدل رہے ہیں فساد کر کے اور یہ ہیں کہ خود اپنے ہی کرتوتوں کو ان آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے انہیں نظر ہی نہیں آ رہا وَلَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا اور ان کو سننے کی صلاحیت رکھنے والے کان دیئے یہ لوگ ان کانوں کیساتھ سن بھی نہیں رہے یعنی چلو مان لیا کہ تمہارے دل اندھے مردہ ہو چکے ہیں فتنوں کا شکار ہونے کی وجہ سے لیکن آنکھیں تو ہیں کان تو ہیں کیا تمہیں تمہی میں سے ایک بشر کے ذریعے کھول کھول کر سنایا اور دکھایا نہیں جا رہا؟ اس کے باوجود بھی تم سن اور دیکھ نہیں رہے تو ایسے لوگ کون سے ہیں کیا ہیں؟ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ یہی لوگ ہیں جو بالکل جانوروں کی طرح ہیں جیسے جانوروں کے سینے میں دل کا کام خون کو پمپ کرنا ہے ان کے سینوں میں بھی دل کا وہی کام ہے یہ دل سے وہی کام لے رہے ہیں جیسے جانور جو سنتے اور دیکھتے ہیں تو اسے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے جب تک کہ وہ اس کا شکار نہیں ہو جاتے بالکل اسی طرح یہ بھی جو سنتے اور دیکھتے ہیں اس کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے جیسے وہ صرف کھانے پینے اور زندگی گزارنے کے لیے سنتے اور دیکھتے ہیں ان کا بھی بالکل یہی معاملہ ہے تو ان میں اور جانوروں میں فرق کیا ہوا؟ جس مواد سے یہ وجود میں آئے ہیں یہ مواد پہلے ان چار پائیوں جانوروں کی شکل میں موجود تھا اب اس چار پائے کی صورت میں موجود ہے اس لیے ان میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں بَلْ ھُمْ اَضَلُّ بلکہ یعنی نہیں یہ جانوروں کی طرح بھی نہیں ہیں بلکہ ان سے جانور بہتر ہیں کیونکہ جانوروں کو جس مقصد کے لیے خلق کیا گیا وہ اس کو پورا کر رہے ہیں یہ لوگ تو ایسے گمراہ ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہو ہی نہیں سکتا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ ایسے اس وقت جو دنیا میں موجود ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں انہیں کوئی فکر ہے ہی نہیں ان میں سنجیدگی نام کی کوئی شئے ہے ہی نہیں یعنی یہی ہیں وہ اس وقت جو موجود ہیں جو غور وفکر نہیں کر رہے جو کھول کھول کر سنانے کے باوجود سن نہیں رہے، جو کھول کھول کر ہر لحاظ سے واضح کر دیئے جانے کھول کھول کر سامنے رکھ دیئے جانے کے باوجود دیکھ نہیں رہے سمجھ نہیں رہے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں یعنی انہیں کوئی پرواہ ہی نہیں کوئی فکر ہی نہیں کہ انہیں کس مقصد کے لیے وجود میں لایا گیا اگر یہ اسے پورا نہیں کرتے تو ان کا انجام کیا ہونے والا؟ وہ بھی بالکل کھول کر واضح کر دیا۔

یعنی اس آیت میں اللہ کا کہنا یہ ہے کہ آج آپ خود سن اور دیکھ رہے ہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ نے لوگوں کی اکثریت کو پیدا ہی جہنم کے لیے کیا حالانکہ ایسا تو اللہ نے کہیں بھی نہیں کہا یہ تو اللہ پر بہتان عظیم ہے اور پھر اپنی اس بات کی بنیاد اسی آیت کو بنایا جاتا ہے جس پر ابھی بات کی جا رہی ہے۔ اللہ اسی آیت میں آگے یہی کہہ رہا ہے کہ اے عقل کے اندھو تم کہہ رہے ہو کہ اللہ نے انسانوں کی اکثریت کو سرے سے پیدا ہی جہنم کے لیے کیا ہے یہ تمہیں کس نے کہہ دیا؟ کیا ایسا اللہ نے کہا؟ عقل کے اندھو ذرا غور کرو کیا تمہیں دل نہیں دیئے؟ تمہارے دلوں کو ایسا نہیں کر دیا کہ جہاں آنکھوں کی رسائی نہیں وہاں دل کی رسائی ہے دل سے

دیکھا جا سکتا ہے اور جہاں کانوں کی رسائی نہیں وہاں دل سے سنا جا سکتا ہے اور جسے دماغ نہیں سمجھ سکتا اسے دل سمجھ سکتا ہے کیا تمہارے دلوں کو ایسا نہیں کیا؟ تو اپنے دلوں کیساتھ دیکھتے، سنتے اور سمجھتے کیوں نہیں جو دماغ سن دیکھ اور سمجھ نہیں سکتا؟ کیا تمہارے سینوں میں دل محض چوپائیوں کی طرح خون کی گردش کے لیے لگائے ہیں؟

چلو دل سے دیکھنا سننا اور سمجھنا یہ تو بہت بڑا کام ہے کیا تمہیں آنکھیں نہیں دیں؟ تو ان سے کیوں نہیں دیکھ رہے؟ تمہیں کان نہیں دیئے؟ تو ان سے کیوں نہیں سن رہے؟ کیا تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے کہ فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر کے زمین کو جہنم میں بدلا جا رہا ہے؟ کیا فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر کے ہر شئے کو خبیث نہیں بنایا جا رہا؟ وہ مواد جس سے تمہیں خلق کیا جاتا ہے جو کہ ذرات کی صورت میں موجود ہے وہ ذرات سے پھر مختلف مراحل طے کرتا ہوا جیسے کہ نباتات کی صورت اختیار کرتا ہے اور اسی طرح آگے تمہارا وجود بنتا ہے کون ہے جو فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر کے اسے خبیث بنا رہا ہے اس مواد کو ذرات کو جہنم کا مواد بنا رہا ہے؟ اللہ ذرات کو جہنم کے لیے کر رہا ہے یا پھر تم ہو جو اللہ کے شریک بن کر اللہ کے کاموں میں مداخلت کرتے ہوئے ذرات کو جہنم کے لیے بنا رہے ہو؟ اللہ نے تو سو فیصد جنت کے ذرات خلق کیے تھے مگر تم انہیں دن بہ دن جہنم کے ذرات میں بدلتے جا رہے ہو ذرا غور تو کرو؟ کیا تمہاری آنکھیں نہیں ہیں دیکھو ان سے کیا نظر آ رہا ہے کیا اللہ زمین کو جہنم بنا رہا ہے یا پھر تم انسان ہو جو اپنے ہی ہاتھوں سے زمین کو جہنم میں بدل رہے ہو یہ جو تم مفسد اعمال کر رہے ہو ترقی کے نام پر تمہارے انہی اعمال سے اس زمین کی دن بہ دن حالت کیا ہوتی جا رہی ہے؟ کیا زمین جہنم نہیں بنتی جا رہی تمہارے مفسد اعمال کے رد اعمال سے؟ کیا جس مواد سے ہم نے باغات اگائے ان سے تمہیں خلق کیا کیا اسی مواد کو جہنم کا مواد نہیں بنا رہے ہو فطرت میں چھیڑ چھاڑ کر کے؟ اگر اس کے باوجود بھی تمہیں کچھ نظر نہیں آ رہا، سنائی نہیں دے رہا تمہاری عقل میں نہیں آ رہا تم سمجھ نہیں رہے غور و فکر نہیں کر رہے تو پھر تم کیا ہو ذرا غور کرو تم میں اور چوپائیوں میں کوئی فرق ہے؟ ان کے سینوں میں دل خون کو پمپ کرنے کے لیے ہے تو تمہارے سینوں میں بھی دل محض خون کو پمپ کرنے کے لیے، وہ بھی سنتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں دیکھتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں انہیں انتہائی محدود سنائی اور دکھائی دیتا ہے تو تم بھی بالکل انہی کی طرح ہو تمہیں بھی ان کی طرح صرف اتنا ہی سنائی اور دکھائی دیتا ہے جس کا تمہارے پیٹ سے تعلق ہے تمہاری ضروریات سے تعلق، ان کے سامنے گھر کو آگ لگا دی جائے تو وہ دیکھنے کے باوجود اندھے ہوں گے انہیں کوئی پرواہ نہیں ہو گی جب تک کہ آگ ان کو چھو نہیں لیتی بالکل یہی معاملہ تمہارا ہے، جس مواد سے تم وجود میں آئے ہو یہ مواد پہلے ان چوپائیوں کی صورت میں موجود تھا اب تم چوپائیوں کی صورت میں، تم میں اور ان میں فرق کیا رہ گیا؟ تم بھی ان کی طرح چوپائے ہو بلکہ نہیں تم ان کی طرح نہیں ہو وہ تو جس مقصد کے لیے خلق کیے گئے اسے پورا کر رہے ہیں اور تم تو ایسے ہو کہ تم سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہے ہی نہیں۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ. البقرۃ ۱۸

بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں پس یہ جو ہیں جن کو کھول کھول کر سنایا جا رہا ہے حق دکھایا جا رہا ہے اس کے باوجود نہیں رجوع کر رہے یعنی واپس فطرت کی طرف نہیں پلٹ رہے بلکہ سب کچھ کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی وہی کر رہے ہیں جو اس سے پہلے کر رہے تھے ان کو چاہیے تھا کہ آج جب ان پر سب کھول کھول کر واضح کیا جا رہا ہے جس سے ان پر واضح کر دیا گیا کہ یہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں فساد کر رہے ہیں اللہ کیساتھ دشمنی کر رہے ہیں یہ ضلالٍ مبینٍ میں ہیں تو ان کو چاہیے تھا کہ یہ اپنے آباؤ اجداد سے جو نسل در نسل منتقل ہوا اسے ترک کرتے ہوئے جو ان کو کہا جا رہا ہے جو حق واضح کیا جا رہا ہے اس پر عمل کرتے واپس پلٹ آتے فطرت کی طرف اس کے باوجود نہیں واپس پلٹ رہے وہی کر رہے ہیں یہ بہرے ہیں کہ سن ہی نہیں رہے گونگے ہیں سن کر آگے دوسروں کو نہیں بتا رہے اندھے ہیں سب کچھ واضح ہے ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں ان کو کھول کھول کر دکھایا جا رہا ہے اس کے باوجود نہیں دیکھ رہے۔

وَمَا يَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ. فاطر ۱۹

اور نہیں برابر ایک جیسے اندھے اور دیکھنے والے جو دیکھ رہے ہیں۔

ظاہر ہے جب سب کچھ کھلم کھلا سامنے موجود ہے اس کے باوجود اگر کوئی نہیں دیکھ سکتا اور وہ جو سب کچھ دیکھ رہا ہے دونوں ایک جیسے کیسے ہو سکتے ہیں؟ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہو گا دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

یہ ان اندھوں اور دیکھنے والوں کی بات نہیں ہو رہی جن کی آنکھیں ہوتی ہیں یا نہیں ہوتیں بلکہ یہ ان اندھوں کی بات ہو رہی ہے جو آنکھوں کو اس مقصد کے لیے

استعمال ہی نہیں کر رہے جس مقصد کے لیے دی گئیں جیسے کہ اللہ درج ذیل آیت میں بتا رہا ہے کہ اصل میں اندھا ہونا کیا ہے۔

فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ. الحج ۴۶

پس اس میں کچھ شک نہیں جو اندھا ہونا ہے آنکھوں سے اندھا ہونا نہیں ہے اور لیکن یعنی اگر آنکھوں سے اندھا ہونا اندھا ہونا نہیں ہے تو پھر اندھا ہونا کیا ہے؟

آگے اسی سوال کا جواب دیا گیا واضح کر دیا گیا کہ قلوب ہیں یعنی دل ہیں دل اندھے ہو جاتے ہیں وہ جو سینوں میں ہیں۔

دل کیسے دیکھتا ہے اور دل کا اندھا ہونا کیا ہے اسے بلک آسان ترین مثال سے سمجھ لیجئے۔

آج تقریباً ہر شخص کے پاس کمپیوٹر یا موبائل موجود ہے کمپیوٹر اصل میں کیا ہے؟ کمپیوٹر مصنوعی دماغ ہے یعنی جیسے آپ کے وجود میں آپ کا دماغ ہے بالکل عین اسی طرح کمپیوٹر بھی دماغ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ایک تو یہ مصنوعی ہے یعنی فطرت کا خلق کردہ نہیں بلکہ فطرت کے مقابلے پر انسان کا خلق کردہ ہے اور دوسرا یہ کہ یہ فطرتی دماغ کے مقابلے پر کافی محدود ہے جیسے کہ یہ خود کار نہیں ہے بلکہ اسے چلانے والا درکار ہے لیکن فطرت کا خلق کردہ بشری دماغ خود کار ہے۔

آپ کچھ بھی سنتے ہیں تو وہ کان نہیں سنتے بلکہ کان تو محض آلہ ہیں جن کیساتھ دماغ سنتا ہے ایسے ہی آپ کچھ بھی دیکھتے ہیں تو وہ آنکھیں نہیں دیکھ رہی ہوتیں بلکہ دیکھتا تو دماغ ہے آنکھیں محض ایک آلہ ہیں جن کی مدد سے جن کے ذریعے دماغ دیکھتا ہے اگر کان اور آنکھیں نہ ہوں تو دماغ سن اور دیکھ نہیں سکتا بالکل عین اسی طرح کمپیوٹر جو کہ مصنوعی دماغ ہے وہ مائک سے سنتا ہے مائک کمپیوٹر کا کان ہے اور ایسے ہی کیمرے سے دیکھتا ہے کیمرہ کمپیوٹر کی آنکھ ہیں جس سے کمپیوٹر دیکھتا ہے اگر مائک اور کیمرہ نہ ہو تو کمپیوٹر سن اور دیکھ نہیں سکتا یعنی باہر کی آوازیں اور مناظر کمپیوٹر کے اندر سکرین پر نمودار نہیں ہو سکتے۔

اب آپ جانتے ہیں کہ جو کچھ بھی آپ کانوں سے سن اور آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہ کُل کل نہیں ہے بلکہ یہ تو چند مخلوقات ہیں اور ان کے علاوہ لاتعداد مخلوقات ایسی ہیں جو آپ سے پوشیدہ ہیں جنہیں کانوں سے سنا نہیں جا سکتا اور آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا بالکل ایسے ہی کمپیوٹر بھی اپنے کان مائک اور اپنی آنکھ کیمرے سے محدود سنتا اور دیکھتا ہے جو کہ کُل کا کُل نہیں بلکہ اس کے علاوہ بہت کچھ ایسا ہے لاتعداد مخلوقات ہیں جنہیں کمپیوٹر مائک اور کیمرے سے سن اور دیکھ نہیں پاتا۔

اور آج آپ جانتے ہیں کہ آپ کا کمپیوٹر انٹرنیٹ وائی فائی کنیکشن کے ذریعے وہ کچھ سنتا اور دیکھتا جو مائک سے سننا اور کیمرے سے دیکھنا ممکن نہیں جس سے یہ بات آپ پر واضح ہو جاتی ہے کہ بہت کچھ ایسا ہے جو موجود تو ہے لیکن اسے سننے اور دیکھنے کے لیے کمپیوٹر کو کان یعنی مائک اور آنکھ یعنی کیمرے کی ضرورت نہیں بلکہ وائرلس کارڈ کی ضرورت ہے جب تک کمپیوٹر میں وائرلس کارڈ انسٹال نہیں کر لیا جاتا تب تک وہ سب سنا اور دیکھا نہیں جا سکتا اور جیسے ہی وائرلس کارڈ کمپیوٹر میں انسٹال کر دیا جائے تو کمپیوٹر اس وائرلس کارڈ کے ذریعے نہ صرف یعنی فضا میں موجود لہروں پر مشتمل قوت کیساتھ منسلک ہو جاتا ہے بلکہ ان میں موجود علم کو حاصل کر کے سن اور دیکھ لیتا ہے یعنی وائرلس کارڈ اصل میں کمپیوٹر کی وہ آنکھیں جن میں وہ سب دیکھنے کی صلاحیت ہے جو دیکھنے اور سننے کی صلاحیت آنکھوں اور کانوں میں نہیں ہے۔

بالکل عین اسی طرح آپ کے جسم میں اللہ نے ایک وائرلس کارڈ لگایا ہوا ہے جس میں وہ سب سننے اور دیکھنے کی صلاحیت ہے جو کانوں اور آنکھوں سے سنا اور دیکھا نہیں جا سکتا۔ اگر جسم میں یہ وائرلس کارڈ ایکٹیو نہیں ہے یعنی اپنا کام نہیں کر رہا تو آپ اصل میں اندھے ہیں جو کچھ دیکھنے اور پھر دیکھ کر سمجھنے اس کے بعد اسی کیمطابق عمل کرنے کے لیے آپ کو دنیا میں لایا گیا آپ وہ دیکھ ہی نہیں پا رہے تو جب آپ وہ دیکھ ہی نہیں پا رہے تو ظاہر ہے آپ کا دماغ اس کا ادراک کیسے کرے گا خواہ وہ آواز کی صورت میں ہو یا پھر تصویر کی صورت میں اس لیے آپ اصل میں اندھے ہیں۔

آپ کانوں سے جو سن اور آنکھوں سے جو دیکھ رہے ہیں وہ تو چوپائے بھی سن اور دیکھ رہے ہیں پھر آپ میں اور ان میں کیا فرق ہوا؟ اگر یہی سننا اور دیکھنا تھا تو پھر آپ کو وجود میں لانے کا مقصد ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اگر یہی مقصود تھا تو اس کے لیے تو پہلے ہی ایسی مخلوقات موجود تھیں۔

آپ کے جسم میں وہ وائرلس کارڈ دل ہے اسے ایکٹیو کرنے یعنی جس مقصد کے لیے اسے جسم میں لگایا گیا اس مقصد کو پورا کرنے کی خاطر متحرک کرنے کے لیے اس کے ڈرائیورز انسٹال کرنا ضروری ہیں جب تک اس کے ڈرائیورز انسٹال نہیں کیے جاتے وہ ایکٹیو نہیں ہو گا یعنی مقصد کو پورا کرنے کے لیے متحرک نہیں ہو گا وہ فضا میں موجود لہروں پر مشتمل قوت جو کہ ملائکہ ہیں ان سے نہیں جڑے گا اور اسے متحرک کرنے کے لیے اس کے ڈرائیورز ہیں طیب رزق۔ جب آپ طیب

رزق کا استعمال کریں گے تو آپ کے جسم میں وائرلس کارڈ متحرک ہو گا یعنی وہ طیب ہو کر اس مقام پر آ جائے گا کہ وہ دیکھنا شروع کر دے گا اپنا کام کرنا شروع کر دے گا اور اگر آپ کا رزق خبیث ہے تو پھر آپ کا دل اندھے کا اندھا رہے گا۔

جب دل زندہ ہو تو دل وہ کچھ دیکھتا اور سنتا ہے جو آنکھوں اور کانوں سے دیکھا اور سنا نہیں جا سکتا، یہ دل ہی ہے جس سے آج آپ فتنہ الدجّال کو پہچان سکتے ہیں ورنہ جو آنکھوں اور کانوں سے چھپا ہوا ہے اسے آپ نہیں دیکھ سن سکتے۔ یہ ہے دل کی اہمیت اور دل کا اندھا ہونا یا نہ ہونا۔

آج آپ خود غور کریں جو کچھ بھی آپ سن اور دیکھ رہے ہیں کیا وہ کُل کا کُل ہے؟ مکمل حقیقت ہے یا پھر آپ صرف وہی سن اور دیکھ رہے ہیں جو سامنے موجود ہے جو چوپائے بھی سن اور دیکھ رہے ہیں اور وہ جو سامنے نہیں جو پوشیدہ ہے جو کانوں اور آنکھوں سے نہیں سنا اور دیکھا جا سکتا؟ جب آپ صرف وہی سن اور دیکھ کر فیصلہ کر رہے ہیں اور اپنے اعمال انجام دے رہے ہیں جو صرف کانوں اور آنکھوں سے سنا اور دیکھا جا سکتا ہے تو پھر ظاہر ہے آپ حق پر کیسے ہو سکتے ہیں؟ آپ حق پر تو اس صورت میں ہی ہو سکتے ہیں کہ آپ نے جو کچھ بھی ہے مکمل سنا اور دیکھا اس کے بعد ہی کسی نتیجے پر پہنچ کر عمل کیا لیکن جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ صرف ایک ہی رخ دیکھ رہے ہیں آپ صرف ایک ہی پہلو دیکھ رہے ہیں جو سامنے ہے اور جو سامنے نہیں جو کہ آنکھوں اور کانوں سے پوشیدہ ہے اسے آپ نہ دیکھ رہے ہیں اور نہ ہی سن رہے ہیں تو پھر آپ حق پر کیسے ہوئے؟ نامکمل علم علم کے نہ ہونے سے زیادہ خطرناک اور تباہی وہلاکت کا باعث بنتا ہے اور آپ بھی اگر نامکمل علم پر ہی چل رہے ہیں تو ظاہر ہے آپ کے لیے تباہی وہلاکت کے سوا کچھ نہیں آپ اندھے ہیں بغیر مکمل سنے دیکھے ہی عمل کیے جا رہے ہیں جو کہ صرف اور صرف فساد ہی ہو گا۔

جو کچھ سامنے ہے یہ سب تو چوپائے بھی سن اور دیکھ رہے ہیں اور اگر آپ بھی صرف یہی سنتے اور دیکھتے ہیں تو پھر آپ خود غور کریں کہ آپ میں اور چوپائیوں میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ زمین کے عناصر ہی ہیں جو پہلے چوپائیوں کی صورت میں موجود تھے اور اب اس چار پائے بشر کی صورت میں موجود ہیں اس کے علاوہ کون سا فرق ہے؟ اور چوپائے تو جس مقصد کے لیے خلق کیے گئے وہ اسے پورا کر رہے ہیں آپ کا معاملہ یہ ہے کہ آپ تو ایسے گمراہ ہیں کہ آپ سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہو ہی نہیں سکتا اور ظاہر ہے جب جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے دنیا میں لایا گیا اس کے لیے وہ سب سننا اور دیکھنا ضروری ہے جو کانوں اور آنکھوں سے سنا اور دیکھا نہیں جا سکتا پھر ہی سمجھ آئے گا کہ مقصد کیا ہے اور اسے پورا کیسے کرنا ہے تو جب آپ اسے سن اور دیکھ ہی نہیں رہے ہے تو پھر اسے سمجھنا اور اس مقصد کو پورا کرنا تو بہت بعد کی بات ہے پھر آپ جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ آپ اس رستے پر نہیں چل رہے جس پر چلنے کے لیے آپ کو لایا گیا آپ کو وجود دیا گیا بلکہ آپ اس رستے سے ایسے گم ہو چکے ہیں کہ آپ سے بڑھ کر کوئی گم راہ ہے ہی نہیں۔

وَمَا يَسۡتَوِي الۡاَحۡيَآءُ وَلَا الۡاَمۡوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسۡمِعُ مَنۡ يَّشَآءُ وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِي الۡقُبُوۡرِ. فاطر ۲۲

اور نہیں ہیں برابر ایک جیسے جو مخصوص حیا ہیں اور نہ مخصوص اموات۔ اس میں کچھ شک نہیں اللہ سناتا ہے جیسے اس کا قانون ہے جو اس نے قانون بنا دیا اور نہیں تُو کچھ بھی سنا سکتا ان کو جو ہیں ہی قبروں میں۔

اس آیت میں ان کا ذکر نہیں ہو رہا جو وفات پا جاتے ہیں اور ان کو گڑھوں میں دفن کر دیا جاتا ہے بلکہ اس آیت میں ''الاحیاء'' مخصوص حیا یعنی ایک خاص زندہ ہونے اور اسی طرح ''الاموات'' مخصوص اموات کا ذکر ہے۔ اور آج تک اس آیت سے جو مراد لیا جاتا رہا کہ اس آیت میں ان کا ذکر ہے جو قبور کے نام پر گڑھوں میں مدفون ہیں ان کو نہیں سنایا جا سکتا یہ بالکل بے بنیاد اور باطل ہے یہاں ایسی کوئی بات تو کی ہی نہیں جا رہی۔

جب آیت میں قبور کا لفظ استعمال ہوا تو چونکہ اکثریت کے نزدیک قبر اس گڑھے کا نام ہے جس میں کسی وفات شدہ کو دفن کیا جاتا ہے اس لیے اس آیت میں نہ صرف قبور کا مطلب یہ لے لیا گیا کہ وہ گڑھے جن میں وفات شدگان کو درگور یعنی دفن کیا جاتا ہے بلکہ اسی وجہ سے الاحیاء اور الاموات کا مطلب بھی یہ لیا گیا چونکہ جو وفات پا جاتے ہیں ان کو قبور کے نام پر گڑھوں میں دفن کیا جاتا ہے اس لیے اموات کا مطلب ہے کہ وہ لوگ جو وفات کے بعد قبور کے نام پر گڑھوں میں مدفون ہیں اور جو ابھی وفات پا کر گڑھوں میں مدفون نہیں ہوئے بلکہ ابھی چل پھر رہے ہیں، کھا پی رہے ہیں، اعمال انجام دے رہے ہیں یہ ء ہیں۔

اور پھر کہا جاتا ہے کہ وہ جو گڑھوں میں مدفون ہیں ان کو تم نہیں سنا سکتے اب آپ خود غور کریں کہ کیا یہ بات حق ہو سکتی ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کو یہ جاننا ہو گا کہ یہ کون کس کو کہہ رہا ہے؟ یہ اللہ اپنے رسول کو کہہ رہا ہے جب اللہ کا رسول یعنی اللہ کا بھیجا ہوا آ کر حق ہر لحاظ سے ہر پہلو سے کھول کھول کر واضح کرتا ہے تو

سامنے سے جو ردعمل آتا ہے وہ یہ کہ گویا کوئی سن ہی نہیں رہا الٹا دشمنی کی جاتی ہے تو ظاہر ہے تکلیف تو ہوتی ہے کہ میں بغیر کسی غرض کے بغیر کسی لالچ کے نہ صرف حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر واضح کر رہا ہوں سنا رہا ہوں بلکہ میں ہر طرح کی قربانیاں بھی دے رہا ہوں اتنی سختیاں برداشت کر رہا ہوں اور نتیجہ یہ ہے کہ جیسے میں زندوں سے کلام نہیں کر رہا بلکہ اموات سے کلام کر رہا ہوں تو ایسی صورت میں اللہ اپنے رسول کو کہہ رہا ہے کہ اور الاموات ایک جیسے نہیں ہیں اس میں کچھ شک نہیں اللہ سناتا ہے جیسے اس کا قانون ہے اور تُو انہیں کچھ بھی نہیں سنا سکتا جو ہیں ہی قبور میں۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ کا رسول آ کر قبرستانوں کے نام پر ان جگہوں میں جا کر وہاں گڑھوں میں مدفون کو دعوت دیتا ہے؟ کیا اللہ کا رسول انہیں آ کر سناتا ہے؟ کیا اللہ اپنا رسول ان کے لیے بھیجتا ہے جو پہلے ہی دنیا سے جا چکے ہوتے ہیں؟ تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ نہیں۔ جب ہر سوال کا جواب نفی ہے تو پھر ایسا کیسے کہا جا سکتا تھا اور کہا جا سکتا ہے جو آج تک کہا جا رہا ہے کہ اس آیت میں ان کا ذکر ہے جو گڑھوں میں مدفون ہیں ان کو نہیں سنا سکتے کہا جا رہا ہے؟

حقیقت آپ اس وقت تک نہیں جان سکتے جب تک کہ آپ خود اللہ کے قانون میں نہیں ہوں گے جب تک آپ اللہ کے قانون میں الاموات ہیں آپ بھی کچھ نہیں سن پائیں گے کچھ بھی دیکھ نہیں پائیں گے کچھ بھی سمجھ نہیں پائیں گے۔

قبور قبر کی جمع ہے اور قبر کیا ہے؟ پہلے اسے جان لیں جب آپ پر یہ واضح ہو جائے گا کہ قبر کیا ہے تو آپ بہت آسانی کیساتھ یہ جان جائیں گے کہ اللہ کے قانون میں الاحیاء اور الاموات ہونا کیا ہے۔

آپ اپنی ہی ذات میں غور کریں کہ آپ کو کیسے خلق کیا گیا؟ آپ پہلے اموات تھے، موت اور حیات اور پھر حیات سے موت کے درمیان کے جو مراحل ہیں انہیں عربی میں قبر کہا جاتا ہے۔ موت اس مواد کو کہتے ہیں جس مواد سے آپ کو خلق کیا گیا وہ مواد پہلے چھوٹے چھوٹے ذرات کی صورت میں پوری دنیا میں بکھرا پڑا ہوتا ہے پھر ان ذرات پر مشتمل مواد کو مختلف مراحل سے گزار کر آپ کو وجود میں لایا جاتا ہے ان مراحل میں کچھ مراحل ایسے ہیں کہ وہ مواد حیا کیا جاتا ہے جو کہ آپ نہیں ہوتے آپ ان حیا والے مراحل کے بعد وجود میں آتے ہیں جیسے کہ غور کریں کہ آپ جس مواد سے بنے وہ آپ سے پہلے کہاں تھا تو جہاں تھا وہ قبر ہے اور جب آپ غور کریں کہ آپ وہ مواد کہاں سے حاصل کر رہے ہیں تو آپ نہ صرف وہ مواد پھل سبزیوں وغیرہ کی صورت میں حاصل کر رہے ہیں بلکہ دودھ اور گوشت وغیرہ کی صورت میں بھی حاصل کر رہے ہیں وہ مواد پہلے دودھ اور گوشت کی صورت میں چوپائیوں میں موجود تھا یوں جس مواد سے آپ وجود میں آ رہے ہیں وہ مواد آپ کے وجود کا حصہ بننے سے پہلے جہاں موجود تھا وہ قبر ہے اور اسی طرح جب آپ کے اس جسم کو وفات دی جائے گی تو پھر مختلف مخلوقات میں بدلتے ہوئے مراحل طے کرتے ہوئے پہلی صورت موت یعنی ذرات میں بکھر جائے گا اور آپ کے اس جسم اور واپس موت یعنی ذرات میں تحلیل ہونے کے درمیان کے جو مراحل ہیں وہ آپ کی قبر ہے نہ کہ قبر اس گڑھے کا نام ہے جس میں کسی وفات شدہ کو دفن کیا جاتا ہے۔

اب آپ ذرا غور کریں کہ آپ کو کس مقصد کے لیے وجود میں لایا گیا؟ آپ کو جس مقصد کے لیے وجود میں لایا گیا اگر آپ اس مقصد کو نہیں جانتے نہیں پہچانتے اور پھر اسے پورا نہیں کرتے تو آپ کا زندہ ہونا نہ ہونا کوئی معنی رکھتا ہے؟ آپ جس مواد سے وجود میں آئے جیسے وہ پہلے چوپائے کی صورت میں موجود تھا بالکل ایسے ہی اب وہی مواد آپ کی شکل میں ایک چوپائے کی صورت میں موجود ہے اس سے بڑھ کر تو کچھ بھی نہیں۔

مثلاً اگر آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا آپ کے پاس جوسر مشین ہے یعنی جوس بنانے والی مشین ہے؟ تو آپ کہتے ہیں کہ ہاں ہے اب آپ کو کہا جاتا ہے کہ ایک گلاس جوس بنا کر لائیں تو آپ جواب دیتے ہیں کہ وہ تو کام نہیں کرتی۔ تو آپ کو کہا جاتا ہے کہ پھر وہ جوسر مشین کیسے ہوئی؟ جوسر مشین تو اسے تب کہا جائے گا جب وہ اس مقصد کو پورا کرے گی جس مقصد کے لیے اسے وجود میں لایا گیا یعنی جب جوس بنائے گی تو جوسر کہلائے گی جوسر ہوگی ورنہ اگر جوس نہیں بناتی تو وہ لوہا، تانبہ اور پلاسٹک وغیرہ ہے جو پہلے اور صورت میں موجود تھا اب اس صورت میں موجود ہے۔

بالکل ایسے ہی آپ کو جس مقصد کے لیے وجود میں لایا گیا اگر آپ اس مقصد کو جان کر پورا نہیں کرتے جس کے لیے آپ کو ان آلات کا استعمال کرنا ہوگا جو آپ کو اس مقصد کو جاننے کے لیے دیئے یعنی سننے دیکھنے اور جو سنا دیکھا جاتا ہے اسے سمجھنے کی صلاحیت اور جو کانوں سے نہیں سنا جا سکتا اور آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا اسے سننے دیکھنے کے لیے دل دیئے دلوں کو ایسا کر دیا دل میں یہ صلاحیت رکھ دی تو جو ان کا استعمال کرتے ہوئے دنیا میں آنے کے مقصد کو جان کر اسے پورا کر رہے ہیں تو وہ واقعتاً الاحیاء ہیں یعنی اللہ کے قانون میں اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور جو ان کا استعمال نہیں کرتے، سنا ان سنا کر دیتے ہیں دیکھا ان دیکھا کر

دیتے ہیں کہ جو سنا دیکھا اسے سمجھ اور سمجھنے کے بعد اس پر عمل کریں تو ایسے تمام کے تمام الاموات ہیں وہ مواد ہی ہے جو پہلے چوپائیوں کی صورت میں حالت قبر میں تھا اب بھی اس چوپائے کی صورت میں حالت قبر میں ہی ہے الاحیاء ہوا ہی نہیں۔

یہ ہے اللہ کے قانون میں الاحیاء، الاموات اور قبور میں ہونا۔

اب جب کہ اللہ نے یہ قانون بنا دیا کہ آپ اس وقت تک حق کو نہیں سمجھ سکتے اس وقت تک بات کو نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ اسے مکمل سن دیکھ اور سمجھ نہیں لیا جاتا جس کے لیے اللہ نے کان، آنکھیں اور دل دیئے تو جو ان کا استعمال نہیں کریں گے تو ظاہر ہے ان کو کیسے کچھ سنایا جا سکتا؟ وہ اللہ کے قانون میں بہرے ہیں۔ ان کو کیسے دکھایا جا سکتا ہے؟ ایسے لوگ اللہ کے قانون میں اندھے ہیں۔ جب سن دیکھ ہی نہیں رہے تو پھر ظاہر ہے یہ اس مقصد کو کیسے جان سکتے ہیں جسے پورا کرنے کے لیے انہیں وجود میں لایا گیا؟ یہ اس مقصد کو جان ہی نہیں سکتے جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے انہیں وجود میں لایا گیا اور جب مقصد کو جان ہی نہیں سکتے اس کے باوجود بھی حق کے دعویدار ہوں حق کا نام دے کر اعمال انجام دے رہے ہوں تو پھر ظاہر ہے جو کچھ بھی یہ کر رہے ہیں یہ اس رستے پر نہیں چل رہے جس پر چلنے کے لیے انہیں دنیا میں لایا گیا بلکہ یہ اس رستے سے گم ہو چکے ہیں یہ گمراہ ہیں اور ایسے گمراہ کہ ان سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ظاہر ہے ہدایت کا جو قانون ہے جب اس پر پورا اترنے کی بجائے اسے بالکل ترک کرتے ہوئے اس کے مقابلے پر اپنا قانون وضع کر لیا جائے گا اپنا معیار اخذ کر لیا جائے گا تو ہدایت کا تو رستہ ہی بند ہو گیا دن بہ دن دور ہی دور ہوتے جائیں گے راہ حق سے۔ ہدایت کے لیے پہلے اس بات کو تسلیم کرنا لازم ہے کہ آپ کو ہدایت چاہیے جس کے لیے آپ کو سننا دیکھنا اور جو سن اور دیکھ رہے ہیں اسے سمجھنا ہو گا لیکن اگر آپ پہلے سے ہی یہ طے کیے ہوئے ہوں کہ آپ تو ہیں ہی ہدایت یافتہ اس لیے آپ کو سننے دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں تو پھر آپ ہدایت کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ بلکہ پھر نہ صرف آپ گمراہ ہوں گے بلکہ ایسے گمراہ کہ آپ سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اب ذرا غور کریں جو سنتے نہیں، جو دیکھتے نہیں، جنہیں جس مقصد کے لیے وجود میں لایا گیا وہ مقصد وہیں کا وہیں ہے وہ پورا ہو ہی نہیں رہا تو ایسے الاحیاء ہو سکتے ہیں؟ ایسے تو الاموات ہی ہو سکتے ہیں اور ہیں۔ الاموات ہیں جو سنتے نہیں، دیکھتے نہیں، سمجھتے نہیں، اور جب سنتے دیکھتے اور سمجھتے نہیں تو ظاہر ہے وہ اس مقصد کیسے پورا کریں گے جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے انہیں وجود میں لایا گیا وہ تو محض زمین کے عناصر پر مشتمل مواد ہے پہلے ایک حالت میں تھا اور اب ایک دوسری حالت میں ہے۔

یہ چند آیات ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ نے اسی بات کو مختلف پہلوؤں سے بیان کیا جو کہ آپ جان چکے ہیں کہ اللہ نے جو غور و فکر نہیں کرتے، جو بغیر سمجھے سنی سنائی بات پر عمل کرتے ہیں، جو اکثریت کو کرتا دیکھتے ہیں اپنے ملّاؤں اپنے بڑوں وغیرہ کو جو کچھ کرتا دیکھتے ہیں اسے سمجھے بغیر اس کا دوسرا پہلو دیکھے بغیر اس کے بارے میں مکمل علم حاصل کیے بغیر اس پر عمل کرتے ہیں یا کر رہے ہیں ان کو نہ صرف بہرے، گونگے، اندھے، چوپائے، خنزیر، بندر، الاموات، قبروں میں قرار دیا بلکہ انہیں ایسا گمراہ قرار دیا کہ ان سے بڑھ کر کوئی گمراہ ہو ہی نہیں سکتا اور دوسری طرف اللہ کے مقابلے پر اللہ کے شریک بنتے ہوئے انسانیت کی راہنمائی کے دعویداروں دین کے ٹھیکیداروں ملّاؤں کا کہنا ہے کہ نہیں غور و فکر نہیں کرنا، عقل کا استعمال نہیں کرنا، سوال نہیں اٹھانا بلکہ اندھے بن کر بغیر سوچے سمجھے جو کہا جائے اس پر عمل کرنا ہے جو آباؤ اجداد سے منتقل ہوا اسے کسی بھی صورت ترک نہیں کرنا اور اس پر کوئی سوال نہیں اٹھانا بلکہ آنکھیں بند کر کے اسی پر چلنا ہے، عقل سے نہیں بلکہ نقل سے کام لینا ہے اور اگر ایسا نہیں کرتے تو جو بھی ایسا نہیں کرے گا جو اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والے عقائد و نظریات پر سوالات اٹھائے گا انہیں بغیر تحقیق اور سوچے سمجھے تسلیم نہیں کرے گا، اپنی عقل کا استعمال کرے گا تو ایسا شخص کافر ہے، مرتد ہے، زندیق ہے، دائرہ اسلام سے ہی خارج ہے یہاں تک کہ واجب القتل ہے وغیرہ سمیت طرح طرح کے فتوے لگاتے ہیں۔

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ آپ کس کی عبادۃ کر رہے ہیں آپ کا الٰہ کون ہے؟ آپ کس کو اپنا الٰہ بنائے ہوئے ہیں؟ حق ہر لحاظ سے کھول کھول کر آپ پر واضح کر دیا گیا اب فیصلہ آپ کو خود کرنا ہے کہ آپ نے اللہ سے کفر کرتے ہوئے اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والی جہالت پر ہی قائم رہنا ہے اپنے ملّاؤں کو اپنے عمل سے اللہ کا شریک بناتے ہوئے اللہ کے نزدیک بہرے، گونگے، اندھے، چوپائے، خنزیر، بندر، ایسے گمراہ کہ اس سے بڑا کوئی گمراہ ہو ہی نہیں سکتا، الاموات اور قبروں میں ہونا چاہتے ہیں یا پھر اپنے آباؤ اجداد سے نسل در نسل منتقل ہونے والی جہالت اور اپنے ملّاؤں کا کفر کرتے ہوئے اللہ کی غلامی

کرنی ہے جواللہ نے کہا وہ کرنا ہے غور وفکر کرنا ہے بغیر سوچے سمجھے بغیر مکمل علم حاصل کیے عمل نہیں کرنا اور اللہ کے قانون میں الاحیاء ہونے کا ثبوت دینا ہے یہ فیصلہ آپ نے خود کرنا ہے۔

اگر الدجّال ایک شخص ہونا تھا تو پھر ذرا غور کریں محمد علیہ السلام نے یہ الفاظ کیوں استعمال کیے؟

رسول اللہ ﷺ قال: انی قد حدثتکم عن الدجّال حتی خشیت ان لا تعقلوا. ابو داؤد

رسول اللہ ﷺ نے کہا: اس میں کچھ شک نہیں میں نے تمہیں الدجّال کے بارے میں جو بھی ایجادات، حادثات، واقعات ہوں گے سب بیان کر دیا اس کے باوجود مجھے یہ یقین ہے کہ وہ تمہاری عقلوں میں نہیں آئے گا۔

اگر الدجّال ایک مخصوص شخص انسان ہی تھا تو پھر محمد علیہ السلام نے ایسے الفاظ کیوں استعمال کیے؟

حق اس قدر کھول کھول کر واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی اگر کوئی ایسا عقیدہ ونظریہ رکھے کہ الدجّال ایک شخص انسان ہی ہوگا تو ایسا عقیدہ رکھنے والے سے میرے لاتعداد لاجواب سوالات میں سے چند سوالات ہیں جن کے جواب کا منتظر رہوں گا اور یہ سوالات ہر اس شخص سے بھی ہیں جو جبے وقبے میں ملبوس اپنے نام کے ساتھ الشیخ، مولانا، علامہ، مفتی وغیرہ سمیت کوئی لقب لگاتا ہے اور ایسا تاثر دیتا ہے کہ اس کے پاس دین کا ٹھیکہ ہے اور وہ الدجّال کے بارے میں ایسے عقائد ونظریات کے پرچار میں مصروف ہے۔ ہر اس انسان سے میرے یہ سوالات ہیں جو الدجّال کے ایک شخص انسان ہونے پر بضد ہے۔

ا۔ دجّال اگر انسان ہونا تھا تو پھر اللہ کے رسول نے اتنی تفصیلات کیوں بیان کیں؟ اس کے باوجود یہ کیوں کہا کہ وہ تمہاری عقلوں میں نہیں آئے گا کیونکہ اگر ایک شخص ہوتا تو سیدھے سے کہتے کہ جو بھی ایسا شخص دیکھو جو یہ تمام غیر معمولی امور انجام دے وہی الدجّال ہوگا کیونکہ اس کے علاوہ کوئی ایسا نہیں کرے گا تو اس میں کون سی عقل میں نہ آنے والی بات تھی اور اگر اس کے باوجود ایسا کہا کہ وہ تمہاری عقلوں میں آئے گا ہی نہیں تو پھر ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ الدجّال ایک مخصوص شخص انسان ہو؟

۲۔ کیا اللہ کی کتاب اس کی تصدیق کرتی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی کام اللہ کے قانون کے خلاف ہوسکتا ہے؟ جیسا کہ آپ الدجّال کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ایک شخص ہوگا اور آسمان کو برسنے کا حکم دے گا، زمین کو پیدا کرنے کا حکم دے گا، ہوا میں تیز رفتاری سے اُڑے گا، زمین کے خزانے نکالے گا، صحراؤں کو سرسبز وشاداب کر دے گا، زندہ کو مردہ اور مردو کو زندہ کرے گا، اس کے علاوہ جو بھی روایات میں آیا ہے کیا یہ سب کرنے کے لیے احکامات زبان سے دے گا؟

کیا وہ یہ سب بغیر کسی قوت کے کرے گا؟

کیا وہ یہ سب بغیر کسی شیئے کے کرے گا؟

اگر وہ زبان سے آسمان کو برسنے کا حکم دے گا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ کے قانون میں اس کی گنجائش موجود ہے؟

قرآن میں بالکل واضح کر دیا گیا کہ اللہ نے بارش برسنے کا باقاعدہ ایک قانون وضع کر دیا اس قانون کے برعکس دنیا کی کوئی بھی طاقت بارش نہیں برسا سکتی ایسا ممکن ہی نہیں کہ اللہ کے قانون کے برعکس محض زبان سے کہا جائے اور بارش برسنا شروع ہو جائے تو الدجّال ایک شخص انسان ہو کر ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ زمین کے خزانے اللہ کے قانون کے مطابق ہی نکالے جائیں گے اس کے لیے زمین کو پھاڑا جائے گا اس قانون کے بغیر دنیا کی کوئی طاقت زمین کے خزانے نہیں نکال سکتی تو الدجّال اللہ کے قانون کے خلاف کیسے کر سکتا ہے؟

۳۔ الدجّال انسان ہے آپ کے نزدیک چالیس دن کے لیے آئے گا تو ان چالیس دنوں میں ہی وہ ہر انسان کو فرداً فرداً اپنے ربّ ہونے کی دعوت دے گا جب وہ ایسا کرے گا اسے یہ کرنے کے لیے کتنی مدت درکار ہوگی؟ اور کیا ایسا چالیس دنوں میں ممکن ہے؟

۴۔ الدجّال ایک مخصوص شخص انسان ہوگا اس کے ساتھ جنت اور جہنم کیسے ہوگی؟ وہ جنت اور جہنم کہاں ہوگی؟ کس طرح اس کا کفر کرنے والوں کو جہنم میں اور ایمان لانے والوں کو جنت میں داخل کرے گا؟

۵۔ اس کے قتل کے بعد اس کی جنت اور جہنم کا کیا بنے گا؟ اس کے جنتیوں کا کیا بنے گا اور اس کے جہنمیوں کا کیا بنے گا؟

۶۔ آپ کے عقائد ونظریات کے مطابق وہ اتنے بڑے بڑے کام کرے گا مردوں کو زندہ کرے گا اندھوں کو آنکھیں، معذوروں کی معذوری دور کرے گا وغیرہ تو پھر اپنی ہی ٹانگوں کا ٹیڑھ کیوں نہ دور کر سکے گا؟ اپنی ہی آنکھوں کو ٹھیک کرنے پر اختیار کیوں نہ رکھتا ہوگا؟

۷۔ اس کی آنکھوں کے درمیان یعنی ماتھے پر ک ف ر ''کافر'' لکھا ہوگا تو اس کو ہی مٹانے پر اسے اختیار کیوں نہ ہوگا؟ چلیں مان لیا کہ وہ ان حروف کو مٹانے پر اختیار نہ رکھتا ہوگا لیکن ان کو چھپا تو سکتا ہے نا؟ تو اس پر کوئی اسٹیکر وغیرہ ہی چپکا کر اسے چھپا ہی تو لیتا اس کے باوجود بھی وہ کیا اسے اپنا ''ک ف ر'' دکھانے کا شوق ہوگا؟

۹۔ الدجّال اگر ایک ٹھگنے قد کا ٹیڑھی ٹانگوں والا ایک آنکھ سے کانا مخصوص شخص انسان ہے تو دنیا کے ہر انسان کو اپنے ربّ ہونے کی دعوت دینے کے لیے ہر انسان کے پاس اگر جائے گا تو اسے اس کے لیے کتنا وقت درکار ہوگا؟ آپ کو اس کا بھی اندازہ لگانا ہوگا کیا ایسا ممکن ہے؟ دنیا کی آج سات ارب سے زیادہ آبادی ہے ہر انسان کے پاس جائے گا تو کتنا وقت درکار ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن اتنا ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے تو سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں سال عمر درکار ہوگی پھر وہ جو ایمان لائیں گے انہیں نوازے گا بھی ان کے لیے سب کچھ خلق کرے گا تو کیا اس سب کو وقت نہیں لگے گا؟ جو ایمان نہیں لائیں گے ان کو اپنی جہنم میں ڈالے گا کتنا عرصہ جہنم میں رکھے گا؟ اس کے قتل کے بعد اس کی جنت اور جہنم کا کیا بنے گا؟ ان کاموں کے لیے بھی اسے کتنا وقت درکار رہوگا؟ کیا یہ سب چالیس دن یا سال میں ممکن ہے؟

اللہ نے ہر شئے کو علم وحکمت سے خلق کیا اللہ نے ایک قانون بنا دیا کوئی بھی کام اگر ہوگا تو وہ صرف اسی قانون کے اندر رہ کر ہی ہوسکتا ہے اللہ کے قانون کو سامنے رکھ کر غور وفکر کریں تو اللہ کا قانون، اللہ کا دین، اللہ کا کلام کھلم کھلا اس کی نفی کرتا ہے کہ کوئی انسان ایسی صلاحیتوں کا حامل ہوسکتا ہے اور پھر اللہ الرحمٰن ہے الرحمٰن ہونے کے ناطے وہ کوئی بھی ایسا قانون نہیں بنائے گا کہ جس سے دنیا کے انسانوں میں فرق کرے یعنی جو گزر چکے ان کے لیے الدجّال نہیں تھا اور الدجّال صرف قرب قیام الساعت کے انسانوں کے لیے ہی اسپیشل رکھا ہوا ہے ایسا ہرگز نہیں۔ قرآن میں اللہ نے بہت سے مقامات پر کھول کر بیان کر دیا کہ اللہ انسانوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں الدجّال کا خالق اللہ نہیں انسان بذات خود ہیں۔ فتنے کا خالق اللہ نہیں بلکہ فتنہ انسان خود خلق کرتا ہے اپنے لیے۔ اب اس کا اختیار انسان کو ہے کہ وہ اپنے لیے کتنا بڑا فتنہ خلق کرے البتہ اللہ نے اپنے قانون میں اس کی گنجائش رکھ دی۔

۱۰۔ الدجّال اگر ایک ٹھگنے قد کا ٹیڑھی ٹانگوں والا ایک آنکھ سے کانا مخصوص شخص انسان ہے تو اسے جہنم میں جانا چاہیے اور محمد علیہ السلام کو اس کا واضح ذکر کرنا چاہیے لیکن کیا محمد علیہ السلام نے کہیں بھی کسی ایک بھی پر کہا کہ قرب قیام الساعت نکلنے والا الدجّال جہنم میں جائے گا؟ نہیں بالکل نہیں، نہ تو محمد علیہ السلام نے ایسا کہا اور نہ ہی آپ کو کہیں ایسا ملے گا بلکہ اس کے بالکل برعکس کہا جو آپ کو ملے گا محمد علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تمہیں اپنے ایک ''عبد'' یعنی غلام کے ذریعے آزمائش میں مبتلا کرے گا اور اسے فتنہ الدجّال کہا۔ محمد علیہ السلام نے بالکل واضح الفاظ میں الدجّال کو اللہ کا غلام قرار دیا اور اللہ کا قرآن میں وعدہ ہے کہ اللہ اپنے کسی غلام کو عذاب نہیں دیتا بلکہ عذاب انہی کو دیا جائے گا جو اللہ کے باغی ہیں جو غلامی اختیار نہیں کرتے اور وہ بھی صرف اور صرف جن وانس یعنی انسان ہیں۔

محمد علیہ السلام نے قرب قیام الساعت نکلنے والے الدجّال کو انسان نہیں کہا بلکہ اسے فتنہ کہا الدجّال تو ایک عظیم فتنہ ہے اور فتنہ تو کہتے ہیں اصل کے مقابلے پر نقل کا آجانا ایسی نقل کے جس کی موجودگی میں اصل اور نقل کی پہچان مٹ جائے اصل کو پہچاننا انتہائی مشکل ہوجائے اس امتحان کو عربی میں فتنہ کہتے ہیں۔ الدجّال تو ایک فتنہ ہے جو اصل ربّ فطرت کے مقابلے پر نقل ربّ ہوگا مصنوعی مخلوقات کا مجموعہ ہوگا فطرت کے مقابلے پر انسان کے اپنے ہی ہاتھوں سے خلق کردہ طرح طرح کی مخلوقات ہونا تھیں نہ کہ کوئی ٹیڑھی ٹانگوں والا ٹھگنے قد کا کانا شخص۔

اگر الدجّال انسان ہے تو؟

جب روایات کے تراجم کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو ان میں الدجّال کی صرف آنکھوں ہی کی تعداد کم سے کم بارہ سے زیادہ ملتی ہے اور یہ وہ تعداد ہے جو روایات تراجم کی صورت میں آج آپ تک پہنچ سکیں ان سے پتہ چلا ورنہ بہت سی روایات تو آپ تک پہنچی ہی نہیں ورنہ یہ تعداد اس سے بھی کئی گنا بڑھ سکتی تھی۔

عین الیمنی

عین الیسری

عین الشمال

مطموس العین

جیسے اوپر بیان کردہ یہ چار ہیں اسی طرح آپ خود روایات سے باقی کو اکٹھا کر سکتے ہیں جس سے کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں ان میں سب سے پہلا یہ کہ کیا کوئی مخصوص شخص انسان بارہ یا اس سے زائد آنکھوں والا ہوسکتا ہے؟ فرض کریں اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ہوسکتا ہے تو پھر ایسا ممکن ہی نہیں کہ محمد علیہ السلام نے یہ کہا ہو کہ وہ ایک آنکھ والا یا کانا ہوگا جو کہ روایات کے تراجم وتفاسیر میں بکثرت پایا جاتا ہے اور اگر اس کی اتنی آنکھیں تھیں تو پھر یہ کیوں کہا کہ سب کچھ واضح کر دیئے جانے کے باوجود بھی یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ تمہاری عقلوں میں آجائے بلکہ نہیں آئیگا یہ کہنے کی بجائے الٹا یہ کہنا چاہیے تھا کہ تمہیں اس سے کوئی فکر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کی پہچان بہت آسان ہے جس کی بھی بارہ سے زائد آنکھیں ہوں وہی الدجّال ہوگا تو کیا ایسا کہا؟ نہیں بالکل نہیں کیونکہ یہ سب کا سب خود ساختہ اور بے بنیاد ہے جس کا حق کیساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اور اگر مختلف تاویلات پہنا کر یہ ثابت بھی کرنے کی کوشش کی جائے کہ آنکھیں بارہ یا بارہ سے زیادہ نہیں بلکہ دو ہی ہیں لیکن ان کی صفات بارہ سے زیادہ ہیں تو پھر بھی ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ محمد علیہ السلام کے واضح الفاظ کی روشنی میں تین آنکھیں تو لازم بنتی ہیں۔

عین الیسری

عین الیمنی

عین الشمال

یوں واضح الفاظ میں تین آنکھوں کا ذکر ملتا ہے تو کیا کسی انسان کی تین آنکھیں ہوسکتی ہیں؟ اور ان تین کے علاوہ وہ بھی ہیں جو مٹی ہوئی ہیں یعنی سرے سے ہیں ہی نہیں۔ اب جب انسان کی تین آنکھیں ہوں تو اسے ایک آنکھ والا کیسے کہا جاسکتا ہے؟

پھر کون سی آنکھ سے کانا ہے؟

بعض روایات میں ہے **اعور العین الیسری**

اور بعض میں ہے **اعور العین الیمنی**

اور بعض میں **اعور العین الشمال**

یعنی وہ تینوں ہی آنکھوں سے اندھا ہے تو پھر اس کی وہ کون سی آنکھ ہے جس سے وہ دیکھتا ہے یقیناً وہ پھر ان کے علاوہ چوتھی ہوگی اور پھر جو مٹی ہوئی ہے وہ پانچویں اور جو بالکل چپٹی ہے وہ چھٹی اسی طرح جیسے جیسے غور کرتے جائیں تو اس کی آنکھوں کی تعداد بڑھتی ہی جائے گی۔

یہ صرف چند سوالات ہیں جو صرف اور صرف اسی وجہ سے پیدا ہوئے کہ آپ نے پہلے ہی ایک نظریہ قائم کر لیا کہ الدجّال ایک انسان ہے ایک معین شخصیت ہے لیکن اس کے برعکس جب محمد علیہ السلام کے الفاظ کو دیکھیں تو محمد علیہ السلام نے کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ الدجّال ایک آنکھ والا ہوگا، الدجّال بائیں آنکھ سے کانا ہوگا، دائیں آنکھ سے کانا ہوگا یا شمال والی آنکھ سے کانا ہوگا بلکہ محمد علیہ السلام نے جو کہا تھا وہ الفاظ درج ذیل ہیں۔

الدجال اعور العین الیسری

الدجال اعور العین الیمنی

الدجال اعور العین الشمال

اعور کہتے ہیں کوئی بھی کام ایک ہی رخ سے دیکھ کر کرنا یعنی کسی بھی شئے کا دوسرا رخ نہ دیکھنا، عیب دار، خرابی، نقص والا کام کرنا، نامکمل کام کرنا۔

عیــــن. دیکھنے کا آلہ۔ ہر وہ شئے جس میں وہ صفات پائی جاتی ہیں جو آنکھ میں پائی جاتی ہیں وہ عربی میں عین کہلاتی ہے۔ اللہ نے انسان یا جانوروں کے

اجسام میں دیکھنے کا جو آلہ نصب کیا اسی وجہ سے اسے عربی میں عین کہا جاتا ہے۔

الدجال اعور: الدجّال ہے کسی بھی کام کو ایک ہی رخ سے دیکھ کر عیب زدہ، نقص زدہ، خرابی والا نامکمل کرنا یعنی الدجّال وہ ہے جو کام عیب زدہ ہوتا ہے وہ صرف ایک ہی رخ سے دیکھ کر ہوتا ہے نہ کہ وہ کسی بھی کام کو دونوں رخ سے دیکھ کر ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہر کام ناقص، عیب زدہ، خامی وخرابی سے پاک نہیں ہوتا۔ بالکل آسان الفاظ میں ہر وہ شیئے جس میں حمد نہیں وہ بشر سمیت آسمانوں اور زمین کی ہر مخلوق کے لیے نقصان دہ اور باعث تباہی ہے مگر اس میں موجود خرابی وخامی پر پردہ ڈال کر اسے فائدہ مند مسیحا بنا کر پیش کیا جائے کہ انسان اسے اپنا مسیحا یعنی فائدہ مند تسلیم کر کے اخذ کر لیں جو نہیں ہر طرح سے نقصان پہنچا رہی ہو اس کے باوجود انسان اس کے دجل کا شکار ہو کر اسے اپنے لیے فائدہ مند ہی سمجھتے رہیں وہ الدجّال ہے، الدجّال کی خلق کردہ ہے اور اس کے بالکل برعکس جس میں صرف اور صرف حمد ہو ہر طرح کے نقص سے پاک ہو وہ اللہ کی خلق کردہ ہے اسے استعمال کرنے والے کا ربّ اللہ کہلائے گا۔

الدجال اعور العین الیسری: الدجّال ہے ایک ہی رخ سے دیکھنے کا آلہ بائیں طرفہ۔

الدجال اعور العین الیمنی: الدجّال ہے ایک ہی رخ سے دیکھنے کا آلہ دائیں طرفہ۔

الدجال اعور العین الشمال: الدجّال ہے ایک ہی رخ سے دیکھنے کا آلہ شمال طرفہ۔

کسی بھی روایت میں یہ نہیں ہے کہ الدجّال کی ایک آنکھ ہے پھر کبھی کہا جاتا ہے کہ وہ دائیں آنکھ سے کانا ہے، کبھی بائیں اور کبھی شمال والی آنکھ سے کانا۔ ایسے جتنے بھی تراجم موجود ہیں کوئی ایک بھی ترجمہ عربی زبان کے اصولوں پر پورا نہیں اترتا، ہم بار بار پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ عربی دنیا کی واحد ایسی زبان ہے جس کا ترجمہ دنیا کی کسی بھی زبان میں نہیں کیا جا سکتا مگر صرف اور صرف معنی بیان کیے جا سکتے ہیں آج معنی کی بجائے مفہوم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور معنی سے مراد ترجمہ لے لیا جاتا ہے جو کہ بالکل غلط العام ہے۔

تمام کی تمام روایات میں کہا گیا ہے کہ الدجّال ہی وہ شیئے ہے جو یک طرفہ دیکھنے کا آلہ ہے اور وہ کوئی ایک آلہ نہیں ہے بلکہ محمد علیہ السلام نے بڑی تفصیلات بیان کر دیں جو پیچھے گزر چکیں۔ یہی وہ وجہ تھی جس وجہ سے محمد علیہ السلام نے کہا تھا کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ الدجّال تمہاری عقل میں آ جائے یعنی الدجّال تمہاری عقلوں میں آئے گا ہی نہیں۔

اب آتے ہیں اس طرف کہ الدجّال کو ایک مخصوص متعین شخص انسان کس بنیاد پر قرار دیا گیا یعنی الدجّال کو ایک فرد واحد انسان ثابت کرنے یا الدجّال کے ایک شخص ہونے کے عقیدے کی وجہ کیا بنی؟ وہ کون سی روایت ہے جس کی بنیاد پر الدجّال کو ایک شخص قرار دیا گیا؟ نہ صرف ایک شخص انسان قرار دیا گیا بلکہ ایک معین شخصیت جو کہ ایک جزیرے پر قید میں ہے۔

الدجّال کو ایک مخصوص شخص انسان سمجھنے اور الدجّال کا ایک مخصوص شخص ہونے کا نظریہ ایک ایسی روایت بنی جس میں محمد کے ایک صحابی کا واقعہ مذکور ہے۔ یہ ایک ہی واقعہ ہے اور ایک ہی روایت ہے لیکن مختلف راویوں سے مروی ہونے کی وجہ سے روایت میں ایسی خامیاں موجود ہیں جن کی وجہ سے تحقیق کرنے والوں نے ایسی تمام روایات کا سرے سے نہ صرف نکار کر دیا بلکہ من گھڑت قرار دیا اور بلاشبہ اگر کوئی غیر جانبدارانہ تحقیق کرے تو اسے من گھڑت ہی قرار دے گا مگر اس کے باوجود وہ تمام لوگ جنہوں نے الدجّال کو ایک شخص قرار دیا وہ اسے صحیح قرار دیتے ہیں۔ صحیح قرار دینے کی وجہ ہی یہی ہے کہ ان کے پاس الدجّال کو ایک شخص قرار دینے کی واحد یہی ایک دلیل ہے اگر وہ لوگ بھی اس کو من گھڑت قرار دیں تو ان کے الدجال کے بارے میں تمام تر عقائد ونظریات کی عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی ضد پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

اس روایت پر اعتراضات کرنے والوں نے جو سوالات اٹھائے وہ حقیقتاً ایسے ہیں کہ ان کا جواب دینا اس وقت تک ناممکن ہو جاتا ہے جب تک کہ اس بات پر بضد رہا جائے کہ اس روایت کا ایک ایک لفظ صحیح ہے لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ روایت میں ایسی کمزوریاں تو موجود ہیں لیکن اس کے باوجود جو واقعہ روایت میں بیان ہوا ہے اس میں کسی حد تک صداقت موجود ہے تو اس صورت میں اس روایت پر اٹھنے والے تمام تر اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیئے جا سکتے ہیں۔ اعتراضات اٹھانے والا فریق چاہتا ہی یہی ہے کہ اس روایت کو صحیح ماننے والے یہ بات تسلیم کریں کہ اس میں ایسی کمزوریاں وخامیاں موجود ہیں تو اس کے بعد روایت کے صحیح ہونے کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی اور ساری بحث ہی ختم ہو جائے گی اور اسی خوف سے اس روایت کو صحیح ماننے والے اس بات کو تسلیم کرنے

کو تیار ہی نہیں کہ روایت میں خامیاں اور کمروزیاں موجود ہیں کیونکہ اگر وہ اس بات کو مان لیں تو ان کے پاس اس روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل باقی نہیں رہے گی یوں ان کے الدجّال کے بارے میں یہ عقائد زمین بوس ہو جائیں گے کہ الدجّال ایک مخصوص شخص انسان ہے اور یہی وہ نہیں چاہتے کہ ایسا ہو۔

اور ایسے تمام کے تمام لوگ خواہ ان کا کسی بھی فرقے سے تعلق ہو وہ روایت کے ایسے تراجم وتشریحات کرتے ہیں جن سے نہ صرف روایت کے اصل متن میں پیدا ہونے والے تمام سوالات کو غائب کر دیتے ہیں بلکہ الدجّال کو ایک مخصوص شخص انسان ثابت کرنے والے اپنے نظریے کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں جو محض ترجمے کی حد تک سخت دھوکے پر مبنی ہوتی ہے اگر اس روایت کے اصل عربی متن کو دیکھ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ علماء کے نام پر طبقہ جان بوجھ کر علم کے باوجود سادہ لوح عوام کو کتنا عظیم دھوکا دے رہا ہے۔ یہ لوگ کس طرح حق کو چھپاتے ہیں اور ان عظیم جرائم کے ارتکاب سے نہ صرف خود اللہ کے غضب کا شکار ہو کر اپنی آخرت تباہ کر رہا ہے بلکہ لاتعداد انسانوں کی آخرت سے کھلواڑ کر رہا ہے۔ عوام بھی آنکھیں بند کر کے ان کے تراجم وتشریحات پر ایسے ایمان لے آتی ہے اور لا رہی ہے جیسے کہ یہ اللہ کے مبعوث کیے گئے۔

ہم نہ صرف اس روایت کی بنیاد پر دیئے جانے والے دھوکوں کو افشاء کریں گے بلکہ تمیم داری والے واقعہ کی حقیقت کیا ہے اس کو بھی ہر لحاظ سے ایسے کھول دیں گے کہ کسی قسم کا کوئی ابہام باقی نہ رہے اور ایک ایک بات کھل کر واضح ہو جائے۔

سب سے پہلے ہم اس روایت پر تحقیق کریں گے کہ آیا اس روایت کی کوئی وقعت ہے بھی یا نہیں؟ آیا کہ یہ روایت قابل تسلیم ہے بھی یا نہیں؟ تاکہ اس روایت کی وجہ سے علمائے الدجّال کے دھوکے میں مبتلا لوگوں کے لیے کسی بھی لحاظ سے کوئی بھی پریشانی باقی نہ رہے اور ساری حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔ اور اس بات کے پیش نظر سب سے پہلے اس روایت کو پڑھنے سے جو سوالات سامنے آتے ہیں ہم ان سوالات کو سامنے رکھیں گے اس کے بعد ہم اس روایت میں بیان کیے جانے والے واقعے کی حقیقت کو بالکل کھول کر بیان کریں گے۔

اس لیے ہم سب سے پہلے ایسا کرتے ہیں کہ جن کتب روایات میں یہ روایت مذکور ہے ان کتب کے صفحات کو معہ تراجم یہاں پیش کرتے ہیں تاکہ تمام قارئین اس روایت کے عربی متن اور تراجم کو خود دیکھ اور پڑھ لیں اس کے بعد ہم اس پر اٹھنے والے سوالات کو سامنے لائیں گے۔

مسلم کی روایات

فتنوں اور قیامت کی نشانیاں کا بیان

بَابُ قِصَّةِ الْجَسَّاسَةِ

٧٣٨٦- عَنْ عَامِرِ بْنِ شَرَاحِيلَ الشَّعْبِيِّ شَعْبُ هَمْدَانَ أَنَّهُ سَأَلَ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ أُخْتَ الضَّحَّاكِ بْنِ قَيْسٍ وَكَانَتْ مِنْ الْمُهَاجِرَاتِ الْأُوَلِ فَقَالَ حَدِّثِينِي حَدِيثًا سَمِعْتِيهِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَا تُسْنِدِيهِ إِلَى

باب: دجال کے جاسوس کا بیان

٧٣٨٦- عامر بن شراحیل سے روایت ہے انھوں نے کہا فاطمہ بنت قیس سے جو بہن تھیں ضحاک بن قیس کی اور ان عورتوں میں سے تھیں جنھوں نے پہلے ہجرت کی تھی کہ بیان کرو مجھ سے ایک حدیث جو تم نے سنی ہو رسول اللہؐ سے اور مت واسطہ کرنا اس میں اور کسی کا؟ وہ بولیں اچھا اگر تم یہ چاہتے ہو تو میں بیان کروں گی۔

أَحَدٍ غَيْرِهِ فَقَالَتْ لَئِنْ شِئْتَ لَأَفْعَلَنَّ فَقَالَ لَهَا
أَجَلْ حَدِّثِينِي فَقَالَتْ نَكَحْتُ ابْنَ الْمُغِيرَةِ وَهُوَ
مِنْ خِيَارِ شَبَابِ قُرَيْشٍ يَوْمَئِذٍ فَأُصِيبَ فِي أَوَّلِ
الْجِهَادِ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمَّا تَأَيَّمْتُ
خَطَبَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ فِي نَفَرٍ مِنْ
أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ
وَخَطَبَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ
عَلَى مَوْلَاهُ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ وَكُنْتُ قَدْ حُدِّثْتُ
أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ ((**مَنْ أَحَبَّنِي
فَلْيُحِبَّ أُسَامَةَ**)) فَلَمَّا كَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ أَمْرِي بِيَدِكَ
فَأَنْكِحْنِي مَنْ شِئْتَ فَقَالَ انْتَقِلِي إِلَى أُمِّ
شَرِيكٍ وَأُمُّ شَرِيكٍ امْرَأَةٌ غَنِيَّةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ
عَظِيمَةُ النَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ يَنْزِلُ عَلَيْهَا
الضِّيفَانُ فَقُلْتُ سَأَفْعَلُ فَقَالَ ((**لَا تَفْعَلِي إِنَّ
أُمَّ شَرِيكٍ امْرَأَةٌ كَثِيرَةُ الضِّيفَانِ فَإِنِّي أَكْرَهُ
أَنْ يَسْقُطَ عَنْكِ خِمَارُكِ أَوْ يَنْكَشِفَ الثَّوْبُ
عَنْ سَاقَيْكِ فَيَرَى الْقَوْمُ مِنْكِ بَعْضَ مَا
تَكْرَهِينَ وَلَكِنِ انْتَقِلِي إِلَى ابْنِ عَمِّكِ عَبْدِ
اللهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ**)) وَهُوَ رَجُلٌ
مِنْ بَنِي فِهْرٍ فِهْرِ قُرَيْشٍ وَهُوَ مِنَ الْبَطْنِ الَّذِي
هِيَ مِنْهُ فَانْتَقَلْتُ إِلَيْهِ فَلَمَّا انْقَضَتْ عِدَّتِي
سَمِعْتُ نِدَاءَ الْمُنَادِي مُنَادِي رَسُولِ اللهِ ﷺ
يُنَادِي الصَّلَاةَ جَامِعَةً فَخَرَجْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ
فَصَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَكُنْتُ فِي صَفِّ النِّسَاءِ الَّتِي تَلِي ظُهُورَ الْقَوْمِ
فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

انھوں نے کہا ہاں بیان کرو۔ فاطمہ نے کہ میں نے نکاح کیا ابن
مغیرہ سے اور وہ قریش کے عمدہ جوانوں میں سے تھے ان دنوں۔
پھر وہ شہید ہوئے پہلے ہی جہاد میں رسول اللہؐ کے ساتھ۔ جب میں
بیوہ ہو گئی تو مجھ سے پیام بھیجا عبدالرحمٰن بن عوف اور کئی اصحاب
نے رسول اللہؐ کے اور رسول اللہؐ نے بھی پیام بھیجا اپنے مولیٰ اسامہ
بن زید کے لیے اور میں یہ حدیث سن چکی تھی کہ رسول اللہؐ نے
فرمایا جو شخص مجھ سے محبت رکھے اس کو چاہیے کہ اسامہ سے بھی
محبت رکھے جب رسول اللہؐ نے مجھ سے اس باب میں گفتگو کی تو میں
نے کہا میرے کام کا اختیار آپ کو ہے آپ جس سے چاہیں نکاح
کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا ام شریک کے گھر اٹھ جاؤ اور ام شریک
ایک عورت تھی مالدار انصار میں کی بہت خرچنے والی اللہ کی راہ
میں۔ اس کے پاس مہمان اترتے تھے۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا
میں ام شریک کے پاس اٹھ جاؤں گی۔ پھر آپ نے فرمایا ام شریک
کے پاس مت جا اس کے پاس مہمان بہت آتے ہیں اور مجھے
برا معلوم ہوتا ہے کہیں تیری اوڑھنی گر جائے یا تیری پنڈلیوں پر
سے کپڑا ہٹ جائے اور لوگ تیرے بدن میں سے وہ دیکھیں جو تجھ
کو برا لگے لیکن چلی جا اپنے چچا کے بیٹے عبداللہ بن عمرو بن ام مکتوم
کے پاس اور وہ ایک شخص تھا بنی فہر میں سے اور فہر قریش کی ایک
شاخ ہے اور وہ اس قبیلہ میں سے تھا جس میں سے فاطمہ بھی تھی۔
پھر فاطمہ نے کہا میں ان کے گھر میں چلی گئی۔ جب میری عدت
گزر گئی تو میں نے پکارنے والے کی آواز سنی وہ پکارنے والا منادی تھا
رسول اللہ کا پکارتا تھا نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔ میں بھی مسجد کی
طرف نکلی اور میں نے رسول اللہؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔ میں اس
صف میں تھی جس میں عورتیں تھیں لوگوں کے پیچھے۔ جب آپ
نے نماز پڑھ لی تو منبر پر بیٹھے اور آپ ہنس رہے تھے۔ آپ نے
فرمایا ہر ایک آدمی اپنی نماز کی جگہ پر رہے پھر فرمایا تم جانتے ہو
میں نے تم کو کیوں اکٹھا کیا؟ وہ بولے اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا

صَلَاتَهُ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقَالَ
((لِيَلْزَمْ كُلُّ إِنْسَانٍ مُصَلَّاهُ)) ثُمَّ قَالَ
((أَتَدْرُونَ لِمَ جَمَعْتُكُمْ)) قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ
أَعْلَمُ قَالَ إِنِّي وَاللَّهِ مَا جَمَعْتُكُمْ لِرَغْبَةٍ وَلَا
لِرَهْبَةٍ وَلَكِنْ جَمَعْتُكُمْ لِأَنَّ تَمِيمًا الدَّارِيَّ كَانَ
رَجُلًا نَصْرَانِيًّا فَجَاءَ فَبَايَعَ وَأَسْلَمَ وَحَدَّثَنِي
حَدِيثًا وَافَقَ الَّذِي كُنْتُ أُحَدِّثُكُمْ عَنْ مَسِيحِ
الدَّجَّالِ حَدَّثَنِي أَنَّهُ رَكِبَ فِي سَفِينَةٍ بَحْرِيَّةٍ
مَعَ ثَلَاثِينَ رَجُلًا مِنْ لَخْمٍ وَجُذَامَ فَلَعِبَ بِهِمُ
الْمَوْجُ شَهْرًا فِي الْبَحْرِ ثُمَّ أَرْفَئُوا إِلَى جَزِيرَةٍ
فِي الْبَحْرِ حَتَّى مَغْرِبِ الشَّمْسِ فَجَلَسُوا فِي
أَقْرُبِ السَّفِينَةِ فَدَخَلُوا الْجَزِيرَةَ فَلَقِيَتْهُمْ دَابَّةٌ
أَهْلَبُ كَثِيرُ الشَّعَرِ لَا يَدْرُونَ مَا قُبُلُهُ مِنْ دُبُرِهِ
مِنْ كَثْرَةِ الشَّعَرِ فَقَالُوا وَيْلَكِ مَا أَنْتِ فَقَالَتْ
أَنَا الْجَسَّاسَةُ قَالُوا وَمَا الْجَسَّاسَةُ قَالَتْ أَيُّهَا
الْقَوْمُ انْطَلِقُوا إِلَى هَذَا الرَّجُلِ فِي الدَّيْرِ فَإِنَّهُ
إِلَى خَبَرِكُمْ بِالْأَشْوَاقِ قَالَ لَمَّا سَمَّتْ لَنَا
رَجُلًا فَرِقْنَا مِنْهَا أَنْ تَكُونَ شَيْطَانَةً قَالَ
فَانْطَلَقْنَا سِرَاعًا حَتَّى دَخَلْنَا الدَّيْرَ فَإِذَا فِيهِ
أَعْظَمُ إِنْسَانٍ رَأَيْنَاهُ قَطُّ خَلْقًا وَأَشَدُّهُ وِثَاقًا
مَجْمُوعَةٌ يَدَاهُ إِلَى عُنُقِهِ مَا بَيْنَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى
كَعْبَيْهِ بِالْحَدِيدِ قُلْنَا وَيْلَكَ مَا أَنْتَ قَالَ قَدْ
قَدَرْتُمْ عَلَى خَبَرِي فَأَخْبِرُونِي مَا أَنْتُمْ قَالُوا
نَحْنُ أُنَاسٌ مِنَ الْعَرَبِ رَكِبْنَا فِي سَفِينَةٍ بَحْرِيَّةٍ
فَصَادَفْنَا الْبَحْرَ حِينَ اغْتَلَمَ فَلَعِبَ بِنَا الْمَوْجُ
شَهْرًا ثُمَّ أَرْفَأْنَا إِلَى جَزِيرَتِكَ هَذِهِ فَجَلَسْنَا فِي
أَقْرُبِهَا فَدَخَلْنَا الْجَزِيرَةَ فَلَقِيَتْنَا دَابَّةٌ أَهْلَبُ كَثِيرُ
الشَّعَرِ لَا يُدْرَى مَا قُبُلُهُ مِنْ دُبُرِهِ مِنْ كَثْرَةِ

ہے۔ آپ نے فرمایا قسم خدا کی میں نے تم کو رغبت دلانے یا ڈرانے
کے لیے جمع نہیں کیا بلکہ اس لیے جمع کیا کہ تمیم داری ایک نصرانی
تھا وہ آیا اور اس نے بیعت کی اور مسلمان ہوا اور مجھ سے ایک حدیث
بیان کی جو موافق پڑی اس حدیث کے جو میں تم سے بیان کیا کرتا تھا
دجال کے باب میں۔ اس نے بیان کیا کہ وہ شخص یعنی تمیم سوار ہوا
سمندر کے جہاز میں تیس آدمیوں کے ساتھ جو لخم اور جذام کی قوم
سے تھے۔ سو ان سے ایک مہینہ بھر لہر کھیلا سمندر میں (یعنی شدت
موج سے جہاز تباہ رہا)۔ پھر وہ لوگ جا لگے سمندر میں ایک ٹاپو کی
طرف سورج ڈوبتے۔ پھر جہاز سے پلوار (یعنی چھوٹی کشتی) میں
بیٹھے اور ٹاپو میں داخل ہوئے۔ وہاں ان کو ایک جانور بھاری دم بہت
بالوں والا ملا کہ اس کا آگا پیچھا دریافت نہ ہوتا تھا بالوں کے ہجوم
سے۔ تو لوگوں نے اس سے کہا اے کمبخت تو کیا چیز ہے؟ اس نے کہا
میں جاسوس ہوں۔ لوگوں نے کہا جاسوس کیا؟ اس نے کہا اس
مرد کے پاس چلو جو دیر میں ہے اس واسطے کہ وہ تمہاری خبر کا بہت
مشتاق ہے۔ تمیم نے کہا جب اس نے مرد کا نام لیا تو ہم اس جانور
سے ڈرے کہ کہیں شیطان نہ ہو۔ تمیم نے کہا پھر ہم چلے دوڑتے
یہاں تک کہ دیر میں داخل ہوئے۔ دیکھا تو وہاں ایک بڑے قد کا
آدمی ہے کہ ہم نے اتنا بڑا آدمی اور ویسا سخت جکڑا ہوا کبھی نہیں
دیکھا۔ جکڑے ہوئے ہیں اس کے دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ
درمیان دونوں زانو کے دونوں ٹخنوں تک لوہے سے۔ ہم نے کہا
اے کمبخت تو کیا چیز ہے؟ اس نے کہا تم قابو پا گئے میری خبر پر (یعنی
میرا حال تو تم کو اب معلوم ہو جائے گا) تم اپنا حال بتاؤ کہ تم کون ہو؟
لوگوں نے کہا کہ ہم عرب لوگ ہیں جو سمندر میں سوار ہوئے تھے
جہاز میں لیکن جب ہم سوار ہوئے تو سمندر کو جوش میں پایا پھر ایک
مہینے کی مدت تک لہر ہم سے کھیلتی رہی بعد اس کے آلگے اس ٹاپو
میں پھر ہم بیٹھے چھوٹی کشتی میں اور داخل ہوئے ٹاپو میں سو ملا ہم کو
ایک بھاری دم کا جانور، بہت بالوں والا ہم نہ جانتے تھے اس کا آگا پیچھا
بالوں کی کثرت سے ہم نے اس سے کہا اے کمبخت تو کیا چیز ہے؟ سو

الشَّعْرِ فَقُلْنَا وَيْلَكِ مَا أَنْتِ فَقَالَتْ أَنَا الْجَسَّاسَةُ قُلْنَا وَمَا الْجَسَّاسَةُ قَالَتْ اعْمِدُوا إِلَى هَذَا الرَّجُلِ فِي الدَّيْرِ فَإِنَّهُ إِلَى خَبَرِكُمْ بِالْأَشْوَاقِ فَأَقْبَلْنَا إِلَيْكَ سِرَاعًا وَفَزِعْنَا مِنْهَا وَلَمْ نَأْمَنْ أَنْ تَكُونَ شَيْطَانَةً فَقَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ قُلْنَا عَنْ أَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِرُ قَالَ أَسْأَلُكُمْ عَنْ نَخْلِهَا هَلْ يُثْمِرُ قُلْنَا لَهُ نَعَمْ قَالَ أَمَا إِنَّهُ يُوشِكُ أَنْ لَا تُثْمِرَ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ بُحَيْرَةِ الطَّبَرِيَّةِ قُلْنَا عَنْ أَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِرُ قَالَ هَلْ فِيهَا مَاءٌ قَالُوا هِيَ كَثِيرَةُ الْمَاءِ قَالَ أَمَا إِنَّ مَاءَهَا يُوشِكُ أَنْ يَذْهَبَ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ عَيْنِ زُغَرَ قَالُوا عَنْ أَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِرُ قَالَ هَلْ فِي الْعَيْنِ مَاءٌ وَهَلْ يَزْرَعُ أَهْلُهَا بِمَاءِ الْعَيْنِ قُلْنَا لَهُ نَعَمْ هِيَ كَثِيرَةُ الْمَاءِ وَأَهْلُهَا يَزْرَعُونَ مِنْ مَائِهَا قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ نَبِيِّ الْأُمِّيِّينَ مَا فَعَلَ قَالُوا قَدْ خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ وَنَزَلَ يَثْرِبَ قَالَ أَقَاتَلَهُ الْعَرَبُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ كَيْفَ صَنَعَ بِهِمْ فَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّهُ قَدْ ظَهَرَ عَلَى مَنْ يَلِيهِ مِنَ الْعَرَبِ وَأَطَاعُوهُ قَالَ لَهُمْ قَدْ كَانَ ذَلِكَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ أَمَا إِنَّ ذَاكَ خَيْرٌ لَهُمْ أَنْ يُطِيعُوهُ وَإِنِّي مُخْبِرُكُمْ عَنِّي إِنِّي أَنَا الْمَسِيحُ وَإِنِّي أُوشِكُ أَنْ يُؤْذَنَ لِي فِي الْخُرُوجِ فَأَخْرُجَ فَأَسِيرَ فِي الْأَرْضِ فَلَا أَدَعَ قَرْيَةً إِلَّا هَبَطْتُهَا فِي أَرْبَعِينَ لَيْلَةً غَيْرَ مَكَّةَ وَطَيْبَةَ فَهُمَا مُحَرَّمَتَانِ عَلَيَّ كِلْتَاهُمَا كُلَّمَا أَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَ وَاحِدَةً أَوْ وَاحِدًا مِنْهُمَا اسْتَقْبَلَنِي مَلَكٌ بِيَدِهِ السَّيْفُ صَلْتًا يَصُدُّنِي عَنْهَا وَإِنَّ عَلَى كُلِّ نَقْبٍ مِنْهَا مَلَائِكَةً يَحْرُسُونَهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

اس نے کہا میں جاسوس ہوں ہم نے کہا جاسوس کیا؟ اس نے کہا چلو اس مرد کے پاس جو دیر میں ہے کہ البتہ وہ تمہاری خبر کا مشتاق ہے سو ہم تیری طرف دوڑتے آئے اور ہم اس سے ڈرے کہ کہیں بھوت پریت نہ ہو۔ پھر اس مرد نے کہا کہ مجھ کو خبر دو بیسان کے نخلستان سے؟ ہم نے کہا کہ کونسا حال اس کا تو پوچھتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس کے نخلستان سے پوچھتا ہوں کہ پھلتا ہے؟ ہم نے اس سے کہا ہاں پھلتا ہے۔ اس نے کہا خبردار ہو کہ مقرر عنقریب ہے کہ وہ نہ پھلے گا اس نے کہا کہ بتلاؤ مجھ کو طبرستان کا دریا ہم نے کہا کونسا حال اس دریا کا تو پوچھتا ہے؟ وہ بولا اس میں پانی ہے؟ لوگوں نے کہا اس میں بہت پانی ہے۔ اس نے کہا البتہ اس کا پانی عنقریب جاتا رہے گا۔ پھر اس نے کہا خبر دو مجھ کو زغر کے چشمے سے۔ لوگوں نے کہا کیا حال اس کا پوچھتا ہے؟ اس نے کہا اس چشمہ میں پانی ہے اور وہاں کے لوگ اس کے پانی سے کھیتی کرتے ہیں؟ ہم نے اس سے کہا ہاں اس میں بہت پانی ہے، اور وہاں کے لوگ کھیتی کرتے ہیں اس کے پانی سے۔ اس نے کہا مجھ کو خبر دو عرب کے پیغمبر سے؟ انھوں نے کہا وہ مکہ سے نکلے اور مدینہ میں گئے۔ اس نے کہا کیا عرب کے لوگ ان سے لڑے؟ ہم نے کہا ہاں۔ اس نے کہا کیونکر انھوں نے عربوں کے ساتھ کیا؟ ہم نے کہا وہ غالب ہوئے اپنے گرد و پیش کے عربوں پر اور انھوں نے اطاعت کی ان کی۔ اس نے کہا یہ بات ہو چکی؟ ہم نے کہا ہاں۔ اس نے کہا خبردار رہو یہ بات ان کے حق میں بہتر ہے کہ پیغمبر کے تابعدار ہوں اور البتہ میں تم سے اپنا حال کہتا ہوں کہ مسیح ہوں یعنی دجال تمام زمین کا پھرنے والا اور البتہ وہ زمانہ قریب ہے جب مجھ کو اجازت ہو گی نکلنے کی۔ سو میں نکلوں گا اور سیر کروں گا اور کسی بستی کو نہ چھوڑوں گا جہاں نہ جاؤں چالیس رات کے اندر سوائے مکہ اور طیبہ کے۔ وہاں جانا مجھ پر حرام ہے یعنی منع ہے جب میں چاہوں گا ان دو بستیوں میں سے کسی کے اندر جانا تو میرے آگے بڑھ آئے گا ایک فرشتہ اور اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہو گی وہ مجھ کو وہاں جانے سے روک دے گا اور البتہ

الشَّعَرِ فَقُلْنَا وَيْلَكِ مَا أَنْتِ فَقَالَتْ أَنَا
الْجَسَّاسَةُ قُلْنَا وَمَا الْجَسَّاسَةُ قَالَتْ اعْمِدُوا
إِلَى هَذَا الرَّجُلِ فِي الدَّيْرِ فَإِنَّهُ إِلَى خَبَرِكُمْ
بِالْأَشْوَاقِ فَأَقْبَلْنَا إِلَيْكَ سِرَاعًا وَفَزِعْنَا مِنْهَا وَلَمْ
نَأْمَنْ أَنْ تَكُونَ شَيْطَانَةً فَقَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ
نَخْلِ بَيْسَانَ قُلْنَا عَنْ أَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِرُ قَالَ
أَسْأَلُكُمْ عَنْ نَخْلِهَا هَلْ يُثْمِرُ قُلْنَا لَهُ نَعَمْ قَالَ
أَمَا إِنَّهُ يُوشِكُ أَنْ لَا تُثْمِرَ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ
بُحَيْرَةِ الطَّبَرِيَّةِ قُلْنَا عَنْ أَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِرُ قَالَ
هَلْ فِيهَا مَاءٌ قَالُوا هِيَ كَثِيرَةُ الْمَاءِ قَالَ أَمَا إِنَّ
مَاءَهَا يُوشِكُ أَنْ يَذْهَبَ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ
عَيْنِ زُغَرَ قَالُوا عَنْ أَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِرُ قَالَ
هَلْ فِي الْعَيْنِ مَاءٌ وَهَلْ يَزْرَعُ أَهْلُهَا بِمَاءِ الْعَيْنِ
قُلْنَا لَهُ نَعَمْ هِيَ كَثِيرَةُ الْمَاءِ وَأَهْلُهَا يَزْرَعُونَ
مِنْ مَائِهَا قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ نَبِيِّ الْأُمِّيِّينَ مَا
فَعَلَ قَالُوا قَدْ خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ وَنَزَلَ يَثْرِبَ قَالَ
أَقَاتَلَهُ الْعَرَبُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ كَيْفَ صَنَعَ بِهِمْ
فَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّهُ قَدْ ظَهَرَ عَلَى مَنْ يَلِيهِ مِنَ الْعَرَبِ
وَأَطَاعُوهُ قَالَ لَهُمْ قَدْ كَانَ ذَلِكَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ
أَمَا إِنَّ ذَاكَ خَيْرٌ لَهُمْ أَنْ يُطِيعُوهُ وَإِنِّي
مُخْبِرُكُمْ عَنِّي إِنِّي أَنَا الْمَسِيحُ وَإِنِّي أُوشِكُ
أَنْ يُؤْذَنَ لِي فِي الْخُرُوجِ فَأَخْرُجَ فَأَسِيرَ فِي
الْأَرْضِ فَلَا أَدَعَ قَرْيَةً إِلَّا هَبَطْتُهَا فِي أَرْبَعِينَ
لَيْلَةً غَيْرَ مَكَّةَ وَطَيْبَةَ فَهُمَا مُحَرَّمَتَانِ عَلَيَّ
كِلْتَاهُمَا كُلَّمَا أَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَ وَاحِدَةً أَوْ
وَاحِدًا مِنْهُمَا اسْتَقْبَلَنِي مَلَكٌ بِيَدِهِ السَّيْفُ
صَلْتًا يَصُدُّنِي عَنْهَا وَإِنَّ عَلَى كُلِّ نَقْبٍ مِنْهَا
مَلَائِكَةً يَحْرُسُونَهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

اس نے کہا میں جاسوس ہوں ہم نے کہا جاسوس کیا؟ اس نے کہا چلو
اس مرد کے پاس جو دیر میں ہے کہ البتہ وہ تمہاری خبر کا مشتاق ہے
سو ہم تیری طرف دوڑتے آئے اور ہم اس سے ڈرے کہ کہیں
بھوت پریت نہ ہو۔ پھر اس مرد نے کہا کہ مجھ کو خبر دو بیسان کے
نخلستان سے؟ ہم نے کہا کہ کونسا حال اس کا تو پوچھتا ہے؟ اس نے
کہا کہ میں اس کے نخلستان سے پوچھتا ہوں کہ پھلتا ہے؟ ہم نے اس
سے کہا ہاں پھلتا ہے۔ اس نے کہا خبردار ہو کہ مقرر عنقریب ہے کہ
وہ نہ پھلے گا اس نے کہا کہ بتلاؤ مجھ کو طبرستان کا دریا ہم نے کہا کونسا
حال اس دریا کا تو پوچھتا ہے؟ وہ بولا اس میں پانی ہے؟ لوگوں نے کہا
اس میں بہت پانی ہے۔ اس نے کہا البتہ اس کا پانی عنقریب جاتا رہے
گا۔ پھر اس نے کہا خبر دو مجھ کو زغر کے چشمے سے۔ لوگوں نے کہا کیا
حال اس کا پوچھتا ہے؟ اس نے کہا اس چشمہ میں پانی ہے اور وہاں کے
لوگ اس کے پانی سے کھیتی کرتے ہیں؟ ہم نے اس سے کہا ہاں اس
میں بہت پانی ہے، اور وہاں کے لوگ کھیتی کرتے ہیں اس کے پانی
سے۔ اس نے کہا مجھ کو خبر دو عرب کے پیغمبر سے؟ انھوں نے کہا وہ
مکہ سے نکلے اور مدینہ میں گئے۔ اس نے کہا کیا عرب کے لوگ ان
سے لڑے؟ ہم نے کہا ہاں۔ اس نے کہا کیونکر انھوں نے عربوں
کے ساتھ کیا؟ ہم نے کہا وہ غالب ہوئے اپنے گرد وپیش کے
عربوں پر اور انھوں نے اطاعت کی ان کی۔ اس نے کہا یہ بات
ہو چکی؟ ہم نے کہا ہاں۔ اس نے کہا خبردار رہو یہ بات ان کے حق
میں بہتر ہے کہ پیغمبر کے تابعدار ہوں اور البتہ میں تم سے اپنا حال
کہتا ہوں کہ مسیح ہوں یعنی دجال تمام زمین کا پھرنے والا اور البتہ وہ
زمانہ قریب ہے جب مجھ کو اجازت ہو گی نکلنے کی۔ سو میں نکلوں گا
اور سیر کروں گا اور کسی بستی کو نہ چھوڑوں گا جہاں نہ جاؤں چالیس
رات کے اندر سوائے مکہ اور طیبہ کے۔ وہاں جانا مجھ پر حرام ہے
یعنی منع ہے جب میں چاہوں گا ان دو بستیوں میں سے کسی کے
اندر جانا تو میرے آگے بڑھ آئے گا ایک فرشتہ اور اس کے ہاتھ
میں ننگی تلوار ہو گی وہ مجھ کو وہاں جانے سے روک دے گا اور البتہ

صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَطَعَنَ بِمِخْصَرَتِهِ فِي الْمِنْبَرِ هَذِهِ طَيْبَةُ ((هَذِهِ طَيْبَةُ هَذِهِ طَيْبَةُ يَعْنِي الْمَدِينَةَ أَلَا هَلْ كُنْتُ حَدَّثْتُكُمْ ذَلِكَ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ فَإِنَّهُ أَعْجَبَنِي حَدِيثُ تَمِيمٍ أَنَّهُ وَافَقَ الَّذِي كُنْتُ أُحَدِّثُكُمْ عَنْهُ وَعَنِ الْمَدِينَةِ وَمَكَّةَ أَلَا إِنَّهُ فِي بَحْرِ الشَّأْمِ أَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ)) وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى الْمَشْرِقِ قَالَتْ فَحَفِظْتُ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ.

اس کے ہر ایک ناکہ پر فرشتے ہونگے جو اس کی چوکیداری کریں گے۔ پھر حضرتؐ نے اپنے پشت خار سے منبر پر ٹکورا دیا اور فرمایا کہ طیبہ یہی ہے طیبہ یہی ہے طیبہ یہی ہے یعنی طیبہ سے مراد مدینہ منورہ ہے۔ خبر دار ہو بھلا میں تم کو اس حال کی خبر دے چکا ہوں ؟ تو اصحاب نے کہا کہ ہاں حضرتؐ نے فرمایا کہ مجھ کو اچھی لگی تمیم کی بات جو موافق پڑی اس چیز کے جو میں تم کو دجال اور مدینہ اور مکہ کے حال سے فرمایا کرتا تھا۔ خبر دار ہو کہ البتہ وہ دریائے شام یا دریائے یمن میں ہے۔ نہیں بلکہ وہ پورب کی طرف ہے وہ پورب کی طرف ہے وہ پورب کی طرف ہے۔ (پورب کی طرف بحر ہند ہے شاید دجال بحر ہند کے کسی جزیرہ میں ہو) اور آپ نے اشارہ کیا پورب کی طرف۔ فاطمہ بنت قیس نے کہا تو یہ حدیث میں نے رسول اللہؐ سے یاد رکھی۔

۷۳۸۷-عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ فَأَتْحَفَتْنَا بِرُطَبٍ يُقَالُ لَهُ رُطَبُ ابْنِ طَابٍ وَأَسْقَتْنَا سَوِيقَ سُلْتٍ فَسَأَلْتُهَا عَنِ الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا أَيْنَ تَعْتَدُّ قَالَتْ طَلَّقَنِي بَعْلِي ثَلَاثًا فَأَذِنَ لِي النَّبِيُّ ﷺ أَنْ أَعْتَدَّ فِي أَهْلِي قَالَتْ فَنُودِيَ فِي النَّاسِ إِنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ فِيمَنِ انْطَلَقَ مِنَ النَّاسِ قَالَتْ فَكُنْتُ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ مِنَ النِّسَاءِ وَهُوَ يَلِي الْمُؤَخَّرَ مِنَ الرِّجَالِ قَالَتْ فَسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَخْطُبُ فَقَالَ ((إِنَّ بَنِي عَمٍّ لِتَمِيمٍ الدَّارِيِّ رَكِبُوا فِي الْبَحْرِ)) وَسَاقَ الْحَدِيثَ وَزَادَ فِيهِ قَالَتْ فَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَأَهْوَى بِمِخْصَرَتِهِ إِلَى الْأَرْضِ وَقَالَ ((هَذِهِ طَيْبَةُ)) يَعْنِي الْمَدِينَةَ.

۷۳۸۷- شعبیؒ سے روایت ہے ہم فاطمہ بنت قیس کے پاس گئے انھوں نے ہم کو تحفہ دیا رطب جس کو رطب ابن طاب کہتے ہیں (وہ ایک عمدہ قسم ہیں تر کھجور کی) اور جو کے ستو ہم کو پلائے۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں وہ کہاں عدت کرے ؟ انھوں نے کہا بعلی نے مجھے تین طلاق دی تو رسول اللہؐ نے مجھ کو اجازت دی اپنے میکے میں عدت کرنے کی۔ پھر لوگوں میں منادی کی گئی نماز کے لیے جمع ہو میں بھی چلی ان لوگوں کے ساتھ جو چلے اور عورتوں کی پہلی صف میں تھی جو مردوں کی آخری صف کے بعد تھی۔ میں نے سنا رسول اللہؐ سے سنا اور آپ منبر پر خطبہ پڑھتے تھے تو فرمایا کہ تمیم داری کے چچازاد بھائی سمندر میں سوار ہوئے۔ پھر بیان کیا وہی قصہ جو گزرا اس میں اتنا زیادہ ہے کہ فاطمہ نے کہا گویا میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہی ہوں آپ نے اپنا پشت خار زمین پر مارا اور فرمایا طیبہ یہی ہے یعنی مدینہ۔

۷۳۸۸- عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ قَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ تَمِيمٌ الدَّارِيُّ فَأَخْبَرَ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنَّهُ رَكِبَ الْبَحْرَ فَتَاهَتْ بِهِ

۷۳۸۸- فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس تمیم داری آئے اور آپ کو خبر دی کہ سمندر میں سوار ہوئے تھے ان کا جہاز راہ سے ہٹ گیا اور ایک جزیرہ سے

سَفِينَتُهُ فَسَقَطَ إِلَى جَزِيرَةٍ فَخَرَجَ إِلَيْهَا يَلْتَمِسُ الْمَاءَ فَلَقِيَ إِنْسَانًا يَجُرُّ شَعْرَهُ وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ وَقَالَ فِيهِ ثُمَّ قَالَ أَمَا إِنَّهُ لَوْ قَدْ أُذِنَ لِي فِي الْخُرُوجِ قَدْ وَطِئْتُ الْبِلَادَ كُلَّهَا غَيْرَ طَيْبَةَ فَأَخْرَجَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى النَّاسِ فَحَدَّثَهُمْ قَالَ ((هَذِهِ طَيْبَةُ وَذَاكَ الدَّجَّالُ))

جالگا۔ وہ اس کے اندر گئے پانی کی تلاش میں۔ وہاں ایک آدمی دیکھا جو اپنے بال کھینچ رہا تھا اور بیان کیا سارا قصہ حدیث کا۔ پھر کہا کہ دجال نے کہا اگر مجھ کو اجازت ملتی نکلنے کی تو میں سب شہروں میں ہو آتا سوا طیبہ کے۔ پھر رسول اللہؐ نے تمیم کو لوگوں کے سامنے نکالا اس نے سارا قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا طیبہ یہی مدینہ ہے اور دجال وہی شخص ہے۔

۷۳۸۹- عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ ((أَيُّهَا النَّاسُ حَدَّثَنِي تَمِيمٌ الدَّارِيُّ أَنَّ أُنَاسًا مِنْ قَوْمِهِ كَانُوا فِي الْبَحْرِ فِي سَفِينَةٍ لَهُمْ فَانْكَسَرَتْ بِهِمْ فَرَكِبَ بَعْضُهُمْ عَلَى لَوْحٍ مِنْ أَلْوَاحِ السَّفِينَةِ فَخَرَجُوا إِلَى جَزِيرَةٍ فِي الْبَحْرِ)) وَسَاقَ الْحَدِيثَ.

۷۳۸۹- فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر بیٹھے اور فرمایا اے لوگو! مجھ سے بیان کیا تمیم داری نے کہ ان کی قوم کے لوگ سمندر میں تھے ایک کشتی میں وہ کشتی ٹوٹ گئی۔ بعض لوگ ان میں کے ایک تختہ پر سوار ہو رہے اور ایک جزیرہ میں گئے۔ پھر بیان کیا حدیث کو اسی طرح جیسے اوپر گزرا۔

سنن ابوداود کی روایات

(المعجم ١٥) - بَابٌ: فِي خَبَرِ الْجَسَّاسَةِ (التحفة ١٥)

باب:۱۵- جساسہ کا بیان

فائدہ: یہ ایک حیوان ہے جو ایک سمندری جزیرے میں دیکھا گیا ہے اور اسے ''جساسہ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دجال کی خبریں پوچھتا تھا۔

٤٣٢٥- حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَنَا ابنُ أَبِي ذِئْبٍ عن الزُّهْرِيِّ، عن أَبِي سَلَمَةَ، عن فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ؛ أَنَّ رَسُولَ الله ﷺ أَخَّرَ الْعِشَاءَ الآخِرَةَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ:

۴۳۲۵- حضرت فاطمہ بنت قیس ؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں تاخیر فرما دی۔ پھر تشریف لائے اور فرمایا: ''مجھے تمیم داری کی باتوں نے روک لیا تھا۔ وہ بیان کر رہے تھے کہ سمندری جزیروں میں سے ایک جزیرے میں ایک آدمی

«إِنَّهُ حَبَسَنِي حَدِيثٌ كَانَ يُحَدِّثُنِيهِ تَمِيمٌ الدَّارِيُّ عَنْ رَجُلٍ كَانَ فِي جَزِيرَةٍ مِنْ جَزَائِرِ الْبَحْرِ: فَإِذَا أَنَا بِامْرَأَةٍ تَجُرُّ شَعْرَهَا، قَالَ: مَا أَنْتِ؟ قَالَتْ: أَنَا الْجَسَّاسَةُ، اذْهَبْ إِلَى ذَلِكَ الْقَصْرِ، فَأَتَيْتُهُ فَإِذَا رَجُلٌ يَجُرُّ شَعْرَهُ مُسَلْسَلٌ فِي الأَغْلَالِ يَنْزُو فِيمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ، فَقُلْتُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: أَنَا الدَّجَّالُ، خَرَجَ نَبِيُّ الأُمِّيِّينَ بَعْدُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: أَطَاعُوهُ أَمْ عَصَوْهُ؟ قُلْتُ: بَلْ أَطَاعُوهُ قَالَ: ذَاكَ خَيْرٌ لَهُمْ».

تھا' اور میں نے ایک عورت کو دیکھا جو اپنے بال کھینچ رہی تھی۔ پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں ''جساسہ'' ہوں' اس محل میں چلے جاؤ' میں وہاں گیا تو اس میں ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے بال کھینچ رہا تھا اور زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور اوپر نیچے اچھل رہا تھا۔ میں نے کہا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں دجال ہوں۔ کیا عربوں کا نبی آ گیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: کیا ان لوگوں نے اس کی اطاعت کی ہے یا نافرمانی؟ میں نے کہا: نہیں بلکہ اطاعت کی ہے۔ اس نے کہا: یہ ان کے لیے بہتر ہے۔''

٤٣٢٦- حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ حُسَيْنًا الْمُعَلِّمَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ: حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ شَرَاحِيلَ الشَّعْبِيُّ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ: سَمِعْتُ مُنَادِي رَسُولِ اللهِ ﷺ يُنَادِي: أَنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ فَخَرَجْتُ فَصَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ الصَّلَاةَ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَضْحَكُ، قَالَ: «لِيَلْزَمْ كُلُّ إِنْسَانٍ مُصَلَّاهُ»، ثُمَّ قَالَ: «هَلْ تَدْرُونَ لِمَ جَمَعْتُكُمْ؟» قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «إِنِّي مَا جَمَعْتُكُمْ لِرَهْبَةٍ وَلَا رَغْبَةٍ،

۴۳۲۶- حضرت فاطمہ بنت قیس ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کرنے والے کو منادی کرتے ہوئے سنا کہ نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔ تو میں بھی چلی آئی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو منبر پر تشریف لائے اور آپ ہنس رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''ہر شخص اپنی جگہ پر بیٹھا رہے۔'' پھر فرمایا: ''کیا جانتے ہو میں نے تمھیں کیوں جمع کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے تمھیں ڈرانے یا خوشخبری سنانے کے لیے جمع نہیں کیا ہے۔ میں نے تمھیں اس لیے جمع کیا ہے کہ تمیم داری عیسائی تھا' میرے ہاں آیا' بیعت کی اور اسلام قبول کیا اور اس نے مجھے ایک بات بیان کی ہے جو میری بات کی

وَلَكِنْ جَمَعْتُكُمْ أَنَّ تَمِيمًا الدَّارِيَّ كَانَ رَجُلًا نَصْرَانِيًّا فَجَاءَ فَبَايَعَ وَأَسْلَمَ وَحَدَّثَنِي حَدِيثًا وَافَقَ الَّذِي حَدَّثْتُكُمْ عَنِ الدَّجَّالِ، حَدَّثَنِي أَنَّهُ رَكِبَ فِي سَفِينَةٍ بَحْرِيَّةٍ مَعَ ثَلَاثِينَ رَجُلًا مِنْ لَخْمٍ وَجُذَامٍ، فَلَعِبَ بِهِمُ الْمَوْجُ شَهْرًا فِي الْبَحْرِ وَأَرْفَئُوا إِلَى جَزِيرَةٍ حِينَ مَغْرِبِ الشَّمْسِ، فَجَلَسُوا فِي أَقْرُبِ السَّفِينَةِ، فَدَخَلُوا الْجَزِيرَةَ، فَلَقِيَتْهُمْ دَابَّةٌ أَهْلَبُ كَثِيرَةُ الشَّعْرِ. قَالُوا: وَيْلَكِ مَا أَنْتِ؟ قَالَتْ: أَنَا الْجَسَّاسَةُ، انْطَلِقُوا إِلَى هَذَا الرَّجُلِ فِي هَذَا الدَّيْرِ فَإِنَّهُ إِلَى خَبَرِكُمْ بِالْأَشْوَاقِ. قَالَ: لَمَّا سَمَّتْ لَنَا رَجُلًا فَرِقْنَا مِنْهَا أَنْ تَكُونَ شَيْطَانَةً، فَانْطَلَقْنَا سِرَاعًا حَتَّى دَخَلْنَا الدَّيْرَ فَإِذَا فِيهِ أَعْظَمُ إِنْسَانٍ رَأَيْنَاهُ قَطُّ خَلْقًا وَأَشَدُّهُ وِثَاقًا مَجْمُوعَةٌ يَدَاهُ إِلَى عُنُقِهِ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَسَأَلَهُمْ عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ وَعَنْ عَيْنِ زُغَرَ وَعَنِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ. قَالَ: إِنِّي أَنَا الْمَسِيحُ [الدَّجَّالُ] وَإِنَّهُ يُوشِكُ أَنْ يُؤْذَنَ لِي فِي الْخُرُوجِ». قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَإِنَّهُ فِي بَحْرِ الشَّامِ، أَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ، لَا، بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ»، مَرَّتَيْنِ، وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ قِبَلَ الْمَشْرِقِ. قَالَتْ: حَفِظْتُ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَسَاقَ الْحَدِيثَ.

تائید میں ہے جو میں نے تمہیں دجال کے متعلق کہی ہے۔اس نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ایک جہاز میں سوار ہوا' اس کے ساتھ قبیلہ لخم اور جذام کے تیس آدمی تھے۔ جہاز کو طوفانی موجوں نے آ لیا جو انہیں ایک مہینہ تک پریشان کیے رہیں......اور وہ سورج غروب ہونے کے وقت ایک جزیرے کے پاس پہنچے اور ایک چھوٹی کشتی میں سوار ہو کر جزیرے میں جا اترے۔ تو انہیں ایک جانور ملا جس کی دم بھاری اور جسم پر بہت بال تھے۔ انہوں نے کہا: کم بخت! تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں جساسہ ہوں۔ اس گرجے میں ایک آدمی ہے اس کے پاس جاؤ' وہ تمہاری خبروں کا بہت مشتاق ہے۔ جب اس نے ہمارے سامنے آدمی کا نام لیا تو ہم اس سے ڈر گئے کہ یہ کہیں شیطان نہ ہو۔ ہم جلدی سے چلے اور اس گرجے میں داخل ہوئے تو ایک بہت بڑا انسان دیکھا' اس قدر بڑا انسان ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا جسے بڑی سختی سے باندھا گیا تھا اور اس کے ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے......" اور حدیث بیان کی...... اس نے ان سے (شام کے) نخلستان بیسان' چشمہ زغر اور نبی اُمی ﷺ کے متعلق پوچھا...... اور کہا کہ میں ہی مسیح (دجال) ہوں۔ عنقریب مجھے نکلنے کی اجازت مل جائے گی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "دجال شام یا یمن کے سمندر میں ہے' نہیں بلکہ مشرق کی طرف میں ہے۔" دو بار فرمایا...... آپ نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا۔ سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے یاد کی ہے...... اور بقیہ حدیث بیان کی۔

٤٣٢٧- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بنُ صُدْرَانَ: حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بنُ أَبِي خَالِدٍ عن مُجَالِدِ بنِ سَعِيدٍ، عن عَامِرٍ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ؛ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ وكَانَ لا يَصْعَدُ عَلَيْهِ إِلَّا يَوْمَ جُمُعَةٍ قَبْلَ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ ذَكَرَ هٰذِهِ الْقِصَّةَ.

۴۳۲۷- حضرت فاطمہ بنت قیس ؓ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف لائے اور آپ جمعہ کے علاوہ منبر پر نہ آتے تھے۔ مگر اس دن منبر پر آئے۔ پھر یہ قصہ بیان کیا۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: ابنُ صُدْرَانَ بَصْرِيٌّ غَرِقَ فِي الْبَحْرِ مَعَ ابنِ مِسْوَرٍ لَمْ يَسْلَمْ مِنْهُمْ غَيْرُهُ.

امام ابوداود ؒ کہتے ہیں: ابن صدران بصری ہیں جو ابن مسور کے ساتھ سمندر میں ڈوب گئے تھے اور اس کے علاوہ اور کوئی محفوظ نہیں رہا تھا۔

٤٣٢٨- حَدَّثَنَا وَاصِلُ بنُ عَبْدِ الأَعْلَى: حَدَّثَنَا ابنُ فُضَيْلٍ عن الْوَلِيدِ بنِ عَبْدِ الله بنِ جُمَيْعٍ، عن أَبِي سَلَمَةَ بنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عن جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ: «إِنَّهُ بَيْنَمَا أُنَاسٌ يَسِيرُونَ فِي الْبَحْرِ فَنَفِدَ طَعَامُهُمْ فَرُفِعَتْ لَهُمْ جَزِيرَةٌ، فَخَرَجُوا يُرِيدُونَ الْخُبْزَ فَلَقِيَتْهُمُ الْجَسَّاسَةُ» - فَقُلْتُ لأَبِي سَلَمَةَ: وَمَا الْجَسَّاسَةُ؟ قَالَ: امْرَأَةٌ تَجُرُّ شَعْرَ جِلْدِهَا وَرَأْسِهَا - قَالَتْ: فِي هٰذَا الْقَصْرِ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ. وَسَأَلَ عن نَخْلِ بَيْسَانَ وَعن عَيْنِ زُغَرَ. قَالَ: هُوَ الْمَسِيحُ فَقَالَ لِي ابنُ أَبِي سَلَمَةَ: إِنَّ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ شَيْئًا مَا حَفِظْتُهُ. قَالَ: شَهِدَ جَابِرٌ أَنَّهُ هُوَ

۴۳۲۸- حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ”کچھ لوگ سمندر میں جا رہے تھے کہ ان کا کھانا ختم ہو گیا' تو انہیں ایک جزیرہ دکھائی دیا۔ وہ روٹی کی تلاش میں اسی میں چلے گئے تو جساسہ سے ان کی ملاقات ہو گئی۔“ ولید بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلمہ سے پوچھا: جساسہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا: ایک عورت ہے جو اپنے جسم اور سر کے بال کھینچ رہی تھی۔ اس نے کہا...... اس محل میں...... اور حدیث بیان کی۔ اور (محل والے آدمی نے) ان سے بیسان کے نخلستان اور زغر کے چشمے کے متعلق معلوم کیا۔ کہا: وہی مسیح (دجال) ہے۔ ابن ابوسلمہ نے مجھ سے کہا کہ اس حدیث میں ایک بات ہے جو مجھے یاد نہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت جابر ؓ نے گواہی دی کہ یہی ابن صائد ہے۔ میں نے کہا: وہ تو مر چکا ہے۔ کہا اگرچہ مر گیا ہے۔

ابْنُ صَائِدٍ. قُلْتُ: فَإِنَّهُ قَدْ مَاتَ. قَالَ: وَإِنْ مَاتَ! قُلْتُ: فَإِنَّهُ قَدْ أَسْلَمَ. قَالَ: وَإِنْ أَسْلَمَ! قُلْتُ: فَإِنَّهُ قَدْ دَخَلَ الْمَدِينَةَ، قَالَ: وَإِنْ دَخَلَ الْمَدِينَةَ.

میں نے کہا: اس نے اسلام قبول کیا تھا۔ کہا اگر چہ اسلام قبول کیا تھا۔ میں نے کہا: وہ تو مدینے میں بھی داخل ہوا تھا۔ کہا اگر چہ مدینے میں بھی داخل ہوا تھا۔

سنن ابن ماجہ کی روایات

٤٠٧٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ذَاتَ يَوْمٍ. وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ. وَكَانَ لَا يَصْعَدُ عَلَيْهِ، قَبْلَ ذٰلِكَ، إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ. فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ. فَمِنْ بَيْنِ قَائِمٍ وَجَالِسٍ. فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ بِيَدِهِ أَنِ اقْعُدُوا: «فَإِنِّي، وَاللهِ مَا قُمْتُ مَقَامِي هٰذَا لِأَمْرٍ يَنْفَعُكُمْ، لِرَغْبَةٍ وَلَا لِرَهْبَةٍ. وَلٰكِنْ تَمِيمًا الدَّارِيَّ أَتَانِي فَأَخْبَرَنِي خَبَرًا مَنَعَنِي الْقَيْلُولَةَ، مِنَ الْفَرَحِ وَقُرَّةِ الْعَيْنِ. فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَنْشُرَ عَلَيْكُمْ فَرَحَ نَبِيِّكُمْ. أَلَا إِنَّ ابْنَ عَمٍّ لِتَمِيمٍ الدَّارِيِّ أَخْبَرَنِي أَنَّ الرِّيحَ أَلْجَأَتْهُمْ إِلَى جَزِيرَةٍ لَا يَعْرِفُونَهَا. فَقَعَدُوا فِي قَوَارِبِ السَّفِينَةِ. فَخَرَجُوا فِيهَا. فَإِذَا

۴۰۷۴ - حضرت فاطمہ بنت قیس ؓ سے روایت ہے' انھوں نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ نماز ادا کرنے کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے' حالانکہ اس سے پہلے آپ ﷺ صرف جمعہ کے دن (خطبہ جمعہ کے لیے) منبر پر تشریف رکھتے تھے۔ لوگوں کو اس سے پریشانی ہوئی۔ کوئی کھڑا تھا' کوئی بیٹھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ (پھر فرمایا:) ''اللہ کی قسم! اس جگہ میں کوئی ایسی ترغیب وترہیب والی بات بتانے کھڑا نہیں ہوا جس سے تمھیں فائدہ ہو۔ لیکن میرے پاس تمیم داری آئے اور مجھے ایک خبر دی جس سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ مجھے دوپہر کو خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک کی وجہ سے نیند نہیں آئی' اس لیے میں نے چاہا کہ تمھارے نبی کی خوشی سے تم سب کو آگاہ کر دوں۔ مجھے تمیم داری کے ایک چچا زاد نے بتایا کہ (سمندری سفر کے دوران میں) بادِ مخالف انھیں ایک غیر معروف جزیرے تک لے گئی۔ وہ جہاز کی کشتیوں میں

هُمْ بِشَيْءٍ أَهْدَبَ، أَسْوَدَ. قَالُوا لَهُ: مَا أَنْتَ؟ قَالَ: أَنَا الْجَسَّاسَةُ. قَالُوا: أَخْبِرِنَا. قَالَتْ: مَا أَنَا بِمُخْبِرَتِكُمْ شَيْئًا. وَلَا سَائِلَتِكُمْ. وَلٰكِنْ هٰذَا الدَّيْرُ، قَدْ رَمَقْتُمُوهُ. فَأْتُوهُ. فَإِنَّ فِيهِ رَجُلًا بِالْأَشْوَاقِ إِلَى أَنْ تُخْبِرُوهُ وَيُخْبِرَكُمْ. فَأَتَوْهُ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ. فَإِذَا هُمْ بِشَيْخٍ مُوثَقٍ، شَدِيدِ الْوَثَاقِ. يُظْهِرُ الْحُزْنَ. شَدِيدِ التَّشَكِّي. فَقَالَ لَهُمْ: مِنْ أَيْنَ؟ قَالُوا: مِنَ الشَّامِ. قَالَ: مَا فَعَلَتِ الْعَرَبُ؟ قَالُوا: نَحْنُ قَوْمٌ مِنَ الْعَرَبِ. عَمَّ تَسْأَلُ؟ قَالَ: مَا فَعَلَ هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي خَرَجَ فِيكُمْ؟ قَالُوا: خَيْرًا. نَاوَى قَوْمًا. فَأَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. فَأَمْرُهُمُ الْيَوْمَ جَمِيعٌ: إِلٰهُهُمْ وَاحِدٌ، وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ. قَالَ: مَا فَعَلَتْ عَيْنُ زُغَرَ؟ قَالُوا:

بیٹھ کر جزیرے میں پہنچے۔ انھیں بڑی بڑی پلکوں والی ایک سیاہ فام چیز ملی۔ انھوں نے اسے کہا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں جساسہ ہوں۔ انھوں نے کہا: ہمیں (وضاحت سے) بتا۔ اس نے کہا: میں نہ تمھیں کچھ بتاؤں گی' نہ تم سے کچھ پوچھوں گی۔ لیکن یہ مندر جو تمھیں نظر آ رہا ہے' اس میں جاؤ۔ وہاں ایک آدمی ہے جس کی شدید خواہش ہے کہ تم اسے کچھ بتاؤ اور وہ تمھیں کچھ بتائے۔ وہ اس مندر میں گئے اور اس شخص کے پاس جا پہنچے' دیکھا تو ایک بڑی عمر کا آدمی ہے جو خوب جکڑا ہوا ہے۔ اس سے بہت رنج و غم ظاہر ہو رہا ہے' بہت ہائے وائے کر رہا ہے۔ اس نے ان سے کہا: کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے کہا: شام سے۔ اس نے کہا: عربوں کا کیا حال ہے؟ وہ بولے: ہم عرب کے لوگ ہیں' تو کس چیز کے بارے میں پوچھتا ہے؟ اس نے کہا: تمھارے اندر جو آدمی (نبی ﷺ) ظاہر ہوا ہے اس کا کیا حال ہے؟ وہ بولے: اچھا حال ہے۔ اس (نبی ﷺ)

خَيْرًا. يَسْقُونَ مِنْهَا زُرُوعَهُمْ. وَيَسْتَقُونَ مِنْهَا لِسَقْيِهِمْ. قَالَ: فَمَا فَعَلَ نَخْلُ بَيْنَ عَمَّانَ وَبَيْسَانَ؟ قَالُوا: يُطْعِمُ ثَمَرَهُ كُلَّ عَامٍ. قَالَ: فَمَا فَعَلَتْ بُحَيْرَةُ الطَّبَرِيَّةِ؟ قَالُوا: تَدَفَّقُ جَنَبَاتُهَا مِنْ كَثْرَةِ الْمَاءِ. قَالَ: فَزَفَرَ ثَلَاثَ زَفَرَاتٍ، ثُمَّ قَالَ: لَوِ انْفَلَتُّ مِنْ وَثَاقِي هٰذَا، لَمْ أَدَعْ أَرْضًا إِلَّا وَطِئْتُهَا بِرِجْلَيَّ هَاتَيْنِ. إِلَّا طَيْبَةَ. لَيْسَ لِي

نے قوم کا مقابلہ کیا تو اللہ نے اسے قوم پر غلبہ عطا فرما دیا۔ اب وہ سب (اہل عرب) متحد ہیں۔ ان کا معبود بھی ایک ہے اور دین بھی ایک ہے۔ اس نے کہا: زُغَر کے چشمے کا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا: اچھا ہے۔ لوگ اس سے کھیتی کو پانی دیتے اور خود پینے کے لیے پانی بھرتے ہیں۔ اس نے کہا: بیسان اور عمان کے درمیان کے کھجوروں کے درختوں کا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا: ہر سال پھل دیتے ہیں۔ اس نے کہا: بحیرہ طبریہ کا کیا

عَلَيْهَا سَبِيلٌ». قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِلَى هٰذَا يَنْتَهِي فَرَحِي. هٰذِهِ طَيْبَةُ. وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا فِيهَا طَرِيقٌ ضَيِّقٌ وَلَا وَاسِعٌ، وَلَا سَهْلٌ وَلَا جَبَلٌ، إِلَّا وَعَلَيْهِ مَلَكٌ شَاهِرٌ سَيْفَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ».

حال ہے؟ انھوں نے کہا: اس کا پانی اتنا زیادہ ہے کہ کناروں سے اچھلتا ہے۔ اس نے تین بار ٹھنڈی سانس لی، پھر بولا: اگر میں اس قید سے چھوٹ گیا تو زمین کا کوئی علاقہ نہیں رہے گا جس پر میرے یہ قدم نہ لگیں، سوائے طیبہ کے۔ اس پر میرا بس نہیں چلے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ سن کر میری خوشی کی انتہا ہوگئی (بے حد خوشی ہوئی۔) یہ (مدینہ منورہ ہی) طیبہ ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس کے ہر تنگ اور کھلے راستے پر، ہر میدان اور پہاڑ پر قیامت تک کے لیے فرشتے تلواریں سونتے کھڑے ہیں۔''

مسند احمد بن حنبل کی روایات

(٢٧٨٧٤) حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ أَخْبَرَنَا دَاوُدُ عَنْ عَامِرٍ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ مُسْرِعًا فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَنُودِيَ فِي النَّاسِ الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ وَاجْتَمَعَ النَّاسُ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي لَمْ أَدْعُكُمْ لِرَغْبَةٍ نَزَلَتْ وَلَا لِرَهْبَةٍ وَلَكِنَّ تَمِيمًا الدَّارِيَّ أَخْبَرَنِي أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ فِلَسْطِينَ رَكِبُوا الْبَحْرَ فَقَذَفَتْهُمُ الرِّيحُ إِلَى جَزِيرَةٍ مِنْ جَزَائِرِ الْبَحْرِ فَإِذَا هُمْ بِدَابَّةٍ أَشْعَرَ لَا يُدْرَى أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى مِنْ كَثْرَةِ شَعْرِهِ فَقَالُوا مَنْ أَنْتَ فَقَالَتْ أَنَا الْجَسَّاسَةُ قَالُوا فَأَخْبِرِينَا قَالَتْ مَا أَنَا بِمُخْبِرَتِكُمْ وَلَا بِمُسْتَخْبِرَتِكُمْ وَلَكِنْ فِي هَذَا الدَّيْرِ رَجُلٌ فَقِيرٌ إِلَى أَنْ يُخْبِرَكُمْ وَيَسْتَخْبِرَكُمْ فَدَخَلُوا الدَّيْرَ فَإِذَا رَجُلٌ ضَرِيرٌ مُصَفَّدٌ فِي الْحَدِيدِ فَقَالَ مَنْ أَنْتُمْ قُلْنَا نَحْنُ الْعَرَبُ قَالَ هَلْ بُعِثَ فِيكُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَهَلْ اتَّبَعَهُ الْعَرَبُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ ذَاكَ خَيْرٌ لَهُمْ قَالَ مَا فَعَلَتْ فَارِسُ هَلْ ظَهَرَ عَلَيْهَا قَالُوا لَمْ يَظْهَرْ عَلَيْهَا بَعْدُ قَالَ أَمَا إِنَّهُ سَيَظْهَرُ عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَ مَا فَعَلَتْ عَيْنُ زُغَرَ قَالُوا هِيَ تَدَفَّقُ مَلْأَى قَالَ فَمَا فَعَلَتْ بُحَيْرَةُ طَبَرِيَّةَ قَالُوا هِيَ تَدَفَّقُ مَلْأَى قَالَ فَمَا فَعَلَتْ نَخْلُ بَيْسَانَ هَلْ أَطْعَمَ بَعْدُ قَالُوا قَدْ أَطْعَمَ أَوَائِلُهُ قَالَ فَوَثَبَ وَثْبَةً ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيَفْلِتُ فَقُلْنَا مَنْ أَنْتَ قَالَ أَنَا الدَّجَّالُ أَمَا إِنِّي سَأَطَأُ الْأَرْضَ كُلَّهَا غَيْرَ مَكَّةَ وَطَيْبَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْشِرُوا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ فَإِنَّ هَذِهِ طَيْبَةُ لَا يَدْخُلُهَا الدَّجَّالُ [راجع: ٢٧٦٤٠].

(٢٧٨٧٤) حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام باہر نکلے اور ظہر کی نماز پڑھائی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز پوری کرلی تو بیٹھے رہو، منبر پر تشریف فرما ہوئے لوگ حیران ہوئے تو فرمایا لوگو! اپنی نماز کی جگہ پر ہی میں نے تمہیں کسی بات کی ترغیب یا اللہ سے ڈرانے کے لیے جمع نہیں کیا۔ میں نے تمہیں صرف اس لیے جمع کیا ہے کہ تمیم داری میرے پاس آئے اور اسلام پر بیعت کی اور مسلمان ہو گئے اور مجھے ایک بات بتائی کہ وہ اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ ایک بحری کشتی میں سوار ہوئے، اچانک سمندر میں طوفان آ گیا، وہ سمندر میں ایک نامعلوم جزیرہ کی طرف پہنچے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو وہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ کے اندر داخل ہوئے تو انہیں وہاں ایک جانور ملا جو موٹے اور گھنے بالوں والا تھا، انہیں سمجھ نہ آئی کہ وہ مرد ہے یا عورت انہوں نے اسے سلام کیا، اس نے جواب دیا، انہوں نے کہا تو کون ہے؟ اس نے کہا: اے قوم! اس آدمی کی طرف گرجے میں چلو کیونکہ وہ تمہاری خبر کے بارے میں بہت شوق رکھتا ہے ہم نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے بتایا کہ میں جساسہ ہوں، چنانچہ وہ چلے یہاں تک کہ گرجے میں داخل ہو گئے، وہاں ایک انسان تھا جسے انتہائی سختی کے ساتھ باندھا گیا تھا، اس نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم عرب کے لوگ ہیں، اس نے پوچھا کہ اہل عرب کا کیا بنا؟ کیا ان کے نبی کا ظہور ہو گیا؟ انہوں نے کہا ہاں! اس نے پوچھا پھر اہل عرب نے کیا کیا؟ انہوں نے بتایا کہ اچھا کیا، ان پر ایمان لے آئے اور ان کی تصدیق کی، اس نے کہا کہ انہوں نے اچھا کیا پھر اس نے پوچھا کہ اہل فارس کا کیا بنا، کیا وہ ان پر غالب آ گئے؟ انہوں نے کہا کہ وہ ابھی تک تو اہل فارس پر غالب نہیں آئے، اس نے کہا یاد رکھو! عنقریب وہ ان پر غالب آ جائیں گے، اس نے کہا: مجھے زغر کے چشمہ کے بارے میں بتاؤ، ہم نے کہا یہ کثیر پانی والا ہے اور وہاں کے لوگ اس کے پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں، پھر اس نے کہا نخل بیسان کا کیا بنا؟ کیا اس نے پھل دینا شروع کیا؟ انہوں نے کہا کہ اس کا ابتدائی حصہ پھل دینے لگا ہے، اس پر وہ اتنا اچھلا کہ ہم سمجھے یہ ہم پر حملہ کر دے گا، ہم نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں مسیح (دجال) ہوں، عنقریب مجھے نکلنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ پس میں نکلوں گا تو زمین میں چکر لگاؤں گا اور چالیس راتوں میں ہر ہر بستی پر اتروں گا مکہ اور طیبہ کے علاوہ کیونکہ ان دونوں پر داخل ہونا میرے لیے حرام کر دیا گیا ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا مسلمانو! خوش ہو جاؤ کہ طیبہ بھی مدینہ ہے، اس میں دجال داخل نہ ہو سکے گا۔

(٢٧٨٩١) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُجَالِدٌ عَنْ عَامِرٍ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَأَتَيْتُ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ فَحَدَّثَتْنِي أَنَّ زَوْجَهَا طَلَّقَهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَقَالَ لِي أَخُوهُ اخْرُجِي مِنْ الدَّارِ فَقُلْتُ إِنَّ لِي نَفَقَةً وَسُكْنَى حَتَّى يَحِلَّ الْأَجَلُ قَالَ لَا قَالَتْ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّ فُلَانًا طَلَّقَنِي وَإِنَّ أَخَاهُ أَخْرَجَنِي وَمَنَعَنِي السُّكْنَى وَالنَّفَقَةَ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ مَا لَكَ وَلِابْنَةِ آلِ قَيْسٍ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَخِي طَلَّقَهَا ثَلَاثًا جَمِيعًا قَالَتْ فَقَالَ

لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْظُرِي أَيْ بِنْتَ آلِ قَيْسٍ إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنَى لِلْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا مَا كَانَتْ لَهُ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ عَلَيْهَا رَجْعَةٌ فَلَا نَفَقَةَ وَلَا سُكْنَى اخْرُجِي فَانْزِلِي عَلَى فُلَانَةَ ثُمَّ قَالَ إِنَّهُ يُتَحَدَّثُ إِلَيْهَا انْزِلِي عِنْدَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ فَإِنَّهُ أَعْمَى لَا يَرَاكِ ثُمَّ قَالَ لَا تَنْكِحِي حَتَّى أَكُونَ أَنَا أُنْكِحُكِ قَالَتْ فَخَطَبَنِي رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْتَأْمِرُهُ فَقَالَ أَلَا تَنْكِحِينَ مَنْ هُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ فَقُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَنْكِحْنِي مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَتْ فَأَنْكَحَنِي مِنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَخْرُجَ قَالَتْ اجْلِسْ حَتَّى أُحَدِّثَكَ حَدِيثًا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا مِنَ الْأَيَّامِ فَصَلَّى صَلَاةَ الْهَاجِرَةِ ثُمَّ قَعَدَ فَفَزِعَ النَّاسُ فَقَالَ اجْلِسُوا أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنِّي لَمْ أَقُمْ مَقَامِي هَذَا لِفَزَعٍ وَلَكِنَّ تَمِيمًا الدَّارِيَّ أَتَانِي فَأَخْبَرَنِي خَبَرًا مَنَعَنِي مِنَ الْقَيْلُولَةِ مِنَ الْفَرَحِ وَقُرَّةِ الْعَيْنِ فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَنْشُرَ عَلَيْكُمْ فَرَحَ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَنِي أَنَّ رَهْطًا مِنْ بَنِي عَمِّهِ رَكِبُوا الْبَحْرَ فَأَصَابَتْهُمْ رِيحٌ عَاصِفٌ فَأَلْجَأَتْهُمُ الرِّيحُ إِلَى جَزِيرَةٍ لَا يَعْرِفُونَهَا فَقَعَدُوا فِي قُوَيْرِبِ سَفِينَةٍ حَتَّى خَرَجُوا إِلَى الْجَزِيرَةِ فَإِذَا هُمْ بِشَيْءٍ أَهْلَبَ كَثِيرِ الشَّعْرِ لَا يَدْرُونَ أَرَجُلٌ هُوَ أَوْ امْرَأَةٌ فَسَلَّمُوا عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيْهِمُ السَّلَامَ فَقَالُوا أَلَا تُخْبِرُنَا فَقَالَ مَا أَنَا بِمُخْبِرِكُمْ وَلَا مُسْتَخْبِرِكُمْ وَلَكِنَّ هَذَا الدَّيْرَ قَدْ رَهِقْتُمُوهُ فَفِيهِ مَنْ هُوَ إِلَى خَبَرِكُمْ بِالْأَشْوَاقِ أَنْ يُخْبِرَكُمْ وَيَسْتَخْبِرَكُمْ قَالُوا قُلْنَا مَا أَنْتَ قَالَتْ أَنَا الْجَسَّاسَةُ فَانْطَلَقُوا حَتَّى أَتَوْا الدَّيْرَ فَإِذَا هُمْ بِرَجُلٍ مُوثَقٍ شَدِيدِ الْوَثَاقِ مُظْهِرٍ الْحُزْنَ كَثِيرِ التَّشَكِّي فَسَلَّمُوا عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيْهِمْ فَقَالَ مَنْ أَنْتُمْ قَالُوا مِنَ الْعَرَبِ قَالَ مَا فَعَلَتِ الْعَرَبُ أَخَرَجَ نَبِيُّهُمْ بَعْدُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَمَا فَعَلَتْ الْعَرَبُ قَالُوا خَيْرًا آمَنُوا بِهِ وَصَدَّقُوهُ قَالَ ذَلِكَ خَيْرٌ لَهُمْ وَكَانَ لَهُ عَدُوٌّ فَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَالَ فَالْعَرَبُ الْيَوْمَ إِلَهُهُمْ وَاحِدٌ وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ وَكَلِمَتُهُمْ وَاحِدَةٌ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَمَا فَعَلَتْ عَيْنُ زُغَرَ قَالُوا صَالِحَةٌ يَشْرَبُ مِنْهَا أَهْلُهَا لِشَفَتِهِمْ وَيَسْقُونَ مِنْهَا زَرْعَهُمْ قَالَ فَمَا فَعَلَ نَخْلٌ بَيْنَ عَمَّانَ وَبَيْسَانَ قَالُوا صَالِحٌ يُطْعِمُ جَنَاهُ كُلَّ عَامٍ قَالَ فَمَا فَعَلَتْ بُحَيْرَةُ الطَّبَرِيَّةِ قَالُوا مَلْأَى قَالَ فَزَفَرَ ثُمَّ زَفَرَ ثُمَّ زَفَرَ ثُمَّ حَلَفَ لَوْ خَرَجْتُ مِنْ مَكَانِي هَذَا مَا تَرَكْتُ أَرْضًا مِنْ أَرْضِ اللَّهِ إِلَّا وَطِئْتُهَا غَيْرَ طَيْبَةَ لَيْسَ لِي عَلَيْهَا سُلْطَانٌ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى هَذَا انْتَهَى فَرَحِي ثَلَاثَ مَرَّاتٍ إِنَّ طَيْبَةَ الْمَدِينَةُ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الدَّجَّالِ أَنْ يَدْخُلَهَا ثُمَّ حَلَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ مَا لَهَا طَرِيقٌ ضَيِّقٌ وَلَا وَاسِعٌ فِي سَهْلٍ وَلَا جَبَلٍ إِلَّا عَلَيْهِ مَلَكٌ شَاهِرٌ بِالسَّيْفِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا يَسْتَطِيعُ الدَّجَّالُ أَنْ يَدْخُلَهَا عَلَى أَهْلِهَا [راجع: ٢٧٦٤٠].

(۲۷۸۹۱) امام عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے یہاں گیا تو انہوں نے مجھے یہ حدیث سنائی کہ نبی علیہ السلام کے دور میں ان کے شوہر نے انہیں طلاق دے دی، اسی دوران نبی علیہ السلام نے اسے ایک دستے کے ساتھ روانہ فرما دیا، تو مجھ سے اس کے بھائی نے کہا کہ تم اس گھر سے نکل جاؤ، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا عدت ختم ہونے تک مجھے نفقہ اور رہائش ملے گی؟ اس نے کہا نہیں، میں نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوگئی اور عرض کیا کہ فلاں شخص نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اس کا بھائی مجھے گھر سے نکال رہا ہے اور نفقہ اور سکنی بھی نہیں دے رہا؟ نبی علیہ السلام نے پیغام

بھیج کر اسے بلایا اور فرمایا بنت آل قیس کے ساتھ تمہارا کیا جھگڑا ہے؟ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میرے بھائی نے اسے اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں، اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا اے بنت آل قیس! دیکھو، شوہر کے ذمے اس بیوی کا نفقہ اور سکنی واجب ہوتا ہے جس سے وہ رجوع کر سکتا ہو اور جب اس کے پاس رجوع کی گنجائش نہ ہو تو عورت کو نفقہ اور سکنی نہیں ملتا، اس لئے تم اس گھر سے فلاں عورت کے گھر منتقل ہو جاؤ، پھر فرمایا اس کے یہاں لوگ جمع ہو کر باتیں کرتے ہیں اس لئے تم ابن ام مکتوم کے یہاں چلی جاؤ، کیونکہ وہ نابینا ہیں اور تمہیں دیکھ نہیں سکیں گے، اور تم اپنا آئندہ نکاح خود سے نہ کرنا بلکہ میں خود تمہارا نکاح کروں گا، اسی دوران مجھے قریش کے ایک آدمی نے پیغام نکاح بھیجا، میں نبی علیہ السلام کے پاس مشورہ کرنے کے لئے حاضر ہوئی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کیا تم اس شخص سے نکاح نہیں کر لیتیں جو مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں، یا رسول اللہ! آپ جس سے چاہیں میرا نکاح کرا دیں، چنانچہ نبی علیہ السلام نے مجھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیا، امام شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب میں وہاں سے جانے لگا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ میں تمہیں نبی علیہ السلام کی ایک حدیث سناتی ہوں، ایک مرتبہ نبی علیہ السلام باہر نکلے اور ظہر کی نماز پڑھائی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز پوری کر لی تو بیٹھے رہو، منبر پر تشریف فرما ہوئے لوگ حیران ہوئے تو فرمایا لوگو! اپنی نماز کی جگہ پر ہی میں نے تمہیں کسی بات کی ترغیب یا اللہ سے ڈرانے کے لیے جمع نہیں کیا۔ میں نے تمہیں صرف اس لیے جمع کیا ہے کہ تمیم داری میرے پاس آئے اور اسلام پر بیعت کی اور مسلمان ہو گئے اور، مجھے ایک بات بتائی، جس نے خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک سے مجھے قیلولہ کرنے سے روک دیا، اس لئے میں نے چاہا کہ تمہارے پیغمبر کی خوشی تم تک پھیلا دوں، چنانچہ انہوں نے مجھے خبر دی کہ وہ اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ ایک بحری کشتی میں سوار ہوئے، اچانک سمندر میں طوفان آ گیا، وہ سمندر میں ایک نامعلوم جزیرہ کی طرف پہنچے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو وہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ کے اندر داخل ہوئے تو انہیں وہاں ایک جانور ملا جو موٹے اور گھنے بالوں والا تھا، انہیں سمجھ نہ آئی کہ وہ مرد ہے یا عورت انہوں نے اسے سلام کیا، اس نے جواب دیا، انہوں نے کہا تو کون ہے؟ اس نے کہا: اے قوم! اس آدمی کی طرف گرجے میں چلو کیونکہ وہ تمہاری خبر کے بارے میں بہت شوق رکھتا ہے ہم نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے بتایا کہ میں جساسہ ہوں، چنانچہ وہ چلے یہاں تک کہ گرجے میں داخل ہو گئے، وہاں ایک انسان تھا جسے انتہائی سختی کے ساتھ بندھا ہوا تھا وہ انتہائی غمگین اور بہت زیادہ شکایت کرنے والا تھا، انہوں نے اسے سلام کیا، اس نے جواب اور پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم عرب کے لوگ ہیں، اس نے پوچھا کہ اہل عرب کا کیا بنا؟ کیا ان کے نبی کا ظہور ہو گیا؟ انہوں نے کہا ہاں! اس نے پوچھا پھر اہل عرب نے کیا کیا؟ انہوں نے بتایا کہ اچھا کیا، ان پر ایمان لے آئے اور ان کی تصدیق کی، اس نے کہا کہ ان کے دشمن تھے لیکن اللہ نے انہیں ان پر غالب کر دیا، اس نے پوچھا کہ اب عرب کا ایک خدا، ایک دین اور ایک کلمہ ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! اس نے پوچھا زغر چشمے کا کیا بنا؟ انہوں نے کہا کہ صحیح ہے، لوگ اس کا پانی خود بھی پیتے ہیں اور اپنے کھیتوں کو بھی اس سے سیراب کرتے ہیں، اس نے پوچھا عمان اور بیسان کے درمیان باغ کا کیا بنا؟ انہوں نے کہا کہ صحیح ہے اور ہر سال پھل دیتا ہے، اس نے پوچھا بحیرۂ طبریہ کا کیا بنا؟ انہوں نے کہا کہ بھرا ہوا ہے، اس پر وہ تین مرتبہ چیخا اور قسم کھا کر کہنے لگا اگر میں اس جگہ سے نکل گیا تو اللہ کی زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں چھوڑوں گا جسے اپنے پاؤں تلے روند نہ دوں، سوائے طیبہ

کے کہ اس پر مجھے کوئی قدرت نہیں ہوگی، نبی علیہ السلام نے فرمایا یہاں پہنچ کر میری خوشی بڑھ گئی (تین مرتبہ فرمایا) مدینہ ہی طیبہ ہے اور اللہ نے میرے حرم میں داخل ہونا دجال پر حرام قرار دے رکھا ہے، پھر نبی علیہ السلام نے قسم کھا کر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، مدینہ منورہ کا کوئی تنگ یا کشادہ، وادی اور پہاڑ ایسا نہیں ہے جس پر قیامت تک کے لئے تلوار سونتا ہوا فرشتہ مقرر نہ ہو، دجال اس شہر میں داخل ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔

(٢٧٨٩٤) حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ مُسْرِعًا فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ وَنُودِيَ فِي النَّاسِ الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ فَاجْتَمَعَ النَّاسُ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي لَمْ أَدْعُكُمْ لِرَغْبَةٍ وَلَا لِرَهْبَةٍ وَلَكِنَّ تَمِيمًا الدَّارِيَّ أَخْبَرَنِي أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَهْلِ فِلَسْطِينَ رَكِبُوا الْبَحْرَ فَقَذَفَتْ بِهِمُ الرِّيحُ إِلَى جَزِيرَةٍ مِنْ جَزَائِرِ الْبَحْرِ فَإِذَا هُمْ بِدَابَّةٍ أَشْعَرَ لَا يُدْرَى ذَكَرٌ هُوَ أَمْ أُنْثَى لِكَثْرَةِ شَعْرِهِ فَقَالُوا مَنْ أَنْتَ فَقَالَتْ أَنَا الْجَسَّاسَةُ فَقَالُوا فَأَخْبِرِينَا فَقَالَتْ مَا أَنَا بِمُخْبِرَتِكُمْ وَلَا مُسْتَخْبِرَتِكُمْ وَلَكِنْ فِي هَذَا الدَّيْرِ رَجُلٌ فَقِيرٌ إِلَى أَنْ يُخْبِرَكُمْ وَإِلَى أَنْ يَسْتَخْبِرَكُمْ فَدَخَلُوا الدَّيْرَ فَإِذَا هُوَ رَجُلٌ أَعْوَرُ مُصَفَّدٌ فِي الْحَدِيدِ فَقَالَ مَنْ أَنْتُمْ قَالُوا نَحْنُ الْعَرَبُ فَقَالَ هَلْ بُعِثَ فِيكُمُ النَّبِيُّ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَهَلْ اتَّبَعَهُ الْعَرَبُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ ذَاكَ خَيْرٌ لَهُمْ قَالَ فَمَا فَعَلَتْ فَارِسُ هَلْ ظَهَرَ عَلَيْهَا قَالُوا لَا قَالَ أَمَا إِنَّهُ سَيَظْهَرُ عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَ مَا فَعَلَتْ عَيْنُ زُغَرَ قَالُوا هِيَ تَدْفُقُ مَلْأَى قَالَ فَمَا فَعَلَ نَخْلُ بَيْسَانَ هَلْ أَطْعَمَ قَالُوا نَعَمْ أَوَائِلُهُ قَالَ فَوَثَبَ وَثْبَةً حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيَفْلِتُ فَقُلْنَا مَنْ أَنْتَ فَقَالَ أَنَا الدَّجَّالُ أَمَا إِنِّي سَأَطَأُ الْأَرْضَ كُلَّهَا غَيْرَ مَكَّةَ وَطَيْبَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْشِرُوا مَعَاشِرَ الْمُسْلِمِينَ هَذِهِ طَيْبَةُ لَا يَدْخُلُهَا [راجع: ٢٧٦٤٠].

(٢٧٨٩٤) حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام باہر نکلے اور ظہر کی نماز پڑھائی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز پوری کر لی تو بیٹھے رہو، منبر پر تشریف فرما ہوئے لوگ حیران ہوئے تو فرمایا لوگو! اپنی نماز کی جگہ پر ہی میں نے تمہیں کسی بات کی ترغیب یا اللہ سے ڈرانے کے لیے جمع نہیں کیا۔ میں نے تمہیں صرف اس لیے جمع کیا ہے کہ تمیم داری میرے پاس آئے اور اسلام پر بیعت کی اور مسلمان ہو گئے اور مجھے ایک بات بتائی کہ وہ اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ ایک بحری کشتی میں سوار ہوئے، اچانک سمندر میں طوفان آ گیا، وہ سمندر میں ایک نامعلوم جزیرہ کی طرف پہنچے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو وہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ کے اندر داخل ہوئے تو انہیں وہاں ایک جانور ملا جو موٹے اور گھنے بالوں والا تھا، انہیں سمجھ نہ آئی کہ وہ مرد ہے یا عورت انہوں نے اسے سلام کیا، اس نے جواب دیا، انہوں نے کہا تو کون ہے؟ اس نے کہا: اے قوم! اس آدمی کی طرف گرجے میں چلو کیونکہ وہ تمہاری خبر کے بارے میں بہت شوق رکھتا ہے ہم نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے بتایا کہ میں جساسہ ہوں، چنانچہ وہ چلے یہاں تک کہ گرجے میں داخل ہو گئے، وہاں ایک انسان تھا جسے انتہائی سختی کے ساتھ باندھا گیا تھا، اس نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم عرب کے لوگ ہیں، اس نے پوچھا کہ اہل

عرب کا کیا بنا؟ کیا ان کے نبی کا ظہور ہو گیا؟ انہوں نے کہا ہاں! اس نے پوچھا پھر اہل عرب نے کیا کیا؟ انہوں نے بتایا کہ اچھا کیا، ان پر ایمان لے آئے اور ان کی تصدیق کی، اس نے کہا کہ انہوں نے اچھا کیا پھر اس نے پوچھا کہ اہل فارس کا کیا بنا، کیا وہ ان پر غالب آ گئے؟ انہوں نے کہا کہ وہ ابھی تک تو اہل فارس پر غالب نہیں آئے، اس نے کہا یاد رکھو! عنقریب وہ ان پر غالب آ جائیں گے، اس نے کہا: مجھے زغر کے چشمہ کے بارے میں بتاؤ، ہم نے کہا یہ کثیر پانی والا ہے اور وہاں کے لوگ اس کے پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں، پھر اس نے کہا نخل بیسان کا کیا بنا؟ کیا اس نے پھل دینا شروع کیا؟ انہوں نے کہا کہ اس کا ابتدائی حصہ پھل دینے لگا ہے، اس پر وہ اتنا اچھلا کہ ہم سمجھے یہ ہم پر حملہ کر دے گا، ہم نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں مسیح (دجال) ہوں، عنقریب مجھے نکلنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ پس میں نکلوں گا تو زمین میں چکر لگاؤں گا اور چالیس راتوں میں ہر ہر بستی پر اتروں گا مکہ اور طیبہ کے علاوہ کیونکہ ان دونوں پر داخل ہونا میرے لیے حرام کر دیا گیا ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا مسلمانو! خوش ہو جاؤ کہ طیبہ یہی مدینہ ہے، اس میں دجال داخل نہ ہو سکے گا۔

الکتاب
آیات بیّنات
جاء عیسیٰ بالبیّنات
حصہ دوم
فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا
احمد عیسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخاتم النبیّن